

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	سلطان الہند
ترتیب	:	سید محمد اشرف قادری
سنہ اشاعت	:	نومبر ۲۰۱۵ء
صفحات	:	599
تعداد	:	500
قیمت	:	

# سلطان الہند

ناشر

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ  
پوسٹ ADF نزد جمال پور، ریلوے کراسنگ  
انوپ شہروڈ، علی گڑھ، PIN: 202122  
abirtipublications@gmail.com  
0571-6500603

تقسیم کار

مکتبہ جام نور  
۴۲۲ رٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-6  
فون نمبر: 011-23281418

ترتیب

سید محمد اشرف مارہروی

ناشر

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ



# انتساب

۱- جد اعلیٰ سادات مارہرہ و بلگرام حضرت سید شاہ محمد صغریٰ (صاحب دعوتہ الصغریٰ)

۲- صاحب سبع سنابل حضرت سید شاہ میر عبدالواحد بلگرامی

۳- مقدم العارفین حضرت سید شاہ عبدالجلیل بلگرامی ثم مارہروی

۴- صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی قدس سرہم

۵- حضرت امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی زیدت معالیہ

## کے نام

### اس شعر کے ساتھ

ہے قلم رو میں ترے ہند کی پوری اقلیم

ہند کے سارے ولی تیری رعایا خواجہ

سید محمد اشرف



## فہرست مضامین

۱	انتساب	سید محمد اشرف	۳
۲	پیش لفظ	سید محمد اشرف	۸
۳	سیرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	سیدالعلماء سید آل مصطفیٰ مارہروی	۱۱
۴	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> - حیات و افکار، درگاہ شریف: ایک تاریخی تجزیہ	پروفیسر سید لیاقت حسین معینی	۴۳
۵	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی بیعت و خلافت	مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی	۶۵
۶	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی دعوت توحید	مفتی محمد آل مصطفیٰ مصباحی	۷۳
۷	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اور اتباع سنت	مولانا محمد عبدالملین نعمانی	۸۳
۸	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ذوق علم	مولانا محمد حنیف خان رضوی	۱۰۳
۹	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا فقہی مذہب	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۱۷
۱۰	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا طرز تربیت و اصلاح	مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	۱۳۳
۱۱	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی تعلیمات اور تبلیغ اسلام	سید مغیث احمد قادری چشتی	۱۶۹
۱۲	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی صوفیانہ شاعری	ساحل شہرامی [علیگ]	۱۹۷
۱۳	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی روحانی کرامات	مولانا نفیس احمد مصباحی	۲۳۱

۱۴	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ہندوستان میں چشتی فیضان	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	۲۹۵
۱۵	ہندو پاک کے اکابر مشائخ چشت	ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی	۳۰۳
۱۶	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے مشائخ سلسلہ	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیز	۳۶۷
۱۷	حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے ملفوظات گرامی	ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی	۳۷۷
۱۸	ملفوظات مشائخ چشت	مولانا صدرالوری مصباحی	۳۹۷
۱۹	انوار سورہ فاتحہ، ارشادات خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی روشنی میں	علامہ سید شاہد علی رضوی	۴۲۱
۲۰	ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی قدامت	پروفیسر غلام یحییٰ انجم	۴۳۵
۲۱	کیا حضرت خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی ملاقات حضرت غوث اعظم <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> سے ہوئی تھی؟	مفتی محمد شریف الحق امجدی	۴۴۷
۲۲	آستانہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی تاریخی عمارتیں	علامہ مشتاق احمد نظامی	۴۵۱
۲۳	عرس خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی اہمیت اور فائدے	خواجہ حسن نظامی ثانی	۴۶۷
۲۴	چند ممتاز چشتی اوراد	ڈاکٹر محمد افضال برکاتی	۴۳۷
۲۵	سبع سنابل شریف کے چشتی گوشے	ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی	۴۹۹
۲۶	خانوادہ برکاتیہ اور فیضان چشت	مولانا اسید الحق قادری	۵۲۹
۲۷	وحدت الوجود - مشائخ چشت کا منظور نگاہ نظریہ	علامہ محمد احمد مصباحی	۵۳۵
۲۸	بارگاہ خواجہ غریب نواز <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> میں امام احمد رضا کی حاضری	علامہ بیسین اختر مصباحی	۵۵۱
۲۹	خانوادہ برکاتیہ مارہرہ شریف - ایک تعارف	ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی	۵۷۵
۳۰	ترے پائے کا کوئی ہم نے نہ پایا خواجہ	سیدالعلماء سید آل مصطفیٰ مارہروی	۵۹۱

## پیش لفظ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

”اہل سنت کی آواز“ کے خصوصی شمارے متعدد عناوین کے تحت شائع ہو چکے ہیں۔ اہل ذوق حضرات کی جانب سے یہ خواہش ظاہر ہوئی کہ ان کو کتابی شکل دی جائے۔ الحمد للہ گزشتہ سال ”عشرہ مبشرہ“ اور ”تذکرہ اہل بیت اطہار“ کے عنوان سے دو کتابیں البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے شائع ہوئیں اور ان کاوشوں کو اسلامی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

اس سال خواجہ بزرگ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کا عزم کیا ہے۔ جو ہمارا فرض بھی ہے اور حق بھی۔

الحمد للہ ہمیں جتنی اپنی قادریت عزیز ہے اتنا ہی ناز اپنی چشتیت پر بھی ہے۔ سلسلہ چشتیہ سے خانوادہ برکات کو براہ راست فیض حاصل ہے۔ خانقاہ برکاتیہ پندرہ سلاسل تصوف کا حسین سنگم ہے جس میں تصوف کے چار بڑے دریا قادریت، چشتیت، سہروردیت اور نقش بندیت شامل ہیں۔ ہمارے جدِ اعلیٰ میر سید محمد صغریٰ قدس سرہ المعروف ”صاحب دعوت صغریٰ“ جو فاتح بلگرام تھے، ان کو سلسلہ چشتیہ میں حضرت سیدنا قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ سے خلافت و اجازت حاصل تھی۔ جد کریم سیدنا شاہ عبدالجلیل بلگرامی قدس سرہ تک اور ان کے بعد سیدنا میراویس بن شاہ عبدالجلیل قدس سرہما تک سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کا سلسلہ رائج رہا۔ آج بھی کوئی طالب اگر خواہش ظاہر کرتا ہے کہ بیعت سلسلہ چشتیہ میں ہو تو اس کی خواہش کے مطابق مشائخ مارہرہ سلسلہ چشتیہ میں بیعت کرتے ہیں۔

۵۹۲	داغ دہلوی	یا خواجہ معین الدین چشتی	۳۱
۵۹۳	بہادر شاہ ظفر	تم ہواے خواجہ معین سروران حق پرست	۳۲
۵۹۴	استاذ ذمّن علامہ حسن رضا خان	خواجہ ہندوہ دربار ہے اعلیٰ تیرا	۳۳
۵۹۵	سید آل رسول حسین میاں نظمی	خواجہ جی دل میں مرے کیا گل کھلایا آپ نے	۳۴
۵۹۶	سید محمد اشرف قادری	بحر ظلمات میں تم ایک جزیرا خواجہ	۳۵
۵۹۷	سید عابد علی عابد، بریلوی	دل میں ولایے خواجہ لب پر صدائے خواجہ	۳۶
۵۹۸	بیگل اتساہی	حسینی نور، مہ زرفشاں غریب نواز	۳۷
۵۹۹	اجمل سلطان پوری	میرے سرکار خواجہ اجیر	۳۸



تاریخ بتاتی ہے کہ چھٹی صدی ہجری کا زمانہ ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ تمام عالم اسلام میں نہایت پر شور اور طرح طرح کی آفتوں اور مصیبتوں کا زمانہ تھا۔ ہندوستان اور خراسان بہت زیادہ تباہی کی زد پر تھے۔ ہر طرف پامالی ہی پامالی تھی۔ تباہی اور بربادی اس عہد کا عام شیوہ تھا۔ ان گونا گوں عبرت ناک واقعات مصائب اور اس ذاتی غم نے خواجہ بزرگ کی ذہنی نشوونما پر گہرا اثر ڈالا ہوگا۔ چشم بصارت نے اتنا کچھ دیکھا تو چشم بصیرت آپ ہی آپ کھل گئی ہوگی، جس سے خواجہ بزرگ نے وہ سب بھی دیکھ لیا جس کے دیکھے بغیر ایک ولی، ولی کامل نہیں ہو سکتا۔

آج اسلام کی جو بہاریں ہیں وہ آپ کی ذات شریفہ کی مرہونِ منت ہیں۔ خواجہ بزرگ نے اپنے کردار و اطوار و اعمال سے مذہب اسلام کی وہ تصویر پیش کی جس میں اخوت و مساوات، تہذیب و اخلاق، عفو و درگزر، انکسار و صلہ رحمی، فہم و آگہی سب کچھ ہے اور جو احکام خداوندی اور سیرت رسول کریم ﷺ کے عین مطابق ہیں۔

آج نو سو سال کے بعد دنیا تقریباً اسی عالم میں نظر آ رہی ہے۔ ظلم اور زیادتی کا ہر طرف دور دورہ ہے۔ عالم اسلام عالم آشوب میں ہے۔ فلسطین سے لے کر عراق اور عراق سے لے کر افغانستان اور برصغیر ہر جگہ تباہی و بربادی اور قتل و خون کی داستان دہرائی جا رہی ہے۔ انسانیت زخمی ہے اور انسان کو بے عظمت کیا جا رہا ہے۔ عظمت انسانی کو بحال کرنے کے لئے خواجہ ہندوستان کی عظیم یادوں سے مدد لی جا رہی ہے۔

آج کے اس پر آشوب دور میں ہمیں چاہئے کہ ان محبوبانِ خدا کے طرز تبلیغ و تعلیم کو حرز جان بنالیں، بالخصوص خواجہ بزرگ کی تعلیمات اور ان کی سیرت طیبہ کی روشنی میں اسلام کی ترویج و اشاعت کا لائحہ عمل تیار کریں۔

اس کتاب میں ۲۸ مضامین شامل ہیں۔ جو کسی نہ کسی طور سے خواجہ بزرگ اور مشائخِ چشت کی حیات و خدمات اور احوال و افکار کا احاطہ کرتے ہیں۔ مضامین چونکہ ایک ہی شخصیت سے متعلق ہیں، اس لئے اکثر اصحابِ قلم نے سلسلہ کلام کو

جوڑنے کے لئے حیات مبارکہ کا اجمالی احاطہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ یہی سبب ہے کہ مضامین میں تکرار ہے۔ مگر یہ تکرار و تواتر و تکرار کی صورت رکھتی ہے، اس لئے اسے جوں کا توں برقرار رکھا گیا۔ مضامین کی معنوی گرانقدری اور بابِ قلم کی کاوش کی رہن منت ہے۔ میں اس علمی تعاون پر ان تمام حضرات کا ممنون ہوں۔

یہ کتاب اہل سنت کی آواز کے خصوصی شمارے ”غریب نواز“ سے تیار کی گئی ہے۔ اس شمارے کے نائب مدیر مولانا ساحل شہسرامی صاحب نے اس وقت ان تمام مقالات کو جمع کرنے میں بہت محنت کی تھی۔ میں اس کو کتابی شکل دینے کے موقع پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

البرکات کا شعبہ اسلامیات اب ماشاء اللہ ان تمام مثبت کاموں کی طرف راغب ہو چکا ہے۔ علمائے کرام کی ایک بڑی ٹیم تیار ہے۔ انشاء اللہ آنے والے وقت میں خانقاہ برکاتیہ اسلامی صحافت کو مزید تقویت دینے میں اپنا خصوصی کردار ادا کرے گی۔ میں شکر گزار ہوں اپنے تمام علمائے کرام بالخصوص مولانا نعمان احمد ازہری اور مولانا توحید احمد مصباحی صاحبان کا جنہوں نے محنت و مشقت کے ساتھ پروف ریڈنگ کے مراحل کو اپنی ذمہ داری میں لیا، مجلے کو کتابی شکل دینے میں اپنا گراں قدر تعاون دیا۔ فرزندانِ عزیز احمد میاں سلمہ اور امان میاں سلمہ ان تمام کاموں میں پیش قدمی کے ساتھ ساتھ ان کاموں کی نگرانی میں بھی مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو حوصلہ اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین

بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ برادر بزرگ امین ملت مدظلہ کی سرپرستی میں گلشن برکات کو آباد رکھے اور اس میں شریعت اور طریقت کے خوش رنگ پھول ایسے ہی کھلتے رہیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

آپ کا

سید محمد اشرف

## سیرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

سیدالعلماء علامہ حکیم سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں،

مارہروی قدس سرہ

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ  
من شرور انفسنا و من سیئات أعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ و من  
یضللہ فلا ہادی لہ و نشہد أن لا إله إلا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشہد أن  
سیدنا محمداً عبده ورسوله بالہدی و دین الحق أرسلہ و صلی اللہ تعالیٰ  
و سلم و بارک علیہ و علی آلہ و أصحابہ أجمعین۔

أما بعد: صدق اللہ العلی العظیم و بلغنا رسولہ و مولی النبی  
الکریم و نحن علی ذلك لمن الشاہدین۔ یا أيہا الذین آمنوا صلوا علیہ  
و سلموا تسلیماً۔ اللهم صل علی سیدنا محمد و علی آلہ و بارک و سلم۔

تیرے پائے کا کوئی ہم نے نہ پایا خواجہ  
میری کشتی ابھی ساحل سے لگی جاتی ہے  
ہے قلم رو میں ترے ہند کی پوری اقلیم  
لے چلیں گے جو فرشتے مجھے دوزخ کی طرف  
تو زمیں والوں پہ اللہ کا سایہ خواجہ  
اک ذرا تونے اگر ہاتھ لگایا خواجہ  
ہند کے سارے ولی تیری رعایا خواجہ  
میں پکاروں گا ذرا ٹھہرو وہ آیا خواجہ

جوش مستی میں کئی آئے ہیں ایسے لمحے میں بہک جاتا مگر تم نے بچایا خواجہ  
بیخودی میں میں خودی ہی کو خدا کہہ دیتا شکر ہے تم نے مگر یاد دلایا خواجہ  
مگر شیطان سے مریدوں کو بچا لیتے ہو اس لیے پیر تمہیں اپنا بنایا خواجہ  
بربط عشق پہ توحید کا نغمہ بولے صدقے جاؤں میں تیرے خوب سنایا خواجہ  
(درویش شریف)

ولایت پہ گفتگو کرتے ہوئے میں نے کل آپ کو یہ بتا دیا تھا کہ ولایت اور  
ولایتی دو مصدر ہیں ولی کے، ولایت کے معنی آتے ہیں قبضہ، تصرف، ملکیت اور مدد  
اور ولا کے معنی ہیں محبت، تو ولی اگر ولا سے لیا جاتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں محبت  
کرنے والا اور محبت کیا ہوا۔ یعنی محبت اور محبوب، ولی اللہ کے معنی ہوں گے محبوب اللہ،  
ولی اللہ کے معنی ہوئے محبت اللہ اور ولی جب ولایت سے لیا جاتا ہے تو ایک تو معنی  
ہوتے ہیں ناصر لدین اللہ اور منصور من اللہ، اللہ کے دین کی مدد کرنے والا اور اللہ کی  
طرف سے مدد کیا ہوا، تو اللہ تبارک و تعالیٰ عز شانہ وجل جلالہ نے اپنے اولیاء کرام  
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اپنی عطا اور بخشش سے ایسی قوتیں اور نصرتیں عطا فرمائی  
ہیں کہ ان قوتوں اور نصرتوں کے ذریعہ سے بحکم ربانی وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے کارخانہ  
قدرت اور اس جہان نوع میں وہ تصرف بھی کرتے ہیں اور اللہ کے حکم سے وہ اس کے  
بندوں کی مدد بھی فرمایا کرتے ہیں، ابن حکیم کی حدیث ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اور اس حدیث پاک کو ترمذی شریف نے کہا  
ہذا حدیث حسن صحیح، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ تو حدیث یہ ہے کہ:

”إذا ضل عنکم الدابة فی فلاة الأرض“ جب تم میں سے کسی کا کوئی  
چوپایہ صحرا یا جنگل میں گم ہو جائے تو: ”فقلوا یا عباد اللہ أعینونی“ (دومرتبہ) اس  
وقت تم پکارو اور یہ کہو اللہ کے بندوں میری مدد کرو اور اے اللہ کے بندوں میرے  
لیے اس چوپایہ کو روک کر رکھو، تو فرماتے ہیں محشی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مقرر

فرمادیا ہے اور وہ صرف یہی کام کرتے ہیں کہ گئی ہوئی چیزوں کو واپس ان کے مالکوں کے پاس پہنچا دیتے ہیں، تو یہاں سے اب یہ معلوم ہو گیا کہ اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اپنی حاجتوں اور اپنی مشکلوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا مظہر قدرت سمجھتے ہوئے اللہ کا بندہ سمجھتے ہوئے ان کو پکارنا اور ان کا وسیلہ لینا نہ کہ صرف جائز ہے بلکہ حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میری آنکھیں چلی گئیں ہیں، مجھے دونوں آنکھیں چاہیے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا: جنت میں نعمتیں چاہتے ہو یا دنیا میں آنکھیں چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا حضور! میں جنت بھی چاہتا ہوں اور دنیا میں اپنی دونوں آنکھیں بھی چاہتا ہوں۔ تو فرمایا اچھا تم جاؤ اور جانے کے بعد اچھی طرح سے وضو کرو اور وضو کر کے دو رکعت نفل نماز پڑھو اور دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ سے عرض کرو کہ الہ العالمین میں توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا، پھر اس کے بعد ہمارا نام لے کر پکارو، یا رسول اللہ ”إِنِّي أَتُوجِّهُ بِكَ“ میں آپ کے ذریعہ سے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہوں ”لنقضی بہ حاجتی“ تاکہ اللہ میری حاجت کو پورا فرمادے... اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی آنکھیں واپس کر دیں۔ اس حدیث نے بھی یہ بات ظاہر کی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوبوں کا وسیلہ لینا اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے محبوبوں کو پکارنا جائز ہے، اس حدیث میں ہے کہ کہنا ”یا محمد! إني أتوجه بك“ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم ہم آپ کے ذریعہ اور آپ کے وسیلے سے اللہ تبارک و تعالیٰ کو متوجہ کرتے ہیں۔ کہنے والا یہاں پر یہ کہہ دیا کرتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات شریف کا یہ واقعہ ہے اور اب حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضور ﷺ کو پکارنا یہ حرام و ناجائز ہے۔ تو میں آپ سے پھر سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت

عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں پھر ایک اندھا آیا اور اس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے خلیفہ سوم! میرے لیے دعا کیجئے کہ میری آنکھیں مجھے مل جائیں، آپ نے فرمایا دعا تو میں کروں گا لیکن جو آنکھیں تیری گئی ہوئی ہیں مجھے امید ہے کہ تیری آنکھیں شاید نہ ملیں گی، مایوس ہو کر وہ وہاں سے چلا تو راستے میں اسے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بوڑھے صحابی تھے، ملے جن کو آنکھیں مل چکی تھیں، تو انھوں نے پوچھا تم کہاں سے آرہے ہو؟ میں امیر المؤمنین کی خدمت سے آ رہا ہوں، اس لیے گیا تھا۔ یہ ہے جواب، فرمایا جاؤ روضہ اقدس پر حاضر ہو، دو رکعت نماز پڑھنا اور جو دعا ان کو تعلیم دی گئی تھی، وہی دعا انھوں نے ان کو تعلیم فرمائی اور اس کے بعد اس نے وہ دعا پڑھی اور بفضلہ تعالیٰ انھیں بھی آنکھیں ملیں۔ اب بعد وصال رسول اللہ صلی اللہ تبارک و تعالیٰ وسلم ہے۔ اسی لیے علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”الصواعق المحرقة“ میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ ”لا فرق بین حیاتہ و مماتہ“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضور والا کی اس زندگی، اور اس زندگی ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح سے حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس زندگی میں تشریف فرما تھے حیات حسی کے ساتھ، ایسے ہی حضور والا حیات حسی کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ جو لوگ ”نبی اللہ حسی“ کا ترجمہ کرتے ہیں کہ انبیاء کو برزخ کی زندگی ہے۔ برزخ کی زندگی تو ہر ایک کو حاصل ہے۔ کون ایسا مسلمان ہے، کون ایسا مردہ ہے، جس کو برزخ کی زندگی نہیں ملی ہے؟ برزخ ایک عالم ہے دنیا و عقبیٰ کے درمیان میں۔ قیامت آخرت ہے، دنیا، یہ دنیا ہے، ان دونوں کے بیچ میں عالم برزخ ہے۔ جب کوئی یہاں پر مر جاتا ہے تو اس کی مثال وہاں قائم رہتی ہے تو برزخ کی زندگی تو بہر حال سب کو ملی ہوئی ہے تو یہ کہنا کہ ”نبی اللہ حسی یرزق“ اللہ کے نبی زندہ ہیں اور انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ روزی دی جاتی ہے۔ معاذ اللہ یہ تو بیکار کلام ہو گیا، نہیں بلکہ علمائے اسلام کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تبارک و تعالیٰ

وآلہ وسلم اور جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جس زندگی کے ساتھ وہ امتوں کے سامنے تشریف فرما تھے، بات صرف اتنی ہوئی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے چونکہ یہ فرما دیا ہے کہ ”کل نفس ذائقۃ الموت“ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہی ہے۔ اس وعدہ کو سچا کرنے کے لیے ایک آن کے لیے ان پر موت طاری کی جاتی ہے، انبیائے کرام پر ایک آن کے لیے وفات آتی ہے اور اس آن کے بعد پھر وہ ویسے ہی زندہ کر دیے جاتے ہیں۔ تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ویسے ہی باحیات ہیں جیسے حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے باحیات تھے جیسے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے باحیات تھے، جیسے کہ حضرات امہات المؤمنین کے حجروں میں اپنی بیویوں کے سامنے زندہ تھے، ویسے ہی آج بھی زندہ ہیں اور ویسے ہی قیامت تک زندہ رہیں گے۔ اور حضور والا کی سماعت اللہ اکبر! ارشاد فرماتے ہیں علامہ محمد بن محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ نبی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ لوح کے اوپر قلم چلتا ہے تو قلم کے چلنے میں جو صرصر اہٹ ہوتی ہے جس کو عربی میں کہتے ہیں ”صریر القلم“ اس کو نبی زمین پر بیٹھ کر سنتا ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل زمین سے جاتے ہیں آسمان کو اور آسمان سے آتے ہیں زمین کو، ان کے آنے اور جانے سے آسمانوں کے دروازے جب کھلتے ہیں تو ان دروازوں کی چرچراہٹ میں مدینہ میں بیٹھ کر سنتا ہوں، حالانکہ سرور عالم صلی اللہ تبارک و تعالیٰ و بارک وسلم کے جسم پاک سے حضرت جبریل علیہ السلام کے رہنے کی جگہ چودہ ہزار برس کا راستہ ہے۔ ایک تیز گھوڑا اگر دوڑا دیا جائے اور وہ چوبیس گھنٹہ تک بغیر رکے ہوئے دن رات چلا کرے تو چودہ ہزار برس کے بعد وہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے گا، جہاں پر رہتے ہیں حضرت سیدنا جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لیکن حضرات علماء فرماتے ہیں کہ جبریل وہاں سے چلنے کا ارادہ کرتے ہیں نبی کی طرف اور نبی کو جبریل کی خوشبو آ جاتی ہے کہ اب جبریل چلے سدرہ سے ہمارے پاس، تو ظاہر بات ہے کہ جب قرآن مجید و فرقان

حمید نے ارشاد فرما دیا کہ ”ما اتاکم الرسول فخذوه وما نہا کم عنہ فانتهوا...“ جو نبی تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے نبی تمہیں روک دیں اس سے تم رک جاؤ۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے اور حدیث بھی معمولی نہیں، حدیث قدسی ہے۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے راوی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں مولا تبارک و تعالیٰ جل شانہ اپنے پیارے محبوب کو مخاطب فرمایا کہ آپ اعلان کر دیجئے ”ما من عبد یتقرب إلی بالنوافل“ بندہ نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے۔ کتنا قریب ہوتا ہے؟ ”حتی کنت أحببته“ یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ ”فیذا کنت أحببته فکنت سمعہ الذی یسمع بہ“ پھر جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، ”کنت بصرہ الذی یراہ بہ“ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے، یہاں تک کہ کمال بے نیازی مولیٰ نے ارشاد فرمایا: ”و کنت رجلہ الی یمشی بہا“ میں اس کے پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلا کرتا ہے۔ اس کو روایت کیا دونوں یعنی بخاری، مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے۔ تو صحاح ستہ میں صرف دو وہ کتابیں ہیں جو قرآن عظیم کے بعد مسلمانوں میں سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں۔ تب مجھے آپ بتائیے کہ جب بندہ اتنے قرب کی منزل میں پہنچ گیا کہ اس کا کان، آنکھ، ہاتھ، پیر اور زبان مولا تبارک و تعالیٰ کا جلوہ بن گیا تو پھر مجھے بتائیے کہ اس سے کونسی چیز سننے سے رہ جائے گی؟ کون سی چیز دیکھنے سے رہ جائے گی؟ کہاں اس کا ہاتھ پہنچ نہیں سکے گا؟ اور کہاں اس کی زبان کام نہیں کر سکے گی؟ اسی لیے عاشق رسول مولا نانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مثنوی شریف میں بڑے مزے میں عرض کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:



اولیاء را ہست قدرت از الہ  
تیر رفتہ باز گردانند ز راہ

فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام کو مولا تعالیٰ نے وہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ کمان میں سے تیر چھوڑ دیا جائے اور ہوا میں جا رہا ہو اور اللہ کا ولی یہ کہے کہ کمان میں واپس آ جا تو وہ کمان میں واپس آ جایا کرتا ہے۔

فرماتے ہیں:

گفتہ او گفته اللہ بود  
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام جو کہتے ہیں وہ اللہ کا کہا ہوا ہوتا ہے، اگرچہ تمہاری آنکھوں کے سامنے وہ ایک بندے کی حلق سے نکل رہا ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ قول ہوتا ہے مولا تبارک و تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کا۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ:

کار پا کاں بر قیاس خود مگیر  
گرچہ یکساں در نوشتن شیر و شیر

اللہ اکبر!

کتنا بڑا رد کرتے ہیں ان بیوقوفوں اور نادانوں کا جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب بندوں کو اپنا جیسا بشر سمجھ کر ان کا معاذ اللہ اپمان (بے عزتی) کرتے ہیں۔ اپنا جیسا معمولی انسان سمجھ کر ان کی عزت و عظمت کو گھٹاتے ہیں۔ تو مولائے روم ان کا رد فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ پا کوں کے معاملے کو اپنے اوپر مت قیاس کرو۔ اس کی مثال دیتے ہیں دیکھو! کاغذ پر لکھنے میں شیر اور شیر دونوں ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں۔ یعنی ش، ی، ر، مگر بڑا فرق ہے، ظاہر میں دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں، دونوں ایک ہی جیسے معلوم ہوتے ہیں، مگر ارشاد فرماتے ہیں:

آں یکے چیزے کہ مردم می خورد  
واں یکے شیرے کہ مردم را درد

کہتے ہیں کہ ظاہر میں دیکھنے میں شیر و شیر ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک شیر ہے، شیر کہتے ہیں فارسی میں دودھ کو جسے انسان کھاتا ہے اور ایک شیر ہے جو انسان کو کھاتا ہے تو تم یہ کہہ دو کہ دونوں چیزیں ظاہر میں ایک جیسی معلوم ہوتی ہیں۔ لہذا دونوں کا کام بھی ایک ہی ہے، دونوں کی حقیقت بھی ایک ہی ہے۔ یہ بڑی بھول ہے تمہاری، یہ انتہائی نادانی ہے تمہاری، اسی طرح سے اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ظاہری چولا، ظاہری بدن، آنکھ، ناک، کان بھلے وہ ایسا معلوم ہوں کہ وہ ہمارے جیسے ہیں مگر اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حقیقت ہم جیسے معمولی انسانوں سے کہیں بالاتر ہے۔ اسی لیے آپ ملاحظہ فرمائیے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اولیسا أمتی کأنبیاء بنی اسرائیل“ میرے اولیائے امت ایسے جیسے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء۔ اس امت میں ولی دیے ہی اس لیے گئے ہیں۔ اگلی امتوں میں اتنے ولی نہیں ہوتے تھے کیوں؟ اس لیے کہ وہاں پر نبوت کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک نبی گیا پھر اس کے بعد ضرورت محسوس ہوئی، زمانے میں تاریکی اندھیاری پھیلنے لگی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسرا نبی بھیج دیا۔ اس واسطے ان کی امتوں میں ولی نہیں ہوا کرتے تھے، بہت کم ولی ہوتے تھے۔ لیکن امت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ یہ ہے کہ نبوت تو ہو گئی ختم اور سلسلہ انسانیت جاری ہے قیامت تک تو اب حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہماری ظاہری آنکھوں سے پردہ فرما جانے کے بعد، گمراہ انسانوں کی ہدایت کے لیے کیا سامان ہونا چاہیے؟ یہ ہے History اور اسی کو سمجھ لیجئے۔ پہلے زمانہ میں تو یہ ہوتا تھا کہ ایک کے بعد دوسرا نبی آتا تھا۔ اب نبی تو آئے گا نہیں کیوں کہ حضور تو ہیں خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ قیامت تک ان کے بعد

اب دوسرا نبی ہرگز نہیں آسکتا۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہماری امت میں یہ انتظام کیا کہ انبیاء تو نہیں آئیں گے، مگر انبیاء کا کام انجام دینے کے لیے انبیاء کے فرماں بردار، مطیع، متقی بندے بنام اولیاء تشریف لایا کریں گے اور جو کام انبیاء کیا کرتے تھے وہ انھیں کی فرماں برداری میں، خلافت میں، ان کے اتباع میں، ان کی نیابت میں وہ اولیاء کرام کیا کریں گے، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ لہذا فرمایا: ”اولیاء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل“ میری امت کے اولیاء جیسے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء۔ چنانچہ اسی ماتحت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطان الہند غریب نواز معین الدین حسن سبزی جمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاء عننا کو ہندوستان کے اندر اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ حضرت خواجہ سلطان الہند غریب نواز عطاء رسول بھی ہیں اور ہندالوی بھی ہیں اور نائب نبی بھی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے۔ حضرت خواجہ اصفہان میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا نام ہے سبزی۔ س ج ز ”سبزی“ کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے عام طور سے سنا ہوگا کہ حضور خواجہ کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ لفظ ”سبزی“ لکھا ہوتا ہے۔ لفظ ”سبزی“ غلط ہے۔ سبزی کا نام نہیں ہے۔ سبزی تو آپ کے ہندوستان کے ایک مقام کا نام ہے۔ اس کا نام تو ”سبزی“ ہے س ج ز تو ہوا اصل میں یہ کہ س ج ز کی ”زا“ کا نقطہ لوگوں نے غلطی سے اوپر پڑھ کر ”س“ ”نون“ بنا دیا اور اس کے بعد جب ”ز“ پر سے نقطہ ہٹ گیا تو وہ ”ر“ ہو گیا اب بن گیا ”سبزی“ حضور والا کا ظمی سادات میں ہیں۔ امام کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاء عننا کی اولاد امجد میں سے ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی خلیفہ بہن ہیں۔ خالہ زاد بہن ہیں حضرت فاطمہ ثانی حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کی، دونوں یہ آپس میں بہنیں ہوتی ہیں۔ اسی لیے سرکار خواجہ اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ کا بچپن ہی کا زمانہ تھا۔ آپ ابھی قرآن مجید ہی حفظ کر پائے تھے کہ آپ کے والد ماجد کا

وصال ہو گیا۔ آپ نے شاید سنا ہوگا کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ بچپن ہی میں تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کی والدہ نے پرورش کیا تو حضرت خواجہ کو بھی ان کی والدہ نے پرورش کیا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے باغ، انگوروں کے باغ میں تھے، وہاں ایک پن چکی لگی تھی اور انگوروں کے باغ کی رکھوالی اور پن چکی میں آٹا پینا یہی ذریعہ معاش تھا، حضرت خواجہ کے والد ماجد خواجہ سید غیاث الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اور ان کے وصال کے بعد یہی ذریعہ معاش تھا، حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، باغ سے انگور بیچتے اور پن چکی میں شہر والوں کا آٹا پیستے، تو چونکہ تنہا تھے لہذا باغ کے اندر رکھوالی بھی کر رہے تھے اور آٹا پیس پیس کر لوگوں کو بانٹ بھی رہے تھے۔ یکا یک ایک مجذوب وارد ہوئے باغ میں، ابراہیم ان کا نام ہے، ایک مجذوب وارد ہوئے اور وہ باغ میں آئے تو دیکھا کہ ایک لڑکا تیرہ چودہ برس کا انگور کھا رہا ہے۔ فرمانے لگے کہ بیٹا! اللہ کا ایک فقیر تمہارے سامنے آیا ہے اور بھوکا ہے کچھ اسے کھلاؤ، حضرت خواجہ نے بڑے ہی چاؤ کے ساتھ انگوروں کا ایک بڑا ہی پکا ہوا خوشہ پیڑ میں سے توڑا اور لا کر اس مجذوب کے سامنے حاضر کر دیا۔ تو مجذوب نے اپنا دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا کہ بیٹا! ہمارے ان ہاتھوں میں کوڑھ ہے، ہماری ساری انگلیاں سڑ گئیں ہیں اور ان میں سے پیپ اور خون ٹپکتا ہے، لہذا یہ اب آپ اپنے ہاتھ سے یہ ہمیں کھلا دیجیے۔ خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ نے ایک ایک کر کے وہ انگور اس فقیر کو کھلا دیا۔ ابراہیم قندوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب وہ انگور کھا چکے تو انھوں نے ارشاد فرمایا دیکھو ہم جو صدری پہنے ہیں اس کی جیب میں ہاتھ ڈالو تو اس کی جیب میں تمہیں کچھ ملے گا۔ حضرت خواجہ نے ہاتھ ڈالا تو ملا وہاں سے کیا؟ کھلی کا ایک ٹکڑا۔ کھلی کا ایک ٹکڑا ملا۔ فرمایا کہ اسے میرے منہ میں رکھ دیجیے۔ منہ میں رکھ دیا انھوں نے اسے چبایا جب وہ کھلی کا ٹکڑا چب کر ملائم ہو گیا تو فرمایا بیٹے! اب تم اپنا منہ کھولو اور انھوں نے وہ چبایا ہوا کھلی کا ٹکڑا حضرت خواجہ کے منہ میں ڈال دیا۔ مجذوب تو اپنے راستے چلے

گئے، یہ کھلی کا ٹکڑا کھانا تھا کہ حضرت خواجہ کا عالم پلٹ گیا اور حضرت کے اوپر ایک وارفتگی اور مستی کا عالم طاری ہوا اور حضرت تشریف لے گئے اپنے گھر۔ ماں سے عرض کی اماں ہمارا وقت بہت ضائع ہو رہا ہے۔ یہاں پڑھنے، پڑھانے کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ اب ہم راہ خدا میں دین خدا کی خدمت کی تیاری کرنا چاہتے ہیں اور دین خدا کی خدمت بغیر علم حاصل کیے نہیں ہو سکتی۔ لہذا اب آپ ہمیں اجازت دے دیجئے کہ ہم یہاں سے پڑھنے کے لیے چلے جائیں۔ ماں نے آپ کو اجازت عطا فرمائی اور حضرت خواجہ اپنے گھر سے نکل چلے، چنانچہ آپ وہاں سے نکل کر تحصیل علم کے اندر تقریباً آپ نے پورا وسط ایشیا چھانا اور قندھار، عراق، بلخ، بخارا میں حدیث، قرآن، تفسیر، فقہ کی تحصیل کرتے ہوئے آپ بغداد مقدس ایسے وقت میں پہنچے جب آپ فارغ التحصیل ہو چکے تھے اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ وارضاه عناکا تیسرا سن کا زمانہ تھا۔ آدمی کے تین سن ہوتے ہیں بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ تو حضرت غوث اعظم اس وقت میں کبیر السن ہو چکے تھے، خبر ہوئی کہ سجز سے ہمارے خالہ زاد بھائی حسن سجزی آئے ہیں، چنانچہ آپ نے اپنے خدام کو بھیجا۔ کہا جاؤ اس نوجوان کو بڑے جاؤ ومان کے ساتھ لے آؤ اور ہمارے مدرسہ میں ہمارے خاص حجرے میں انھیں ٹھہرا دو چنانچہ حضرت خواجہ وہاں پر ٹھہرے اور تین دن تک حضور سرکار غوث اعظم نے آپ کی مہمانی کی۔ اور تیسرے دن تنہائی اور خلوت میں اپنے پیارے بھائی کو سینے سے لگایا اور آپ کو اسم اعظم تعلیم فرمایا، اس کے بعد میں ارشاد فرمایا کہ جاؤ، ہمیں امید ہے کہ بغداد پھر تم واپس آؤ گے لیکن اب جب واپس آؤ گے تو ہمیں تم زندہ نہیں پاؤ گے اس دنیا کے اندر، جاؤ میں نے سمجھ لیا ہے کہ تمہارا حصہ کہاں ملنے والا ہے۔ حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں سے واپس ہو کر حج کو گئے۔ یہ پہلا حج کیا حضور غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، حج کرنے کے بعد جب وہاں سے واپس ہوئے گھومتے ہوئے اب پھر جب بغداد آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ہو چکا ہے۔

خواجہ غریب نواز کے دل و دماغ میں یہ بات آئی کہ اب ہم حج بھی کر کے آچکے ہیں ماشاء اللہ ہم نے تو دینی علم بھی حاصل کر لیا ہے۔ لہذا اب ہمیں راہ طریقت میں کسی سے بیعت ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے تلاش کرنے کے بعد بغداد کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ”ہرون“۔ ہرون میں جب آپ تھے تو وہاں پر نماز کے بعد آپ نے دیکھا کہ مرد بزرگ تشریف لارہے ہیں۔ اور جیسے ہی ان کی نگاہ پڑی حضرت خواجہ پر، ارشاد فرمایا حسن تم آگئے؟ حضرت خواجہ کو بڑا تعجب ہوا کہ میں نے تو کبھی ان کو دیکھا نہیں، میں تو آج پہلی مرتبہ ملاقات کر رہا ہوں۔ مگر یہ تو مجھے پہچانتے ہیں۔ تو میں نے سلام کرنے کے بعد پوچھا، کیا حضرت آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہندوستان کے بادشاہ کو کون نہ پہچانے گا؟ میں تو تمہارا انتظار کر رہا تھا اور تمہارے انتظار میں ہی اب تک میں جی رہا ہوں، چنانچہ یہ ہیں حضرت خواجہ آدم عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عناکا جو پیر و مرشد ہیں حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے۔ حضور نے کہا پھر مجھے بیعت کر لیجئے۔ فرمایا آج رات کو ہمارے حجرے میں رہو اور رات کو تم ایک ہزار مرتبہ سورہ قل ہو اللہ شریف کا ورد کرو، چنانچہ رات بھر حضرت خواجہ نے ایک ہزار بار سورہ قل ہو اللہ کا ورد تمام کیا اور صبح میں جب حاضر ہوئے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد مرشد برحق نے پوچھا کہ کہورات کیسی گزری؟ ورد پورا کیا؟ کہا جی ہاں الحمد للہ، کہا آؤ ہمارے قریب آؤ۔ خواجہ قریب گئے، خواجہ اعظم نے اپنا ہاتھ سیدھا ان کی پیشانی پر ایسے رکھا کہ گویا کہ جالی بنا دی آنکھوں کے سامنے اور کہا کہ دیکھو اب تمہیں کیا دکھائی دیتا ہے؟ کہنے لگے حضور زین کے اوپر کی ہر چیز میری آنکھ کے سامنے ہے، اب کوئی پہاڑ کوئی دیوار کوئی درخت میرے لیے پردہ نہیں ہے۔ میں مشرق، مغرب، دکھن، اتر، پورب سب ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا آج پھر تم رات رہنا اسی حجرہ میں اور آج سورہ بقرہ کا ورد کرنا اور صبح کو پھر آ جانا۔ صبح کو پھر جب حاضر ہوئے، حضرت نے پوچھا کہو ورد تمام کیا؟ کہا ہاں بالکل صاحب رات بھر پڑھتا رہا۔ پھر آنکھوں پہ ہاتھ

رکھ کر فرمایا اچھا بتاؤ معین الدین اب تمہیں کیا دیکھائی دیتا ہے؟ حضرت نے ان انگلیوں میں سے بیچ سے کہا واللہ! حضرت اب تو مجھے یہ دیکھائی دے رہا ہے کہ زمین کے نچلے تلے سے لے کر عرش معلیٰ تک سب آنکھوں کے سامنے ہے۔ فرمایا الحمد للہ اب تمہارا کام پورا ہو گیا۔ تمہارا دماغ روشن ہو گیا۔ یہ کہہ کر ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کیا، قینچی نکال کر خواجہ برحق کے اگلے بالوں میں سے تھوڑے سے بال کترے اور اس کے بعد فرمایا اب ہمارے پاس تم رہو گے، انشاء اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری تعلیم و تربیت ہم اپنے ساتھ کریں گے۔ مرید اور مرشد یہ دونوں بارہ برس تک سفر کرتے رہے، خانہ خدا میں پہنچے، تیسرا حج کیا اور حج کرنے کے بعد جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو خواجہ آدم حضرت عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ معین الدین آج ہمارا خیال یہ ہے کہ تم مسجد اقدس میں روضہ اقدس کے قریب اپنے اپنے ہاتھ پر اپنا رخسار رکھ کر اور قبلے کی طرف منہ کر کے سو جاؤ۔ کہتے ہیں حضرت خواجہ کہ میں سو گیا، رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے جد کریم حضور سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ بیٹا حسن! اٹھو ہم نے ہندوستان تم کو عطا فرمایا، ہندوستان کی روحانی تاجداری تمہیں دی جاتی ہے اور ہندوستانی گمراہوں کو جا کر راہ راست پر لانا، اب یہ کام تمہیں سپرد کیا جاتا ہے اور ہندوستان میں رہ، اب قیامت تک تمہاری روحانیت ہندوستان میں چلتی رہے گی۔ چنانچہ اس کے ساتھ ہی حضور نے فرمایا اس کی نشانی کے طور پر یہ انار ہم تمہیں دیتے ہیں اور یہ انار تم کھا لو، اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے دل کو اپنے نور سے منور فرما دے گا۔ چنانچہ حضرت خواجہ جب اٹھے تو دیکھا کہ وہ انار آپ کے ہاتھ میں موجود ہے اور اس انار کے متعلق حضرت خواجہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اسے چکھا اور کھایا تو حالانکہ عمر بھر میرا ملک ہی اناروں کا ملک تھا لیکن میں نے کبھی اس مزے اور اس لذت کا انار نہیں کھایا تھا۔ میں نے اپنے مرشد سے جب یہ واقعہ ذکر کیا تو انھوں نے کہا الحمد للہ معین

الدین اب تمہارا کام پورا ہو گیا ہے۔ لہذا اب ہم تمہیں رخصت کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے سر سے عمامہ شریف اتارا حضرت خواجہ کو عمامہ باندھا، اپنا خرقة اتارا حضرت خواجہ کو وہ خرقة پہنایا، اپنا عصا حضرت خواجہ کو دیا اور اس کے بعد کہا اب میں نے تمہیں خدا و رسول کے سپرد کر دیا ہے، جاؤ جو تمہارا کام ہے جو تمہارے گھر والوں کا کام ہے تم اہل بیت میں سے ہو، تم آل عبا میں سے ہو، تم آل محمد میں سے ہو، تمہارا کام یہ ہے کہ گمراہوں کو راہ ضلالت سے نکال کر راہ ہدایت دکھانا، اب ہندوستان تمہیں دیا گیا ہے، جاؤ ہندوستان تمہیں مبارک ہو۔ حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھ اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت فخر الدین گردیزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو پیر بھائی بھی ہیں اور پھوپھی زاد بھائی بھی ہیں، انھیں لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل چلے ہندوستان کے ارادے سے۔ سفر تو بڑا طویل ہے اسے میں کہاں تک بیان کروں گا؟ مگر ایک بات یاد آ رہی ہے کہ جب آپ وہاں سے نکل کر ایران کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے سبزوار، جب سبزوار میں اپنے مریدوں کے ساتھ پہنچے تو شہر کے کنارے ایک باغ میں یہ قافلہ درویشوں کا مقیم ہو گیا۔ باغ کے رکھوالے نے آ کر کہا کہ جناب آپ لوگ شاید اجنبی ہیں۔ باہر سے آرہے ہیں؟ کہا ہاں، کہا تو پھر یہاں پر اب شام ہو رہی ہے اب آپ لوگ یہاں سے ہٹ جائیے۔ ہمارے نواب صاحب تشریف لانے والے ہیں، نواب یادگار محمد صاحب اور وہ بڑے تیز مزاج ہیں مذہب کے شیعہ ہیں اور بڑی جلدی ان کو غصہ آ جاتا ہے وہ آپ کو گوارہ نہیں کریں گے، حضرت نے ارشاد فرمایا بھلے آدمی تیرا نواب آتا ہے آنے دو، ہم تو دراز زمین کے اوپر باہر سے تھکے مسافر آ رہے ہیں ہم نے تھوڑی دیر کے لیے یہاں آرام کیا ہے اور ہم شکار کر کے لائے ہیں، ابھی ہم نے اپنا گوشت چڑھایا ہے پکانے کے لیے، یہ پک جائے گا کھائیں گے، نماز پڑھیں گے تب یہاں سے رخصت ہوں گے۔ اب اتنے میں یادگار محمد کی سواری آ گئی، نواب یادگار محمد جو اس شہر کا نواب تھا اس نے پوچھا آج ہمارے باغ میں یہ پھٹے

پرانے پہنے ہوئے یہ پیوندگی گدڑیاں اوڑھے کون لوگ ہیں؟ نواب صاحب! کیا کیا جائے؟ بہت ان سے کہا لیکن وہ مانتے ہی نہیں، بڑے ضدی ہیں۔ نواب گھوڑا دوڑا کر سامنے آیا، کون ہو تم لوگ؟ کہا: اللہ کے بندے ہیں، جو تم ہو وہ میں ہوں۔ کہا، نہیں میں تو نواب ہوں، فرمایا ہم فقیر ہیں۔ تم نواب ہو اور ہم فقیر ہیں۔ اور اتنی زیادہ باتیں کیوں کرتا ہے؟ ذرا گھوڑے سے نیچے اتر کر آ۔ فقیروں کے ساتھ بیٹھ اور اس کے بعد دیکھ، ہم تمہیں دعوت کرتے ہیں۔ لے ہمارے ہاتھ کے بنے ہوئے کباب کھا۔ کچھ ایسا اس پر رعب چلا کہ وہ اپنے گھوڑے سے اتر آیا اور زین بچھا کر بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ نے اپنے ہاتھ کے تلے ہوئے کباب کھلائے بس صاحب! اس کا دل کباب کر دیا۔ ایک مرتبہ اس نے خواجہ کے چہرے پر نظر ڈالی اور نظر ڈالنے کے بعد کہا کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا تم شیعہ ہو، ہم سنی ہیں۔ شیعہ سنی میں بیعت نہیں ہو سکتی۔ کہا میں توبہ کر کے بیعت کروں گا۔ کہا اچھا تو پھر توبہ کرو۔ حضرت نے ان سے توبہ لی اور توبہ لینے کے بعد ان سے بیعت لی۔ یہ وہی شیخ یادگار محمد ہیں جو حضور کے خلیفہ بھی ہیں، مرید بھی ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کا مزار بھی اجمیر شریف میں ہے۔ بس ساری نوابی کے ٹھاٹھ باٹ چھوڑ کر شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو ساتھ ہو گئے۔ اس وقت جو مجاور کہلاتے ہیں روضہ پاک کے ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک شیخ زادگان کہلاتے ہیں اور ایک سید زادگان کہلاتے ہیں۔ جو شیخ زادگان کہلاتے ہیں، وہ انہیں شیخ یادگار محمد کی اولاد ہیں اور جو سید زادگان کہلاتے ہیں وہ حضرت سید فخر الدین گردیزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضور خواجہ کے پھوپھی زاد بھائی کی اولاد ہیں۔ اور یہی تقریباً آٹھ نو سو برس سے حضرت خواجہ کے روضہ پاک کی خدمت کرتے ہیں۔ تو صاحب اب حضور والا پھر آگے چلے۔ ایران کے ایک شہر میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مجوسیت کی ایک بہت بڑی اگیاری ہے، پارسیوں کی مجوسیوں کی بہت بڑی اگیاری ہے۔ حضرت کا وہاں پر خیمہ لگا اور فقیر سے کہا جاؤ اور وہاں سے تھوڑی آگ

مانگ لاؤ۔ گئے اس نے کہا یہ ہماری پوتر آگ ہے، یہ ہماری پاک آگ ہے۔ اس میں سے مسلمانوں کو نہیں دیا جاسکتا۔ انہوں نے جا کر عرض کیا کہ حضور وہ تو آگ کی پوجا کرتے ہیں آگ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فرمایا اچھا چلو ہم چلتے ہیں۔ خود تشریف لائے، ارشاد فرمایا اس سے آگ ہمیں نہیں دو گے؟ کہا نہیں صاحب! یہ آگ پوجا کی آگ ہے۔ پاک آگ ہے یہ مسلمان کو نہیں دی جاسکتی۔ فرمایا تو تم اس کو کب سے پوج رہے ہو؟ کہا صاحب! آپ کو کیا بتائیں یہ تو ایک ہزار برس سے پوج رہے ہیں۔ ہمارے باپ دادا نے کبھی اس اگیاری کو سمجھنے نہیں دیا، ہماری اگیاریاں کبھی سمجھا نہیں کرتیں۔ ہماری اگیاریوں میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار برس کی آگ پڑی ہوئی ہے۔ فرمایا تو اچھا ڈیڑھ ہزار برس سے تمہارے باپ دادا سے پوجتے آرہے ہیں۔ تو یہ تو خوب پہچانتی ہوگی تمہیں؟ کس طرح پہچانتی ہوگی؟ اگر تم اس کے اندر چلے جاؤ تو سو جاؤ۔ تو کیا یہ جلادے گی تمہیں؟ کہا واہ! ڈیڑھ ہزار برس ہو گئے تمہیں اس کو پوجتے ہوئے اور یہ تمہیں پہچان نہیں پائی! یہ اپنے پجاریوں کو پھر بھی جلا دے گی؟ اور یہ کہہ کر وہاں پہ ایک پارسی عورت کھڑی ہوئی بھی مجوس، اس کے پاس ایک ننھا سا بچہ تھا۔ آپ نے کہا مائی ذرا یہ بچہ تو مجھے دینا، یہ کہہ کر بچے کو لے لیا اور کہا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم، یا نار کونی بردا و سلاما علیٰ ابراہیم“ اور یہ آیت کریمہ پڑھ کر بسم اللہ کر کے حضرت خواجہ نے بیڑا لے دیا آگ میں۔ اب وہ عورت چلائی، ارے تو جاتا ہے تو جا، میرے بچے کو آگ میں لے جاتا ہے اور بچہ وہاں سے ہنس رہا تھا، کہہ رہا تھا ماں آگ کہاں ہے؟ یہاں تو مجھے ایسا آرام آتا ہے کہ بڑے میاں کے کاندھے پر سر رکھ کے سو جاؤں۔ یہاں پھول کھلے ہوئے ہیں۔ یہاں تو باغ کھلا ہوا ہے، خوشبو آ رہی ہے۔ بس حضرت کی یہ کرامت باسعادت دیکھ کر وہ سارے مجوسی مع اپنے سردار کے مسلمان ہو گئے اور یہ جناب والا یہاں سے ایک تیسرے خلیفہ ہیں ان کا بھی مزار اجمیر مقدس میں ہے۔ وہ تو جس کو بھی ذرا سی چننا مل

گیا پھر کہاں کا گھر؟ کہاں کا باغ؟ انھوں نے بھی سب اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے مرشد کی رفاقت اختیار کر لی۔ اس طرح سے حضرت خواجہ فائز و سائر اللہ کا راستہ صاف کرتے ہوئے، دین اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے مریدین کا سکہ بڑھاتے ہوئے غزنی پہنچے اور غزنی سے جب آپ نے سفر کیا تو درہ خیبر اتر کر آپ تشریف لائے لاہور، اور لاہور میں حضرت داتا مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مقدس میں آ کر آپ اپنے مریدوں سمیت ٹھہر گئے۔ چنانچہ لاہور میں مخدوم داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درگاہ شریف میں حضرت خواجہ کا چلہ ابھی تک مشہور ہے۔ اب وہاں سے داتا علی ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عننا سے فیض لینے کے بعد لاہور سے چل کر دلی تشریف لائے اور دلی آنے کے بعد آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ ہم آپ کو دلی دار السلطنت نہیں دیں گے بلکہ اب آپ کو دار السلطنت ایسا دیں گے جیسا آپ کے نانا جان کو ہم نے مکہ دیا تھا۔ آپ نائب رسول ہیں تو آپ کو دار السلطنت بھی ایسا ہی دینا چاہیے جو مکہ کا نائب ہو۔ اب آپ دیکھئے ملاحظہ کیجئے بڑے تعجب کی بات! آپ جانتے ہیں کہ مکہ پوری زمین کے بیچوں بیچ میں ہے۔ اسی لیے ناک زمین کہلاتا ہے۔ مکہ مکرمہ زمین کے درمیان میں ہے جس کو Middle land کہتے ہیں۔ اس کو خط استوا کہتے ہیں۔ خط استوا کے بالکل قریب ہے مکہ مکرمہ تاکہ مولیٰ تبارک و تعالیٰ نے چاہا کہ مکے سے جو دین اٹھے اور مکہ میں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت کا پہلا گھر بنے، اس کی نسبت ساری دنیا کے لیے یکساں ہو۔ نہ تو پورب والوں کا اس پر دعویٰ ہو نہ پچھم والوں کا۔ نہ اتر والوں کا نہ دکھن والوں کا۔ وہ پورب، پچھم، اتر، دکھن سب کے لیے یکساں ہو، تاکہ وہ بیچ زمین کے اوپر ہو اور وہاں پر اللہ تعالیٰ کے سارے بندے آئیں اور اس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کریں، جس نے سب کو چھوڑ کر اپنا رشتہ اللہ سے جوڑ لیا، تو یہ تو ہوا کعبہ! دیکھا آپ نے کہ وہ پوری زمین کے بیچ میں ہے۔ کعبہ (آپ کو اللہ مکے جانا نصیب کرے، تو آپ جا کے وہاں دیکھیں

گے کہ) چاروں طرف پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے، سوکھی، جھلسی خشک پہاڑیاں، ٹوٹی پہاڑیاں، وہاں پر سبزہ نہیں اُگتا، پانی وہاں نہیں برستا، لوگوں کا کہنا ہے کہ مکہ کے اندر پتھر باہر ریت۔ باہر تشریف لائے تو آپ کو چاروں طرف ریت ملے گا اور اندر مکہ کے آپ کو کنکر پتھر ملے گا، وہاں پر بالکل سبزہ موجود نہیں ہے۔ گرم وہاں بہت زیادہ گرم، لوگ وہاں کے سخت، بڑے خرد رے، بڑے نشن۔ اب آئیے ذرا تو آپ دیکھئے کہ سرکار خواجہ کو دلی نہیں دی گئی بلکہ اجمیر دیا جا رہا ہے۔ اگر آپ نے ہندوستان کا نقشہ دیکھا ہے تو اجمیر ہندوستان کے بیچ میں ہے۔ مدھیہ پردیش اگر آپ سمجھیں تو کہنے کو مدھیہ پردیش سے وہ الگ ہے ورنہ حقیقت میں وہ مدھیہ پردیش میں ہے۔ اسی لیے برٹش کے زمانہ میں اجمیر Central India میں تھا۔ Central India میں ہے اجمیر بیچ ہے ہندوستان کا، اگر آپ اجمیر گئے ہیں چاروں طرف پھر کے دیکھا ہے تو آپ کو وہی ٹوٹی ہوئی پہاڑیاں ملیں گی جھلسی ہوئی پہاڑیاں ملیں گی۔ آپ کو اجمیر کے اندر بھی کنکر ملے گا۔ اجمیر کے باہر آپ کو ریت ملے گا اور اجمیر میں بھی آپ کو بارش نہیں ملے گی۔ وہاں بھی وہی سوکھا آپ کو ملے گا۔ اور وہاں کے لوگ بھی بڑے کٹھور، بڑے سخت دل، آج کے اجمیر یہ غور نہ کیجئے گا، آج کا اجمیر نہیں خواجہ کے زمانہ کا اجمیر، خواجہ کے زمانے سے اجمیر میں رائے چتھو راج پرتھوی راج چوہان جو دلی اور اجمیر دونوں کا مشترک راجہ تھا اس کی سلطنت تھی۔ تارا گڑھ پہاڑ پر اس کا قلعہ تھا اور پورا اجمیر اس کی راجدھانی تھی۔ حضرت خواجہ اپنے مریدوں کے ساتھ جب ان کو معلوم ہوا کہ اجمیر ہماری راجدھانی ہے تو تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس سفر میں حضرت خواجہ اور ان کے ساتھیوں کے جوتے جب ٹوٹ گئے تو انھوں نے تانت کے ٹکڑے باندھ لیے تھے۔ اور پاؤں تمام کے تمام لوگوں کے زخمی ہو گئے تھے، ناخن پیروں میں کے جھڑ گئے تھے۔ یوں کہ پیدل چلے نہ ان کے پاس کوئی ناشتہ تھا، نہ ان کے پاس کوئی کھانا تھا، لیکن ایک لگن تھی ان کے دل میں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دین ہم

بے دینوں میں پہنچا کے رہیں گے۔ چنانچہ جب اجمیر مقدس آپ تشریف لائے تو اجمیر مقدس کی نکاسی پر آپ کو وہ تارا گڑھ کی پہاڑی نظر آئی اور اس کے نشیب میں تھوڑی زمین آپ کو صاف نظر آئی، وہیں پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے خیمے لگائے۔ شام ہوئی، جب شام ہوئی تو یہاں پر کچھ شتر بان آئے اور انھوں نے اپنے اونٹ بٹھائے، انھوں نے دیکھا، یا اللہ! یہاں اور کون لوگ آگئے؟ تو پوچھا تم کون لوگ ہو؟ کہا مسافر ہیں۔ فقیر ہیں، باہر سے آئے ہیں۔ یہاں پہ کچھ دن آرام کرنے کے لیے ہم نے رہائش اختیار کی ہے۔ کہا تو پھر یہاں سے اٹھ جاؤ اس لیے کہ یہ باڑہ پرتھوی راج چوہان کے اونٹ بیٹھنے کی جگہ ہے۔ تو فرمایا اونٹ بیٹھنے کے لیے سارا میدان پڑا ہے۔ فقیروں نے تو اتنی سی جگہ گھیری ہے۔ مگر وہ کاہے کو ماننے والے تھے، کہنے لگے تم ملجھ تم کے لوگ ہماری پوتر بھومی کو تم لوگ ناپاک کرنے کے لیے آئے اور پھر ہم سے باتیں کرتے ہو، نکل جاؤ یہاں سے۔ حضور خواجہ اٹھ بیٹھے اور کہا سن بھئی ”ملک خدا تنگ نیست و پائے کساں لنگ نیست“ اللہ کا ملک تنگ نہیں ہے اور فقیر پیروں سے لنگڑے نہیں ہیں، لو بھئی ہم اٹھے جاتے ہیں اب تو اپنے اونٹوں کو بٹھا رکھو وہ بیٹھے ہی رہیں گے اور یہ کہہ کر حضرت خواجہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تالاب اناساگر کے کنارے جا کر آپ نے مقام اختیار کر لیا۔ رات ہو چکی صبح کو ساربانوں نے جب اونٹ اٹھائے تو تمہیں معلوم ہے کہ

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ان کا کہنا تو اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔ وہ نکلتا بندے کے حلق سے ہے مگر وہ ہوتا ہے خدا کا قول۔ فرما دیا تھا کہ تیرے اونٹ بیٹھے ہی رہیں گے، اب اونٹ بیٹھے ہوئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے زمین کے ساتھ سی دیا ہے انھیں، ان کو نیزے مارے جاتے تھے وہ ادھر سے ادھر ہلتے تھے مگر اٹھ نہیں سکتے تھے، تب ساربانوں نے ایک دوسرے سے کہا میاں! وہ فقیر کل بد دعا دے گئے ہیں یہ سارا انھیں کا کراہے،

پہنچے جا کر بڑے روئے، گائے۔ کہا دیکھو فقیروں کو کبھی ستایا نہیں کرتے ہیں۔ فقیر کسی کو نہیں ستاتا ہے تو تم فقیروں کو کیوں ستاتے ہو۔ اچھا جاؤ تم نے توبہ کر لی ہے جاتیرے اونٹ اٹھ کھڑے ہوں گے، حضرت خواجہ کی ان باتوں کا شہرہ ہونا شروع ہوا اور ساتھ ہی ساتھ اناساگر کے کنارے جو شیوا لے اور مندر بنے ہوئے تھے وہاں کے پنڈتوں اور پجاریوں کی نظروں میں مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا گروہ کھٹکنے لگا۔ آپ کا درویش ایک دن گیا ہوا تھا اس نے چاہا کہ اناساگر میں سے ایک مشک پانی بھر لے، جبھی ایک پجاری نے یہ کہہ کر کہ دیکھو جی ہم تمہیں اب برداشت نہیں کر سکتے، تم نے بہت زہر پھیلائے ہیں اور یہ ہمارا پوتر ساگر ہے، اس میں سے ہم تمہیں پانی نہیں لینے دیں گے، ڈال دو واپس مشک اور چلے جاؤ یہاں سے، آ کے اس نے عرض کی کہ حضور آج تو وہ پانی نہیں لینے دیتے۔ فرمایا اچھا، حضور والا خود تشریف لے گئے، اپنی چھوٹی سی مشک کا ندھے پہ ڈالی اور اس کے بعد اناساگر کے کنارے پہنچ کر فرمایا ساگر! اللہ کا ایک بندہ تجھ سے کہہ رہا ہے کہ تو اس مشک میں آ جا اور اے اجمیر کے سارے پانیو! اس مشک میں سما جاؤ، اور یہ کہہ کر اپنے مشک کا دہانہ باندھا اور باندھنے کے بعد اپنے خیمہ میں آ گئے، تو تاریخ لکھتی ہے کہ اس دن اجمیر میں صرف اناساگر ہی نہیں بلکہ جانوروں اور انسانوں تک کے تھن سوکھ گئے تھے، دودھ سوکھ گیا تھا، کنوؤں کا پانی سوکھ گیا تھا اور پورا شہر پیاسا ہو گیا۔ تب ان پجاریوں کے خیال میں آیا کہ یہ اناساگر یکبارگی کیسے سوکھ گیا، ان میں سے ایک نے کہا یہ فقیر لوگ جو آئے ہوئے ہیں، یہ انھیں کے جادو کا کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ بڑے جادوگر معلوم ہوتے ہیں، کہا اچھا جاؤ پہلے پانی تو نکلو اور پھر ان کے جادو کو جادو سے ہم توڑ ڈالیں گے، آیا کوئی کہا کہ اچھا مان گئے اب تو پانی دو گے نا اناساگر سے؟ کہا ہاں صاحب! پانی واپس کر دیجئے جتنا پانی چاہیے لے جائیے، کہا وہ پانی تمہارا ٹنگا ہوا ہے مشک میں، اسے لے جاؤ اور لے جا کر ساگر میں ڈال دو۔ اب وہ چھوٹی سی مشک تھی اسے اٹھانے لگا مگر اناساگر اس کے اندر

بھرا ہوا تھا صاحب وہ ایسے تھوڑی اٹھ سکتی تھی۔ فرمایا تو نے دیکھ لیا، اپنے درویش کو حکم دیا لے جائیہ اللہ کے حکم سے ساگر کو واپس کر دے، ہم ظالم نہیں ہیں مگر ظالموں کو یہ بتا دیا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ کی قدرت ساری قدرتوں سے اونچی ہے۔ اس کے آگے کسی کی قدرت و قوت و تصرف و غرور نہیں چلا کرتا ہے، یاد رکھ فقیروں اور درویشوں کو نہیں ستاتے۔ ہم تمہیں نہیں ستاتے تم ہمیں مت ستاؤ، اس بات کا شہرہ بڑھا اور بہت سے پجاری مسلمان ہو گئے اور حضور والا کے انفاس کریمہ کی برکت سے اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ مہاراج پر تھوی راج چوہان کے درباریوں کے اچھے اچھے لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے تو رائے چٹھو راکو بڑا اندیشہ ہوا اور اس نے اپنے استاد جوگی جیپال کو بلایا اور بلا کر یہ کہا کہ کیوں جی مہاراج! تم کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہو؟ اور وہ مسلمان فقیر آ کر ہماری پوری بھومی کولوٹنا چاہتا ہے۔ دیکھو تو سہی تم میں کے کتنے مسلمان ہو چکے ہیں، اور اگر یہی حالت رہی تو ایک دن وہ تمہارا تختہ الٹ دے گا۔ جیپال نے کہا: مہاراج! میں سب دیکھ چکا ہوں، سب سن چکا ہوں، ساری چیزیں میری نظروں میں ہیں، لیکن میں کیا کروں مہاراج؟ ایک بات مجھے اس سے مقابلہ سے روکتی ہے، کیا بات روکتی تمہیں اس سے مقابلہ سے؟ کہا شاید مہاراج کو یاد نہیں کہ راج ماتا نجوم جاننے والی تھیں اور انھوں نے اپنے نجوم سے جان کر ایک تصویر کھینچی ہے اور وہ تصویر آپ کے خزانے کے اندر محفوظ ہے۔ اس تصویر میں انھوں نے لکھا تھا کہ جب ولایت قندھار کی طرف سے یہ فقیر سرزمین اجمیر پر واقع ہوگا تو ہمارے بیٹے چوہان کو چاہیے کہ اس سے مقابلہ نہ کریں، اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دیں، میں وہ تصویر دیکھ چکا ہوں مہاراج، اور وہ تصویر بعینہ اس فقیر کی صورت سے ملتی ہے۔ اس لیے اس سے مقابلہ کر کے میں اپنا مان کھونا نہیں چاہتا، میں اجمیر کی تباہی نہیں چاہتا، لیکن آپ جانتے ہیں کہ تین ہٹیں ہوتی ہیں ان میں سے ایک راج ہٹ بھی کہلاتی ہے۔

بادشاہ نے اپنی ضد کے آگے نہیں سنا، یہ سب تم باتیں بناتے ہو، اپنے سر

سے بار ہلکا کرتے ہو۔ تمہیں حکم دیتا ہوں گرو مہاراج کہ جا کر تم اس کا مقابلہ کرو، جیپال مقابلہ کے لیے آتا ہے، بہت بڑا ریاضت والا ہے، بڑی عبادت کیے ہوئے ہے، بڑا مکتان ہے۔ بڑے استدر اجات، بڑے شعبدے اپنے ہاتھ میں لگائے رکھے ہیں۔ حضرت خواجہ کے سامنے آتا ہے، حضور والا جب دیکھتے ہیں، مقابلہ میں آیا تو اپنا عصا لیتے ہیں، اپنے درویشوں سے کہتے ہیں، سب سمٹ آؤ اور جلدی سے ان کے گرد ایک دائرہ کھینچ دیتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں جانتے ہو یہ دائرہ کا ہے کا ہے؟ حدیث پاک میں ہے لا إله إلا الله حصني من قالها دخل حصني ومن دخل حصني فقد أمن من عذابي "لا إله إلا الله محمد رسول الله" کا یہ کلمہ طیبہ ہمارا قلعہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے، جو اسے سچے دل سے پڑھ لے گا اور اس کے حقوق ادا کرے گا وہ ہمارے قلعہ میں داخل ہو جائے گا اور جو ہمارے قلعہ میں داخل ہو جائے گا وہ ہمارے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ لہذا یہ میں نے قلعہ تیار کر دیا ہے اس کے باہر قدم مت ڈالنا، انشاء اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا اور جناب والا اس وقت حضرت خواجہ غریب نواز پر تو بنے ہوئے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور مقابل میں گویا آئے ہوئے تھے فرعون والے جادوگر۔ آپ کے سامنے اپنا پورا علم، وہ سفلی علم جو اسے آتا تھا جھونک مارا اس نے، کبھی اڑدے بن کر چلتی، کبھی آگ بن کر چلتی، کبھی شیر نکلتے لیکن جب اس لکیر کے پاس پہنچتے نیست و نابود ہو جاتے۔ آخر کار جب وہ حیران ہو گیا، تو کہنے لگا کہ دیکھو میں ایک آخری کمال اور دکھاتا ہوں اور ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آسمان کی جانب اڑ رہا ہے، ارشاد فرمایا کہ ڈیڑھ سو برس میں تو نے بس اتنا ہی کمال حاصل کیا ہے؟ یہ کمال تو ہمارے کھڑاؤں کو بھی حاصل ہے۔ یہ کہہ کر اپنے پیر کی کھڑاؤں سے ارشاد فرمایا: اے اسلام کے راستہ میں تبلیغ کے راستے میں ہدایت کے راستے میں چلنے والی لکڑی کی کھڑاؤں! اللہ کے حکم سے اس دشمن خدا کو زمین کی طرف لے آؤ، حضور کی کھڑاؤں بھی اڑ رہی تھی اور ایسے اڑ رہی تھیں کہ جیپال کے سر کے اوپر



جیسے نقارہ پہ چوٹ پڑتی ہے ایسے خواجہ کی کھڑاؤں چپال کے سر پر بول رہی تھیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چپال زمین پر آیا اور آتے آتے اس نے پڑھا: ”أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا عبده و رسوله“ اور حضور والا نے ان کا نام رکھا عبد اللہ بیابانی، چپال کا نام رکھا گیا عبد اللہ بیابانی، یہ بات بھی راجہ کو پہنچ گئی۔ وہ اپنی جگہ پر بہت زیادہ ملول ہوا، بڑا رنجیدہ ہوا کہ میں نے گرو مہاراج کو بھجوا تھا اس کو ہرانے کے لیے، بجائے ہرانے کے وہ تو خود ہی ہار کر بیٹھ گئے، وہ تو خود ہی مسلمان ہو گئے۔ بہر حال آخر کار اس نے ایک خط لکھا، حضرت خواجہ کو ایک خط لکھا اور اس میں لکھا کہ میں یہاں کا بادشاہ ہوں، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تمہاری بات بہت بڑھ گئی ہے چوٹیں گھنٹہ کے اندر ہماری راجدھانی کو تم خالی کر کے کہیں بھی تم چلے جاؤ اور تمہارے جتنے ساتھی ہیں سب کو یہاں سے نکال لے جاؤ، حضرت خواجہ نے جواب میں اس کو لکھا کہ ہم فقیر تیرا کچھ نہیں لیتے، تیرے راج پاٹ سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہے، مگر سن یا تو تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جا، ہمارا بھائی بن جا اور نہیں تو پھر ایسا کر کہ سلطنت خلافت اسلامیہ عباسیہ کو تو جزیہ دے اور آرام و چین سے رہ۔ ورنہ یاد رکھنا کہ فیصلہ اس کا اسی طرح کیا جائے گا۔ وہ تو اپنے غرور کے اندر مست تھا، وہاں سے کہلا بھیجا کہ اس فقیر سے کہہ دینا کہ جب تک میں خاموش رہا تم سر چڑھتے چلے جا رہے ہو؟ خالی کرتے ہو تو کرو، نہیں تو میں اپنی فوج بھیج کر اپنی راجدھانی تم سے خالی کرالوں گا۔ حضور خواجہ کو یہ بات پہنچی، ارشاد فرمایا: ما چتھو رار اگر فقیم بہ لشکر اسلام دادیم، ہم نے چتھو را کو پکڑا اور لشکر اسلام کو دے دیا، اللہ اکبر! یہ بات حضور خواجہ نے فرمائی... لوگ تعجب میں تھے کب پکڑا؟ کہاں پکڑا؟ اور کون پکڑے گا؟ لیکن آپ دیکھئے کہ ”گفتہ او گفته اللہ بود“ ان کا کہنا اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔ وہ لوح محفوظ سے دیکھ کر کہا کرتے ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں وہ پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ انٹ ہوتی ہے۔ وہ مٹا نہیں کرتا ان کا قول۔ یہ بات ایک طرف رکھ دیجیے دوسری بات سن لیجئے۔ رائے چتھو را، پرتھوی راج اور جے چند راجہ قنوج یہ آپس میں

خالہ زاد بھائی ہیں۔ ان دونوں کا نانا دلی کا بادشاہ تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو چوں کہ اس کے کوئی لڑکا نہیں تھا یہی دو لڑکیاں تھیں ایک چتھو را کی ماں اور ایک جے چند کی ماں۔ لہذا اس نے اپنا راج پاٹ سوچا کہ دلی کا راج ان دونوں نوابوں میں سے کسی کو دے دینا چاہیے۔ چتھو را ذہین بہت تھا۔ بہادر بہت تھا۔ لہذا نانا نے بجائے جے چند نواسے کے چتھو را نواسے کو منظور کیا اور دلی کا راج بھی اس کے نام لکھ دیا۔ جے چند نے جب یہ بات سنی تو اس کو بڑا غصہ آیا۔ نانا کو ایسے ہی راج دینا تھا تو بانٹ کر دیتے، آخر میں بھی تو ان کی لڑکی کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا کیا؟ کہ انھوں نے ایک ہی طرف سارا بانٹ دیا۔ دل میں اس کے دشمنی بیٹھ گئی اور اسی زمانے میں اس کی بیٹی ”سجو گیتا“ راج کمار سیانی، بالغ ہوئی۔ راجپوتوں میں قاعدہ یہ تھا کہ جب لڑکیاں بالغ ہو جاتیں تو ان کی شادی کے واسطے ایک تقریب منائی جاتی جس کو کہتے تھے سویمیر، سویمیر میں تمام راجاؤں کو دعوت دیتے تھے۔ اور اس دعوت میں سارے راجہ جمع ہوتے تھے۔ اس کے بعد کنواری لڑکی اپنے ہاتھ میں ورمالا لے کر نکلتی اور ان میں سے جس کو پسند کرتی اس کے گلے میں وہ ہار ڈال دیتی، اس کے ساتھ اس کی شادی ہو جاتی۔ یہ راجپوتوں کا پرانا قاعدہ تھا، سوئمیر راجا یا تھا دیوتا کے لیے لیکن چوں کہ دل میں دشمنی بیٹھ گئی تھی۔ چتھو را کو اس نے دعوت نہیں دی بلکہ چتھو را کی صورت کی سونے کی مورتی بنا کر اپنے دربار کے دربان، جہاں پر چہرہ اسی کھڑے ہوتے وہاں پہ کھڑی کر دی نیزہ ہاتھ میں دے کر، گویا کہ لوگوں کو یہ بتایا کہ چتھو را کا میرے یہاں مان بس اتنا ہے کہ وہ میرے دربار کا چہرہ اسی ہے۔ یہ بات پہنچی چتھو را کو اور وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر قنوج کے جنگل میں آ کر پوشیدہ ہو گیا۔ ”سجو گیتا“ ورمالا لے کر نکلی اور اس نے سارے راجپوتوں اور راجاؤں کا جائزہ لیا۔ جس راجہ کے پاس پہنچتی اس کا بھانڈا اس کی تعریف کرتا ہمارے راجکمار ایسے، ہمارے مہاراج ایسے۔ وہ سنتی، سن کر آگے چلی جاتی مگر کسی کے گلے میں اس نے ورمالا نہیں ڈالی، سب راجا حیران تھے کہ کسی ایک کو پسند نہیں کیا۔ سجو گیتا

باہر نکلی اور باہر نکل کر دربان کی جگہ پر چھوڑا کی جو موتی تھی سونے کی اس کے گلے میں ورمالا ڈال دیا۔ جیسے اس کے گلے میں ورمالا ڈالا، چھوڑا وہاں چھپا کھڑا تھا وہاں سے نکل کر آیا شیوگیتا کی کمر میں ہاتھ ڈالا، گھوڑے پر بٹھایا اور اس کے بعد جمیر پہنچا دیا۔ یہ گویا کہ بے چند کے سینہ پر اس نے دوسرا داغ دیا۔ پہلے تو سلطنت لی اس کے نانا سے اور دوسرا داغ یہ دیا کہ لڑکی کو لے کر بھاگ گیا۔ اس سے زیادہ بے عزتی بے چند کے لیے کیا ہوگی؟ بے چند نے ایک خط لکھا، کسے لکھا؟ جانتے ہو؟ کسی ہندوستان والے کو نہیں لکھا، سلطان شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سپہ سالار رسول کو لکھا۔ اسی لیے تو کہہ دیا کرتا ہوں کہ ہم تو بلائے ہوئے آئے ہیں، مہمان آئے ہیں تمہاری لجا بچانے کے لیے آئے تھے۔ اب اپنی لجا کو بچانے والوں کو چاہے ذبح کرو، چاہے جلاؤ الو، جو چاہو کرو مگر آئے تھے تمہاری لاج بچانے کے لیے، خط لکھا ہے شہاب الدین غوری کو، سپہ سالار غزنی کو کہ آپ کچھ سال پہلے راوڑی کے میدان میں ہار کے گئے تھے چھوڑا سے، لیکن میں اب آپ کا ساتھ دوں گا آئیے میں آپ کا ساتھ دوں گا، میرے ساتھ چھوڑا نے بڑا برابر تاؤ کیا ہے، لڑکی میری لے بھاگا ہے جس کی وجہ سے میری بدنامی بڑھ گئی ہے۔ آئیے اور آنے کے بعد میری طرف سے لڑیے میں آپ کی مدد کروں گا، میں آپ کا معاون بنوں گا۔ سلطان شہاب الدین غوری سپہ سالار لشکر غزنی اپنے چچیرے بھائی حضرت سلطان غیاث الدین شہنشاہ غزنی کے پاس یہ خط لے کر پہنچے، شہنشاہ غزنی نے کہا دیکھو بھائی شہاب الدین تم پہلے سال جا چکے ہو، ہندوستان ہمارے یہاں سے بہت دور ہے۔ وہاں کی آب و ہوا ہمارے یہاں کی آب و ہوا میں فرق ہے، وہاں وقت پڑنے پر ہم مدد نہیں بہم پہنچا سکتے۔ لہذا بری طرح تم ہار کے وہاں سے آئے اور تمہارے سپاہی وہاں سے پیٹھ پھیر کر بھاگے تو میں نے ان نامردوں کے منہ کے اوپر گھوڑے کے دانہ چرنے کے تو بڑے چڑھ وادیئے تھے، لہذا میں تو رائے نہیں دوں گا اس کی اور معلوم نہیں یہ سب

وفا داری کریں یا غدار ی کریں؟ لہذا یہیں بیٹھے رہیے اللہ نے ہماری وسعت سے زیادہ ہمارے اوپر کوئی فریضہ نہیں ڈالا ہے۔ رات کو شہاب الدین غوری خواب دیکھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ ایک صاحب تشریف لائے ارشاد فرمایا شہاب الدین اپنی کمر کس اور اپنے ساتھیوں کو لے کر ہندوستان پہنچ، اس دفعہ ہندوستان میں تخت تیرے قدم چومنے کے لیے بے چین ہو رہا ہے۔ شہاب الدین اٹھے اور عرض کی حضور یہ خواب میرا جھوٹا نہیں ہو سکتا اور میں نے ان صاحب کو اچھی طرح پہچان لیا ہے ان کی صورت میں نے اپنی نظروں میں بھری ہے۔ وہ صورت بھی کسی جھوٹے کی صورت نہیں تھی، چنانچہ یہ لشکر پھر آتا ہے اور دلی سے اسی میل اوپر تھائیسر کے میدان میں راوڑی کی پہاڑیوں کے درمیان میں پھر ایک مرتبہ خاک چھانتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ چھوڑا اپنا پورا لشکر لے کر خود کمان کرتا ہے۔ بے چند شہاب الدین غوری کو دھوکہ دیتا ہے اور اپنی فوجیں لے کر قنوج کو واپس ہو جاتا ہے۔ پورے میدان کے اندر مسلمانوں کو راجپوتوں میں گھرا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ غداروں سے غدار ی کے سوا اور کچھ بن نہیں پڑتا۔ آج ہم کو غدار کہنے والے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ حقیقت میں غدار کون ہے؟ اچھا جناب والا شہاب الدین غوری پر قریب ہے کہ شکست وارد ہو جائے جو پہلے ہوئی تھی اس سے زیادہ شکست وارد ہو۔ یکا یک ایک مرد سبز پوش وارد ہوتے ہیں اور وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سیدھے جاتے ہیں چھوڑا کے پاس، چھوڑا جھنڈا لیے ہوئے کھڑا ہے اور اس کے بعد ایک کمنڈ پھینکتے ہیں اسے گرفتار کر کے لاتے ہیں اور لا کر شہاب الدین کے سپرد کر دیتے ہیں کہ یہ چھوڑا ہے۔ شہاب الدین کہتے ہیں ذرا اپنے چہرے سے نقاب تو اٹھائیے۔ میں آپ کو دیکھوں کہ آپ کون ہیں؟ چہرے سے نقاب اٹھالیتے ہیں۔ کہا پہچانا غزنی کے خواب میں آنے والے تو آپ ہی تھے، غزنی سے مجھے یہاں بھیجنے والے بھی تو آپ ہی تھے۔ فرماتے ہیں خاموش! سامنے سے چلے جاتے ہیں، چھوڑا زندہ گرفتار ہو جاتا ہے اور تخت دہلی

کے اوپر سلطان شہاب الدین کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ یہاں کا معاملہ ٹھیک کرنے کے بعد اب وہ پہنچتا ہے اجمیر پاک جو راجدھانی ہے چتھورا کی۔ چتھورا ختم کر دیا جاتا ہے۔ جب اجمیر میں پہنچتا ہے تو وہاں پوچھتا ہے کیوں جی اس کا کوئی شہزادہ موجود ہے؟ کہاں ہاں راجکمار ہیں، شہزادے کو اجمیر میں بلایا، کہا دیکھو بیٹا تمہارا باپ حد سے آگے بڑھ گیا تھا۔ نمرود، شداد اور فرعون نے جو طریقے اختیار کیے تھے انسانیت کو ستانے کے لیے وہ راستے اس نے اختیار کیے تھے۔ اپنی سزا کو پہنچا۔ لیکن ہم غاصب نہیں ہیں۔ تخت دہلی تو تمہارا تھا ہی نہیں وہ تو خواہ مخواہ تمہیں ملا تھا۔ یہ تمہارا تخت ہے میں تمہیں واپس کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر ایک شرط ہے کہ عہد کرو کہ مسلمانوں کو نہیں ستاؤ گے، مسلمانوں کو اپنے حال پہ رہنے دو تو میں تم کو دیتا ہوں۔ راجکمار نے اقرار کیا چتھورا کی تلوار شہاب الدین نے جو اتاری تھی وہ اپنے ہاتھ سے اس کے شہزادے کی کمر میں باندھ کر اسے اجمیر کے تخت پر بٹھا دیا۔ جب یہ کام کر چکے تو کہا بتاؤ لوگوں تمہارے اجمیر کے اندر کوئی اللہ والا ہے؟ لوگوں نے کہا لیجئے آپ پوچھتے ہیں ارے صاحب؟ ایک یہاں درویش بڑے دنوں سے آئے ہوئے ہیں اور جو یہ آپ دیکھتے ہیں کبھی کبھی یہاں ”حسی علی الصلاة“ کی آواز آ جاتی ہے۔ یہ انہیں کے دم قدم کا صدقہ ہے۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں جاؤ اور ان سے کہو کہ غزنی کا سپہ سالار شہاب الدین غوری آپ سے ملنے کے لیے آرہا ہے۔ حکم دیا وہاں سے کہ شہاب الدین سے کہنا کہ ملنے کو آسکتے ہو مگر تنہا آنا، اکیلے آنا، دوسرا ساتھ نہ ہو۔ شہاب الدین جھونپڑے میں پہنچتے ہیں۔ غریب نواز اندر تشریف فرما ہیں۔ شہاب الدین جیسے آگے بڑھتا ہے نظر پڑتی ہے کہتے ہیں سبحان اللہ! خواب میں ایک دفعہ آئے، راوڑی کے میدان میں دوسری مرتبہ آئے اور اب تیسری مرتبہ میں حاضر ہوں۔ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ مجھے غزنی سے بھیجنے والے بھی آپ، چتھورا کو گرفتار کرانے والے بھی آپ۔ ارشاد فرماتے ہیں: شہاب الدین سن جب تک ہم

زندہ رہیں، اس وقت تک یہ واقعہ تیری زبان سے کسی کے سامنے نہ آنے پائے، ہم اپنی شہرت نہیں چاہتے۔ ہم نے جو کیا ہے اللہ کے لیے کیا ہے۔ کسی بندے کے واسطے نہیں کیا ہے۔ حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ اب آرام و اطمینان کے ساتھ ہیں اور ان کے شاگرد رشید مرید نے یعنی چپال نے اپنے گھر لاکران کے لیے گھر بنا دیا ہے۔ جہاں پر ان کا مزار پاک ہے یہ چپال کا گھر تھا، یہاں پر لاکران نے جھونپڑے تیار کیے ہیں اور حضرت اپنے مریدین کے ساتھ یہاں پر تشریف فرما ہوئے، اسلام کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ اور اپنے مریدین و متوسلین کو ہندوستان کے اندر بھیج رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ قدوہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کو بھیجتے ہیں یوپی کے خطے میں وہ آپ کے خلیفہ ہیں۔ ان کی اولاد قدوائی مشہور ہے۔ رفیع احمد قدوائی بھی انہیں میں سے تھے اور جناب والا حضرت فخر الدین گردیزی کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں، اپنے مرید خاص و خلیفہ خاص قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ کو دی جاتی ہے۔ اسی طرح سے ہندوستان کے پورے خطے میں حضور خواجہ اپنے خلفا کو جگہ جگہ بانٹ چکے ہیں اور اسلام کا راستہ صاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ہیں میرے خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی حسن سبزی اجمیری ہندالوی عطاءے رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه عنہ۔ الحمد للہ رب العالمین کہ آج انہیں اس دنیا سے تشریف لے گئے بھی تقریباً سات آٹھ سو برس ہو چکے ہیں۔ لیکن بقول ایک انگریز مورخ کہ میں ہندوستان گیا اور میں نے جا کے دیکھا تو مجھے جہاں اور بہت سی چیزیں نظر آئیں ہندوستان میں، وہاں یہ بھی نظر آیا کہ وہاں ایک قبر بادشاہت کرتی ہے۔ ہندوستان میں ایک قبر بادشاہت کرتی ہے۔ تو حقیقت بات یہ ہے کہ اجمیر مقدس میں آپ چلے جائیے، آج کا اجمیر جو ثانی سندھ بن چکا ہے سوائے درگاہ بازار کے عام مسلمان آپ کو اجمیر میں دکھائی نہیں دیں گے، کا کو اور مہاراج بڑو داتے ہیں، یہاں پر ملکہ وکٹوریہ پہنچتی ہے، ملکہ وکٹوریہ نے اپنا نشان بنوایا درگاہ معلیٰ اجمیر پاک کے اندر۔ جہاں سر یوک پہنچے دیکھنے کے لیے یہ وہ

درگاہ پاک ہے، کیا بات ہے کہ قبولیت ”إن الذین آمنوا و عملوا الصالحات سیجعل لهم الرحمن و ذیاً“ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیا اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی محبتیں دلوں کے اندر رکھ دیتا ہے۔ تو ان کی محبتوں کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے دلوں میں رکھ دیا ہے۔ یہ صلہ ہے ان کی اس خدمت کا جو انہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے دین کے راستے صاف کرنے میں کیں۔ ورنہ یاد رکھئے کہ کوئی کام کو چاہتا ہے چام کو نہیں چاہتا ہے۔ کام سب کو پیارا ہوتا ہے۔ میاں چام کسی کو پیارا نہیں ہوتا۔ تو یہ کام خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ انہوں نے اپنے نانا جان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین پاک کے لیے اپنے اوپر ہزاروں قسم کے کسٹ (تکلیف) اٹھائے اور کسٹ اٹھا کر ایسی جگہ کو جو اور سزا بختر تھی نہایت غیر آدابے آب و گیاہ تھی مگر الحمد للہ رب العالمین آج جمیر، اجمیر مقدس سارے عالم میں مشہور ہے۔ بڑے بڑے انگریز آتے ہیں خواجہ اجمیر کے آگے آ کر وہ اپنے سر سے ٹوپ اتار لیتے ہیں، پریڈ کرتے ہیں خواجہ اجمیر رضی اللہ عنہ وارضاه عنہ اور سچ بات یہ ہے کہ ہندوستان کے اندر اسلام کی نمود حضرت خواجہ اجمیر سے ہے۔ اگر آپ ملاحظہ فرمائیں تو چشتی سلسلے میں، اجمیر مقدس سے جو چشتی سلسلہ نکلا، اسی نے سارے ہندوستان میں اسلام پھیلایا، حضرت قطب الاقطاب مخدوم بختیار کاکی، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ مخدوم علاء الدین صابر کلیری، حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی، حضرت سلطان نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، حضرت شیخ سراج الدین کپتان، حضرت شیخ سارنگ، حضرت شیخ ذکی، حضرت شاہ مینا، شیخ شاہ مظہر جان جاناں، میر واحد بلگرامی، حضرت میر عبدالجلیل بلگرامی یہ تمام سلسلے مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی کچھو چھو، کہاں کہاں یہ سلسلہ ہے۔ اور چشتیت کے سلسلہ میں سارے ہندوستان کو چھاپ رکھا۔ حضرت مرشدنا احمد فاروقی سرہندی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف والے، یہ ایسی ہستیاں ہیں کہ جنہوں نے

اسلام کو بڑھا وادینے میں اور اسلام کی جڑوں کو ہندوستان میں مضبوط کرنے میں اپنا تن من دھن سب قربان کر دیا۔ الحمد للہ کہ ہم لوگ بھی خواجہ غریب نواز کے ماننے والے ہیں۔ مگر ایک بات یہاں پر یاد رکھیے گا۔ درود شریف۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، تو چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنے کا مطلب کیا ہوا؟ کہ سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عشا سے لے کر اور فجر تک حضرت خواجہ نے اپنی پیٹھ زمین سے نہیں لگائی۔ تو مجھے آپ بتائیے کہ خواجہ نے چالیس برس تک عشا کے وضو سے فجر پڑھی اور ہم تو عشا کے وضو سے عشا نہیں پڑھتے، فجر کے وضو سے ہم فجر نہیں پڑھتے تو میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت خواجہ کا نام لینا تو بڑا آسان ہے، لیکن کبھی آپ نے سوچا کہ حضور خواجہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو تعلیم کیا کیا تھا؟ آپ کو بتایا کیا تھا؟ جو خواجہ پاک عبادات و ریاضات میں اللہ اکبر! حضرت خواجہ پاک کا جب جب اتارا گیا نہلانے کے لیے حضرت کے وصال کے بعد تو بارہ سیر کا تھا، تو لایا تو بہت بھاری تھا، لوگوں نے کہا کہ تولو، تو لایا تو اس وقت کے سیر سے بارہ سیر کا تھا، آپ سوچتے ہوں گے کہ کون سا کپڑا تھا؟ جو بارہ سیر کا تھا، بات اصل میں یہ تھی کہ وہ کرتا، بس ایک ہی تو کرتا تھا حضرت خواجہ کے پاس جب وہ پھٹ جاتا تھا تو اس پر پیوند پہ پیوند چڑھا لیتے تھے، تو اس پر بوری کے پیوند لگے ہوئے تھے، کمبل کے پیوند اس میں لگے ہوئے تھے، اگر کہیں پر چڑا مل گیا تو چڑا اس میں ٹانگ لیا۔ کپڑا مل گیا تو اسے ملا لیا، جس قسم کا کپڑا مل گیا اور جبہ پھٹا ہوا ہے اپنے ہاتھ سے اسے ٹانگ لیا، تو کپڑا در کپڑا، پیوند در پیوند ہوتے ہوئے وہ بارہ سیر کا ہو گیا تھا۔ وہ خواجہ اجمیر رضی اللہ عنہ کہ جن کے مرید کے مرید تھے شہنشاہ دہلی سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ رضیہ سلطانہ کے باپ، رضیہ سلطانہ جو خود بھی ملکہ ہندوستان ہوئی ہے۔ اس کے والد ماجد سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ شہنشاہ دہلی حضور کے

مرید کے مرید تھے، حضور کے مرید قطب الاقطاب بختیار کا کی اور ان کے مرید ہیں حضرت سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ، مرید بھی ہیں خلیفہ بھی ہیں۔ اللہ اکبر! میں آپ کو بتا رہا ہوں حضرت خواجہ کے فیض کا عالم تو دیکھئے کہ دیندار تو دیندار، درویش تو درویش، فقیر تو فقیر ایک بادشاہ دنیا، اللہ اللہ! قطب الاقطاب کا جب وصال ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ ہماری نماز جنازہ وہ پڑھائے گا جس کی نماز تہجد قضا نہ ہوئی ہو، قطب الاقطاب کا وصال ہو گیا۔ بڑے بڑے علما، بڑے بڑے اولیا موجود تھے، لیکن جس سے یہ کہا جاتا کہ حضرت یہ وصیت کر گئے ہیں کہ نماز تو وہ پڑھائے گا جس کا تہجد بھی قضا نہ ہوا ہو۔ پیچھے ہٹ جاتے کہ ایک آدھ تو قضا ہی ہو گیا ہوگا۔ اب نماز میں دیر ہونا شروع ہوئی، جب کوئی آگے نہ بڑھا تو سلطان شمس الدین آگے بڑھے اور کہنے لگے پیر! آج تم نے میرا رکھول دیا۔ میں جس بھید کو چھپائے ہوئے تھا، جس کو میں نے آج تک نہیں ظاہر کیا، آج وہ راز آپ نے کھول دیا اور یہ کہہ کر سلطان شمس الدین التمش نے نماز پڑھائی حضرت بختیار کا کی کی۔ آپ دیکھئے آپ سوچئے، کہ جو لوگ دین کا دعویٰ کرتے ہیں وہ کہاں؟ اور دنیا کا ایک بادشاہ کہاں؟ دنیا کے یہ بادشاہ تھے، تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خواجہ خواجہ پکارتے ہیں، غریب نواز غریب نواز کے ہم نعرے لگاتے ہیں، لیکن کبھی ہم نے سیدھے سے یہ سوچا ہے کہ خواجہ غریب نواز کا جو کردار ہے، حضور والا کا جو اسوہ حسنہ ہے، ان کی جو عادات کریمہ ہیں، اس کی بھی کبھی پیروی کرنے کی ہم نے کوشش کی ہے؟ نہیں، ہم نے تو صاحب یہ دیکھا ہے معاف کیجئے شراب پیئیں، شراب بنائیں، شرابیں پیئیں اور اس کے بعد شراب کی کمائی سے بنام خواجہ آج قوالی ہو رہی ہے۔ ہم لوگ چشتی ہیں اور آج قوالی ہو رہی ہے۔ کاہے ہو رہی ہے صاحب؟ ہم لوگ چشتی ہیں، خواجہ کے یہاں قوالی ہے، لہذا ہم بھی قوالی کر رہے ہیں۔ اور دو بوتلیں آج زیادہ بکی تھیں ان کے پیسوں سے قوالی ہو رہی ہے، تو بات یہ سمجھ میں نہیں آئی، سب سمجھ میں آیا مگر یہ چشتیت میری سمجھ میں نہیں آئی

اور یہ تو چشتیت کے نام پہ دھبہ ہے۔ چشتیت کے نام پر داغ ہے۔ اگر ہم خواجہ کا نام لیتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم خواجہ کے اسوہ حسنہ کو اپنائیں۔ اللہ اکبر۔

پانچویں رجب المرجب کو حضور اپنے حجرے میں تشریف لے گئے تو رات بھر آپ کے ذکر الہی کی آواز آتی تھی۔ خدام باہر بیٹھ کر ذکر کرتے تھے، حضور اندر بیٹھ کر ذکر کرتے تھے۔ خدام نے سوچا کہ رات بھر تو ذکر کی آواز آتی رہی، صبح کے قریب آواز آنا بند ہوگئی۔ خلاف معمول تھا یہ۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا تو فجر جب طلوع ہوئی تو نماز باجماعت کے لیے خدام نے آواز دی ورنہ خود تشریف لاتے تھے۔ آواز نہیں آئی اندر سے، جب دروازہ توڑ کر اندر گئے تو ملاحظہ کیا کہ حضرت خواجہ قبلہ کے رخ لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کی پیشانی پہ لکھا ہوا ہے ”مات حبیب اللہ فی حب اللہ“ اللہ کا دوست اللہ کی یاد اور محبت میں دنیا سے رخصت ہوا۔ ساتویں رجب المرجب کا دن گزار کر تقریباً ستانوے برس کی عمر میں حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے اسی حجرہ میں وصال کیا جس حجرہ میں آج حضور کا مزار مبارک ہے۔ یہی آپ کی جگہ تھی اور یہی آپ کی آخری قیام گاہ، قیامت تک کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ حضرت خواجہ کے فیض و کرم سے ہمیں بھی حصہ عطا فرمائے، سب سے بڑی بات یہ کہ ہمیں ان کے اسوہ حسنہ کی اطاعت کی توفیق عنایت فرمائے اور اللہ العالمین ہماری عبادتوں، ریاضتوں اور ہمارے نیک کاموں کو قبول کرے، برائیوں سے ہمیں دور کرے اور ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے، سچے دل سے ہم توبہ نصوح کریں۔

اللهم ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔ اللهم ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ وصلى الله تعالى على خير خلقه و نور عرشه سيدنا محمد وآله و أصحابه أجمعين (آمین)۔

## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ حیات و افکار، درگاہ شریف - ایک تاریخی تجزیہ

پروفیسر سید لیاقت حسین معینی  
شعبہ تاریخ، اے۔ ایم۔ یو، علی گڑھ  
گدی نشین درگاہ سلطان الہند

حبیب اللہ، نائب رسول اللہ، معین الاولیاء، قطب المشائخ بحر و بر، خواجہ  
خواجگان حضرت سید خواجہ معین الدین حسن چشتی سنہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش عام  
روایت کے مطابق ۱۴ رجب المرجب ۵۳۰ھ میں بمقام سنجر (ایران) میں ایک معزز  
باوقار ذی حشم، علمی اور نجیب الطرفین سادات گھرانہ میں ہوئی۔ والد محترم حضرت خواجہ  
سید غیاث الدین ایک معروف علمی اور روحانی شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کا اصلی نام  
حسن، کنیت معین الدین ہے۔ منگولوں کی ریشہ دوانیوں اور ان کے مظالم کے سبب آپ کا  
خاندان خراسان کی جانب منتقل ہو گیا، جہاں آپ نے نشوونما پائی۔

اوائل عمر میں یتیمی کا داغ حضرت خواجہ کو اپنے جد امجد کے طریقہ و سنت پر  
ملا۔ اسی دوران حضرت ابراہیم قندوزی مجذوب وقت کی کیمیائی نظر نے زندگی کا رخ  
موڑ دیا اور تمام علاقہ دنیا کو راہ خدا میں خیرات کر کے آپ تلاش حق میں نکل پڑے اور  
اس وقت کے عالمی شہرت یافتہ دینی مراکز سمرقند و بخارا و بغداد میں حصول علم کر کے  
بالآخر چشتی سلسلہ کے نامور و جید بزرگ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کے در  
دولت پر حاضر ہو کے خود کو ان سے پیوستہ کر دیا۔ سالہا سال مجاہدے کیے۔ خدمت پیر

اس طرح ادا کی کہ سفر میں پیر کے بور یہ بستر و دیگر سامان کو سر پر رکھ کر چلتے تھے۔ اکثر  
فرماتے تھے کہ جو بھی نعمتیں حاصل ہوئیں، وہ خدمت پیر کی بدولت پائیں۔

پیر بزرگ کی معیت میں دوران سفر کعبۃ اللہ اور روضہ سرکار رحمت للعالمین  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اسناد مقبولیت بھی حاصل کی۔ کعبۃ اللہ میں  
بارگاہ الہی سے اعلان ہوا کہ ”ہم نے معین الدین کو قبول کیا“ یہ بھی پیر کی دعا کا جواب  
واثر تھا۔ مدینہ منورہ میں ”قطب المشائخ بحر و بر“ کے لقب سے نوازے گئے اور برصغیر  
ہند کی ولایت و سلطانی عطا کی گئی۔

تربیت و خلافت و اجازت، روحانی تصرفات پیر سے حاصل کر کے سرزمین  
ہند کی طرف رخ کیا اور عرب و عجم و وسطی ایشیا افغانستان کے مشہور مقامات پر ہوتے  
ہوئے لاہور آ پہنچے۔ دوران سفر ہم عصر تمام صوفیائے کرام سے ملاقاتیں کیں۔ حضرت  
غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے امکانات تاریخی  
شواہد کی بنا پر کم نظر آتے ہیں اور عالم ارواح میں ملاقات اور روحانی تصرفات کے  
متعلق ہر کس و ناکس کو مجال نہیں کہ تبصرہ کرے۔ اور پردہ فرما چکے اہل اللہ، اولیاء اللہ کے  
مزارات پر حاضری دے کر جہاں سے جو فیض ملا، حاصل کرتے رہے تاکہ آنے  
والے سخت ترین معرکہ ہند میں نصرت و فتح حاصل ہو۔ لاہور میں حضرت شیخ علی ہجویری  
کے روضہ پر اعتکاف کیا اور معاملات کی کشادگی کا اظہار اس شعر سے کیا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملان را رہنما

حضرت خواجہ کی ہند میں آمد سے قبل مالبار کے ساحلی علاقہ پر، سندھ کے  
پتے ریگزاروں میں اور شمال ہند کے مختلف مقامات پر اسلام کی ہلکی ہلکی روشنی بذریعہ  
تجار، فوجی دستوں و دیگر اہل اللہ پہنچ چکی تھی مگر جس ”مردمومن“ کی اس دیار میں ضرورت  
تھی، اس کی آمداب ہوئی تھی۔

ہندوستان کی سرزمین اس وقت کشت و خون کا ایک خطہ بنی ہوئی تھی۔ جہاں ایک طرف اس ملک کے راجاؤں نے آپسی رنجشوں اور جنگوں سے ماحول کو ہیبت ناک بنا دیا تھا، وہاں محمود غزنوی جیسے جری سپہ سالار نے ۱۷ کامیاب حملے کر کے اس علاقہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و کینہ کے دفا تر کھول دیے تھے۔ سرزمین ہند اس وقت سیاسی، سماجی، ثقافتی اعتبار سے اپنے تاریخ کے نازک ترین موڑ پر تھی اور خانہ جنگی اور سیاسی اٹھل پھٹل کے اس عالم میں سماج میں چھوٹا چھوٹا، ذات برادری، اونچ نیچ غلامی جیسی مہلک بیماریاں موجود تھیں۔ نفرت اور تعصب کے اس دور میں آپ کی آمد اور تکمیل مقاصد آپ کے عزائم اور قوت ارادی کا ایک تاریخی بے مثال و نادر نمونہ پیش کرتے ہیں۔

کیا تھا ہند کو تار یک جب باطل پرستی نے  
اجالا کر دیا آکر معین الدین چشتی نے

ایسے ماحول میں حضرت خواجہ اعظم کا اس سرزمین میں قدم رکھنا اور سونے پر سہاگہ یہ کہ چوہان حکومت کے دارالخلافہ اجمیر القدس میں مستقل قیام پذیر ہونا، آپ کے اعلیٰ ترین مقام روحانیت کی دلیل ہے۔ بلاشک و شبہ اور بحث و مباحثہ عقلی بقول حضرت نظام الدین اولیا محبوب الہی آپ چتھو را کے دور میں اجمیر تشریف لائے۔ فرمان محبوب الہی تمام تر تاریخی و عقلی دلائل، الٹ پھیر پر فوقیت رکھتا ہے اور اس کے بعد کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دوسرے آپ اجمیر تشریف لا کر خدا نخواستہ کسی حاکم کے زور بردستی یا کسی اور وجہ سے واپس نہ ہوئے بلکہ جب رائے چتھو را (پرتھوی راج) نے آپ کو تکلیف دینی چاہی تو بقول حضرت محبوب الہی فرمایا کہ:

”مارائے چتھو را رازندہ گرفتیم و دادیم بہ لشکر اسلام“

چونکہ اجمیر اس وقت سیاسی، سماجی اور مذہبی تہذیب و تمدن کا ایک عظیم مرکز تھا، اسی لیے آپ کی آمد اجمیر میں ہوئی۔ گو چند مرتبہ دہلی ضرور تشریف لے گئے۔ یہاں تشریف فرما ہو کر جن نامساعد حالات میں خندہ پیشانی اور اخلاق حسنہ سے

خلق اللہ میں اسلام، تصوف اور چشتیہ سلسلہ کی آبیاری کی ہے، اس کا سوچنا بھی آج کے دور میں محال ہے۔ تقریباً ۴۰ سال سے زائد اس عطاءے رسول نے عوام کو یہ پیغام دیا کہ اسلام یہی پیغام دیتا ہے کہ انسانیت سے محبت درحقیقت اللہ کے قرب کا ایک راستہ ہے۔

فرماتے ہیں کہ ”درماندگان را فریاد رسیدن و حاجت بے چارگان روا کردن و گرسنگان را سیر کردن“ اعلیٰ ترین اطاعت خداوندی یہ ہے کہ بھوکوں کو کھانا کھلایا جائے، فریاد کرنے والوں کی مدد کی جائے اور پریشان حال کی پریشانی کا ازالہ کیا جائے۔ یہی وہ اعلان عام تھا جس پر آج تک آپ کا ر بند ہیں اور آپ کے آستانہ پر حاضر ہونے والے لاکھوں زائرین اس فرمان معین کے تحت فیضیاب ہوتے ہیں اور اپنے دکھ درد کا درماں پاتے ہیں۔

**تعلیمات و ملفوظات و ارشادات:**

فرماتے ہیں کہ خداوند عالم اس شخص کو دوست (ولی) رکھتا ہے جس میں ”اول سخاوت چوں سخاوت دریا دویم شفقت چوں شفقت آفتاب سویم تو وضع چوں تو وضع زمین“ موجود ہو۔ ہندوستان کے مذہبی اور معاشرتی ماحول میں دریا (گنگا جمننا) آفتاب (سوریہ) اور زمین (ماتر بھومی) تینوں واجب التعظیم ہیں۔ لہذا عوام کے جذبات کو نظر میں رکھ کر یہ تلقین کی کہ ان میں موجود خوبیوں کو اپنی روزہ مرہ زندگی میں اپنایا جائے۔ فرماتے ہیں کسی گناہ سے اتنا بڑا نقصان نہیں پہنچتا، جتنا کسی کو ذلیل و گری نظر سے دیکھنے سے۔ یہ سب ارشادات ہندوستانی معاشرہ میں پھیلی مہلک بیماریوں کا سدباب بنے اور ایک روحانی و سماجی انقلاب کے بانی ہوئے۔

اہل اللہ کے لیے فرماتے ہیں کہ ”نماز مومن کی معراج ہے۔“ بدبختی اور شقاوت کی علامت، معصیت میں آلودہ رہنا اور اس بات کا امیدوار ہونا کہ میں دربار خداوندی میں قبول ہوں گا۔ حقیقت میں متوکل وہ ہے جو اپنے رنج و محنت کو خلاق سے وابستہ نہ جانے۔ حاجت روائی کے لیے الحمد شریف کا ورد کثرت سے کرنا چاہیے۔ جس نے

جو نعمت حاصل کی، وہ سخاوت سے پائی۔ عارف وہ ہے جو دنیا کے غم سے اور اف نہ کرے۔ وحدت الوجود کو گوشتِ اکبر نے ایک جامع شکل دی مگر یہ نظریہ قدیم صوفیائے کرام کا منظور نظر رہا۔ حضرت خواجہ اعظم کا ارشاد گرامی ہے:

”چو ما از پوست بیرون آمدیم ونگاہ کردیم، عاشق و معشوق و عشق یکی دیدیم یعنی در عالم توحید ہمہ یکلیست“ آپ کے اکثر ارشادات و ملفوظات دلیل العارفین سرور الصدور میں پائے جاتے ہیں جو اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ آپ ایک لاثانی عالم، لافانی صوفی، انسان کامل و مکمل مرشد تھے۔

اجمیر القدس میں آپ کی موجودگی نے جب حکمران کو پریشان کیا اور آپ نے اس کے مستقبل کے بارے میں جو ارشاد فرمایا وہ بالکل ویسا ہی ہوا۔ دراصل یہ تنازعہ ایک ہندو راجہ اور مسلم درویش کے مابین نہ ہو کر ایک فرعون حکمران اور ایک اہل اللہ کے درمیان تھا، اس لیے کہ آنے والے دور میں اسی قسم کے تنازعات مسلم حکمرانوں اور بزرگوں خاص کر چشتیہ سلسلہ کے صوفیائے کرام کے ساتھ دہلی میں اکثر ہوتے رہے۔ لہذا اس کو فرقہ وارانہ نظریہ سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ بہر حال اجمیر القدس کو اپنے سلسلہ کے رشد و ہدایت کا مرکز بنا کر آپ نے لاتعداد خلفا کو دیار ہند کے کونے کونے میں بھیجا، جس روش کو چودھویں صدی میں حضرت محبوب الہی نے بھی اپنایا۔

دہلی، ناگور، نارنول، مانڈل، سانہجر، نندو بار، بلگرام، لکھنؤ، بارہ بنکی، بدایوں، ایرج و جنوب ہند وغیرہ میں آج بھی آپ کے رفقا خلفا اور پیروکار کے معروف مزارات اور روشن خانقاہیں اس کی واضح دلیل ہیں۔

**عالمی زندگی:**

قیامِ اجمیر میں آپ نے دو عقد کیے۔ اول عقد حضرت خواجہ وجیہ الدین مشہدی (عم حضرت میراں سید حسین خنگ سوار داروغہ گڑھ ٹھیلی (تارا گڑھ) شہید ۱۲۰۶ء کی صاحبزادی سے اور دوسرا ملک خطاب حاکم اجمیر کی پیش کردہ دختر مقامی راجہ سے کیا۔

من جملہ تین صاحبزادگان اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں۔ فرزند اکبر خواجہ سید فخر الدین نے سرواڑ شریف (علاقہ باندن / مانڈل) کو اپنا مرکز رشد و ہدایت بنایا۔ دوسرے صاحبزادے خواجہ سید ابوسعید نے اجمیر میں سکونت اختیار کی۔ سوئم صاحبزادہ خواجہ حسام الدین اوائل عمر میں ابدالوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے اور گمان غالب یہ ہے کہ شاید پونہ میں جو مزار خواجہ حسام الدین کا ہے، وہ ان کا ہی ہو۔ صاحبزادی بی بی حافظہ جمال نے بھی اجمیر میں رہائش رکھی۔ تمام اولادوں نے اپنے والد محترم کے زیر سایہ تعلیم و تربیت، خلافت اور اجازت پائی۔

بی بی حافظہ جمال صاحبزادی ایک ولیہ کاملہ تھیں اور خواتین کے درس و تربیت کا کام ان کے سپرد تھا۔ خواجہ سید فخر الدین سرواری ایک عظیم المرتبت ولی تھے۔ ان کے صاحبزادے خواجہ سید حسام الدین سوختہ نے سانہجر (Sanbher Lake) کو اپنا مسکن چنا۔ دراصل یہ تمام مقامات عام شاہراہوں پر اس جگہ تھے جہاں سے جنوب / گجرات / دہلی / آگرہ / ملتان وغیرہ کو راستے جاتے تھے۔ ایسے مقامات پر رشد و ہدایت کی خانقاہیں بنانا ضروری تھا۔ ناگور سے سندھ، گجرات اور اس کے آگے کے علاقہ کے لیے راستے میں تھا۔ اس کے بعد آپ کی اولاد چودھویں صدی کے آخر اور پندرھویں صدی کے اوائل میں حالات کے پیش نظر اور سلسلہ کی ترویج و اشاعت کی غرض سے گجرات مانڈو و دیگر مقامات پر منتقل ہو گئی اس کے بعد سے مستند تذکرہ اولاد امجاد کا خاص کراجمیر میں موجودگی یا واپسی کا تاریخ میں نہیں ملتا۔

تاریخی مواد کی کمی نے ہمیشہ متعصب اور کم علم لوگوں کو موقع دیا کہ آپ کی شخصیت پر انگلی اٹھائی جائے۔ حال ہی میں پی ایم کیوری (P.M. Currie) نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں ایک ڈی فل مقالہ حضرت خواجہ صاحب اور ان کے روضہ پر پیش کیا اور بعد میں اس کو کتابی شکل دی، جس میں حضرت کو ایک گمنام درویش (معاذ اللہ) کی حیثیت دی، جن کو ان کے معتقدین نے اتنا عظیم کر دیا۔ اس پر ایک تنقیدی



مضمون تاریخی پس منظر میں راقم الحروف نے تحریر کیا جو موصوف کی کتاب ”دی چشتی شران آف اجمیر“ میں چھپ چکا ہے۔ اس قسم کے تنگ نظر متعصب، اصول تصوف سے ناواقف جہلا حضرات نے اس ”رشتک محبوبان الہی“ کی شخصیت کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، جس کا تدارک کرنا از حد ضروری ہے۔

آپ کے لاتعداد خلفا تھے۔ ان میں سے بالخصوص خلیفہ اول (۱) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دوسرے خلیفہ حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سوالی صوفی تھے (۳) تیسرے فرزند اکبر خواجہ سید فخر الدین سرواڑی (۴) سیدہ بی بی حافظہ جمال (۵) خواجہ سید فخر الدین گردیزی برادر طریقت عم زاد برادر خادم خاص جد موجودہ (جماعت خدام سید زادگان) شیخ مجد الدین سجری، شیخ محمد ترک نارولی، شیخ قدوة وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں کئی آپ کے برادر طریقت تھے۔

حضرت خواجہ فخر الدین گردیزی سے آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ اپنے بڑے صاحبزادے کا نام ان کے نام نامی پر رکھا۔ اکثر فرماتے تھے ”فخر الدین فخر ماست“۔ آپ ہی خانقاہ کے منتظم اعلیٰ، خادم خاص تھے جن کی قربت کی نشانی آپ کا مع اہلیہ مزار مبارک اندرون آستانہ نزد مزار خواجہ توشک خانہ میں ہے، جہاں مزار شریف کے غلاف چھنور، فراشہ و دیگر اشیاء مزار رکھے جاتے ہیں۔ ان کی ہی اولاد آج تک مزار شریف پر جملہ خدمات ادائیگی رسومات عرس و کلید برداری کرتی ہے اور انکساری کے طور ”خادم“ کہلانا پسند کرتے ہیں۔ گو کہ بقول مشہور و معروف محقق مرحوم پروفیسر کے اے۔ نظامی ان کے تمام مراعات خدمات کلید برداری نذر و نیاز وصولی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ یہ درحقیقت سجادہ گدی نشین ہیں، مگر ان کی انکساری کہ ”خادم“ کہلانے پر فخر کرتے ہیں۔

وصال:

روایات مستند کے مطابق ۶ رجب المرجب ۶۳۲ھ / ۱۲۳۶ء میں حضرت خواجہ اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ بوقت وصال خط نوری سے

پیشانی مبارک پر نمایاں تھا۔ ”ہذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ“۔

سنت پیغمبران کی روش کو اپناتے ہوئے اسی حجرہ مبارک میں آپ کی تدفین عمل میں آئی جس میں آپ نے برسہا برس مجاہدہ و ریاضت کی۔ گو کہ تاریخی مواد کی کمی کی وجہ سے آپ کے کارنامے کی ایک مکمل تصویر بننا مشکل ہوتی ہے مگر عقلی دلائل و حالات و معاملات کے مدنظر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس ”مرد مجاہد“ نے انسانیت سازی اور مردم گیری کا کام اس پر آشوب اور پرفتن دور میں کیا، جب کہ مسلمانوں کا وجود اس علاقہ میں ممکن نہیں تھا۔ اپنی سادہ مگر دلکش انداز زندگی، گفتگو اور کردار نے ان کو دیار ہند میں سب سے بڑے اور ایک عظیم روحانی و سماجی انقلاب کا بانی بنا دیا۔ ایک پھٹی دو تہی اور پانچ مثقال کی روٹی کی افطاری والا یہ انسان جب کسی پر نظر اٹھا دیتا تو اس فاسق کی زندگی میں گناہ سوکھے کی مانند ختم ہو جاتے۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں:

صوفی حمید الدین ناگوری سوالی سلطان التارکین اس نظر کیمیا کے شکار ہوئے رواداری اور وسیع القلمی کا عالم یہ تھا کہ ان کے ہم عصر خلفا کے ناموں میں شیخ فقیہ مادھو امام جامع مسجد شیخ مٹھا کے نام ملتے ہیں، جن کی علمیت کا اندازہ فقیہ و عالم و امام کے ٹائٹل سے معلوم ہوتا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں ایک عظیم الشان مدرسہ اجمیر القدس میں موجود تھا جہاں تشنگان علم و معرفت کی سیرابی کے لیے فقہ و حدیث کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

آپ کے ارشادات و ملفوظات بڑے معنی خیز اور پر مغز ہیں۔ یہ اس دور کی سماجی صورت حال کی عکاسی کرتے ہیں جس کا لب لباب غریبوں کی مدد، انسانیت کی سرخ روٹی اور برادرانہ روش و سماجی برابری اخوت ہے۔ پریشان حال کی مدد، بھوکوں کو کھانا کھلانا وغیرہ۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ انسانی زندگی کا نصب العین اور سماجی اصلاحات کا مظہر ہیں۔ آپ کے ملفوظات، اقوال و افکار نظریات و خیالات اور چشتیہ

سلسلہ کی اساس انیس الارواح / دلیل العارفين / گنج الاسرار / سرور الصدور / دیوان / مکتوبات وغیرہ میں ملتے ہیں۔ جس کو صاحب سیر الاولیا امیر خورداور شیخ عبدالحق محدث دہلوی / شرف اللہ یحییٰ منیری تاج المحققین وغیرہ نے مستند مانا ہے مگر شومی قسمت سے موجودہ دور کے کچھ کمیونزم زدہ نام نہاد تنقیدی محققان نے اکثر کو جعلی و فرضی مانا جس کے پیچھے کوئی سازش نظر آتی ہے۔

سب سے اول علامہ صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے پھر راقم الحروف نے محققانہ طور پر اس خیال بد کی تردید کی اور ان نام نہاد خام خیال تنقید اور سائنٹفک نظریہ رکھنے والے مورخین کی عقلی دلائل کی پول کھول دی ہے۔ آپ کے اکثر کلمات جنید، ثعلبی، بسطامی، ابوسعید، ابوالخیر وغیرہ جیسے تصوف شناور کے ارشادات سے ملتے ہیں۔ سرور الصدور (ملفوظات خواجہ جمیری و صوفی حمید الدین ناگوری) میں جس انداز سے شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت پر مفصل و مکمل بحث کی ہے اور مسلہ ترک دنیا پر حضرت صوفی حمید الدین ناگوری کو فرمایا: یہ ارشادات قلم بند کر دیں تاکہ عوام اس سے فیضیاب ہو سکیں۔ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ملفوظات قلم بند کرنے کا سلسلہ جاری تھا اور چشتی بزرگوں میں عام بھی تھا۔

ہندوستان کے مشہور شاعر جمالی، جن کا موازنہ جامی و سعدی سے ہوتا ہے، سلسلہ سہوردی سے وابستہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں جب اپنے پیر زادہ کے ساتھ حاضر دربار خواجہ میں ہوا تو ہاں مولانا مسعود مجاور عظیم القدر سے ملاقات ہوئی جن کی عمر ۸۰ سال کی تھی اور جو مولانا احمد (فخر الدین گردیزی) کی اولاد میں تھے، ان کے پاس میں ان کے (جد مولانا فخر الدین علی احمد) کے؟ قلم بند کیے۔ حضرت خواجہ جمیری کے حالات و ملفوظات دونوں دیکھے اور مستفیض ہوئے۔

گلزار ابرار کے مؤلف مولانا غوثی شطاری لکھتے ہیں کہ ”فخر الدین علی احمد خادم خاص اور پرستار خواجہ تھے اور پیر کے ناصحانہ کلام کو قلم بند کرتے تھے۔ یہ چند

مثالیں ملفوظات مکتوب / دیوان / کے مستند ہونے کے لیے کافی ہیں۔ شاعری کا ذوق و شوق حضرت خواجہ جمیری کو تھا اور ہونا بھی چاہیے تھا کہ تصوف، حکمت اور شاعری کا ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اس دور کا طرہ امتیاز بھی رہا۔ اکثر آپ کی زبان مبارک پر بقول حضرت صوفی حمید الدین ناگوری کے یہ اشعار ورد میں رہتے تھے۔

یاں اے دل گرم بہ دم سرد بساز      با دیدہ لعل و با رخ زد بساز  
ریا در سے چوں نیست فریاد کن      درماں چوں نمی بینی با در بساز

اور

اے دل غم آن مخور کہ فردا چہ شود      زیرا کہ ہمہ خوشی دراں پے بشود  
حکمے کہ بکر داست خداوند جہاں      دانم چہ شود و اگر ندانم چہ شود؟  
ہاں حال ہی میں چند مناقب بزرگان دین کی شان میں آپ سے منسوب کئے گئے ہیں جن کی تاریخی شواہد کی موجودگی نہ ہونے پر اور کلام کی پستی کے سبب ان کو فرضی قرار دیا گیا ہے۔ یہ دور حاضر کے چند فوقیت پسند عناصر کی دین، نیز اختراع ہے۔ بہر کیف! آپ کے وصال کے تقریباً ۱۵۰ سال بعد آپ کی اولاد اجداد نے اجمیر القدس کو خیر باد کہا اور آستانہ عالیہ کی ذمہ داری خادین خواجہ کو سونپ دی۔ خادم کے یوں لغوی معنی خدمت کرنے والے کے ہیں مگر صوفی اصطلاح میں اس لفظ کے معنی کوزہ میں سمندر بھر دینے کے مترادف ہے۔ ایچ۔ جی۔ لیمنسن کا خیال ہے کہ جب سلاسل کی تدوین ”نام“ کے ساتھ نہیں ہوئی تھی، تب طالب و مریدین کو گروہ ”خدا“ کہا جاتا تھا۔ ادھر لفظ ”صوفی“ کے مادہ اشتقاق میں ایک لفظ ”صوفہ“ آیا ہے جو ایک قدیم قبیلہ کا نام تھا۔ قبل از اسلام جو کعبہ کا خادم تھا، اس کے اکثر حضرات خاموشی سے بیت اللہ میں حاضر ہو کر عبادت کرتے تھے اور اکثر صفائی وغیرہ کیا کرتے تھے۔ انہیں حضرات کو قبل از اسلام صوفی کہا جاتا تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی شہرہ آفاق ترجمان القرآن میں عبد بمعنی ”خادم“

کے لیا ہے۔ بہر حال عجز و انکسار کی علامت کے طور پر یہ لفظ اجمیر کے گردیزی سادات اولاد خواجہ فخر الدین گردیزی نے اپنایا۔ (بعض خدام کی یہ بھی رائے ہے کہ بی بی حافظہ جمال بنت خواجہ معین الدین چشتی کا عقد جن حضرت رضی الدین صاحب سے ہوا، وہ فرزند فخر الدین گردیزی تھے۔ واللہ اعلم بالصواب) بہر منجملہ یہ گروہ ۸ سو سال سے اس بارگاہ سے وابستہ ہے اور مذہبی، قانونی، تاریخی اور رواجی حیثیت سے منجملہ مراسم کی ادائیگی، زائرین کی وکالت، دعا گوئی، مزار شریف کی کلید برداری ان کا ہی پشتمنی حق رہا اور اسی کے تحت جملہ نذر و نیاز بھی ان کے ہی حصہ و حق میں آتی ہیں۔

قبل از اکبری دور میں جب یہ پورا علاقہ سیاسی خانہ جنگیوں میں الجھا تھا اور افراتفری کا عالم تھا، اس پر طرہ یہ کہ مقامی لوگوں میں کچھ کی نظر بد بھی ان پر تھی، اس کے باوجود جس پایہ استقلال، ہمت اور جذبہ خدمت و وفاداری کے ساتھ اس قوم نے اسلام و حضرت خواجہ، ان کے مشن اور آستانہ کی خدمت کی ہے۔ تاریخ میں اس کی مثال شاذ و نادر ہی ملے گی۔ انہی حضرات نے ۱۴۵۵ء میں سلطان محمود خلجی فرما ماروا مانڈو (مالوہ) کو ترغیب دے کر اجمیر میں قبضہ کرایا مگر جب ان کے ایک فرد کو صوبہ کے حاکم کے عہدہ کے لیے کہا گیا تو صاف انکار کیا کہ امارت و حکومت سے ہمارا کیا کام۔ مغلیہ دور میں تمام شاہان مغلیہ ان کے امر و عہد یداران نے جس عقیدت و عزت و تکریم کا اظہار اس جماعت سے کیا، وہ ان حضرات کی عظمت کی ایک داستان ہے۔

حضرت خواجہ اجمیری کے وصال کے بعد آستانہ عالیہ پر زائرین اور عقیدت مندوں کا سلسلہ جاری رہا، گوکہ وہی نام نہاد کمیونسٹ ذہن کے لوگوں کا یہ دعویٰ رہا کہ درگاہ شریف کو اکبر نے پروان چڑھایا جس کی تردید میں خاکسار نے ایک مضمون بعنوان ”درگاہ قبل از اکبر“ کے نام سے لکھا اور تاریخی شواہد کے ذروں کو جمع کر کے ثابت کر دیا کہ وصال خواجہ اعظم (۱۲۳۶ء) سے اکبر اعظم کی پہلی حاضری ۱۵۶۲ء تک یہ مقام روحانیت، انسانیت اور قومی یک جہتی کا منبع و مرکز رہا۔ جہاں ایک طرف علاء

الدین خلجی، محمد بن تغلق، سلطان مظفر شاہ گجراتی، بہلول لودھی، شیر شاہ سوری، بہادر شاہ گجراتی اور مقامی راجپوت سوراؤں نے حاضری دی، وہیں قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی، بابا فرید، صوفی حمید الدین ناگوری، اور ان کی اولاد شیخ فخر الدین زرداری، بندہ نواز گیسو دراز، شیخ اسحق مغربی سلسلہ کے، شاہ بدیع الدین مدار یہ سلسلہ، بزرگان شطاریہ سلسلہ، احمد مغربی، شیخ براہ احمد کھتو، شیخ حسین ناگوری، شیخ احمد مجدد الف ثانی، سید محمد کاپلی وغیرہ مختلف سلسلوں کے نامی گرامی بزرگ و شیوخ نے حاضری دے کر اور کچھ نے ساہا سال اس در دولت پر ماتھا رکڑ کر اپنی ولایت پر مہر تصدیق ثبت کرا ڈالی اور بہ اشارہ باطنی خواجہ مختلف مقامات پر جا بسے۔ اس کے علاوہ عوام کی لاتعداد حاضری اور پیدل آمد نے بھی اس مرکز رشد و ہدایت سے فیض پایا۔ خود اکبر کی اول حاضری کا سبب مدھا کر گاؤں میں دیہاتی عورتوں کا حضرت خواجہ اعظم کی شان میں منقبت پڑھنا بنا۔

مغلیہ دور میں بلاشبہ زائرین کی آمد میں اضافہ ہوا جس کی خالص وجہ بادشاہ کی متواتر حاضری سے راستوں میں سہولیات آرام خوشحالی اور حفاظت ہے، نہ کہ سیاسی معاملہ۔ شاہانہ مغلیہ نے جاگیریں عطا کی اور بالخصوص خدام کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی عزت و تکریم بھی کی۔

تقویٰ شعار شیخ فتح اللہ سید احمد متولی درگاہ رہے، شیخ دانیال مجاور کونور کا تودہ کہا گیا مشیخت پناہ سید منصور مجاور، سید عالم زبدۃ الاقران وغیرہ کے نام دور اکبری کے ان خدائین/مخدومین کے ہیں جن کو اکبر نے سر آنکھوں پر رکھا۔ اسی زمانہ میں جھوٹے دعویٰ دار اولاد خواجہ، شیخ حسین اجمیری کو سزا کے طور پر قلعہ بھکر میں قید کر دیا۔ اس مغلیہ دور کے شہنشاہوں نے خود کو غلام خواجہ اور حلقہ بگوش سمجھا اور اصلی سلطانی و حکومت کا مالک حضرت خواجہ اعظم کی ذات کو سمجھا۔ نوبت، چھتری، سکوں پر یا معین، نعرہ جنگ یا معین، وغیرہ اسی کی دلالت کرتے ہیں۔ درگاہ شریف میں ادائیگی و رسم و تقسیم نذر و جاگیرات کے سلسلہ میں شاہی فرامین (آج بھی موجود ہیں) اکبر کی پایادہ حاضری،

جہانگیر کی حلقہ بگوشی، شاہجہاں کی مزار شریف پر قبلہ روئی، اورنگ زیب کی محفل سماع میں مسکراتی خاموشی، شہزادی جہاں آرا بیگم کی پلکوں سے آستانہ میں جاروب کشی، دیگر امرایان کی اسی طریقہ کی عقیدت و تمنائے مدفن بر آستانہ اس بات کو صاف واضح کرتا ہے کہ خواجہ اعظم کا مقام ایک صاحب کمال بزرگ کے ساتھ ولی الہند کے علاوہ سلطان الہند بھی تھا۔ کلید برداری، روشنی، خدمت، غسل، اعراس و بسنت محافل، سرپرستی و دستار بندی زائرین، دعا گوئی زیارت کے طریقہ و آداب سبھی کچھ خدام خواجہ کے زمرہ اثر میں رہا جس پر تنگ نظر و متعصب حضرات کو ہمیشہ پریشانی رہی۔

سب سے اہم پہلو اس آستانہ و خدام کا اہل ہنود سے تعلق رہا ہے۔ ہر مسلمان کا اس بارگاہ سے ربط عقیدت فطری تھا مگر ہندو حضرات کے اس مقدس آستانہ سے خواجہ اعظم سے، چشتی تعلیمات سے، خدام سے لگاؤ اور عقیدت دراصل چشتی سلسلہ تعلیمات، فرمودات، رواداری، سخاوت، وسیع المشربی و قلبی کی علامت ہے۔ یہ پہلو آج کے دور میں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

### فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی:

حضرت خواجہ کی آمد ہند اور کارنامہ، دراصل بقول شاعران کو ”پیغا مبر ہند“ کا مقام دیتی ہے۔ ایک مرتبہ راقم الحروف کی موجودگی میں ایک دیہاتی ہندو گنوار جس کے کپڑے بھی سلیقے کے نہ تھے، گردوغبار میں اٹا ہوا جب درگاہ میں حاضر ہوا اور کسی صاحبزادے نے اس کو سر ڈھکنے اور لانگ (گھٹنے کی دھوتی) کھولنے کے لیے ذرا تلخ انداز میں کہا تو نوجواہل کہنے لگا کنور جی (شہزادہ) باپ جی (خواجہ جی) مارے لیے آئے تھے تمہارے لیے نہیں (بیٹا خواجہ جی ہم لوگوں کے لیے آئے تھے، تمہارے لیے نہیں) میں حیرت زدہ اس تاریخی جملہ پر اس کو دیکھتا رہا کہ وہ نہ پروفیسر، نہ عقل و دانش کا علمبردار بلکہ نژاد بیہاتی مگر عقیدت انگیزی گہری بات کہہ گیا۔ دراصل یہ اس عقیدت اور لگاؤ کی عکاسی کی تھی جو اہل ہند کو حضرت خواجہ اعظم سے خاص تھی اور ہے۔ یہ

اپنائیت کا اظہار ان کا دین و ایمان تھا۔ اس لیے حضرت خواجہ اعظم نے:

پاپی جنم جنم کا دامن میں لے چھپایا  
رحمت خدا کی لایا ہریالہ بنا آیا

جیسا کہ اوپر تحریر ہو چکا ہے کہ آپ کے دور میں ایک نازک مسئلہ اور موجودہ دور کے مورخوں نے اٹھایا کہ آیا صوفی حضرات بالخصوص ایک بزرگ چشتی فقیہ امام بزرگان دین ہندوستانی عوام میں تبلیغ اسلام میں کوشاں تھے یا نہیں۔ ایک گروہ ان میں صاف طور پر تبدیلی مذہب یا تبلیغ اسلام کا منکر ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ علما اس بات پر اتفاق کرتا ہے کہ آپ نے تبلیغ دین کی، حقیقتاً خواجہ اعظم کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اس وقت اسلام کی صحیح تصویر اور رخ پیش کیا، جب کہ سلاطین امرا کی سیاسی اور حکومتی نقطہ نظر سے اس ملک میں تشدد اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ ایسے تعصب زدہ اور نفرت کے ماحول میں آپ نے اس تناؤ کو دور کیا اور اسلامی تصوف کے ذریعہ وہ اصل اور حقیقی تصویر پیش کی کہ لوگ جوق در جوق آپ کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔ اپنے گفتار و کردار اور اخلاق حسنہ سے اس ملک کے عوام کو گرویدہ بنایا اور وہ لوگ بھی جو دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے، آپ کی عظمت اور اعلیٰ ظرفی کے قائل تھے اور آج بھی ہیں۔ دراصل ہندوستانی قوم پر کسی کے کہنے سننے کا اثر مذہبی معاملات میں نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی مرد صالح کو ہمت میسر ہو جاتی ہے تو یہ لوگ راہ راست پر آجاتے ہیں۔ یہ نظریہ چشتیہ بزرگان دین کا تھا جہاں زبردستی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ شیخ مادھو تھے جو جامع مسجد جمیر کے امام تھے، دیگر شیخ مٹھا وغیرہ اسی قسم کے نام ملتے ہیں جس سے آپ کی رواداری کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ کے عزیز ترین خلیفہ سلطان التارکین نے ناگور کے اطراف میں بشنوی اور چینی فرقہ کے لوگوں کے جذبات کے مد نظر گوشت ترک کر دیا اور اس حد تک وصیت فرمائی کہ میرے ایصال ثواب و فاتحہ میں بھی گوشت نہ ہو۔ اس رواداری نے چشتیہ سلسلہ کو اس ملک میں مرغوب و محبوب بنایا۔

شیخ جمالی رقم طراز ہیں کہ جب وہ ۱۵ویں صدی کے آخر میں حاضری کو آئے تو دیکھا اس بزرگ کی (حضرت ایٹان) کی موجودگی نے اس علاقہ کے کئی نامور حضرات کو دائرہ اسلام میں داخل کر دیا اور جو لوگ مشرف بہ ایمان نہ ہوئے، وہ اور ان کی اولادیں آج تک اس مقدس چوکھٹ پر اپنا سر رکھتی ہیں اور جملہ نذرو نیاز مجاورین کے حوالے کرتی ہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ محمد غوری کی فتح میں اس ”پیر مرد“ کا ہاتھ تھا تو رائے پتھو را کی کئی فتوحات (میوات) کی لڑائیوں میں بقول چندر پردائی اس پیر کا کرم شامل حال تھا جو اس کی سلطنت میں موجود تھے۔ واضح ہو کہ یہ شروع کے دور میں رائے پتھو را کا حضرت سے اعتقادی رابطہ تھا۔

اسی طرح جب اکبر نے چتوڑ پر حملہ کیا تو فتح کے لیے بھیک مانگی، ادھر ”راناراسو“ میں یہ دوہا موجود ہے کہ مہارانا پرتاب نے بھی التجا کی ”مودین اس وقت میری مدد کی جیئے آپ ہندو مسلم دونوں کے مددگار رہے ہیں۔“ اہل ہندو کا خواجہ اعظم کو اس طرح اپنانا، ان کی مقبولیت کی علامت ہے۔ ”میرا بانی اور مالود یوکی رانی روٹھی“ کے عقیدت خواجہ کی داستانیں آج بھی عوام میں عام ہیں اور ان کے محلات آج بھی زیر تار اگڑھ موجود ہیں۔

۱۸ویں صدی میں جب زوال سلطنت مغلیہ کے دور میں کئی نامور ہندو امرا ابھی اپنا رول ٹھیک طور پر ادا نہیں کر سکے بلکہ مراٹھوں نے تو سلطنت مغلیہ و راجپوتانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تب بھی ان اہل ہندو اور امرایان نے اس بارگاہ سے وہی تعلق عقیدت رکھا جو صدیوں سے تھا۔

شیوا جی کے پوتے راجہ ساہو نے سالانہ ایک ہزار روپے اور ایک گاؤں اپنے علاقہ میں نذر درگاہ کیا۔ پیشوا بالا جی، باجی راؤ، رگوناتھ راؤ، راؤ تمبا لکر، مہارارہو لکر، سندھیا وغیرہ نے تحریری طور پر خود کو عقیدت مند ظاہر کیا اور نذرو نیاز گزاری۔ مشہور گورنر جھیلا رام ناگر، گردھر بہادر، آنند رام اوجھا، جگ جیون داس، راجہ رتن چند، آیائل، غیر مسلم دیوان نظام الملک، عبدالصمد خاں، محکم سنگھ، منشارام،

چترامن کا یستھ وغیرہ کے وکالت نامے اور خطوط تو آج بھی خدام خواجہ کے پاس ہیں۔ جس میں زیادہ تر بنام سید جعفر والد سید مراد والد سید مسعود (جد سید مغیث احمد وکیل مارہرہ کے نام ہیں، کے پاس محفوظ ہیں)۔ مہاراجگان بے پور، جودھ پور، کوٹہ، بوندی، ڈونگر پور، رتلام، اٹھمیر، موہان، بریکانیر، اودے پور کے دستاویز فارسی و راجستھانی میں چشتی مسلک کے پھیلاؤ اور اثرات کے ضامن ہیں۔ جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ جب اپنی گدی اور حق کے لیے مغلوں سے برسہا برس پیکار تھے، اس دوران ایک متولی درگاہ نے ان کو تبرکات آستانہ عالیہ بھیجنے پر پابندی لگا دی، جس کے جواب میں اجیت سنگھ نے دعویٰ پیش کیا۔ حضرت خواجہ چونکہ ہندو مسلم دونوں کے مسیحا ہیں، لہذا یہ پابندی نہیں چل سکتی ہے۔ سیاست الگ عقیدت الگ۔ ان حضرات کی اس عقیدت کے مد نظر خدام خواجہ نے بھی ہندو حضرات سے برادرانہ سلوک رکھا اور درگاہ روزینہ سے ۱۳۳۳ حضرات کو جو وظیفے ملتے تھے ان میں سے ۳۳ غیر مسلم تھے۔ ان میں برہمن، زناردار، بیراگی و دیگر مذہبی شخصیات تھیں۔ اک ہنومان کے مندر میں لوگوں کے کھانا کھلانے کے لیے ایک روپیہ یومیہ مقرر کیا جو قومی یک جہتی کی روشن مثال ہے۔ درگاہ وقف میں نائب متولی، قانون گو، ٹیل، خزانچی، فوطہ دار وغیرہ کے عہدوں پر اکثر پشینی ہندو حضرات نے خدمات انجام دیں اور اپنی اس پوزیشن کے تحت درگاہ کے مراسم میں شریک ہوتے تھے اور درگاہ وقف سے غنی و شادی کے موقع پر دستار یا اس کی رقم پاتے تھے۔ اکثر ہندو کاروباری حضرات نے مٹھائی، موم جتی، شامیانہ، لنگر کی جنس کے لیے سالہا سال درگاہ وقف کو قرضہ کے طور پر سامان مہیا کیا اور کئی نے بغیر سود کے مدد کی۔ خدام کی اس رواداری، فراخ دلی کی روش نے ان ہندو مسلم امراء و سلاطین کی نگاہ میں ”یگانگت دستگاہ“، ”مسیحائے وقت“، ”علمبردار اتحاد“ جیسے القاب سے خطوط میں یاد کیا۔ یہ وہ پیغام تھا جس نے ہندوستانی عوام و خواص کو اس ڈگر پر ڈالا اور اس چمنستان کی آبیاری کی، جس نے گزشتہ ۸۰۰ سال سے قومی اتحاد قائم رکھا، جس

کو وقتاً فوقتاً نام نہاد سیاسی مطلبی خود پرست حضرات نے چھیڑنے کی کوشش کی لیکن ہمیشہ ناکامیاب رہے۔ آج کے اس پرفتن دور میں اس استحکام کی سخت ضرورت ہے تاکہ فرقہ وارانہ ذہنیت رکھنے والے اور آنکھ وادی مزاج کے لوگوں پر کمند کسی جائے۔ خانقاہوں، مزارات، آستانوں، پیروں سجادوں کے لیے یہ دور سخت آزمائش کا ہے۔ اسی صورت حال میں ہمت مردانہ سے ان کو اپنا رول ادا کرنا ہے تاکہ ملک و قوم کو بربادی سے بچایا جائے۔ یہی پیغام چشتیہ سلسلہ کے اکابرین کا تھا ”جیو اور جینے دو“۔ اس لیے کہ ہر آنے والے زائر آستانہ عقیدت مند خواجہ کی زبان پر یہ شعر عام ہوتا کہ ۔

ہر درد کی دوا ملی ان کے نام سے دیتا ہے ہر مراد خدا ان کے نام سے حکمرانوں و اہلیان ریاست ہندو مسلم دونوں نے ازراہ عقیدت درگاہ شریف کی توسیع، مرمت اور خوبصورتی کے لیے متعدد عمارتیں تعمیر کرائیں، یہی نہیں شہر اجمیر میں بھی انہی حضرات کی تعمیر شدہ عمارت ان کی عقیدت کا مظہر ہیں۔ دراصل شہر اجمیر جو ہندوستان کی قدیم ترین راجدھانی تھا اور خوبصورت اور پر فضا مقام و ماحول کا شہر ہے، اس میں وقتاً فوقتاً بالخصوص دور مغلیہ کے لاتعداد آثار موجود ہیں۔ جس پر راقم الحروف ایک ”سروے“ کر رہا ہے۔ حضرت خواجہ کے شہر ہونے کی بنا پر اس کی عظمت ہمیشہ رہی۔ جغرافیائی اور strategic اعتبار سے اس کو قبضہ میں رکھنے کی ہر سلطان دہلی، مانڈو، گجرات و مقامی راجپوت راجگان کی خواہش رہی۔ مگر ساتھ ساتھ آستانہ عالیہ کی موجودگی نے اس کی توسیع خوبصورتی کے لیے ان حکمرانوں کو توجہ دلائی۔ اس کو مغلیہ دور میں صوبہ ”دارالخیر“ کا نام دیا گیا تھا اور اس کے صوبیدار اعلیٰ افسران احتراماً اعلیٰ خاندان بالخصوص سادات یا مذہبی رنگ کے لوگوں کو مقرر کیا گیا اور اکثر شہزادگان سلطنت کا بھی تعین کیا گیا۔

درگاہ شریف کی قدیم عمارتوں میں مزار شریف و گنبد کا سلاطین خلجی والی مالوہ کے زمانہ (۱۵۰۰-۱۴۵۵ء) بتایا جاتا ہے۔ غالباً مزار شریف پر عمارت اس سے قبل

تعمیر ہو چکی تھی۔ تعویذ مزار وغیرہ سلطان اتمش کے دور کی یاد دلاتے ہیں۔ بلند دروازہ بھی خلجی فرماں رواؤں کی عقیدت کا مظہر ہے۔ مسجد نزد مزار شریف بھی انہیں سلاطین کی دین ہے۔ تعمیر مغلیہ سے قبل کی عمارتیں کم ہی ہیں۔ لیکن دور اکبری سے تعمیرات کا سلسلہ جاری ہوا۔ مسجد اکبری، دراصل فتح پور سیکری سے قبل کا تجربہ ہے۔ دیگر بھی اکبری عہد کا نمونہ ہے اور صحن چراغ (دیگ کے نزدیک) جس پر حال ہی میں کچھ اشعار نمودار ہوئے ہیں (جو سفیدی کی وجہ سے دب گئے تھے) اکبری کی عقیدت کی نشانیاں ہیں۔ مسلسل اجمیر آمد کی وجہ سے اکبر نے شہر میں فصیل بند، قلعہ دولت خانہ جس کو آج کل میگزین کہتے ہیں، بنوایا۔ اسی طرح تارا گڑھ پر بھی اس کے امر میں سے اسمعیل قلعی خاں نے بلند دروازہ نزد ڈھائی دن کا جھونپڑا، قلندری مسجد وغیرہ تعمیر کی۔ جہانگیری دور میں مسجد محمودی (خلجی) کی مرمت اور توسیع ہوئی۔ درگاہ شریف کی سب سے خوب صورت عمارت مسجد شاہجہانی ہے جو سفید سنگ مرمر کی ہے۔ اسی کے ساتھ قلعی دروازہ نقار خانہ بھی شاہجہانی کا کتبہ لیے ہوئے ہے۔ اسی طرح کچھ شمع دان نزد دیگ و دیگر مقامات آستانہ چند دروازے و دیگر عمارتیں ۱۷ ویں صدی کے مغلیہ دور کی یاد دلاتے ہیں۔ جہاں آرا بیگم کا تعمیر کردہ بیگمی دالان جہاں خدام خواجہ کی نشست رہتی ہے شہزادی کی والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اپنے جملہ شاگرد پیشہ ملازمین کو وقف درگاہ اسی شہزادی نے کیا۔ اورنگ زیب نے مسجد محمودی نزد مزار مبارک کی توسیع کی تھی درگاہ میں جا بجا مقامات پر راجپوت مراٹھ سرداروں کی تعمیر شدہ عمارتیں ہیں۔ مزار شریف کے گرد اول طلائی کٹرہ جہانگیر نے نذر کیا پھر نقرئی کٹرہ شاہ جہاں نے پیش کیا۔ اس میں بارہ کنول شمع دان مہاراجہ کشن پرشاد وزیر اعظم حیدرآباد نے دئے۔ جھجھسری مہاراجہ راجہ سوئی جے سنگھ والی جے پور کی نذر کردہ ہے۔ موجودہ محل خانہ آصف الدولہ نواب نے تعمیر کرایا۔ نظام گیٹ/ مین دروازہ نظام حیدرآباد امیر عثمان علی خاں کا بنوایا ہوا ہے۔ نواب آرکاٹ کا دالان پانچویں مزار آج بھی زائرین کو سہولت دے رہا ہے۔ کیونکہ میری مہارانی انگلینڈ کے حوض میں لاکھوں

زائرین وضو بنا کر اس کا ثواب ملکہ کو دیتے ہیں۔ لنگر خانہ، چراغ دان، توشک خانہ، لا تعداد حجرہ اندرون آستانہ اور بے حساب نامور اور گننام مزارات خدا مین خواجہ (چہار یار) حضرت خواجہ اعظم سے سماج کے ہر طبقہ کی عقیدت کا حوالہ دیتے ہیں۔ امرا، فقرا خدا مین (خواجہ صاحب) ہیں۔ غرض یہ کہ درگاہ شریف گزشتہ آٹھ صدیوں سے ہندو مسلم اتحاد، قومی یک جہتی، رواداری، روحانیت کا مرکز رہا جس سے کروڑہا انسان مستفیض ہوئے اور ہمیشہ ہوں گے۔

در اصل چشتیہ سلسلہ کی کچھ اہم خصوصیات رہیں جس نے اس کو ہندوستانی عوام میں دوسرے سلسلوں کے مقابلہ زیادہ مقبول بنایا۔ ہندوستانی سرزمین پر اس کے نامور بزرگ اور تعلیمات یہاں کے عوام کے مزاج کے لیے موزوں رہے یہاں کی فضا اور عوام کی ذہنیت کو قابل قبول تھا۔ چشتیہ سلسلہ اس کے قبل بھی ابوالفتح شامی (چشتی) کے دور میں ان کے خلفاء کے زمانہ میں چشت (افغانستان میں ہرات سے ۱۰۰ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے)، میں پھلا پھولا۔ یہ سلسلہ تمام سلاسل سے اس معنی میں قدیم ہے کہ ابوالفتح شامی ۹۴۰ء میں چشت میں آ کے چشتی کہلائے اور سلسلہ کا نام اس دور میں پڑا جب کہ دوسرے سلاسل نام کے اعتبار سے ابھی مشہور نہ تھے۔ ان کے مشہور خلفا بالترتیب خواجہ ابدال احمد، خواجہ ابو محمد، خواجہ ابو یوسف، خواجہ دود چشتی نے مقام چشت کو اپنا دارالمستقر بنا کر اس علاقہ میں جہاں بودھ مذہب کے پیروکار تھے اسلامی شمع روشن رکھی۔ یہ علاقہ بھی اسی طرح قدامت پسندی، سخت روی اور شدت پسندی کے لیے مشہور تھا۔ چشتیہ سلسلہ کی قدامت انہیں قدیم بزرگان کی مرہون منت ہے۔

دوسری خوبی اس سلسلہ کی انسانیت سوزی عوامی جذبات کا احترام ان کے دکھ درد کا درماں، ان کی مشکلات کا حل پیش کرنا تھا اور یہی اپنائیت ان کو عوام کے نزدیک لے گئی اور مقبولیت کا سبب بنی۔ شاہی دربار اور حکمرانوں سے ایک لائق اور ادائے بے نیازی نے جاگیرات، عطیات وغیرہ سے گریز نے عوام کو یہ پیغام دیا کہ وہ ان کے ہر دل عزیز اور نزدیک ہیں۔

تیسری خصوصیت قوالی/سماج تھا جس نے ہر خاص و عام میں اس سلسلہ کے پیروں کے نام نامی کو پہنچایا۔ شجرہ طریقت چونکہ مخصوص تھا مریدین و خلفا تک لیکن قوالی کے ذریعہ حمد و نعت، منقبت نے اللہ، اس کے رسول کے پیغام کو عام کیا اور ان کے پیران عظام کے نام و کام سے دل کو منور کر دیا۔ یہ محافل سماج اس وقت کا سب سے عظیم میڈیا تھے۔ خواجہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ لطفی اسی جانب ہے کہ چشتیاں خدا را بے منت یافتند۔

فارسی اشعار کے علاوہ مقامی و علاقائی زبانوں میں بھی منقبت پڑھی جانے لگی۔ رنگ/کرپا کر مہاراج معین الدین تو بڑا غریب نواز ہے/مورے انگنا معین الدین آئے رے، کی بلند بانگ صداؤں نے موسیقی کے ساتھ اس ملک کی فضا میں نغمہ سرائی کے ذریعہ عوام کو جوڑا۔ دوران عرس ”بھداوا“ اور معمول آستانہ کے وقت ”کرکا“، جیسی منقبتیں مقامی زبان میں مقبول ہوئیں جو ملک کی یک جہتی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا پیغام لیے ہوتی تھیں۔

اسی طرح درگاہ میں رسم صندل پوشی/روشنی/تقسیم لنگر میں دلایا جو کایا بیٹھا کھانا دیگ میں خانقاہوں اور آستانوں پر بنایا جانا ایک خاموش پیغام ہندوستان کی عوام کو دیتا رہا کہ وہ بھی اپنے ہیں، اسی اپنائیت اور اخوت کی فضا نے اس سلسلہ کو منظور نظر بنا دیا عوام میں اور کیوں نہ ہو جب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سندولایت و معرفت و حکومت اس برصغیر کی معین الدین چشتی کو سونپ دی تو پھر ان کی مقبولیت اور بندہ نوازی کا کون انکار کر سکتا ہے۔

رواداری کا عالم یہ ہے مزار مبارک پر جو صندل پیش ہوتا تھا، اس کی ذمہ داری ایک ہندو برہمن پر تھی جو تمام آداب کے تحت اس کو تیار کرتا تھا۔ دیگ کا کھانا صرف بیٹھا بنایا جاتا ہے لنگر دو وقت تقسیم ہوتا ہے وہ صرف جو کایا ہوتا یہی سب کھلا دل اور ذہن لے کر چشتی خانقاہ اور آستانے کے دروازے، عوام کے لیے کھلے تھے جنہوں نے خواجہ پیر ”غریب نواز“ ”خواجہ جی“ اور ”ہندالولی“ کے نام نامی سے ان کو یاد کیا اور

اکثر اہل ہنود نے اپنے بچوں کے نام خواجہ لال، خواجہ مل وغیرہ رکھے۔  
 سلاسل چشتیہ کے حلقہ مریدین و عقیدت مند اب نہ صرف ہندوستان کے  
 کونے کونے میں موجود ہیں بلکہ دنیا کے ہر گوشے میں مل جائیں گے۔ آپسی معاملات  
 کا یہ عالم رہا کہ سلسلہ قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ کے اکثر بزرگان و خانقاہیں جماعت  
 خانے بھی اس رنگ چشتی میں رنگے نظر آئے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اکثر مقامات  
 پر توالی، محفل سماع عرس کا ایک مخصوص حصہ بن گئی ہے جو بلاشبہ چشتی اثرات اور پیغام  
 محبت و اخوت کا نتیجہ نظر آتی ہے۔

الہی تا بود خورشید و ماہی چراغ چشتیاں را روشنائی

### ماخذ

- |    |                                  |               |
|----|----------------------------------|---------------|
| ۱  | خواجہ اجمیری                     | انیس الارواح  |
| ۲  | گنج السرار                       |               |
| ۳  | حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی | دلیل العارفین |
| ۴  | حمید الدین فرید الدین ناگوری     | سرور الصدور   |
| ۵  | امیر خورد                        | سیر الاولیا   |
| ۶  | عصامی                            | فتوح السلاطین |
| ۷  | منہاج السراج                     | طبقات ناصری   |
| ۸  | رزق اللہ مشتاقی                  | واقعات مشتاقی |
| ۹  | شیخ الجمالی                      | سیر العارفین  |
| ۱۰ | .....                            | .....         |
| ۱۱ | جہاں گیر                         | ترک جہاں گیری |
| ۱۲ | عبدالحق محدث دہلوی               | اخبار الاخیار |
| ۱۳ | غوثی شطاری                       | گلزار دبیری   |

- |    |                        |                        |
|----|------------------------|------------------------|
| ۱۴ | شہزادی جہاں آرا بیگم   | مونس الارواح           |
| ۱۵ | ابوالفضل               | اکبر نامہ              |
| ۱۶ | منشی اکبر جہاں مشنی    | احسان اسیر             |
| ۱۷ | علامہ اخلاق حسین قاسمی | آیہ ملفوظات            |
| ۱۸ | نثار احمد فاروقی       | نقد ملفوظات            |
| ۱۹ | حافظ محمد حسین         | تحقیقات اولاد خواجہ    |
| ۲۰ | امین الدین خاں مفتوں   | کتاب التتبع            |
| ۲۱ | عبدالباری معنی         | جواب نامہ، تاریخ السلف |
| ۲۲ | صباح الدین عبدالرحمن   | بزم صوفیہ              |

- Some Aspects of Politics and Religion in India During Thirteenth Century, K. A. Nizami
- History of Sufism in India 2nd Vol. A. A. Rizvi
- The Chishti Shrine of Ajmer, Dr.S.Liaqat Husain Muini
- Pirs Practices and Pilgrim Dr. S.L.K. Lawrance B. Bruce,
- The Martyrs of Love Chishti Order in South Asia and Beyond, C.W.Troll(ed)
- Muslim Shrines in India, Tirmizi S.A.D.
- Ajmer Through Inception, M. Habib Chishti
- Mystic Record of the Sultanat Period, S. Liaqat Muini Akbar and Ajmer Shrine
- The Teaching of Khuwaja Moinuddin Chishti in Social Context



## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت و خلافت

مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مضطر، پورنیہ

تذکرہ و تاریخ کی جن قابل اعتماد و استناد کتابوں تک اپنی دسترس ہو سکی، ان میں عطاءے رسول، ہندالوی حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی حالات تفصیل کے ساتھ موجود نہیں ہیں۔ مشہور علی الالسنہ کے مطابق بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز سیتان کے قصبہ سنجہ میں خواجہ غیاث الدین حسن نامی ایک صاحب ورع و تقویٰ اور عابد و زاہد سید بزرگ کے گھر ۵۳۰ھ یا ۵۳۶ھ یا ۵۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد ملکی و سیاسی حالات کے تحت سیتان سے ہجرت کر کے خراسان آ گئے، جس کی وجہ سے نشوونما خراسان میں ہوئی، ۵۵۱ھ میں والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے پر ترکہ میں ایک باغ اور چکی ملی جن سے آپ کا گزارا ہونے لگا۔ ایک دن باغ کی دیکھ بھال میں مصروف تھے کہ ابراہیم قندوزی نامی ایک مجذوب تشریف لائے۔ آپ نے نہایت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ ایک سایہ دار درخت کے نیچے بٹھا کر تازہ انگوروں کے خوشے توڑ لائے اور سامنے رکھ کر کھانے کی گزارش کی۔ ابراہیم مجذوب باغ کے نوجوان مالک کے حسن اخلاق، مہمان نوازی اور ادب و تہذیب سے متاثر ہوئے اور تلوں کی بنی ہوئی کوئی چیز جوٹھی کر کے آپ کو کھلائی۔ اس جوٹھے کا حلق سے اترنا تھا کہ قلب و نظر میں انقلاب آ گیا۔ دنیا کی وقعت تو دل سے گئی ہی، اپنی طاعت و بندگی بھی بے خلوص نظر آنے لگی۔ باغ اور چکی

بیچ ڈالی اور قیمت راہ خدا میں صدقہ کر کے سمرقند و بخارا کی راہ لی۔ وہاں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور دوسرے علوم مروجہ کی تکمیل فرمائی۔ جب طاہری علوم کی تحصیل سے فراغت پالی تو صفائے باطن کے لئے بے قراری بڑھ گئی اور پیر کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ قدم جدھر بھی پڑتا رحمت خداوندی درہارونی کی طرف کھینچتی۔ اس طرح کشاں کشاں بہ فیض ربانی حضرت عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ پھر کیا تھا جنم کے پیاسے کو دریائے یامیل گیا، ایک چکورتھا جو چاند تک پہنچ گیا۔ سر قدموں پر رکھا اور حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ رسم بیعت کی تقریب کس مقام پر اور کیسے ادا ہوئی؟ اس سلسلے میں مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی نے اپنی کتاب ”سلطان الہند خواجہ غریب نواز“ کے ص ۸۲ میں لکھا ہے کہ:

”مرشد کامل کی تلاش میں مشرق کا رخ کیا اور قصبہ ہارون علاقہ نیشاپور میں وارد ہوئے جہاں ہادی طریق ولایت، واقف رموز ہدایت، مقتدائے مسلک اسلام، مورد فیض و مہبط الہام، شہر یار ممالک عرفان، مظہر جو دو منبع احسان، حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کے میخانہ معرفت میں داخل ہوئے۔ خانقاہ عثمانی کی جلوہ بار فضاؤں نے یقین و آگہی کے مقام سے روشناس کر دیا۔ آپ مرشد کامل کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔“

پھر ارقام فرمایا ہے کہ:

”حضرت خواجہ غریب نواز واقعہ بیعت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:..... ایسی صحبت میں جس میں بڑے بڑے معظم و محترم مشائخ کبار جمع تھے، میں ادب سے حاضر ہوا اور روئے نیاز زمین پر رکھ دیا۔ حضرت مرشد نے فرمایا: دو رکعت نماز ادا کر۔ میں نے فوراً تکمیل کی۔ رو پھر ارشاد ہوا: سورہ بقرہ پڑھ۔ میں نے خلوص و عقیدت سے پوری سورت پڑھی۔ تب فرمایا: ساٹھ بار کلمہ سبحان اللہ کہو۔ میں نے اس کی بھی تکمیل کی۔ ان مدارج کے بعد حضرت مرشد قبلہ خود اٹھ کر کھڑے ہوئے، میرا ہاتھ اپنے

دست مبارک میں لیا، آسمان کی طرف نظر اٹھا کے دیکھا اور فرمایا: میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔ ان جملہ امور کے بعد حضرت مرشد قبلہ نے ایک خاص وضع کی ترکی ٹوپی جو کلاہ چارتر کی کہلاتی ہے، میرے سر پر رکھی۔ اپنی خاص مکملی مجھے اوڑھائی اور فرمایا: بیٹھ۔ میں فوراً بیٹھ گیا۔ اب ارشاد ہوا: ہزار بار سورۃ اخلاص پڑھ۔ میں اس کو بھی ختم کر چکا تو فرمایا: ہمارے مشائخ کے طبقات میں بس یہی ایک شب و روز کا مجاہدہ ہے، لہذا جا اور کامل ایک شب و روز کا مجاہدہ کر۔ اس حکم کے بموجب میں نے پورا دن اور پوری رات عبادت الہی اور نماز و طاعت میں بسر کی۔ دوسرے دن حاضر ہو کر روئے نیاز زمین پر رکھا تو ارشاد ہوا: بیٹھ جا: میں بیٹھ گیا۔ پھر ارشاد ہوا: اوپر دیکھ۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دریافت فرمایا: کہاں تک دیکھتا ہے؟ عرض کیا: عرش معلیٰ تک۔ تب ارشاد ہوا: نیچے دیکھ۔ میں نے آنکھیں زمین کی طرف پھیریں تو پھر وہی سوال کیا: کہاں تک دیکھتا ہے؟ عرض کیا: تحت الثریٰ تک۔ حکم ہوا: ہزار بار سورۃ اخلاص پڑھ۔ جب اس حکم کی بھی تعمیل ہو چکی تو ارشاد ہوا: آسمان کی طرف دیکھ اور بتا کہاں تک دیکھتا ہے؟ میں نے دیکھ کر عرض کی: حجاب عظمت تک۔ اب فرمایا: آنکھیں بند کر۔ میں نے بند کر لی۔ ارشاد فرمایا: اب کھول دے۔ میں نے کھول دی۔ تب حضرت نے اپنی دونوں انگلیاں میری نظر کے سامنے کیں اور پوچھا: کیا دیکھتا ہے؟ عرض کیا: اٹھارہ ہزار عالم دیکھ رہا ہوں۔ جب میری زبان سے یہ کلمہ سنا تو ارشاد فرمایا: بس تیرا کام پورا ہو گیا۔ پھر ایک اینٹ کی طرف دیکھ کر فرمایا: اسے اٹھا۔ میں نے اٹھایا تو اس کے نیچے سے کچھ دینار نکلے۔ فرمایا: انہیں لے جا کے درویشوں میں خیرات کر۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔“ (انیس الارواح ص ۲۱)

جبکہ انیس الارواح کے حوالہ سے حضرت غریب نواز کا جو بیان مولانا موصوف نے نقل کیا ہے، اس بیان کی ابتدا ہی اس بات سے ہوئی ہے کہ یہ رسم بغداد میں ادا ہوئی۔ چنانچہ انیس الارواح فارسی مطبوعہ نسیم سحر بدایوں مملو کہ خدا بخش لائبریری پٹنہ نمبر

۸۹۵۲۷ میں ہے۔

”دعا گوئے مسلماناں فقیر اضعف عباد اللہ معین حسن سنجرى کہ در شہر بغداد در مسجد خواجہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز دولت پابوس خواجہ عثمان ہرونی حاصل آمد مشائخ کبار بخدمت شیخ حاضر بودند۔ ہمیں کہ اس درویش روئے بر زمین نہادہ بایستاد فرمود کہ دو گانہ نماز بگذار۔ بگذارم مستقبل قبلہ بنشین، بنشستم، فرمود کہ سورۃ البقرہ بخوان، بخواندم، فرمود کہ پیست بار کلمہ سبحان اللہ بگو۔ بگفتم۔ آنگاہ خود بایستاد و رو سوئے آسمان کرد و دست من بگرفت کہ بیاترا بخدائے تعالیٰ رسانیدم۔ ہمیں کہ اس سخن بگفت بدست مبارک خود مقراض بر سر اس درویش براند و کلاہ بر سر اس کمینہ نہاد و گلے خاص عطا کرد الخ“۔

خواجگان چشت مجموعہ ملفوظات کا جو ترجمہ مکتبہ جام نور نے چھاپا ہے، اس میں شامل انیس الارواح کے ترجمہ میں ہے:

”مسلمانوں کے دعا گو فقیر حقیر کمترین بندگان معین حسن سنجرى کو شہر بغداد میں خواجہ جنید بغدادی کی مسجد میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی پائے بوسی کی دولت نصیب ہوئی؛ اور اس وقت معزز مشائخ بھی خدمت میں حاضر تھے۔ جو نہی بندہ نے سر زمین پر رکھا آپ نے فرمایا کہ دو گانہ ادا کر۔ میں نے ادا کیا۔ پھر فرمایا: قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ۔ میں بیٹھ گیا فرمایا کہ سورۃ البقرہ پڑھ۔ میں نے پڑھی۔ پھر فرمایا: اکیس دفعہ کلمہ سبحان پڑھ۔ میں نے پڑھا۔ بعد میں خود کھڑے ہو کر منہ آسمان کی طرف کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔ جو نہی یہ فرمایا، قینچی اپنے دست مبارک میں لے کر میرے سر پر چلائی اور چارتر کی کلاہ اس عقیدت مند کے سر پر رکھی اور خاص گدڑی عنایت فرمائی الخ“۔

ترجمہ انیس الارواح از غلام احمد خان متوطن قصبہ جھجھہ از مضافات شاہجاہ آباد دہلی میں ہے:

یہ دعا گوئے مسلمانان فقیر حقیر اضعف عباد اللہ معین حسن سنجری شہر بغداد میں بمسجد خواجہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ زیارت قدموسی حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے مشرف ہوا۔ اس وقت بہت سے مشائخ کبار خدمت مرشدی میں حاضر تھے۔ جونہی میں نے زمین ادب چومی آپ نے ارشاد فرمایا: دو رکعت نماز پڑھو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ کھڑے ہو گئے اور میرا ہاتھ پکڑا، آسمان کی جانب منہ کیا اور زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا کئے: الہی! میں اسے ترے سپرد کرتا ہوں۔

ہاں! مراۃ الاسرار مترجم مطبوعہ مکتبہ جام نور ص ۵۹۴ میں ہے:

آپ مرشد کی تلاش میں عراق تشریف لے گئے۔ جب آپ قصبہ ہارون جو نیشاپور کے نواح میں ہے، پہنچے تو حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کی زیارت نصیب ہوئی الخ۔

مگر مرآۃ الاسرار مترجم کی جو استنادی حیثیت داخلی و خارجی دونوں ہی اعتبار سے ہے، وہ اس کے مقدمہ اور کتاب کے مندرجات سے واضح ہے۔ پھر بھی اس میں ہے کہ:

لیکن خواجہ بزرگ خود انیس الارواح میں تحریر فرماتے ہیں کہ: حضرت عثمان ہارونی کی زیارت کے لئے میں بغداد پہنچا الخ۔

اس کے بعد بیس سال تک سفر و حضر میں پیرو مرشد حضرت ہارونی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہ کر شب و روز اس طرح خدمت انجام دی کہ حضرت ہارونی نے فیوض و برکات کا دریا انڈیل دیا اور انعام و اکرام کی انتہا کر دی۔ عصا، خرقة اور مصلیٰ عطا فرما کر خلافت سے نوازا۔ خود خواجہ صاحب انیس الارواح کے پیش لفظ میں اپنی بیس سالہ خدمات کا تذکرہ ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

”پچھیں تادمت دہ سال بخدمت خواجہ (ہارونی) بودم۔ بعد ازاں چون از عالم مسافرت باز بہ بغداد آمدیم خواجہ معتکف شد۔ بعد ازاں چند گاہ باز مسافر شدہ تادہ

سال دیگر ابرق و جامہ خواب خواجہ بر سر کردہ برابر برفتے، ہمیں کہ بست سال راست شد۔ آنگاہ چون خواجہ باز گشت در بغداد حجرہ گرفت۔ اس درویش رافران شد کہ دریں روز با پیروں نخواستہم آمد۔ اما شمارامی باید کہ ہر روز وقت چاشت بر من بیائید، ترغیب فقر شمارا بگویم، تا بعد از من ترایا دگار باشد۔ درویش نیز بر حکم فرمان ہچناں می کرد۔ ہر روز بخدمت خواجہ در مقام عزلت حاضر شد و آنچه از زبان مبارک ایشان شنیدہ می شد آنرا در قلم آوردہ مشتمل بر بست و ہشت مجلس کردہ کہ آخر آید۔“

اس کے اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ جام نور میں ہے:

اس طرح دس سال تک میں خواجہ صاحب کی خدمت میں سفر کرتا رہا۔ اس کے بعد آپ سفر سے واپس آئے اور بغداد میں گوشہ نشین ہوئے۔ اس کے بعد پھر دس سال تک لوٹا اور سونے کا کپڑا سر پر لپیٹ کر سفر کرتا رہا الخ۔

اسی طرح غلام محمد خان کا ترجمہ ہے:

”ہمرا کابی حضرت خواجہ عثمان قدس اللہ روحہ میں مسافر تھا۔ بعد اس کے پھر بغداد پہنچے۔ چند روز قیام کیا پھر مسافر ہوئے۔ دس برس اور مسافرت کی۔ میں اسباب زاد راہ حضرت پیرو مرشد قدس سرہ سر پر لے کر چلتا تھا الخ۔“

اور عطائے خلافت کا تذکرہ ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

فرمود کہ معین الدین اس ہمہ از برائے کمالیت حال تر بود کہ چندیں تربیت کردم۔ باید کہ ہر چہ گفتیم اس ہمہ را بگیر در سانی تا فردائے قیامت میان حشر شرمندہ نمائی۔ ہمیں کہ اس بگفت عصا پیش بود دعا گوراداد و مصلے و خرقة نیز۔ و بعد ازاں فرمود کہ اس کار خواجگان ماست اس را بستاں و ہر کر بعد از خود مرد یا بی اس در گردن او کنی و بدہی۔ (مجلس بست و ہشتم ص ۴۰)

اس کے اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ ”جام نور“ میں ہے:

”فرمایا کہ اے معین الدین! میں نے تیری کمالیت کے لئے ان باتوں کی

ترغیب دی ہے۔ پس چاہئے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے تو دل و جان سے اسے بجالائے۔ تاکہ قیامت کو شرمندہ نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ لائق فرزند وہ ہے کہ کچھ اپنی پیر کی زبانی سنے، تو ہوش کے کانوں سے سنے اور اس میں مشغول ہو جائے اور اسے بجالائے۔ پھر فرمایا کہ لائق فرزند وہ ہے کہ جو کچھ اپنی پیر کی زبانی سنے، اپنے شجرہ میں لکھ لے تاکہ شرمندہ نہ ہو۔ جونہی خواجہ ادا اللہ بقاہ اس بات پر پہنچے، عصا پاس پڑا تھا، اٹھایا اور دعا گو کو عطا فرمایا؛ اور خرقة اور لکڑی کی پاپوش یعنی کھڑاویں اور مصلیٰ مرحمت کر کے فرمایا کہ یہ تمام چیزیں ہمارے پیروں کی یادگار ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم تک پہنچی ہیں، ہم نے تجھے دیں۔ مناسب ہے کہ جیسا ہم نے ان چیزوں کو رکھا ہے، ویسا ہی تو بھی رکھے، اور جس شخص کو مرد خدا معلوم کرے، یہ یادگار اسے دیدے۔ جب یہ فرما چکے تو بندہ سے بغلگیر ہو کر فرمایا کہ تجھے خدا کو سونپا۔ جونہی یہ فرمایا، عالم تحیر میں مشغول ہو گئے۔“

ترجمہ غلام محمد خان مطبوعہ مطبع سلیم پریس جھجر میں ہے:

”ارشاد فرمایا کہ یہ سب مذاکرے جو معرض گفتگو میں آئے، تیری کمالیت کے واسطے تھے۔ لازم ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے تم اسے بجالو گے کہ فردائے قیامت شرمندہ نہ ہو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ مرید خلف وہ ہے کہ جو کچھ اپنے پیر کی زبان سے سنے، اس کا خیال رکھے۔ دل و جان سے اس کی تعمیل کرے۔ جب آپ یہ فرما چکے مصلیٰ اور خرقة و عصا دعا گو کو لطف فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ امانت خواجگان چشت سے مجھے پہنچی ہے، میں نے تمہیں پہنچائی اور تمہارے حوالے کی۔ اب تم کو لازم ہے کہ جس کو اپنے بعد مرد دیکھو، اس کے حوالے کرنا۔ جب آپ یہ فرما چکے بندہ نے سر زمین پر رکھا۔ آپ نے ازراہ نوازش مجھے اٹھایا اور بغلگیر فرمایا۔ دعا گو مرخص ہوا۔ الحمد للہ علی ذالک۔“

دلیل العارفین ملفوظات خواجہ غریب نواز مرتبہ حضرت قطب الدین بختیار

کا کی مطبوعہ مطبع نامی منشی نول کشور واقع کان پور مملوکہ خدابخش لائبریری، پٹنہ میں ہے: ”فرمود در آنچه من بخدمت شیخ الاسلام، سلطان المشائخ، خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ پیوستم و بارادت بیعت قبول افتادم مدت ہشت ( ) سال در خدمت کردن ایشان یک زمانے نفس را آسودگی ندادم۔ چنانچہ نہ روز دانستم و نہ شب، ہر جا کہ خدمت خواجہ مسافر شد ندعا گو برابر ابودے و جامہ خواب و توشہ خواجہ بر سر کردہ رفتے۔ چون پیر خدمت این درویش بدید نعمت بمن رواں کرد کہ آن نعمت واحدے و نہایتے نبود۔ (مجلس اول)

اس کے اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ ”جام نور“ میں ہے:

مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب شیخ الاسلام سلطان المشائخ خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ کا مرید ہو تو آٹھ سال تک آپ کی خدمت میں ایک دم بھی آرام نہ کیا۔ نہ دن دیکھتا نہ رات، جہاں آپ سفر کو جاتے سونے کے کپڑے اور توشہ اٹھا کر ہمراہ ہوتا۔ جب میری خدمت دیکھی تو ایسی نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی انتہا نہیں۔ ترجمہ غلام احمد خاں مطبع سلیم پریس جھجر میں ہے:

”فرمایا کہ جب سے میں حضرت عثمان ہارونی قدس سرہ کی خدمت میں آیا بیس سال تک اس طرح خدمت کی کہ نہ دن کو جانا اور نہ رات کو رات۔ شب و روز دست بستہ خدمت میں حاضر رہتا۔ جب کہیں آپ تشریف لے جاتے میں ہمراہ جناب جاتا اور زاد راہ خواجہ اپنے سر پر رکھ کر لے چلتا۔ جب آپ نے میری خدمت ملاحظہ فرمائی دروازہ عطا و کرم کا مجھ پر کھول دیا الخ۔“

(☆) گمان غالب یہ ہے کہ یہاں کتابت کی غلطی سے ”پست“ کی جگہ ”ہشت“ ہو گیا ہوگا اور مترجم نے غور کئے بغیر لفظ کا ترجمہ کر دیا۔

## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت توحید

مفتی محمد آل مصطفیٰ مصباحی

جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سرکارِ نبوت کے تین فرض عطا ہوئے: (۱) آیات کی تلاوت، (۲) کتاب و حکمت کی تعلیم (۳) تزکیہٴ نفوس۔ ارشاد ہے: اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم یتلو علیہم آیتہ و یرکبہم و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ (آل عمران - ۱۶۴)

”انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے، اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔“ ان تینوں فرائض کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ پوری دنیا فیض و برکت سے بھر گئی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے بعد یہ فرائض ہر زمانہ میں ان کے حقیقی وارثین پر عائد ہوتے رہے، تاکہ لوگ خدا کی وحدانیت کا اقرار و اذعان حاصل کر کے معروف پر عمل کریں اور منکر سے بچیں۔ بلکہ امتِ محمدیہ کی بعثت کا مقصد ہی یہ بتایا گیا: کنتم خیرا مة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر (آل عمران - ۱۱۰)

”تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم

دیتے ہو، اور برائی سے منع کرتے ہو۔“ (کنز الایمان) مگر اللہ عز و جل نے خیر کی دعوت، معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت کا فرض بھی بطور کفایہ رکھا، ہر فرد امت پر لازم نہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے: ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و ینہون عن المنکر و اولئک ہم المفلحون (آل عمران: ۱۰۴) ”اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں، اور بری بات سے منع کریں۔“ نیز ارشاد ہے: فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقہوا فی الدین و لینذروا قومہم اذار جمعوا الیہم (توبہ: ۱۲۲)

”تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے، کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں، اس امید پر کہ وہ بچیں“ (کنز الایمان)

دعوت توحید سب سے بہترین دعوت، اور یہی سب معروفوں میں بہترین معروف، تو اس کا امر بہترین امر، اور شرک و کفر سے بڑھ کر کوئی منکر نہیں تو اس کی ممانعت و نہی بھی سب سے اہم۔

دعوت خواہ قولی ہو یا فعلی۔ حقیقی دعوت یہ ہے کہ اللہ عز و جل کی توحید اور اس کی بندگی و عبادت کی طرف لوگوں کو بلانے اور ان کی رہنمائی کرنے میں داعی کا مقصود و مطلوب کسی طرح کی ذاتی و دنیاوی منفعت کی تحصیل نہ ہو۔ محض اللہ و رسولِ جلت و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی ہو۔

طلبِ شہرت، اونچے مقام و منصب کی خواہش، داد و تحسین کی آرزو، حصولِ زر کی طمع، اپنے کو داعی باور کرانے کی تمنا، یہ تمام چیزیں نفسانیت کے دائرے میں آتی ہیں، جو داعی، اس کی دعوت اور طریقِ دعوت کے لیے سخت مضر بلکہ زہرِ بلا ہل ہیں۔ یہ ایسی آرزو، تمنا اور طلب ہے جس سے دعوت کا فساد شروع ہوتا ہے اور داعی کی دعوت غیر مؤثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ بلکہ داعی کے قلب و نظر اور اس کے تحت الشعور میں یہ بات

بڑی پختگی کے ساتھ جمع ہونی چاہیے جو اسے انبیائے کرام علیہم السلام کے منہاج دعوت اور مقصد دعوت سے قریب کر دے، وہ ہر مشکل، پریشانی، کلفت اور جہد و مشقت کے باوجود آخری دم تک یہی کہتا رہے۔

ان اجری الاعلیٰ اللہ (ہود، ۲۹) ’میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ کرم پر ہے‘۔

لا اسئلكم عليه اجرا ان اجری الاعلیٰ الذی فطرنی (ہود، ۵۱)

”میں اس پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا، میری مزدوری تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔“ (کنز الایمان)

”لا نطلب ثمنه الا من اللہ“ (بخاری، باب دوم المدیۃ: ج ۲) ”اس

کی قیمت تو ہم صرف اللہ عزوجل سے لیں گے“۔

مگر اس منہاج دعوت پر کھڑا ترنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ اللہ عزوجل جس کے ہاتھوں امت کی صلاح و خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اس کے سینے میں ایسا دھڑکتا ہوا دل دے دیتا ہے جو علم و حکمت، اور اخلاص و للہیت سے مملو ہوتا ہے۔

خیر القرون کے بعد طویل تاریخی حقائق کا جائزہ لیں تو واضح ہوگا کہ مذکورہ اوصاف کے حامل داعی ہر دور میں کم یا ب رہے۔ مگر ہر زمانہ و قرن میں انہیں چند نفوس قدسیہ کے دم قدم سے انسانیت کے گلشن میں بہا ر آئی۔ فلاح و ہدایت کا عظیم کارنامہ انہیں صوفیاء، صلحا سے انجام پایا جن میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی ہندوستان میں دینی خدمات اور دعوت توحید کے حوالے سے سب سے نمایاں ہے۔

ہندوستان کی اپنی مذہبی تاریخ رہی ہے۔ یہاں کفر و شرک اور اوہام پرستی کی جڑیں کافی ٹھوس اور مضبوط تھیں، جنہیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا تو بہت مشکل تھا ہی، لیکن ان شرکیہ جڑوں کو متزلزل یا کمزور کرنا بھی دشوار گزار تھا۔ شمشیر و سنان سے بھی انہیں ختم کرنا چاہیے جوئے شیر لانے کے مرادف تھا، یہی وجہ ہے کہ مسلم فاتحین و

سلاطین نے اسلام کی اشاعت و فروغ کے مقصد کے تحت زور آزمائی تو فرمائی، خصوصاً سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین غوری اور محمد بن قاسم جیسے مخلص مسلم سلاطین نے، لیکن خود جب ان تمام عہدوں کا جائزہ لیجیے تو واضح ہوگا کہ جس سطح پر بھی اسلام کی اشاعت ہوئی، توحید کی امانت لوگوں کے سینوں تک پہنچی، اس کے لیے بڑا ذریعہ صوفیائے کرام و صلحائے عظام ہی رہے اور خود مسلم حکمرانوں نے صوفیاء و صلحا کی آمد ہند کی راہیں ہموار کیں، کیونکہ وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ شمشیر و سنان کے زور پر کسی ملک و خطہ کو توفیح کیا جاسکتا ہے، لیکن دلوں کی سرزمین کو توفیح کرنا آسان نہیں۔ یہ کام ان روحانیت کے علم برداروں کا ہے جو اسلام کے حقیقی داعی ہیں اور تہذیب نفس اور تربیت اخلاق کے مربی و معلم ہیں۔ لیکن بعد کی صدیوں میں جب سلاطین نے اس عظیم مقصد کو فراموش کر دیا اور ان کا مقصد عیش و آرام اور جاہ و زر بن گیا تو یہ کام صرف ان علما و مشائخ طریقت کے ہاتھوں انجام پاتا رہا، جو ”طبع، جمع، منع“ کے صوفیانہ فارمولے پر عمل پیرا تھے۔

ہندوستان کی سرزمین میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت والے، لوگوں کو توحید کی دعوت دینے والے ان صوفیائے کرام میں سب سے بڑے مبلغ و صلح قطب الاقطاب، معین المملۃ والدین خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ و الرضوان تھے، جن کے قدم میمونت لزوم نے کفر و شرک کے تاریک ماحول میں اسلام کا اجالا پھیلا یا، جس کے نتیجے میں دلوں سے کفر و شرک کے زنگ دور ہوئے، ظلمت کدہ ہند میں اسلام و توحید کی سحر طلوع ہوئی، اور اسلام کی صداقت و حقانیت کا چراغ روشن ہوتا گیا۔ یہ انہیں صوفیائے کرام خصوصاً حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے فیضان نظر کا اثر ہے کہ برصغیر ہند میں مسلمانوں کی تعداد عالم اسلام میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد سے بڑھ کر ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ ہندوستان میں اسلام و توحید کے

### ہندوستان میں آمد:

سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب شہر مدینہ طیبہ سے حضرت خواجہ پہلے بغداد تشریف لائے۔ پھر وہاں سے ۵۸۶ھ/۱۱۹۰ء میں اجمیر کے ارادے سے عازم سفر ہوئے اور چشت، خرقان، جہنہ، کرمان وغیرہ ہوتے ہوئے بخارا پہنچے۔ بخاری سے تبریز، اصفہان، ہرات ہوتے ہوئے سبزوار پہنچے، جہاں آپ نے اپنا تبلیغی مشن جاری رکھا۔ صاحب خزینۃ الاصفیا اور صاحب مؤنس الارواح نے آپ کے ان اسفار کے دوران کے چند ایسے واقعات تحریر کیے ہیں جن سے حضرت خواجہ کی انقلابی نگاہ، تبلیغ دین اور دعوت توحید کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان اسفار کے دوران کتنے گمراہوں نے آپ کے دست حق پرست پر گمراہی سے توبہ کی، کتنے دین سے منحرف دین دار بلکہ ظاہری و باطنی سلطنت کے تاجدار بن گئے۔ پھر وہاں سے بلخ، بلخ سے سمرقند وہاں سے غزنین پہنچے، وہاں کچھ دنوں شمس العارفین شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روحانی صحبت رہی۔ پھر آپ اپنے قافلہ کے ساتھ لاہور پہنچے، جہاں مشہور بزرگ حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار مقدس پر حاضری دی اور وہیں ایک حجرے میں چلہ کیا، لاہور سے آپ پنجاب کے علاقے سمانا پہنچے، سمانا میں راجہ پرتھوی راج کے آدمیوں نے آپ کو مکرو و حیلہ سے گرفتار کرنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ دراصل پرتھوی راج اپنی ماں کی پیشین گوئی کی وجہ سے بڑا فکر مند تھا۔ اس کی ماں جانوروں کی بولی سمجھتی تھی۔ ایک دن رانی کے محل پر ایک مرغ نے آکر بانگ دی، مرغ کہہ رہا تھا:

”اب اس سرزمین پر اسلام کا دور دورہ ہوگا، اور تمہارا راج ختم ہو جائے گا، یہاں ایک مرد کامل آئے گا جس کی بدولت تیری سلطنت زوال پذیر ہو جائے گی۔“ (خواجہ غریب نواز ص ۲۷، ملخصاً)

سمانا سے آپ دہلی پہنچے، راج محل کے قریب قیام فرمایا، اور یہی قیام

سب سے بڑے مبلغ تھے، اور کیوں نہ ہو کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو ہندوستان کی ولایت عطا فرمائی۔ چنانچہ جب آپ مدینہ منورہ میں عبادت و ریاضت میں مصروف و مشغول تھے، اسی دوران ایک دن بارگاہ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے آپ کو یہ بشارت ملی:

”اے معین الدین! تو میرے دین کا معین ہے، میں نے تجھے ہندوستان کی ولایت عطا کی، وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے۔ تو اجمیر جا، تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام کی رونق بڑھ جائے گی۔“ (سیر الاقطاب، ص ۱۲۴)

اس ارشاد رسول کے بعد ہی آپ نے چالیس اولیائے کرام کی معیت میں ہندوستان کا سفر کیا، یہ فیض و برکت آپ کو آپ کے پیرومرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کی دعائے سحر گاہی کے نتیجے میں ملی۔ آپ کے پیرومرشد نے کعبۃ اللہ میں میزاب رحمت کے نیچے اپنے چہیتے مرید کے لیے دعا کی تھی، اور ان کا ہاتھ پکڑ کر خدا کے سپرد کیا تھا، غیب سے آواز آئی: ”میں نے معین الدین کو قبول کیا۔“

پھر جب حضرت خواجہ، روضہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور سلام کا نذرانہ پیش کیا تو جواب ملا: ”وعلیکم السلام اے جنگل و سمندر کے قطب المشائخ۔“

اسی طرح حج کے دوران حرم کعبہ میں جب حضرت خواجہ یاد الہی میں مشغول تھے تو آپ نے ایک غیبی آواز سنی:

”اے معین الدین ہم تجھ سے خوش ہیں۔ ہم نے تجھے بخش دیا، جو کچھ چاہے مانگ تا کہ عطا کروں۔“

ان سب واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ، اللہ و رسول و جل و علا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول تھے اور بلا شبہ ایسی مقبولیت ایک داعی حق و داعی توحید کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

بہترے مشرکین کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا سبب بنا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ راج محل کے پاس ایک بڑا بت خانہ تھا، اس کے پجاریوں نے جب آپ کو اور آپ کے ہمراہی درویشوں کو دیکھا تو دہلی کے حکمران سے انہیں نکال باہر کرنے کی درخواست کی، اور وجہ یہ بتائی کہ دیوتا ناراض ہو رہے ہیں، ان درویشوں کو جلد از جلد شہر بدر نہ کیا گیا تو دیوتاؤں کی ناراضگی کے سبب پورا شہر تباہ و برباد ہو جائے گا اور تخت سلطنت پلٹ جائے گا۔ حکمرانوں نے پجاریوں کی بات سن کر حضرت خواجہ کے پاس اپنے کارندے بھیجے، کارندوں نے حضرت خواجہ کے پاس پہنچ کر ابھی ان کو شہر چھوڑنے کی بات کہی بھی نہ تھی، کہ حضرت خواجہ کی زبان سے چند دعوتی جملے اور ارشاد ہدایت کی بات سن کر سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، جس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے راجپوت بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (مولس الارواح، ص ۲۱)

حضرت خواجہ اجیر کی قدس سرہ کا اجیر میں ورود مسعود ایسے ماحول میں ہوا، جب ہندوستان میں ہر طرف کفر و شرک کا دور دورہ تھا، اللہ عزوجل کو ایک جاننے ماننے والے ناپید تھے، سلطان محمود غزنوی کی جنگی تدبیروں کی وجہ سے راجپوت سلطنتیں تو کافی کمزور ہو چکی تھیں، مگر سلطان کے جانشین صرف پنجاب تک محدود رہنے کی وجہ سے دوبارہ راجاؤں نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت اور شان و شوکت حاصل کر لی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بت پرستی عام ہو گئی اور کفر و شرک نے اپنے پنجے گاڑ دیئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ جب ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں اجیر میں وارد ہوئے تو اس وقت وہاں کا راجہ پرتھوی راج تھا، یہ شمالی مغربی ہند کے ایک وسیع و عریض خطہ کافر ماں رواتھا، پایہ تخت تو اس کا اجیر تھا، مگر اس کی عملداری میں دہلی بھی تھا، یہ زمانہ شہاب الدین غوری کی فتح دہلی و اجیر سے پہلے کا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعوت توحید کے لیے یہاں تشریف لائے تھے۔ مگر ہی کو دور کرنے اور لوگوں کو تہذیب و اخلاق سے آراستہ کرنے

کے لیے آئے تھے، جس کے لیے زبردست روحانی قوت کی ضرورت تھی، اس لیے شروع شروع میں دعوت توحید کے لیے آپ کرامتیں بھی دکھاتے رہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کی دعوت تبلیغ قوی و عملی دونوں طریقے پر جاری رہی۔ قدرت نے آپ کے چہرہ پر وہ زیبائی اور بشاشت عطا فرمائی تھی کہ بہت سے کفار و مشرکین آپ کے چہرے کی زیبائی سے حقانیت کا اجالا دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے، اجیر میں مندروں کے مہنتوں کے سردار رام دیو مہنت کا قبول اسلام آپ کی پر خلوص قوی و فعلی دعوت توحید کا ایک نمونہ ہے۔

### حضرت خواجہ کا تصور توحید اور پرتھوی راج:

جب حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ والرضوان نے خدا کی وحدانیت کا تصور پیش کیا۔ پرتھوی راج اور اس کے ہم نواؤں کو اپنے باطل اوہام و تصورات کی بنیادیں کمزور ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگیں، اور ہزاروں سال پرانی ذہنیت کے بت ٹوٹے محسوس ہونے لگے، کیونکہ پرتھوی راج نے آپ کی بعض ایسی کرامتیں دیکھ لی تھیں اور ان کے مشاہدین سے ان کے اثرات سن رکھے تھے جو باطل شکن تھے۔ اسے سب سے بڑا خطرہ اپنے اقتدار اور جاہ و حشمت کے زائل ہونے کا تھا۔ اس لیے اس نے وہی حربہ استعمال کیا جو فرعون مصر نے کیا تھا، اور اس بات کی تشہیر کی کہ یہ بہت بڑا جادوگر ہے۔ سلطنت کی حفاظت کے لیے جوگی جے پال کی ساحرانہ مقابلے میں شکست فاش، انا ساگر کا ایک کٹورے میں سمٹ آنا، اور جوگیوں، کافروں کا اسلام کی بالادستی کو قبول کرتے ہوئے خودی سرنخم کر دینا، خواجہ معظم کی دعوت توحید کا روشن پہلو ہے۔

واضح رہے کہ پانی کا اپنی ظاہری حقیقی مقدار اور طول و عرض و عمق میں ہوتے ہوئے، پورے کٹورے کا اپنی ظاہری اصلی حالت پر ہوتے ہوئے اس میں انا ساگر کا پورے پانی کا سما جانا تو محال عقلمانی ہے۔ لیکن کرامتوں اور معجزوں سے پانی کے حجم و مقدار کا اتنا کم ہونا کہ کٹورے میں سما جانا یا کٹورے کا اتنا بڑا ہو جانا کہ پورا پانی اس



میں آجائے یہ ممکن ہے، بلکہ واقع بھی۔

المعتقد المنتقد میں ہے: ومن مثال المستحيل العقلي ولو ج  
الجمل في سم الخياط، و ان قيل لم لم يوصف الحق تعالى بالاقنار على  
ذلك و عدم القول به يؤدى الى قصر القدرة و قصورها، قلت: ذلك لا  
يؤدى اليه فان الله تعالى قادر على تصغير الجمل الى ان يصير بحيث يلج  
في سم الخياط، و على توسيع سم الخياط الى ان يسع الجمل،  
واما لوجه فيه و كل منهما على صورته فذلك من المستحيل العلقى الذى  
نص على انه لا تعلق للقدرة به، بخلاف المستحيل فى العادة  
(المعتقد المنتقد ص ۳۰ رضا اكيديمى)

شہراجمیر میں جب حضرت خواجہ رونق افروز ہوئے تو آپ نے دعوت توحید  
کے سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے پرتھوی راج کو اسلام کی دعوت پیش کی۔ دعوت نامہ  
کے الفاظ یہ تھے:

پرتھوی راج! جن جن لوگوں پہ تیرا اعتماد تھا، وہ خدا کے حکم سے مسلمان ہو  
چکے ہیں، اگر بھلائی چاہتا ہے تو تو بھی مسلمان ہو جاو نہ ذلیل و خوار ہوگا۔ مگر پرتھوی  
راج نے اس دعوت توحید کو قبول نہ کیا۔ حضرت خواجہ نے مراقبہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد سر  
اٹھا کر فرمایا کہ اگر یہ بد بخت ایمان نہ لایا تو میں اس کو اسلامی لشکر کے حوالے زندہ  
گرفتار کرادوں گا۔“ (سیرالاقطاب ص ۱۳۲)

اجمیر شریف و گردونواح میں حضرت خواجہ کی دعوت توحید کے اثرات  
بڑھتے رہے اور حضرت خواجہ کے مریدین کا حلقہ وسیع ہوتا گیا۔ جس کی وجہ سے رائے  
پرتھو راجت گہری تشویش میں مبتلا تھا۔ اس لیے وہ آپ کو شہراجمیر سے نکالنے کے لیے  
خفیہ منصوبے بنانے لگا اور آپ کے مریدین پر ظلم و تشدد برپا کرنے لگا۔ آپ کے  
مریدین نے شکایت کی تو آپ نے فرمایا۔

”پتھورا زندہ گرفتیم و دادیم“

(ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے حوالے کیا)

(فوائد السالکین، ص ۲۴)

شہاب الدین غوری کی تاریخی فتح حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے  
اسی کرامت آثار جملے کی برکت تھی۔ مختصر یہ کہ حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے  
روحانی مرکز اجمیر کو ہیڈ کوارٹر بنا کر دعوت توحید اور فروغ اسلام کا ایسا عظیم کارنامہ  
انجام دیا، جس کی مثال کم از کم تاریخ ہند میں نہیں ملتی۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں  
میں اپنے مریدین کو رشد و ہدایت کے لیے مقرر فرما کر دعوت توحید اور دعوت حق کا  
شاندار اہتمام فرمایا۔

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ کی دعوت توحید کے زیر اثر نوے لاکھ سے زیادہ  
کفار و مشرکین مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ حضرت غریب نواز کا ایسا لازوال کارنامہ  
ہے کہ تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آج ہندوستان میں اسلام کا جو نور نظر آ رہا ہے، اس میں سب سے بڑا دخل  
حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ آپ نے تقریباً ۲۵ رسال تک  
ہندوستان کی سرزمین پر دعوت توحید اور تبلیغ دین فرمائی اور اہام باطلہ کی جڑوں کو کھوکھلا  
کر کے ظلمت کدہ ہند میں اسلام کا اُجالا پھیلایا۔

فجزاه الله تعالى عنا وعن المسلمين خيرا الجزاء

## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اور اتباع سنت

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی

دارالعلوم قادریہ، چریا کوٹ

اولیاء اللہ یقیناً اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔ ولی کے معنی ہی ہیں دوست، لہذا جو اللہ کا ولی ہوگا، وہ یقیناً اللہ سے محبت کرے گا۔ ولایت محبت کے کمال کا نام ہے اور جتنے اولیاء اللہ ہیں سب کامل الایمان ہوتے ہیں اور اللہ سے محبت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے: **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ**۔ (ال عمران: ۳۱/۳)

اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ (کنز الایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سچی محبت کا تقاضا اور دلیل یہ ہے کہ اللہ کے محبوب سے بھی محبت کی جائے اور ان سے محبت کا معنی ہی یہ ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلا جائے، ان کی اتباع کی جائے، ان کی سنتوں پر عمل کیا جائے۔ بظاہر اس آیت میں صرف اتباع رسول کا مطالبہ ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتباع، محض اتباع کے معنی میں نہیں جیسا کہ کبھی کوئی طوعاً و کرہاً اور جبراً کسی کے پیچھے چل پڑتا ہے یا اس کی کسی بات کو مان لیتا ہے لیکن دل میں اس کی کچھ عقیدت و محبت نہیں ہوتی، محض کسی دنیاوی غرض یا خوف کی وجہ سے اتباع کا صدور ہوتا ہے۔ ظاہر ہے حضور محبوب خدا جناب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اس معنی میں بے سود ہوگی۔ کیوں کہ محبت رسول کے بغیر ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا، ارشاد رسول ہے۔ **عن انس لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ و الناس اجمعین**۔

(بخاری شریف: ۱/۷، کتاب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں کا کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

گویا رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کے دو تقاضے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بندہ مومن، رسول سے محبت کرتا ہے اور محبت کا تقاضا اتباع محبوب ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو اللہ کا محبوب بننا چاہے، اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ کے رسول کی اتباع کرے، جیسا کہ آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔ لہذا جو اللہ کا ولی اور محبوب ہوگا، وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اتباع کرے گا اور سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بالاتفاق اللہ کے محبوب اور ولی تھے اور آپ کی شان محبوبی کا تو یہ عالم تھا کہ جب وصال فرمایا تو آپ کی پیشانی پر قلم قدرت سے لکھا ہوا تھا۔ حبیب اللہ مات فی حب اللہ۔ یہ اللہ کا حبیب ہے، اللہ کی محبت میں جاں بحق ہوا ہے۔ تو بھلا آپ کی پوری زندگی کیوں نہ اتباع رسول کا پیکر ہوتی۔ پھر یوں بھی کوئی سوچے کہ سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہند میں اسلام پھیلانے آئے تھے، مخلوق خدا کو راہ راست دکھانے آئے تھے، تو آپ کا خود پابند احکام اسلام ہونا ضروری تھا، ورنہ **لِمَ تَقُولُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ** (کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے، الصف: ۲/۲۱) کے مصداق ہو جاتے اور فرائض و واجبات کے ساتھ سنتوں کی پابندی بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر شفاعت سے محرومی کی وعید آئی ہے، اور سنت اگر موکدہ ہے تو اس کا ترک گمراہی ہے جیسا کہ سرکار نے خود فرمایا: **لو تترکتہم سنۃ نبیکم لضللتہم** (مشکوٰۃ) اگر تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اس لیے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

خلاف پیہر کسے رہ گزید

کہ ہر گز بمنزل نہ خواہد رسید

خلاف پیمبر جو چلے گا وہ ہرگز منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔

ذیل میں چند احادیث ملاحظہ کریں جن سے سنت نبوی کی اہمیت کا اندازہ

ہوگا اور سنت پر چلنے کا شوق بھی بیدار ہوگا:

۱- من رغب عن سنتی فلیس منی سرکار نے فرمایا جو میری سنت سے منہ موڑے گا، وہ مجھ سے نہیں یعنی میرا نہیں۔ (مشکوٰۃ، ص ۲۷، بحوالہ صحیح مسلم)

۲- علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجد الخ (مشکوٰۃ: ۳۰ بحوالہ امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی)

تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے، اسے اختیار کرو اور مضبوط پکڑو۔

۳- لا یؤمن أحدکم حتی یکون هواہ تبعاً لما جئت بہ۔ (مشکوٰۃ، ص ۳۰) تم میں کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ اس کی خواہش اس شئی کے تابع نہ ہو جائے جو لے کر میں آیا، یعنی میرے طریقے اور میری سنت کے مطابق نہ ہو جائے۔

۴- حضرت انس کہتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے بیٹے! اگر تجھ سے ہو سکے کہ تو صبح و شام اس حال میں کر کہ تیرے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے برائی نہ ہو تو تو ایسا کر..... پھر فرمایا:

اے فرزند! اور یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت سے محبت کرتا ہے، وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہو، وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (ترمذی، مشکوٰۃ: ۳۰)

یہ وہ عظیم سنت کریمہ ہے کہ جس کا تعلق ظاہری اعضا و جوارح سے نہیں بلکہ قلب سے ہے۔ ظاہری سنتوں کے پابند تو بہت مل جائیں گے لیکن سرکار کی اس سنت کریمہ کے پابند تو صرف اولیاء اللہ ہی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہیں ہوتا۔ اگر کسی سے تکلیف بھی پہنچتی ہے تو اسے درگزر کر دیتے

ہیں اور سب کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مخلوق خدا ان کی گرویدہ و عاشق ہوتی ہے۔

۵- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو میری امت میں فساد کے وقت میری سنت کو سختی سے پکڑے گا تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ (مشکوٰۃ: ص ۳۰)

۶- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو حلال کھائے اور سنت کے مطابق زندگی گزارے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں یعنی کسی کو بلا وجہ تکلیف نہ پہنچائے، تو وہ جنت میں جائے گا۔ اس کو سن کر ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ! آج تو ایسے لوگ بہت ہیں، سرکار نے فرمایا: اور میرے بعد کے زمانوں میں بھی بہت ہوں گے۔ (ترمذی، مشکوٰۃ: ۳۱)

یعنی رسول اللہ کی سنتوں پر چلنے والے، حلال کھانے والے، اور عامۃ الناس کو امن و عافیت دینے والے ہوتے رہیں گے۔ اور حقیقتاً یہ بھی اولیاء اللہ ہی کی صفات ہیں کہ وہ ان سے ضرور آراستہ ہوتے ہیں۔ حضور خواجہ غریب نواز کی زندگی بھی اس حدیث کا نمونہ تھی جیسا کہ آگے اس کے شواہد آ رہے ہیں۔

اطاعت رسول و اتباع سنت کے اتنے واضح ارشادات ضرور سرکار خواجہ کے سامنے تھے اور یقیناً آپ نے ان کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے کو سنت رسول کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ اب، سنت رسول کے تعلق سے سرکار غریب نواز کے کچھ ارشادات ملاحظہ کریں پھر چند واقعات بیان ہوں گے اور احادیث سے ان کی تائید نقل کی جائے گی۔

**ارشادات خواجہ کی روشنی میں سنت کی اہمیت:**

حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان اور سنت رسول کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دوسرا فرشتہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حظیرہ قدس پر کھڑا ہو کر آواز دیتا ہے: اے آدمیو اور پریو! سنو اور اچھی طرح جان لو کہ جو شخص سنت رسول خدا ادا نہیں کرتا اور حد سے تجاوز کرتا ہے وہ شفاعت سے بے بہرہ (محروم) رہے گا۔ (دلیل العارفین ص ۲-۳)

یہ تو وہ خاص ارشادات تھے جو سنت رسول پر عمل کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرنے والے تھے لیکن حضرت خواجہ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیگر ارشادات و فرمودات کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو وہ بیشار سنتوں کی تاکید پر مشتمل نظر آتے ہیں۔ مثلاً نماز کو ارکان و شرائط کے ساتھ سنت کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ باطہارت ہونے کے فضائل و برکات بیان کرتے ہیں اور اذان کے جواب اور نماز اشراق کی پابندی، وقت سے پہلے نماز کی تیاری، ذکر الہی میں مشغولیت، قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی زیارت، بھوکوں کو کھانا کھلانا، والدین کے ساتھ حسن سلوک، علمائے دین کی زیارت، سخاوت اور تواضع، چھوٹوں پر شفقت وغیرہ حقوق و آداب اور سنتوں پر عمل پیرا رہنے کی بار بار تاکید فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ سنت و شریعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: جب لوگ شریعت میں ثبات قدم ہو جاتے ہیں اور شریعت کے تمام فرمان بجالاتے ہیں اور ان کے بجالانے میں ذرہ بھر تجاوز نہیں کرتے تو اکثر دوسرے مرتبے پر پہنچتے ہیں جسے طریقت کہتے ہیں، اس کے بعد جب طریقت میں شرائط کے ساتھ ثابت قدم ہوتے ہیں اور تمام احکام شریعت بے کم و کاست بجالاتے ہیں تو معرفت کے درجے کو پہنچتے ہیں، جب معرفت کو پہنچتے ہیں تو شناخت و شناسائی کا مقام آجاتا ہے، جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہو جاتے ہیں تو درجہ حقیقت کو پہنچتے ہیں، اس مرتبے پر پہنچ کر جو کچھ طلب کرتے ہیں پالیتے ہیں۔ (دلیل العارفین، ص ۷ مترجم)

حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ ارشادات عالیہ آج کے ان صوفیوں کے لیے نمونہ ہیں بلکہ تازیا نہ عبرت ہیں، جو شریعت و طریقت میں تفریق کی

۱- قیامت کے روز پچاس مختلف مقامات پر مختلف سوالات کیے جائیں گے۔ پہلے مقام پر ایمان اور اس کے شرائط و صفات اور معرفت باری تعالیٰ سے متعلق سوال ہوگا۔ اگر اس سلسلے میں بال بھر بیان نہ کر سکے گا تو وہیں سے سیدھا جہنم بھیج دیا جائے گا (اور ہمیشہ اسی میں رہے گا کہ یہ کافر کا انجام ہے)

دوسرے مقام پر نماز اور دیگر فرائض کی بابت سوالات ہوں گے، اگر عہدہ برآ ہو گیا، ٹھیک ٹھیک جواب دے دیا تو بہتر، ورنہ وہیں سے دوزخ بھیج دیا جائے گا، (اور جس قدر اللہ تعالیٰ چاہے گا، دوزخ میں بطور سزا رہے گا۔ یہ بے عمل مومن کا انجام ہے)

پھر تیسرے مقام پر سنت نبویہ کی بابت سوالات ہوں گے۔ اگر ان سے عہدہ برآ ہو گیا تو رہائی مل جائے گی، ورنہ موکلوں کے ہاتھوں، حضور مصطفیٰ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جائے گا کہ یہ شخص آپ کی امت سے ہے لیکن سنت ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے۔

جب خواجہ صاحب ان فوائد کو بیان کر چکے تو زار زار رونے لگے اور یہ الفاظ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا:

افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شرمندہ ہوگا اور جو ان کی بارگاہ میں شرمندہ ہوگا وہ بھلا کہاں جائے گا۔

(دلیل العارفین، ص ۹-۱۰، مترجم)

۲- حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابو الیث سمرقندی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر روز دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں، ایک کعبہ کی چھت پر کھڑا ہو کر آواز دیتا ہے کہ اے آدمیو! اور اے پریو! سنو اور اس طرح سمجھ رکھو کہ جو شخص اللہ کا فرض نہیں بجالاتا، وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

باتیں کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ شریعت کی تمام قیدوں سے انہیں رہائی مل جائے اور مطلق العنان ہو کر جو چاہیں بکریں اور جو چاہیں کریں۔ ایسے لوگ خود ہی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، دوسروں کو کیا راہ دکھائیں گے۔ ایسے ہی نام کے صوفی، تصوف اور صوفیائے کرام کو بدنام کرتے اور خلق خدا کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان سے بچنا اور دور رہنا نہایت درجہ ضروری ہے۔ اس موضوع پر اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا رسالہ ”مقال عرفا باعزاز شرع و علماء“ (۱۳۲۷ھ) نہایت مفید ہے جس میں چالیس اکابر اولیائے کرام کے اسی ایسے ارشادات نقل ہیں جن سے شریعت و طریقت کا تلازم ثابت ہوتا ہے۔ بڑا ایمان افروز رسالہ ہے۔ اس کا مطالعہ ہر اسلامی بھائی اور تصوف پسند کو ضرور کرنا چاہیے۔

### حیات خواجہ غریب نواز اور اتباع سنت:

اب ذیل میں حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی پاک کے چند واقعات و ارشادات ایسے نقل کیے جاتے ہیں جن سے حضرت خواجہ پاک رضی اللہ عنہ کے اتباع سنت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۱- حضرت خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان کے لباس کے تعلق سے محبوب الہی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی قدس سرہ العزیز سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ہمارے حضرت خواجہ بزرگ عمدہ دوتائی اوڑھا کرتے تھے۔ اگر وہ پھٹ جاتی تو جس قسم کا بھی پرانا پاک کپڑا مل جاتا، اس کا پیوند لگا لیتے، فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ میں نے وہ دوتائی دیکھی ہے، پھر وہ دوتائی حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہ کو حاصل ہوئی۔ (ص ۲۷، مونس الارواح از شہزادہ جہاں آرا بیگم مترجمہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی گھوسوی، ۲۰۰۷ء)

پیوند لگا لباس پہننا ایک تو سادگی و کفایت شعاری کی دلیل ہے، دوسرے اس میں اتباع سنت کی بھی بھرپور جھلک پائی جاتی ہے، کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ

وسلم بھی باوجودے کہ آپ کو کائنات کے خزانوں کی کنجیاں عطا ہوئی تھیں، پیوند لگا لباس استعمال فرماتے تھے تاکہ غربائے امت کے لیے نمونہ ہو جائے اور ان کے لیے تشفی کا باعث بھی۔ ذیل میں اس سلسلے کی بعض روایات ملاحظہ کریں۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیوند لگی ہوئی کملی اور موٹا تہبند نکالا اور قسم کھا کر یہ فرمایا کہ حضور کا وصال انہیں دو کپڑوں میں ہوا۔ (بخاری شریف و مسلم، مشکوٰۃ، ص: ۳۷۳ مجلس برکات مبارک پور، شمائل ترمذی، ص: ۹)

یہ حدیث تو سرکارِ قدس صل اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک پر دلالت کرتی ہے۔ اب کپڑے میں پیوند لگانے سے متعلق سرکار کا ارشاد مبارک بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: عائشہ! اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو دنیا سے اتنے ہی پر اکتفا کر جتنا سوار کے پاس توشہ ہوتا ہے اور مال داروں کے پاس بیٹھنے سے بچ اور کپڑے کو پرانا نہ سمجھ جب تک کہ اس میں پیوند نہ لگالے۔

(سنن ترمذی: ج ۱/۲۱۰۔ ابواب اللباس مجلس برکات مبارک پور/ مشکوٰۃ المصابیح ص: ۳۷۵ کتاب اللباس مجلس برکات مبارک پور)

۲- حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان جب پندرہ سال کے تھے، آپ کے والد گرامی حضرت خواجہ غیاث الدین کا انتقال ہو گیا۔ وراثت میں آپ کو ایک باغ ملا اور پن چکی، جو آپ کے لیے ذریعہ گزر بسر ہوا۔ آپ کے علاقے کے ایک مجذوب حضرت ابراہیم قندوزی آئے۔ حضرت خواجہ نے ان کا احترام کیا اور ایک درخت کے نیچے بٹھایا اور خود بھی پاس بیٹھ گئے۔ اتنے میں حضرت ابراہیم قندوزی نے کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا، منہ میں چھپایا پھر اسے حضرت خواجہ کے منہ میں رکھ دیا۔ اس کھلی کو کھاتے ہی

حضرت خواجہ کے باطن میں ایک نور پیدا ہوا۔ دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا۔ سارا باغ وغیرہ بیچ کر فقرا پر صرف کر دیا اور وطن سے نکل کر بخارا و سمرقند چلے گئے، جہاں ایک مدت تک قیام کیا۔ وہیں قرآن پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تحصیل کی پھر عراق و عرب کا قصد کیا۔ (مولانا الارواح ص ۲۴-۲۵)

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ دل روشن ہو چکا، دنیا کی محبت نکل چکی، رب تبارک و تعالیٰ کے ہو کر رہ گئے، مال و متاع نذر راہ خدا کر دیا۔ مگر اس کے باوجود آپ نے وطن چھوڑ کر اور سمرقند و بخارا جا کر علم ظاہر کی تحصیل کی کہ شریعت پر عمل کرنے کے لیے شریعت کا علم ضروری ہے اور سرکارِ دو عالم صل اللہ تعالیٰ علیہ کے امر: ”طلب العلم فريضة على كل مسلم“ (مشکوٰۃ ص ۳۴ کتاب العلم) علم دین سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کی مثال کی خاطر آپ نے سفر کیا اور علم حاصل کیا۔ طالب علم کی ایک فضیلت یہ بھی حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے کہ فرشتے اس کے اعزاز میں اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں (مشکوٰۃ ص ۳۴) توجہ تک حضرت خواجہ طالب علمی کی زندگی نہیں گزارتے، اس اعزاز سے مشرف نہ ہوتے۔ یوں ہی سرکار کی یہ بھی سنت ہے کہ کہیں اہل علم، تعلیم و تعلم میں مشغول ہوں تو اس میں بیٹھا جائے، جیسا کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی مسجد پاک میں گئے۔ کچھ لوگوں کو ذکر و دعا میں پایا۔ ان کی تعریف کی پھر ان کی مجلس سے گزرے جو دین کا علم سیکھ سیکھ رہے تھے۔ سرکار نے ان کی تعریف کی اور فرمایا یہ لوگ پہلے والوں سے بہتر ہیں پھر اس میں بیٹھ گئے اور فرمایا میں بھی معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۶ بروایت عبداللہ بن عمرو) اب اس سنت پر عمل کرنے کے لیے مجلس علم میں شرکت ضروری تھی، اس لیے حضرت خواجہ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی کر دکھایا۔

بغیر طلب علم آدمی وارث انبیاء نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں ہے، انبیاء نے علم دینا و درہم وراثت میں نہیں چھوڑا، انہوں نے علم کی وراثت چھوڑی تو جس نے علم

حاصل کیا، اس نے انبیاء کی وراثت میں بڑا حصہ پایا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۴ بروایت ابودردا)

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلب علم میں حصہ لے کر وارث نبی ہونے کی فضیلت بھی حاصل کی اور جنت کے راستے میں بھی قدم رکھا، کیونکہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو طلب علم میں کوئی راہ چلتا ہے، وہ جنت کا راستہ طے کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ (ایضاً)

یہ احادیث کریمہ اور سرکارِ خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے مطابق عمل کر کے دکھانا، یہ ثابت کرتا ہے کہ غریب نواز سے عقیدت صرف یہی نہیں کہ ان کے مزار پر حاضری دے کر منٹیں مان لیں اور حاجت پوری کرانے کے لیے دعائیں کر لیں اور بس۔ بلکہ سچی عقیدت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم بھی اپنے کو علم دین سے آراستہ کریں، اپنی اولاد کو علم دین سے بہرہ ور کریں، سرکارِ غریب نواز کا یہ کردار خاص کر سجادہ نشین حضرات کے لیے درس عبرت ہے جو محض مجاوری اور نسبت پر اکتفا کر کے رہ جاتے ہیں اور علم دین کی طلب میں کوئی کٹھن راہ طے کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں رہتے۔ ایسے لوگ نہ تو دین کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں اور نہ ہی حضرت خواجہ غریب نواز سے عقیدت کا حق ادا کرتے ہیں۔

۳- حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی قدس سرہ فرماتے ہیں: میں بیس سال تک حضرت خواجہ غریب نواز کی خدمت میں رہا۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی شخص پر غصہ ہوتے ہوں۔ (مولانا الارواح ص ۴۱)

یہ بھی سرکارِ اقدس سید عالم صل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ و ارشادِ گرامی پر عمل پیرا ہونا ہے۔ بظاہر یہ بہت آسان بات معلوم ہوتی ہے مگر ذرا کوئی اس پر عمل کر کے تو دکھائے کہ غضب کا موقع ہو، آدمی غصہ پی جائے، مطلق اس کا اظہار نہ کرے۔ اس سلسلہ میں بعض ارشادات رسالت سماعت کر لیں تاکہ بات مدلل ہو جائے اور اس کی مزید اہمیت بھی ذہن نشین ہو جائے، کیونکہ آج بہت سے بڑے

پیر اور عالم اس معیار پر اترتے نظر نہیں آتے، عبادت و ریاضت میں آگے بڑھنا تو آسان ہے مگر غضب و غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھنا بہت مشکل ہے۔ چنانچہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

۱- پہلوان اور طاقتور وہ نہیں جو لوگوں کو چھڑا دیتا ہو، طاقتور تو وہ ہے جو غضب کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ (مشکوٰۃ : ۴۳۳)

۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ وسلم سے وصیت کرنے کی درخواست کی، تو فرمایا: غضبناک مت ہونا پھر اس کو بار بار دہرایا۔ (بخاری، مشکوٰۃ ص: ۴۳۳)

۳- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے افضل وہ گھونٹ ہے جسے کوئی غصے کے وقت پئے محض اللہ کی رضا چاہنے کے لئے۔ (امام احمد، مشکوٰۃ ص: ۴۳۴ کتاب الغضب)

۴- سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غصہ ایمان کو ایسا فاسد کر دیتا ہے جیسے ایلو (مُصَبَّر) شہد کو فاسد کر دیتا ہے۔ (ایضاً)

۵- سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کریمہ اور اخلاق فاضلہ کا بیان کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے سرکار کی خدمت میں رہنے کا دس سال موقع ملا۔ لیکن سرکار نے کبھی مجھے اف تک نہ کہا اور نہ یہ کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اور نہ یہ کہ، یہ کام کیوں نہیں کیا؟ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، ص: ۵۱۸ باب فی اخلاق و شمائلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

۶- حضرت انس ہی کی دوسری روایت میں یہ ہے، میں نے دس سال خدمت کی لیکن کبھی سرکار نے مجھے ملامت نہ کی اور اگر گھر کا کوئی فرد ملامت کرتا تو فرماتے اسے چھوڑ دو کہ جو ہونے والا ہوتا ہے، ہو کر رہتا ہے۔ آپ فرماتے

ہیں: اس وقت میری عمر آٹھ سال کی تھی یعنی آٹھ سال کی عمر سے دس برس تک خدمت کی۔ (مشکوٰۃ ص: ۵۱۹)

دیکھئے ان ارشادات رسول اور سیرت رسول پر کس درجہ حضرت خواجہ غریب نواز عامل تھے، آپ کا یہ کردار بھی ہم عقیدت مندان خواجہ کے لیے درس عبرت و نصیحت ہے اور قابل عمل۔

۲- بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ با وضو رہا کرتے۔ آپ کا وضو قضاے حاجت کے سوا کبھی فاسد نہیں ہوتا۔ (مولس الارواح، ص: ۴۴)

وضو پر مداومت بھی بڑے افضل اعمال میں سے ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، ذیل میں چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے، اور وضو پر کوئی ہمیشہ کار بند نہیں رہ سکتا مگر مومن (مالک، احمد، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ ص: ۳۹)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت بلال کو بلایا۔ پوچھا رات جنت میں مجھ سے آگے کس وجہ سے چل رہے تھے، عرض کیا، یا رسول اللہ! میرا معمول ہے کہ جب اذان دیتا ہوں، دو رکعت پڑھ لیتا ہوں اور جب مجھے حدث واقع ہوتا ہے تو فوراً وضو کر لیتا ہوں۔ سرکار نے فرمایا اسی وجہ سے۔

(الترغیب والترہیب للمذری: ۲۲۳/۱ بیروت ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء دار ابن کثیر) اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ با وضو رہنے کے فضائل میں تحریر فرماتے ہیں: اجماع ہے کہ ہر وقت با وضو رہنا، ہر حدث کے بعد معاً وضو کرنا مستحب ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں و خزائنہ المفتین و فتاویٰ ہندیہ وغیرہا میں وضو کے مستحبات کے شمار میں ہے:

و منها المحافظة على الوضوء و تفسيره ان يتوضاء كلما أحدث ليكون على الوضوء في الاوقات كلها (مستحب ہے ہر وقت با وضو رہنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حدث ہو فوراً وضو کر لے تاکہ ہمہ وقت با وضو رہے۔)

بلکہ امام رکن الاسلام محمد بن ابوبکر نے ”شرعۃ الاسلام“ میں اسے اسلام کی سنتوں میں بتایا۔ فرماتے ہیں: المحافظة على الوضوء سنة الإسلام (وضو پر محافظت اسلام کی سنتوں میں سے ہے)۔

اس کی شرح مفاتیح الجنان میں بستان العارفین امام فقیہ ابوللیث سے ہے:

”ہم کو حدیث پہنچی کہ اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا: اے موسیٰ! اگر بے وضو ہونے کی حالت میں تجھے کوئی اذیت پہنچے تو خود اپنے آپ کو ملامت کرنا۔

اسی میں کتاب خالصۃ الحقائق للآبی القاسم محمود بن احمد فارابی سے ہے:

بعض عارفین نے فرمایا: جو ہمیشہ با وضو رہے، اللہ تعالیٰ اسے سات فضیلتوں سے مشرف فرمائے:

(۱) ملائکہ اس کی صحبت میں رغبت کریں۔ (۲) قلم اس کی نیکیاں لکھتا رہے۔ (۳) اس کے اعضا تسبیح کریں۔ (۴) اس سے (نماز کی) تکبیر اولی فوت نہ ہو۔ (۵) جب سوئے اللہ تعالیٰ کچھ فرشتے بھیجے کہ جن و انس کے شر سے اس کی حفاظت کریں۔ (۶) سکرات موت اور موت کی سختی اس پر آسان ہو۔ (۷) جب تک با وضو رہے، امان الہی میں رہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ۱/۱۸۵-۱۸۶)

دیکھا آپ نے با وضو رہنے کے کیا کیا فضائل ہیں اور یہ کیسی اہم سنت ہے جس پر حضرت خواجہ غریب نواز کار بند تھے، آپ کا یہ عمل بھی ہمارے لیے درس عبرت و نصیحت ہے۔

۵- حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ عفو و درگزر میں کمال کے درجے پر

فاز تھے۔ چنانچہ ایک بار کا واقعہ ہے کہ ایک بد بخت، ایک دشمن خواجہ کے کہنے پر آپ کے قتل پر آمادہ ہو گیا اور اسی ارادہ سے آپ کے پاس آیا۔ جب وہ شخص قریب آیا تو حضرت خواجہ نے نرمی سے فرمایا۔ تم جس کام سے آئے ہو، شروع کرو۔ یہ سنتے ہی وہ شخص کا پنے لگا۔ چھری بغل سے نکال کر پھینک دی اور قدموں پر گر گیا اور کہنے لگا میں کسی کے بہکانے پر آ گیا تھا۔ مجھے سخت سے سخت سزا دیجئے، مجھے قتل کر دیجئے۔ لیکن حضرت خواجہ نے اسے اٹھایا اور فرمایا: تم نے کوئی برائی نہیں کی اور اگر کرتے بھی تو درویشی کا تقاضا یہی تھا کہ میں تمہارے ساتھ نیکی کرتا۔ جا میں نے تجھے معاف کیا، پھر اس کے لیے دعا کی۔ وہ شخص یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا، اور پھر بیعت ہو کر ہمیشہ کے لیے خدمت میں رہنے لگا۔ کئی بار حج کیا اور وہیں پیوند خاک ہوا۔ (سید الاقطاب مترجم

محمد معین الدین پروفیسر مطبوعہ نئیس اکیڈمی، کراچی پاکستان، ص ۱۴۹)

آج کے بڑے بڑے صوفی بننے والے حضرات ذرا ذرا سی بات کو لے کر مقدمہ بازی اور قتل و خون تک کی انتقامی کارروائی میں ملوث نظر آتے ہیں، ان کے لیے حضرت خواجہ کا یہ واقعہ بہت بڑا سبق ہے، اور یہ یقیناً سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت بڑی سنت ہے، جیسا کہ سرکار نے بارہا اپنے جانی دشمنوں کو معاف فرمادیا اور اعلان کرادیا کہ لا تشریب علیکم الیوم اذہبوا انتم الطلقاء آج تمہارے اوپر کوئی بدلہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ واقعی جو اللہ کا ولی اور سچا بندہ ہوتا ہے، وہ اس کے سچے رسول کا ضرور مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے، اور سرکار خواجہ بزرگ بھی اس معیار پر پورے اترتے نظر آتے ہیں۔

۶- اسلامی حقوق میں یہ بھی ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جائے، کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو جنازہ میں شریک ہو جائے اور دعا کی جائے۔ چنانچہ حضرت خواجہ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان سنتوں پر



عائل تھے۔ راحت القلوب میں منقول ہے کہ پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازہ کے ہمراہ ضرور تشریف لے جاتے، نماز جنازہ اور تدفین کے بعد تمام لوگ جب واپس ہو جاتے تو تنہا اس کی قبر پر بیٹھتے اور اس وقت کی مناسبت سے دعائیں کرتے۔ (راحت القلوب خواجہ فرید الدین گنج شکر) اس میں کئی سنتوں پر عمل ہے مثلاً:

۱- پڑوسیوں کے حق کا لحاظ

۲- مومن کی نماز جنازہ میں شرکت

۳- جنازہ کے ساتھ چلنا

۴- تدفین میں شریک ہونا

۵- بعد دفن میت کے لیے دعا کرنا

اب ہر ایک کے لیے حدیثیں ملاحظہ کر لیں۔

۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا مسلمان پر پانچ حق ہے۔ سلام کا جواب دینا، مریض ہو تو اس کی عیادت کرنا، جنازہ میں جانا، دعوت قبول کرنا، چھینکنے پر جب الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہنا (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ص: ۱۳۳، کتاب الجنائز) اس حدیث میں مسلمان کا حق اس کے مرنے کے بعد اس کے جنازے میں جانا بتایا گیا جس کا سنت ہونا واضح ہے۔

۲- حضرت عائشہ و حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرئیل برابر مجھے پڑوسی کے بارے میں تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ عنقریب ایک دوسرے کو وارث قرار دے دیں گے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ص: ۲۲۲، باب الشفقتہ والرحمۃ)

اس جامع حدیث میں پڑوسیوں کے ہر طرح کے حقوق آگئے، یعنی اس میں

ہر وہ سلوک شامل ہے جو پڑوسیوں کے حق میں مفید اور ان کی دلداری کا سبب ہو۔

۳- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی مسلم کے جنازے کے پیچھے چلا، ایمان کے سبب اور ثواب طلب کرتے ہوئے اور اس کے ساتھ اس وقت تک رہا حتیٰ کہ اس پر نماز جنازہ پڑھ لی گئی اور اس کے دفن سے فراغت حاصل کر لی گئی تو وہ دو قیراط اجر لے کر واپس آتا ہے اور ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ثواب رکھتا ہے اور جو نماز تو پڑھے لیکن دفن سے پہلے واپس آجائے تو اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ص: ۱۴۴، باب المشی بالجنائزہ)

۴- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: جب رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دفن میت سے فارغ ہوتے تو اس کے پاس ٹھہرتے اور فرماتے، اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کرو اور اس کے لیے سوال کے وقت ثابت قدمی کا سوال کرو، کیونکہ ابھی اس سے سوال ہوگا۔ (ابو داؤد، مشکوٰۃ ص: ۲۶، باب اثبات عذاب القبر)

۵- حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ میں نکلے۔ جب ان کی وفات ہوئی، تو جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھ لی اور ان کو قبر میں رکھ دیا گیا پھر اس پر مٹی برابر کر دی گئی تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور ہم نے دیر تک سبحان اللہ پڑھا، پھر حضور نے اللہ اکبر کہا۔ پھر حضور سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے پہلے تسبیح پڑھی پھر تکبیر کہی، اس کا کیا مطلب؟ تو ارشاد فرمایا: اس مرد صالح پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے (اس تسبیح و تکبیر) کی برکت سے اس کو کشادہ کر دیا۔ (امام احمد، مشکوٰۃ، ص: ۲۶، باب اثبات عذاب القبر)

ان دونوں روایتوں سے میت کے دفن کے بعد قبر پر تھوڑی دیر تک ٹھہرنا اور اس کے لیے دعائے رحمت و مغفرت یا تسبیح و تکبیر پڑھنا جو سبب رحمت ہے، ثابت ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سنت کریمہ پر بھی عمل فرماتے تھے۔

۷- ایک مرتبہ حضرت خواجہ اجل رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی نماز کا وضو فرما رہے تھے کہ اتفاقاً انگلیوں کا خلال بھول گئے۔ غیبی فرشتے نے آواز دی: اے خواجہ! تو رسول کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی امت بنتا ہے لیکن اس کی سنت کو ترک کرتا ہے، اس کے بعد حضرت خواجہ نے قسم کھائی کہ اس وقت سے لے کر مرتے دم تک میں کوئی سنت ترک نہیں کروں گا۔ (دلیل العارفین مترجم: ص: ۳، مکتبہ جام نور دہلی)

اس واقعہ سے اندازہ لگانا چاہیے کہ حضرت خواجہ بزرگ سنتوں کے کس قدر پابند تھے، انگلیوں کے خلال سے متعلق چند روایتیں بھی گوش گزار کریں اور اپنی اپنی غفلتوں کا علاج بھی کرتے جائیں۔

۱- حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضور ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا: میری امت میں خلال کرنے والے لوگ کتنے اچھے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یہ خلال کرنے والے کون لوگ ہیں یا رسول اللہ! فرمایا: وضو میں خلال کرنے والے، کھانے کے بعد (دانتوں کا) خلال کرنے والے۔ اب رہا وضو کا خلال تو یہ کلی، استنشاق (ناک صاف کرنا) اور انگلیوں کے درمیان خلال کرنا ہے۔ رہا کھانے سے خلال تو اس کے بارے میں سنو کہ دونوں فرشتے (کراما کاتبین) پر سب سے سخت یہ بات ہوتی ہے کہ وہ دانتوں کے درمیان کھانے کا کوئی اثر دیکھیں، اس حال میں کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہو۔ (الترغیب والترہیب للمندری: ۱/۲۳۲)

۲- حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ رسول پاک صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار نے فرمایا: جو اپنی انگلیوں کا پانی سے خلال نہ کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان آگ بھر دے۔ (الترغیب: ۱/۲۳۴) الترغیب فی تخیل الاصلاح

۳- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے۔ فرمایا: پانچوں انگلیوں میں خلال کرو، اللہ تعالیٰ ان کو آگ سے نہیں بھرے گا۔ (الترغیب: ۱/۲۳۴)

اسبغ وضو کی بھی حدیثوں میں بڑی فضیلت آئی ہے اور اسباغ کا تقاضا ہے کہ انگلیوں کے درمیان خلال کیا جائے، تاکہ اس کی پوروں میں کسی حصے پر خشک رہنے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ کیونکہ اعضائے وضو کا کچھ حصہ بھی خشک رہ جائے یا اس پر پانی نہ ہے اگر چہ تر ہو جائے تو وضو ہی نہ ہوگا۔ اس لیے خلال کی سخت تاکید ہے تاکہ پورے اعضا اچھی طرح دھل جائیں اور وضو مکمل ہو جائے۔

حضرت خواجہ کا مذکورہ واقعہ خواجہ غریب نواز کا ہے یا شیخ اجل شیرازی کا اس میں شبہہ ہے۔ ترجمہ ہشت بہشت میں شامل دلیل العارفین کی عبارت صاف نہیں ہے اور فارسی نسخہ ملتا تو بات واضح ہوتی، اور وہ دستیاب نہیں۔

غرض یہ کہ سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری زندگی اتباع سنت و شریعت کا آئینہ دار تھی۔ آپ کے اخلاق کریمانہ، اخلاق حسنہ رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پرتو تھے۔ غریبوں کی خبر گیری، محتاجوں کی امداد و اعانت، بھوکوں کو کھانا کھلانا، مشکلات میں صبر و شکیب کا پیکر بن جانا، مظلوموں کی دادرسی، بڑوں کا ادب و احترام اور چھوٹوں پر شفقت، جو دو سخا، قرآن پاک کی تلاوت وہ بھی اس قدر کہ روزانہ دو ختم فرماتے تھے۔ اکثر عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنا، مسلسل روزے رکھنا، قبور اولیاء و مسلمین کی زیارت، غرض آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ ذکر خدا اور رسول اور اتباع و اطاعت محبوب میں گزرتا، خلق خدا کی تربیت اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں دین کی اشاعت کا جو نمایاں کارنامہ آپ نے انجام دیا ہے، اس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی، اور اس راہ میں جہاں آپ کی روحانی قوت، کرامات کو دخل ہے، وہیں اتباع شریعت و سنت کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آج اس دور رستاخیز میں آپ کا اسوۂ مبارکہ ہمارے لیے بہترین رہنما ہے۔ افسوس کہ آج بالعموم مسلمان حضرت خواجہ کی بارگاہ میں صرف غریبی اور دنیاوی پریشانی کا شکوہ لے کر حاضر ہوتے اور دعائیں کرتے ہیں۔ جب کہ ہمیں چاہیے کہ اپنے آپ کو سرکارِ غریب نواز کے سانچے میں ڈھالیں، عبادتِ خدا و اطاعتِ رسول میں اپنے وجود کو کھپادیں لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ اکثر لوگ صرف اپنی مرادیں مانگتے اور حاجتیں پوری کرانے ہی میں مستغرق رہتے ہیں۔ نماز جو اسلام میں اہم الفرائض ہے اور سرکارِ غریب نواز خود اس کے بہت سخت پابند تھے، اس سے غفلت عام ہوتی جا رہی ہے، کتنے پیر اور گدی نشین بننے والے بھی اس اہم فرض سے غافل نظر آتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں صرف خواجہ کا نام لینے سے ہی بیڑا پار ہو جائے گا، نماز وغیرہ عبادات کی ضرورت ہی نہیں، خواجہ غریب نواز روزانہ دو ختم قرآن کرتے لیکن ہم میں کتنے ہیں جو سرے سے قرآن پڑھنا بھی نہیں جانتے اور جو پڑھے ہوئے ہیں، اکثر وں کا حال یہ ہے کہ دو ماہ میں بھی ایک ختم کرنا دشوار اور بار سمجھتے ہیں۔ بیشتر زائرین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اجمیر جاتے اور آتے نمازوں کو ترک کرتے رہتے ہیں۔ جب کہ وہ گھروں پر نمازیں پڑھتے ہیں، جبکہ خواجہ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت ہمیں کچھ مزید ذکر و فکر اور عبادت میں مشغولیت اختیار کرنی چاہئے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کی روح پر فتوحِ خوش ہو کر ہماری طرف متوجہ ہو لیکن ہمارا معاملہ الٹا ہوتا ہے کہ فرض نمازوں تک کو گنوا تے جاتے ہیں اور یوں ہی واپس آ جاتے ہیں۔ ان حضرات پر اور زیادہ افسوس ہوتا ہے جو پرائیویٹ اور ریزرو گاڑیوں سے جاتے ہیں لیکن پھر بھی نمازوں کے لیے رکنے رکانے کی زحمت نہیں کرتے۔

عقیدت مند ان خواجہ غریب نواز کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سرکارِ خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہندوستان میں دین پھیلانے کے لیے بھیجا اور الحمد للہ آپ اپنے اس مشن میں خوب خوب کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ خواجہ کا دم تو بھرتے ہیں لیکن دین کی تبلیغ و اشاعت کے بارے میں سوچتے بھی نہیں، اور دوسروں میں ہم کیا دین پھیلائیں گے، جب خود اپنے اندر دین برپا کرنے کا کوئی جذبہ نہیں پاتے۔ ورنہ آج بھی اگر کوشش کی جائے تو اسلام پھیلتا بڑھتا نظر آئے گا اور بہتوں کی کوششیں اس راہ میں بار آور بھی ہو رہی ہیں۔ لہذا ضرورت ہے کہ آج اپنے کو ہم دین حق کی سچی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں۔ اپنے اخلاق بلند کریں، اپنے کو سچائی کا خوگر بنائیں، سنت و شریعت پر عمل کا سچا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں تو خود ہمارا یہ عمل ہی اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں بڑا معاون بن جائے گا، جو سرکارِ غریب نواز کا اصل مشن تھا۔ آج مسلمان جس عقیدت و محبت کے ساتھ خواجہ کے آستانے پر حاضری دیتے ہیں، اسی طرح ان کے مشن کو آگے بڑھائیں تو واقعی آج پھر سے اسلام کا بول بالا ہو سکتا ہے۔ اور فرقہ پرستی و تعصب اور تنگ نظری کا بھی یہ ایک بہترین علاج ہے مگر شرط یہ ہے کہ دنیا ہمارے اوپر غالب نہ ہو، بلکہ دین کی حکمرانی ہو اور رضائے مولیٰ مقصد زندگانی ہو، مولیٰ ہمیں اپنی رضا سے نوازے۔ اپنی رضا کے کام کی توفیق دے، اپنے محبوب کی اتباع کا سچا جذبہ عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ وصحبہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق علم

مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی  
جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

علم دو قسم پر ہے: علم معاملہ، علم مکاشفہ۔ پھر علم معاملہ کی بھی دو قسمیں ہیں: علم ظاہر: یعنی ظاہری اعضاء کے اعمال کا علم، علم باطن: یعنی قلوب کے اعمال کا علم۔

اسی طرح علم ظاہر و باطن میں سے ہر ایک دو قسموں پر منقسم ہے۔ علم ظاہر کی دو قسمیں ہیں: عبادات، معاملات اور علم باطن جس کا تعلق دل کے احوال اور نفس کی عادتوں سے ہے دو قسموں پر مشتمل ہے: اچھی عادتیں۔ بری عادتیں

لہذا علم ان چار قسموں میں محصور ہے اور ان چار قسموں میں سے ہر ایک کی تفصیل کتابوں میں مذکور ہے، جس پر دو صحابہ سے لے کر آج تک بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

مثلاً عبادات میں: نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ کے مسائل کا مل تحقیق کے ساتھ کتابوں میں درج ہیں۔

اور معاملات میں: نکاح، طلاق، خرید، فروخت، اجارہ، مضاربت، شرکت،

ہبہ، وقف اور وراثت وغیرہ کے قوانین بھی نہایت شرح و بسط کے ساتھ صفحہ قرطاس پر موجود ہیں۔

اسی طرح نفس کی اچھی عادتوں میں۔ صبر، شکر، خوف خدا، زہد، تقویٰ، توکل، سخاوت، خوش خلقی، حسن معاشرت، صدق، اخلاص، اللہ تعالیٰ سے حسن ظن اور رجا، اس کے احسانات کی معرفت، وغیرہ صفات جمیلہ و خصال حمیدہ، سب کچھ کتابوں میں مرقوم ہیں۔

اور نفس کی بری عادتوں میں، تکبر، ریا کاری، بغض، حسد، بخل، حرص، فخر و مفاخرت، ظلم و جبر، غیبت و چغل خوری، غصہ، شنی، دشمنی، لایعنی چیزوں میں اشتغال، لوگوں کی عیب جوئی، وغیرہ عادات رذیلہ کے بیان میں دفتر کے دفتر موجود ہیں۔

ان تمام علوم کو حاصل کرنے کے بعد علم مکاشفہ کا مقام ہے جو درحقیقت مندرجہ بالا تمام علوم کی غایت و نہایت اور ان جملہ علوم کا ثمرہ و نتیجہ ہے، لیکن اس کو حاصل کرنے کا عمومی حکم نہیں۔ لہذا اس کو کتابوں میں نہیں لکھا گیا اور نہ عام لوگ اس کے متحمل ہو سکتے تھے۔

حجتہ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اس کتاب میں صرف علم معاملہ بیان کرنا مقصود ہے علم مکاشفہ نہیں، اس لئے کہ اس علم کو کتابوں میں تحریر کرنے کی اجازت نہیں۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ صدیقین اور طالبان حق کا مقصد اصلی اور مطمح نظر یہ علم مکاشفہ ہی ہے لیکن انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے خلق خدا سے علم معاملہ ہی میں گفتگو فرمائی اور اسی کی طرف ہدایت کی، رہا علم مکاشفہ تو ان حضرات نے فقط اشاروں کنایوں میں اجمالاً اور تمثیلاً ہی اس علم کی تعلیم دی، اس لئے کہ یہ حضرات بخوبی جانتے تھے کہ لوگ علم مکاشفہ کا ادراک نہیں کر سکیں گے، اور نہ اس کے متحمل ہو سکیں گے۔ علمائے کرام چونکہ انبیائے کرام کے وارث ہیں، لہذا انہیں بھی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقے کی پیروی

کرنا ہے اور پوشیدہ ہی رکھنا ہے۔

گویا یہ علم سینوں سے سفینوں کی طرف منتقل نہیں ہوا اور نہ ہی اس کی تعلیم کو عام کیا گیا، بلکہ آج تک سینہ بہ سینہ ہی چلا آ رہا ہے۔  
اس علم کی عظمت و فضیلت اور وضاحت کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں:

علم مکاشفہ وہ علم باطن ہے جو تمام علوم کی غایت اور ان کا ثمرہ ہے۔ بعض عارف باللہ فرماتے ہیں: جس کو اس علم سے کوئی حصہ نہیں ملا، اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے، اس علم کا کم سے کم حصہ یہ ہے کہ اس کی صداقت اور حقانیت کا اعتراف کرے اور یہ تسلیم کرے کہ جو حضرات اس کے اہل ہیں، انہیں یہ علم حاصل ہے۔  
ایک عارف باللہ فرماتے ہیں: بد مذہب اور متکبر کو اس علم سے کچھ نہیں ملتا۔  
بعض حضرات کا قول ہے: جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہو یا خواہش نفس پر اصرار کرتا ہو، اس کو یہ علم حاصل نہ ہوگا، چاہے دوسرے تمام علوم میں اس کو مہارت حاصل ہو جائے، ایسے شخص کی سب سے ہلکی سزا یہ ہے کہ اس علم سے اس کو کچھ میسر نہیں آتا۔

و أرض لمن غاب عنك غيبته

فذاك ذنب عقابه فيہ

جو تیرے پاس سے غائب ہو، اس سے راضی رہ کہ غائب رہنا گناہ ہے اور

اسی میں تیری سزا ہے۔

یہ علم صدیقین اور مقربین کا علم ہے، یہ علم مکاشفہ ایک نور کا نام ہے۔ جب دل برائیوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے، اس سے آدمی پر ایسی بہت سی باتیں منکشف ہو جاتی ہیں جن کا وہ اس سے پہلے صرف نام ہی سنتا تھا اور اپنی قوت واہمہ سے کچھ مجمل اور غیر واضح معنی وضع کر لیا کرتا تھا، اس نور کی روشنی میں اس کو

اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات کمالیہ اس کے افعال، دنیا و آخرت کی وجہ تخلیق، آخرت کو دنیا پر موقوف کرنے کی حکمت، نبوت و نبی اور وحی کے معنی کی معرفت، ملائکہ اور شیاطین کے معنی، انسان سے شیطان کی دشمنی کی کیفیت، انبیائے کرام کے سامنے فرشتوں کی آمد اور نزول وحی کی کیفیت، آسمانوں اور زمین کے ملکوت کی حالت، دل اور اس میں فرشتوں اور شیاطین کے لشکر کی جنگ کی کیفیت، فرشتوں کے الہام والقا اور شیاطین کے وسوسوں کا فرق، آخرت، جنت، دوزخ، عذاب قبر، پل صراط، میزان، حساب وغیرہ دوسرے بے شمار امور کی صحیح معرفت اسی نور کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اسی نور کے ذریعہ وہ ان آیتوں کا مطلب بھی سمجھ لیتا ہے۔

إقرأ کتابك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا [الإسراء: ۱۴]

اپنا نامہ پڑھ تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے۔

وإن الدار الآخرة لهي الحيوان لو كانوا يعلمون [العنكبوت: ۶۴]  
اور بیشک آخرت کا گھر ضرور وہی سچی زندگی ہے۔ کیا اچھا تھا اگر جانتے اللہ تعالیٰ کی لقا، اس کی ذات کریم کے دیدار کا معنی، اس کا قرب و جوار، ملا اعلیٰ، ملائکہ و انبیائے کرام کے قرب کا مطلب اسی نور سے حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح جنت میں رہنے والوں کے درجات میں اس قدر فرق ہوگا کہ ایک دوسرے کو اس طرح دیکھیں گے جیسے ہم آسمان میں چمکتے ہوئے ستارے دیکھتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے، ان تمام سوالوں کا جواب اسی نور کی روشنی میں حاصل ہوگا۔ [احیاء علوم الدین-۱/۲۵۳-۲۵۶]

مزید فرماتے ہیں: علم مکاشفہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ جس کی مدد سے یہ تمام امور منکشف ہو جائیں اور حق واضح ہو جائے، اتنا واضح کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے، انسان کے جوہر میں ایسا ہونا اسی وقت ممکن ہے جب اس کے آئینہ دل پر دنیاوی آلائشوں کے زنگ اور میل کی تہیں نہ جمی ہوں۔

علم آخرت سے ہم نے یہی مراد لیا ہے کہ جس کے ذریعہ یہ معلوم ہو کہ آئینہ دل سے ان آلائشوں کا زنگ کس طرح دور کیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے افعال کی راہ میں رکاوٹ ہیں، دل کا آئینہ اسی وقت صاف و شفاف ہو سکتا ہے جب انسان شہوتوں سے باز رہے اور ہر معاملے میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کرے، اس تدبیر سے جس قدر اس کا دل روشن اور صاف ہوتا جائے گا، اسی اعتبار سے امر حق اس پر واضح ہوتا جائے گا اور حقائق روشن ہوتے جائیں گے، مگر اس قلبی صفائی کے لئے ریاضت و مجاہدات اور مرشد برحق کی تعلیم ضروری ہے۔

یہ وہ علم ہے جو کتابوں میں نہیں لکھا جاتا، (اس لیے کہ یہ ذوقی و کشفی علوم سے ہے کہ اس کا ادراک مشاہدہ سے ہوتا ہے، دلیل و برہان سے نہیں) جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس علم کا کچھ حصہ عطا فرماتا ہے، وہ اس کا عام طور پر ذکر نہیں کرتا۔ صرف ان کو بتاتا ہے جو اس کے اہل ہوں، وہ اس کے شریک راز ہوتے ہیں، یہ وہی علم باطن ہے جو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اس ارشاد گرامی کی مراد ہے:

بعض علوم درمکنون کی طرح ہیں۔ ان کو وہی لوگ جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں، جب جاننے والے اس علم کا اظہار کرتے ہیں تو اس علم سے وہی ناواقف رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی مغالطہ میں مبتلا ہیں، جس عالم کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا ہو، اس کو حقیر مت جانو کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو حقیر نہیں جانا، اس لیے یہ علم عطا فرمایا۔ [ایضاً- ۱/۲۵۹-۲۶۰]

نیز تحریر فرماتے ہیں: علمائے ظاہر میں اہل ورع و تقویٰ، علمائے باطن اور ارباب قلوب کے فضائل کا اعتراف کرتے تھے۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باں جلالت علم حضرت شیبان راعی قدس سرہ کی خدمت میں بیٹھتے جس طرح بچہ مکتب میں استاذ کی خدمت میں بیٹھتا ہے اور ان سے پوچھتے تھے کہ ہم فلاں فلاں معاملہ میں کیا

کریں، لوگ امام شافعی سے کہتے کہ آپ جیسا امام ان جنگل میں رہنے والوں سے اس طرح پوچھتا ہے، اس پر آپ فرماتے: سنو! جو اس نے سیکھا ہے، تم لوگوں نے نہیں سیکھا۔

امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین جیسے ائمہ وقت عارف باللہ حضرت معروف کرخی کی بارگاہ میں حاضری دیا کرتے تھے اور پوچھتے تھے ہم کیا کریں اور کیسے کریں، حالانکہ علم ظاہر میں وہ ان دونوں حضرات کے مقابل نہایت غیر معروف تھے کہ انہوں نے زہد کی زندگی اختیار کر لی تھی۔

امام عز بن عبدالسلام فرماتے تھے: اصول دین اور مسائل شریعت کے سوا بھی کوئی اور طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہو، اور صوفیا کے علوم کو شریعت میں اضافہ قرار دیتے، لیکن جب عارف باللہ امام شیخ ابوالحسن شاذلی قدس سرہ کی خدمت میں آئے تو پھر اس علم کے گرویدہ ہو گئے۔

امام حرمین بھی صوفیا کی تعلیمات کے منکر تھے لیکن بعد میں ان کے معتقد ہو گئے، امام ابن سرتج تو حضرت شیخ شبلی اور حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں آتے جاتے اور فرماتے تھے، ہم نے ان صوفیا سے ان علوم میں استفادہ کیا جن کو ان کے غیر کے پاس نہیں پایا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کا حل کتاب و سنت میں نہ ہو تو ہم کیا کریں، آپ نے فرمایا: صالحین سے معلوم کرو اور اس معاملہ کو ان کے مشورہ پر موقوف کر دو، اسی لئے کہا گیا ہے کہ علمائے ظاہر زمین اور ملک کی زینت ہیں اور علمائے باطن آسمان و ملکوت کی۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں: کہ مجھ سے ایک روز میرے مرشد برحق حضرت سری سقطی قدس سرہ نے فرمایا: میرے پاس سے جا کر تم کس کی

مجلس میں بیٹھتے ہو، میں نے عرض کیا، شیخ محاسبی کے پاس، فرمایا، بہت خوب۔ ان کا علم و ادب حاصل کرنا، علم کلام اور متکلمین کا جو رد وہ کرتے ہیں اسے مت سیکھنا، جب میں واپس جانے لگا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے صاحب حدیث صوفی بنائے، صوفی صاحب حدیث نہ بنائے۔

اس دعا میں اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جو شخص علم حاصل کر کے صوفی بنتا ہے، وہ فلاح پاتا ہے اور جو علم سے پہلے صوفی بنتا ہے، اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا ہے (یعنی ایسا خطرہ و ہلاکت کہ پھر فلاح پاتا ہی نہیں) [ایضاً - ۱/ ۲۶۶-۲۷۲]

اتحاد السادة المتقين میں ہے:

قوت القلوب میں حضرت شیخ سمری سقطی قدس سرہ کے اس قول کے بعد وضاحت اس طرح ہے: یعنی پہلے علم حدیث و آثار صحابہ اور اصول و سنن کی معرفت حاصل کرنا پھر زہد و عبادت میں مشغول ہونا، اس طرح تم صوفیائے کرام کے علوم اور اعلیٰ مقام حاصل کرو گے اور عارف صوفی ہو جاؤ گے، اور اگر عبادت و تقویٰ سے ابتدا کی اور علم حال میں مشغولیت کے سبب علم کتاب و سنن سے دور رہا تو یا تو من گھڑت چیزوں میں مبتلا رہے گا یا سراسر غلطی کی راہ پر گامزن رہے گا، کیونکہ اصول دین و سنن رسول سے آگاہ نہیں۔ لہذا اپنے حالات سدھارنے کے لیے پہلے علم ظاہر اور کتب حدیث کی طرف رجوع کرو، اس لیے کہ یہ اصل ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اصول دین کو پس پشت ڈال کر حق تک رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔

رسالہ قشیریہ میں ہے: شیخ سمری سقطی نے فرمایا: صوفی کی تین علامتیں ہیں: اس کی معرفت اس کے ورع و تقویٰ کی حفاظت کرے۔ کسی ایسے باطنی علم کا دعویٰ نہ کرے جو ظاہر کتاب و سنت کے مناقض ہو۔ اس سے صادر ہونے والی کرامتیں محارم خدا کی حدود کو نہ توڑیں۔

شیخ جنید بغدادی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے سوا مخلوق کے لیے اور کوئی راہ ہدایت نہیں۔ نیز فرمایا: جس نے قرآنی علوم کو محفوظ نہ کیا اور علم حدیث کی معرفت نہ پائی وہ ہدایت پر نہیں، اس لیے کہ ہمارا علم کتاب و سنت کی روشنی میں ہے اور بس، ہمارا مذہب اصول دین اور کتاب و سنت ہیں۔

ان تمام اقوال سے ظاہر ہوا کہ علم ظاہر، یا علم معاملہ یا یوں کہتے کہ قرآن و حدیث کا علم تصوف کے علم پر مقدم ہے۔ اسی لیے بعض ائمہ نے فرمایا: جس نے فقہ حاصل کیا لیکن تصوف سے تہی دامن رہا وہ فاسق ہے، اور جس نے تصوف حاصل کرنے کا دعویٰ کیا لیکن فقہ کے قریب نہ گیا وہ زندیق اور بے دین ہے، اور جس نے دونوں علم حاصل کئے وہ راہ ہدایت و حقیقت پر گامزن رہا۔

[اتحاد السادة المتقين للزبیدی - ۱/ ۲۷۲]

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع، شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا، طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے، شریعت ہی طریقت کا دار و مدار ہے، شریعت ہی اصل کار اور محکم و معیار ہے، شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔ اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور پڑے گا، طریقت اس راہ کا روشن نکلڑا ہے۔ اس کا اس سے جدا ہونا محال و ناممکن ہے، طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے، جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے، وہ حقیقت نہیں بے دینی و زندقہ ہے۔ (مقال العرفاء ص ۲۶)

نیز فرمایا: اگر تم کسی شخص کو دیکھو ایسی کرامت دیا گیا کہ ہوا پر چارز انو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا، جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض، واجب، مکروہ، حرام، محافظت حدود اور آداب شریعت میں اس کا حال کیسا ہے۔ (ایضاً ص ۲۶)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علم معاملہ پہلے ہے اور علم مکاشفہ بعد میں، یعنی بغیر علم معاملہ علم مکاشفہ حاصل نہیں ہوتا، اور علم مکاشفہ کے بغیر علم معاملہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔

اس لیے علم باطن کے حاملین علم ظاہر کے منازل طے کر کے ہی اس مقام پر پہنچے۔ لہذا انہوں نے پہلے قرآن وحدیث اور فقہ و فتاویٰ وغیرہ علوم اصلیہ وآلیہ کو حاصل کیا پھر مرشد برحق کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کے بعد ان کی تعلیمات کے مطابق عمل کیا اور انہوں نے مجاہدات و ریاضات کے ذریعہ ان طالبان حق کو علم مکاشفہ کا حامل بنا دیا۔ لہذا یہ طالبان حق دونوں علوم کے جامع ہوتے تھے اور ان کا مذاق علمی دونوں طرح کے علوم سے وابستہ رہا۔

اس تناظر میں خواجہ خواجگاں سلطان الہند خواجہ غریب نواز حضرت سید معین الدین چشتی سنجری اجمیری قدس سرہ العزیز کا علمی ذوق ملاحظہ کریں تو پوری زندگی ذوق علم کا مظہر نظر آتی ہے۔ آپ نے علوم ظاہری کی تحصیل ایام طفولیت ہی سے شروع فرمائی، قرآن کریم ناظرہ پڑھنے کے بعد حفظ قرآن کی تکمیل نو برس کی عمر میں فرمائی، پھر علوم دینیہ اپنے والد ماجد حضرت خواجہ سید غیاث الدین حسن قدس سرہ سے حاصل کیے جو اپنے علاقے کے صاحب ثروت اور بااثر بزرگ تھے۔ زہد و ورع میں ممتاز اور علم ظاہر و باطن سے آراستہ تھے، پھر خراسان ہی کے مدرسہ میں داخل ہوئے جو آپ کا وطن تھا اور پندرہ سال کی عمر تک تفسیر وحدیث اور فقہ کی تعلیم میں مشغول رہے اور قلیل مدت میں کثیر علم حاصل کیا۔

پندرہ سال کی عمر شریف میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو یہ سلسلہ موقوف ہو گیا، اور آپ والد کے ترکہ سے ملے ہوئے باغ اور پن چکی کی نگہداشت میں مصروف ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک دن آپ اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے کہ ایک

بزرگ حضرت ابراہیم قدوسی قدس سرہ جنہوں نے مراحل عرفانی اس قدر طے کر لئے تھے کہ جوش وحدت اور عشق حقیقی نے ان پر جذب اور خود فراموشی کا عالم طاری کر رکھا تھا، اشارہ غیبی سے باغ میں تشریف لائے، جب حضرت خواجہ کی نظر ان صاحب باطن مجذوب پر پڑی تو ادب واحترام کے ساتھ ان کے پاس گئے اور ایک سایہ دار درخت کے پاس بٹھا دیا اور تازہ انگور کا ایک خوشہ سامنے لاکر رکھ دیا، خود دوڑا نو ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت مجذوب نے انگور تناول فرمائے اور خوش ہو کر بغل سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکال کر اپنے منہ میں ڈالا اور دندان مبارک سے چبا کر حضرت خواجہ کے منہ میں ڈال دیا، اس طرح جو یائے حقیقت کو ذوق حقیقت کی لذت سے آشنا کر دیا، کھلی کا حلق سے اترنا تھا کہ قلب و روح میں انوار الہی ہو پیدا ہو گئے، شبہات کے پردے نگا ہوں سے اٹھنے لگے، دل کی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا، دنیا سے نفرت پیدا ہو گئی، رشتہ و محبت کے سارے علاقے توڑ دیے، باغ اور پن چکی اور ساز و سامان بیچ ڈالا، ساری قیمت فقرا و مساکین میں تقسیم کر دی اور طالب حق بن کر میدان جتو میں اتر پڑے، وطن چھوڑ دیا اور سیر و سیاحت شروع کر دی۔

ساکان طریقت کا یہ دستور ہے کہ وہ منزل معرفت تک پہنچنے کے لیے سب سے پہلے علوم ظاہری کا زینہ طے کرتے ہیں پھر عمل کی دشوار گزار منزلوں سے آگے بڑھ کر علوم باطن کی تحصیل کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے چونکہ تعلیم موقوف کر دی تھی، لہذا اس کی تکمیل کے لیے وطن سے نکل کر سمرقند و بخارا کا رخ کیا، جہاں عظیم الشان علمی درسگاہیں قائم تھیں اور ہزاروں تشنگان علوم و فنون جوق در جوق اقطاع عالم سے کھینچ کھینچ کر آتے تھے، آپ پورے انہماک کے ساتھ طلب علم میں مصروف ہو گئے۔ تفسیر وحدیث اور فقہ و کلام کا درس لیا اور کامل دستگاہ حاصل کر لی، آپ کے اساتذہ میں مولانا حسام الدین بخاری اور حضرت مولانا شرف الدین صاحب ”شرح الاسلام“ کے نام خاص طور پر لیے جاتے ہیں۔ (سلطان الہند خواجہ



اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علمی ذوق آپ کے سینے میں کس قدر جاگزیں تھا، اس طرح آپ بتیس (۳۲) سال کی عمر مبارک تک حصول علم میں مشغول رہے۔ جب علم ظاہر کے مراحل طے ہو چکے تو آپ کو روحانی علوم کی جستجو ہوئی اور حجاز مقدس و عراق جہاں صلحا اور صوفیہ کی مقتدر ہستیاں بادۂ توحید کے متوالوں کو سرشار کر رہی تھیں، آپ نے وہاں کی سیاحت فرمائی، اس طرح سفر کرتے ہوئے مرشد کی تلاش میں بغداد حاضری دی جہاں ہادی طریق ولایت، واقف رموز ہدایت، مقتدائے مسالک اسلام، مور فیض و مہبط الہام، شہر یار ممالک عرفان، مظہر جود و منبع احسان، حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ النورانی کے میخانہ معرفت میں داخل ہوئے۔ چونکہ علم معاملہ کے منازل طے کر کے آئے تھے، لہذا بیعت کے بعد مرشد برحق نے علم مکاشفہ کے منازل طے کرا دیے اور آپ دونوں علوم کے مظہر اتم ہو گئے۔ آپ نے اپنی بیعت اور علم مکاشفہ کی تکمیل کا واقعہ خود ہی ”انیس الارواح“ میں یوں تحریر فرمایا:

مسلمانوں کے دعا گو فقیر حقیر کم ترین بندگان معین حسن سنجری کو شہر بغداد میں خواجہ جنید بغدادی کی مسجد میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی، اس وقت معزز مشائخ بھی خدمت میں حاضر تھے، میں نے آپ کی خدمت میں سرزمین پر رکھا تو آپ نے فرمایا: دو گانہ ادا کر، میں نے ادا کیا، پھر فرمایا: قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ، میں بیٹھ گیا، سورہ بقرہ پڑھ کر فارغ ہوا تو فرمایا: اکیس (۲۱) دفعہ کلمہ سبحان پڑھ، میں پڑھا، بعد میں کھڑے ہو کر منہ آسمان کی طرف کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا، اس کے بعد ایک قینچی لے کر میرے سر پر چلائی اور چارتر کی ٹوپی اس فقیر کے سر پر رکھی اور خاص گدڑی عنایت فرمائی، پھر فرمایا: بیٹھ جا، میں بیٹھ گیا، فرمایا کہ ہمارے خانوادے میں آٹھ پہر کا مجاہدہ ہوتا ہے، لہذا آج کی

رات اور دن مجاہدے میں مشغول رہو، آپ کے ارشاد کے موافق میں نے ایک دن رات مجاہدے میں گزارا، جب دوسرے دن خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا ایک ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ، میں نے پڑھی، فرمایا: اوپر کی طرف دیکھ، میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو فرمایا: تجھے کیا دکھائی دیتا ہے، میں نے عرض کیا کہ عرش عظیم تک دیکھتا ہوں، فرمایا زمین کی طرف دیکھ، میں نے زمین کی طرف دیکھا تو فرمایا: کہاں تک تجھے دکھائی دیتا ہے، میں نے عرض کیا تحت الثریٰ تک، حکم ہوا پھر ہزار بار سورہ اخلاص پڑھ اور جب اس حکم کی بھی تعمیل کر چکا تو فرمایا: آسمان کی طرف دیکھ اور بتا کہاں تک دیکھتا ہے، میں نے عرض کیا: حجاب عظمت تک، اب فرمایا آنکھیں بند کر، میں نے بند کر لیں اور ارشاد فرمایا اب کھول دے، میں نے کھول دیں، پھر آپ نے دونوں انگلیاں میری نظر کے سامنے کر دیں اور پوچھا کیا دیکھتا ہے، عرض کیا اٹھارہ ہزار عالم دیکھ رہا ہوں، جب میری زبان سے یہ کلمہ سنا تو ارشاد فرمایا: بس تیرا کام پورا ہو گیا، پھر ایک اینٹ کی طرف دیکھ کر فرمایا: اسے اٹھا، میں نے اٹھایا تو اس کے نیچے سے کچھ دینار نکلے، فرمایا: انہیں لے جا کر درویشوں میں خیرات کر، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، پھر ارشاد فرمایا: چند روز تو ہماری خدمت میں رہ، میں نے عرض کیا: حاضر ہوں، پھر آپ نے خانہ کعبہ کی طرف سفر اختیار فرمایا، راستہ میں ہم نے ایک شہر میں قیام کیا تو وہاں مقربان خدان کی ایک جماعت دیکھی جن کو اپنے آپ کا ہوش نہ تھا، چند روز انہیں کے پاس رہے پھر خانہ کعبہ کی زیارت کی، اس جگہ بھی خواجہ صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے خدا کے سپرد کیا اور خانہ کعبہ کے پرنا لہ کے نیچے میرے لیے مناجات کی تو آواز آئی کہ ہم نے معین الدین کو قبول کیا، جب وہاں سے لوٹ کر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آئے تو فرمایا: سلام کر، میں نے سلام کیا تو آواز آئی کہ ولیکم السلام اے سمندروں اور جنگل کے مشائخ کے قطب، جب یہ آواز آئی تو خواجہ صاحب نے فرمایا: تیرا کام مکمل ہو گیا۔ (انیس الارواح: ص

پھر آپ کا مشغلہ مرشد کی خدمت تھا، جہاں مرشد جاتے سایہ کی طرح ساتھ رہتے تھے۔ آپ کا بستر مبارک، توشہ دان اور ضروری چیزیں اپنے سر پر اٹھاتے، اس طرح دس سال کا زمانہ گذرا۔ صلحا، اولیا، اور خاصان خدا کی صحبت اور ان سے ملاقات کا شرف حاصل رہا۔

خود تحریر فرماتے ہیں: اس طرح دس سال تک میں خواجہ صاحب کی خدمت میں سفر کرتا رہا، اس کے بعد بغداد شریف تشریف لائے اور گوشہ نشین ہو گئے، مجھے حکم ہوا کہ چاشت کے وقت آیا کرو تا کہ میں تمہیں فقر کی تعلیم دوں جو میرے بعد میرے مریدوں اور فرزندوں کے لیے یادگار رہے، میں حکم کے مطابق ہر روز حاضر ہوتا اور جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے سنتا اس کو لکھ لیتا، یہ سلسلہ اٹھائیس (۲۸) مجلسوں تک چلتا رہا۔ (انیس الارواح: ص ۳)

انیس الارواح میں ان اٹھائیس مجلسوں کی تفصیل آپ کے مبارک قلم سے موجود ہے جو آپ کے علمی ذوق کی آئینہ دار ہے، آپ نے اپنے مرشد کا یہ علمی خزانہ اہل اسلام کو عطا فرمایا جو آج بھی تشنگان علم ظاہر و باطن کے لیے سیرابی کا سامان فراہم کر رہا ہے، شائقین آج بھی اس کے مطالعہ سے شاد کام ہو سکتے ہیں، مجموعہ ملفوظات احادیث رسول کا ذخیرہ اور بزرگوں کی تعلیمات کا خزانہ ہے۔

آپ کے علمی ذوق کی منہ بولتی تصویر اور آپ کی تعلیمات کے عکاس آپ کے وہ ملفوظات بھی ہیں جو ”دلیل العارفین“ کے نام سے آپ کے خلیفہ خاص حضرت خواجہ قطب الدین مختیار کا کی قدس سرہ نے مرتب فرمایا ہے، اس میں گیارہ مجلسوں کا ذکر ہے اور خواجہ غریب نواز قدس سرہ کی یہ گیارہ مجلسیں علم و عرفان اور پند و موعظت کا شاہکار ہیں۔

ان تمام واقعات و شواہد کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ جہاں علم مکاشفہ کی دولت سے مالا مال تھے وہیں علم معاملہ سے بھی آپ کو شغف تھا، آپ کے ملفوظات اس پر شاہد عدل ہیں۔

غرض کہ آپ کی ذات ستودہ صفات علم و عرفان، کرم و احسان، فضل و کمال، اور جو دونوں سے عبارت تھی، آپ نے علم و معرفت کی وہ شمعین روشن فرمائیں جن سے ایک عالم فیضیاب ہوا اور خاص طور پر اہل ہند مستنیر ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔

## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی مذہب

مفتی محمد نظام الدین رضوی

پرنسپل، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

کثیر اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے فقہی مسائل میں سراج الاممہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی تقلید کی ہے، جیسے:

- ۱- حضرت سیدی ابراہیم بن ادہم بن منصور بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ مرید حضرت سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام۔
- ۲- حضرت سیدی شفیق بلخی بن ابراہیم تلمیذ حضرت قاضی امام ابو یوسف و حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۹۴ھ)
- ۳- حضرت سیدی معروف کرخی بن فیروز، استاذ سیدی سری سقطی رحمہما اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۲۰۰ھ)
- ۴- حضرت سیدی ابو یزید بسطامی شیخ المشائخ (اصل نام طیفور بن عیسیٰ) رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۶۱ھ)
- ۵- حضرت سیدی فضیل بن عیاض خراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۸۷ھ)
- ۶- حضرت سیدی داؤد طائی بن نصر بن نصیر بن سلیمان کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۶۰ھ)
- ۷- حضرت سیدی ابو حامد لکاف احمد بن خضرویہ بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۲۴۰ھ)

- ۸- حضرت سیدی خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالیٰ تلمیذ حضرت امام ابو یوسف و حضرت سیدی ابراہیم بن ادہم رحمہما اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۲۱۵ھ)
  - ۹- حضرت سیدی عبداللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم و استاذ امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۸۱ھ)
  - ۱۰- حضرت سیدی وکیع بن جراح بن ملیح کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۹۸ھ)
  - ۱۱- حضرت سیدی ابوبکر و راق محمد بن عمرو ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ۔
  - ۱۲- حضرت سیدی حاتم اصم تلمیذ حضرت سیدی شفیق بلخی رحمہما اللہ تعالیٰ۔
  - ۱۳- حضرت سیدی قطب الوجود، ختم دائرۃ الولاۃ محمد شاذلی بکری رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۸۴۷ھ)
  - ۱۴- حضرت سیدی علی ہجویری داتا گنج بخش لاہور، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (وصال ۴۶۵ھ)
  - ۱۵- حضرت سیدی خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (وصال ۶۱۷ھ)
  - ۱۶- حضرت سیدی معین الملمتہ والدین خواجہ حسن سجزی غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (وصال ۶۳۳ھ)
  - ۱۷- حضرت سیدی بشر حافی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
  - ۱۸- حضرت سیدی خواجہ نظام الدین دہلوی۔ سلطان الاولیاء، محبوب الہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (وصال ۷۲۵ھ)
  - ۱۹- حضرت سیدی شیخ عبدالحق محدث دہلوی محقق علی الاطلاق۔ (وصال ۱۰۵۲ھ)
  - ۲۰- اکثر اولیائے چشت اہل بہشت اور دوسرے بے شمار اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان۔
- مشہور حنفی فقیہ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شروع کے گیارہ اولیاء اللہ کو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلدین میں شمار کرتے فرماتے ہیں:

و غیر ہم ممن لا یحصی لبعده ان یتقصیٰ  
اور ان کے سوا بے شمار اولیائے کرام جن کا احاطہ دشوار ہے۔ (در مختار)  
کشف المحجوب میں ہے:

”آپ (امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بکثرت مشائخ متقدمین کے استاذ  
ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم، فضیل بن عیاض، داؤد طائی اور حضرت بشر حافی  
وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ سے اکتساب فیض کیا ہے۔“  
مشائخ چشت اہل بہشت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سوانح حیات کے مطالعہ سے  
محسوس ہوتا ہے کہ یہ حضرات زیادہ تر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب  
سے ہی وابستہ رہے۔ لیکن ہمارا روئے سخن اس وقت حضرت سیدی خواجہ غریب نواز  
علیہ الرحمہ کی طرف ہے، اس لیے ہم صرف آپ کے اور آپ کے شیخ حضرت سیدی  
خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہما کے حنفی ہونے کے تعلق سے کچھ شواہد کتاب ہشت  
بہشت سے پیش کرتے ہیں۔

### حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ حنفی تھے:

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حنفیت کا ثبوت یہ ہے کہ آپ  
حضرت سیدی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول حجت کے مقام میں پیش کرتے  
ہیں اور فقہ حنفی کے مسائل، مستدل احادیث، فقہائے حنفیہ اور ان کی کتب معتمدہ سے  
استناد فرماتے ہیں۔ اس کے چند شواہد یہ ہیں:

۱- کتاب ”دلیل العارفین“ حضرت سیدی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ  
کے ملفوظات طیبات کا گراں قدر مجموعہ ہے۔ کتاب گو مختصر اور صرف ۵۷  
صفحات پر مشتمل ہے مگر علوم و معارف کا گنجینہ ہے، اس کتاب میں آپ کا  
ایک ارشاد یہ منقول ہے:

”بعد ازاں فرمایا کہ میں نے فقہ الاکبر میں لکھا دیکھا کہ“:

امام المتقین ابوحنیفہ کو فی روایت فرماتے ہیں کہ ایک کفن چور چالیس سال  
تک کفن چراتا رہا۔ آخر جب مر تو اسے خواب میں دیکھا کہ بہشت میں ٹہل رہا ہے،  
اس کا سبب پوچھا تو بولا کہ مجھ میں ایک چیز تھی، وہ یہ ہے کہ جب میں صبح کی نماز  
ادا کرتا تھا تو سورج نکلنے تک یاد الہی میں مشغول رہ کر پھر اشراق کی نماز ادا کرتا، حق  
تعالیٰ چوں کہ اندک پذیر اور بسیار بخش ہے۔ اس نے اس کی برکت سے مجھے بخش دیا،  
میرے افعال کو درگزر کر کے مجھے اس درجہ پر پہنچا دیا۔ (دلیل العارفین ص ۵ مضمولہ  
ہشت بہشت)

فقہ اکبر یہ سراج الاممہ، کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کو فی  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہے جو علم العقائد کی اساسی کتاب ہے۔ حضرت علامہ علی  
قاری علیہ رحمۃ الباری شرح فقہ اکبر کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

قال الامام الاعظم والھمام الافخم الاقدم، قدوة الانام ابوحنیفہ  
الکوفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ المسمیٰ بالفقہ الاکبر: اصل التوحید  
ای هذا الكتاب اساس معرفة توحید الحق۔

امام اعظم وہمام اتم و اقدم، قدوة الانام ابوحنیفہ کو فی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی  
کتاب ”فقہ اکبر“ میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب معرفت توحید حق کی اساس  
ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۹)  
۳، ۲- دلیل العارفین میں ہے:

بعد ازاں فرمایا کہ میں نے فقہ ہدایہ میں شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی کے  
ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ حدیث دیکھی ہے۔ حدیث شریف: اسفروا بالفجر فانہ اعظم  
للاجر۔ یعنی صبح کی نماز سفیدی میں ادا کرو تا کہ ثواب زیادہ ہو۔

ظہر کی نماز میں سنت طریقہ یہ ہے کہ اس قدر تاخیر کی جائے کہ ہوا سرد  
ہو جائے، اور جاڑے میں جب سایہ ڈھلے تو ادا کی جائے، چنانچہ حدیث شریف میں

آیا ہے: ابردوا بالظہر فان شدة الحر من فيح جهنم یعنی گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں ادا کرو۔ (دلیل العارفین مترجم ص ۱۱)

ہدایہ فقہ حنفی کی بہت ہی عظیم الشان اور مشہور کتاب ہے، جس میں مذہب کے مسائل صحیحہ، رجحہ، معتمدہ، مفتی بہا دلائل کتاب و سنت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، ساتھ ہی عقلی دلائل کے ذریعہ انہیں ذہن انسانی سے قریب سے قریب تر کیا گیا ہے، راقم الحروف نے فقہ، ہدایہ ہی سے سیکھی ہے۔ یہ کتاب چھٹی صدی ہجری کے نصف آخر میں تصنیف کی گئی اور منظر عام پر آنے کے بعد اس قدر مقبول ہوئی کہ اس وقت سے آج تک نصاب تعلیم میں شامل ہے، حالاتِ زمانہ بدلتے رہے مگر یہ کتاب نہ بدلی، کیوں کہ اس معیار کی کتاب اب تک منظر عام پر نہ آسکی۔ اس کے مصنف ہیں شیخ الاسلام، برہان الدین، ابوالحسن علی بن ابورشدانی مرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ آپ ۸/ربیع الثانی ۵۱۱ھ کو پیدا ہوئے اور ۴/رمزی الحجۃ ۵۹۳ھ یا ۵۹۶ھ میں اس جہان فانی کو خیر آباد کہا۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے درج بالا ارشاد میں فقہ حنفی کے دو مسائل بیان فرمائے ہیں۔  
ایک یہ کہ نماز فجر میں اسفار مستحب ہے یعنی جب رات کی تاریکی دور ہو جائے اور اجالا پھیل جائے۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ سردی کے موسم میں ظہر کی نماز میں تعجیل اور گرمی کے موسم میں تاخیر مستحب ہے۔ ہدایہ میں دونوں مسائل کا بیان ان الفاظ میں ہے:

ويستحب الإسفار بالفجر لقوله عليه الصلاة والسلام: أسفر وا بالفجر فانه أعظم للاجر۔ وقال الشافعي: يستحب التعجيل في كل صلاة، والحجة عليه مارويناہ وما نرويه۔

والإبراد بالظہر في الصيف وتقديمه في الشتاء لما رويناہ

ولرواية انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول اللہ علیہ وسلم اذا كان في الشتاء بکر بالظہر، واذا كان في الصيف أبرد بها۔

فجر کی نماز روشن کر کے پڑھنا مستحب ہے کیوں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ: ”فجر کی نماز روشن کر کے پڑھو کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔“ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے اور ان پر حجت ہماری روایت کردہ حدیث ہے اور ساتھ ہی وہ حدیث بھی جو آ رہی ہے۔

اور ظہر کی نماز گرمی کے موسم میں ٹھنڈی کر کے اور سردی کے موسم میں اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے کیوں کہ ارشاد رسالت ہے: ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کی سانس سے ہے۔ نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سردی کے موسم میں ظہر کی نماز جلد ادا فرماتے اور گرمی کے موسم میں وقت ٹھنڈا کر کے پڑھتے۔ (ہدایہ ص ۸۲، ۸۳ ج ۱، باب المواقیف عن کتاب الصلاۃ)

۴۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فتاویٰ ظہیر یہ میں نے لکھا دیکھا ہے کہ آدمی کا منہ پاک رہتا ہے۔ جب تک جب کی حالت میں رہے جو کچھ پانی وغیرہ پئے وہ ناپاک نہیں ہوتا، اگر وہ بے طہارت ہے، یا جنبی ہے یا حائض، مومن ہو یا کافر اس کا منہ پاک ہے۔ (دلیل العارفین مترجم ص ۶)

فتاویٰ ظہیر یہ فقہ حنفی کی کتب معتمدہ سے ہے۔ عام طور پر فقہائے حنفیہ اس کے مسائل اپنی کتابوں میں نقل کرتے اور ان پر فتوے دیتے ہیں۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن ظہیر الدین بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کتاب میں مسائل ضروریہ کو جمع فرمایا ہے، بعد میں امام بدر الدین عینی صاحب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ نے اس کتاب کے مسائل کا منتخب مجموعہ تیار کیا جس کا نام المسائل البدریة، المنتخبة من الفتاوی الظہیریة رکھا، اس کے مقدمہ میں آپ نے فتاویٰ ظہیریہ کی تعریف فرمائی اور یہ تعریف و انتخاب اس کے معتمد ہونے کی بین دلیل ہے۔ آپ کا اصلی نام محمد بن احمد، لقب ظہیر الدین، کنیت ابو بکر ہے، آپ بخار ایک قاضی و محتسب اور اصول و فروع میں یگانہ روزگار تھے، وفات ۶۱۹ھ میں ہوئی۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ ظہیریہ سے جو مسئلہ بیان فرمایا ہے وہی عامہ کتب حنفیہ میں بھی ہے، ہدایہ میں یہ مسئلہ یوں مذکور ہے:

وسؤر الادمی وما یوکل لحمہ طاهر لأن المختلط بہ اللعاب، وقد تولد من لحم طاهر۔ ویدخل فی هذا الجواب الحنب والحناف والحائض والكافر۔ ۵۱

آدمی اور ماکول اللحم جانوروں کا جو ٹھاپا ہے، اس لیے کہ جو ٹھے میں لعاب کی آمیزش ہوتی ہے۔ اور یہ لعاب پاک گوشت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی حکم جنبی، حائضہ اور کافر کے جو ٹھے کا بھی ہے۔ (ہدایہ ص ۴۳، ۴۵، ج ۱، فصل فی الآسار وغیرھا من باب المیاء)

۵- حضرت خواجہ بختیار کا کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت خواجہ کی چوتھی مجلس کے ارشادات سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ:

پھر فرمایا کہ قبرستان میں عمدہ کھانا یا پانی پینا کبیرہ گناہ ہے۔ جو عمدہ کھائے وہ ملعون اور منافق ہے، کیوں کہ گورستان عبرت کا مقام ہے نہ کہ حرص و ہوا کا۔

پھر اسی موقع کے مناسب یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے امام یحییٰ ابوالخیر زندوستی کے روضے میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: من اکل فی المقابر طعاما أو شرابا فهو ملعون و منافق۔ جس نے قبرستان میں کچھ کھایا یا پیا، وہ ملعون اور منافق ہے۔ (دلیل العارفین مترجم ص ۱۶)

امام یحییٰ بن علی بن عبداللہ زندوستی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقہائے حنفیہ سے ہیں۔ آپ کی کتاب کا پورا نام روضۃ العلماء ہے۔ پہلے آپ نے روضۃ الذاکرین کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی جس میں فقہی مسائل نہیں تھے۔ بعد میں احباب کی فرمائش پر آپ نے ہر باب میں مسائل فقہیہ کا اضافہ فرمایا ساتھ ہی اس سے متعلق اخبار و حکایات بھی درج کیں، اس کا نام روضۃ العلماء رکھا، آپ چوتھی صدی ہجری کے فقہاء سے ہیں اور اپنے زمانے کے امام، فقیہ و زاہد تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

۶- حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں: پھر فرمایا کہ: فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص علما سے آمد و رفت رکھے اور سات دن ان کی خدمت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکی اس کے نامہ اعمال میں لکھتا ہے، ایسی نیکی کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑے ہو کر گزار دے۔ (دلیل العارفین مترجم ص ۲۲)

اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا فتاویٰ ظہیریہ فقہ حنفی کی اہم کتابوں سے ہے۔ ۷، ۸- نیز رقم طراز ہیں:

بعد ازاں فرمایا کہ صلاۃ مسعودی کی شرح میں امام زاہد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عبادت میں ایسی تاکید و تشدید نہیں فرمائی جیسی کہ نماز کے بارے میں۔ (دلیل العارفین مترجم ص ۹)

پھر فرمایا کہ: میں نے صلاۃ مسعودی میں لکھا دیکھا ہے کہ جب لوگ نماز اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور اس کے تمام حقوق بجالاتے ہیں اور رکوع و سجود اور قرأت و تسبیح کو ملحوظ رکھتے ہیں تو فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں پھر اس نماز سے نور شائع ہوتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، جب وہ نماز عرش کے نیچے لائی

جاتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کر اور نماز ادا کرنے والے کے لیے بخشش مانگ، کیوں کہ وہ تیرے حقوق اچھی طرح بجالاتا ہے۔ (دلیل العارفین مترجم ص ۸)۔

صلاۃ مسعودی اور اس کی شرح کتب حنفیہ سے ہے۔

۹- حضرت خواجہ بختیار کا کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے شیخ حضرت خواجہ غریب نواز کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”پھر فرمایا کہ صلاۃ مسعودی میں بہ طریق ترغیب، حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے مطابق فقہ سنت میں لکھا ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا میری سنت ہے، اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی بھی یہی سنت ہے۔ اس پر زیادہ کرنا ستم ہے۔

بعد ازاں اسی موقع پر فرمایا کہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کرتے وقت ہاتھ صرف دو مرتبہ دھوئے۔ جب نماز ادا کر چکے، تو اسی رات حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خواب میں دیکھا، جو فرماتے ہیں کہ مجھے تو تعجب ہے کہ تمہارے وضو میں کمی رہ جائے۔ خواجہ صاحب اس ہیئت سے جاگ پڑے۔ پھر تازہ وضو کر کے نماز ادا کی، اور کفارہ کے لیے سال بھر پانچ سو رکعت بطور وظیفہ کے روزانہ ادا کی۔ (دلیل العارفین مترجم ص ۳)

صلاۃ مسعودی کتب حنفیہ سے ہے اور حضرت سیدی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اجل فقہائے حنفیہ سے ہیں۔ آپ خراسان کے رہنے والے تھے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ذکر الصیمری: اخذ الفقه عن ابی حنیفۃ وروی عنہ الشافعی، فاخذ عن امام عظیم و اخذ عنہ امام عظیم وروی له امامان عظیمان البخاری و مسلم و ترجمہ التمیمی وغیرہ بترجمۃ حافظۃ

علامہ صیمری نے ذکر کیا ہے کہ امام فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے

فقہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سیکھی اور ان سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کی تو انہوں نے ایک امام عظیم (ابو حنیفہ) سے اور ان سے ایک امام عظیم (امام شافعی) نے اخذ فیض کیا، اور آپ سے دو عظیم المرتبت امام بخاری و مسلم نے حدیث روایت کی۔ علامہ تمیمی وغیرہ نے آپ کے حالات تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ (رد المحتار)

۱۰- حضرت خواجہ بختیار کا کی فرماتے ہیں کہ:

”بعد ازاں فرمایا کہ: امام خواجہ ابواللیث سمرقندی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر روز دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ ایک کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے کہ اے آدمیو اور پر یو! سنو اور اس طرح سمجھ رکھو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرض بجا نہیں لاتا، وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرا فرشتہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حظیرہ پر کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے کہ اے آدمیو اور پر یو! سنو! اور اچھی طرح جان لو کہ جو شخص سنت نبوی ادا نہیں کرتا اور تجاوز کرتا ہے، وہ شفاعت سے بے بہرہ رہے گا۔ (دلیل العارفین مترجم ص ۲، ۳)

امام فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا شمار اجلہ فقہائے حنفیہ سے ہے۔ آپ امام الہدی کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ نے چار جلدوں میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی ہے جس کا حوالہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیا ہے۔ اس کے سوا نوازل فقیہ الیث فقہ میں آپ کی مشہور کتاب ہے۔ خزائنہ الفقہ، شرح جامع صغیر، عیون الفتاوی وغیرہا آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔ آپ چوتھی صدی ہجری کے بزرگوں سے ہیں۔ ۱۱/ جمادی الآخرہ ۳۷۳ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ امام فقیہ النفس قاضی خاں اور برہان الشریعہ و تاج الشریعہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا (حاشیہ احسن الوعایں) وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ حضرت تاج الشریعہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

وله السفر بها بعد ادائه في ظاهر الرواية أي بعد اداء ما بين تعجله أو قدر ما يعجل لمثلها في ظاهر الرواية۔ قيل: لا۔ وبه افتى الفقيه ابو الليث رحمه الله تعالى۔ (شرح الوقاية، باب المهر ص ۵۱، ۵۳ ج ۱ مجلس البركات)۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کا مہر معجل ادا کرنے کے بعد اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جاسکتا ہے، اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ نہیں لے جاسکتا۔  
۱۱۔ دلیل العارفین کی مجلس سوم میں ہے:

”بعد ازاں فرمایا کہ امام یحییٰ زندقی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ مولانا حسام الدین و محمد بخاری سے جو میرے استاد تھے، سنا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: من اکبر الكبائر الجمع بین الصلوٰۃ۔ یعنی سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ نماز فریضہ میں اس قدر تاخیر کی جائے کہ وقت گزر جائے اور پھر دو نمازیں اکٹھی ادا کی جائیں۔ (دلیل العارفین مترجم ص ۱۰، ۱۱)

جمع بین الصلاتین مشہور اختلافی مسئلہ ہے: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سفر میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سفر حضر ہر جگہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ”جمع بین الصلاتین“ کا مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر کی نماز کسی بھی ایک کے وقت میں اور مغرب و عشا کی نماز کسی بھی ایک کے وقت میں پڑھی جائے۔ اگر ظہر کے وقت میں عصر اور مغرب کے وقت میں عشا پڑھیں تو اسے ”جمع تقدیم“ کہتے ہیں اور عصر کے وقت میں ظہر اور عشا کے وقت میں مغرب پڑھیں تو اسے ”جمع تاخیر“ کہتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سفر کی وجہ سے جمع تقدیم بھی جائز ہے اور جمع تاخیر بھی۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دونوں ہی ناجائز ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کا وقت اول، آخر مقرر

فرمادیا ہے تو جمع تاخیر کی صورت میں ایک نماز کا وقت گزار کر پڑھنا لازم آئے گا جو گناہ ہے اور جمع تقدیم کی صورت میں ایک نماز کا وقت گزرنے سے پہلے پڑھنا لازم آئے گا تو نماز ہی نہ ہوگی پھر وقت ہونے پر ادا نہ کرے تو ترک فرض بھی لازم آئے گا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم، رسالہ ”حاجز البحرین“ میں اس موضوع پر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی روشنی میں بہت ہی مبسوط اور تحقیقی کلام کیا ہے اور دلائل کثیرہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب بہت ہی قوی اور راجح و مختار ہے۔

حضرت سیدی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روضۃ العلماء سے یہی مسئلہ نقل فرمایا ہے جس سے آپ کی حنفیت عیاں ہو جاتی ہے۔

الغرض اس طرح کے کثیر شواہد ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سیدی خواجہ غریب نواز حسن بجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد تھے۔

**حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی تھے:**

اپنی گفتگو کے مکملہ کے طور پر عرض ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو مذہب حنفی کی تقلید کی نعمت اپنے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے ملی ہے۔ وہ خود سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد اور حنفی تھے۔ اس کے چند شواہد یہ ہیں:

حضرت سیدی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شیخ حضرت سیدی خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات بنام ”انیس الارواح“ جمع فرمائے ہیں، یہ کتاب اسم با مستی ہے جس کے مطالعہ سے روح کو انس اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے۔ یہ کتاب اٹھائیس مجالس اور پینتالیس صفحات پر مشتمل ہے جس میں علم و معرفت کے جواہر عالیہ بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں استشہاد کے لیے اسی کتاب



کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

۱- حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”مجلس اول میں ایمان کا ذکر ہوا، آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان ننگا ہے اور اس کا لباس پرہیزگاری ہے اور اس کا سر ہانا فقر ہے اور اس کی دو علم ہے اور اس بات کی شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان ہے۔ آپ نے فرمایا: اے مسلمانو! ایمان کم و بیش نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص انکار کرتا ہے وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔

اس کے بعد آپ کچھ اعمال صالحہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

پھر فرمایا کہ: ان باتوں سے ایمان بار بار تازہ ہوتا ہے لیکن وہ روزے اور نماز سے گھٹتا بڑھتا نہیں، اس واسطے کہ جس نے نماز کے صرف فرضوں کو ہی ادا کیا ہو اور ان میں کسی قسم کا نقصان نہ کیا، خدائے تعالیٰ اس کے لیے حساب آسان کر دیتا ہے اور اگر فرضوں میں کسی قسم کا نقصان کیا ہو تو خداوند تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ دیکھو! اس نے کوئی دیدہ و دانستہ نقصان نہیں کیا اور عبادت کی ہے، تو فرضوں کے عوض اسے شمار کر لو۔ اور اگر اس نے فرض بھی پورے ادا نہ کیے ہوں اور نہ ہی کوئی عبادت فاضلہ کی ہو تو وہ دوزخ کے لائق ہوتا ہے، بشرطیکہ خدا کی رحمت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نہ ہو لیکن ایمان کی اصلیت میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ (انیس الارواح مترجم مجلس اول ص ۵)

ائمہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا جو بسیط ہے۔ اس میں اعمال صالحہ کی وجہ سے کمی بیشی نہیں ہوتی۔ ہاں ان کی وجہ سے ایمان کامل اور مضبوط سے مضبوط ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف ائمہ شافعیہ ایمان میں کمی بیشی کے قائل ہیں۔ امام ابو زکریا

نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح صحیح مسلم میں اور علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے المعتمد المنتقد میں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ نے المعتمد المستند میں اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھ بصیرت افروز گفتگو فرمائی ہے اور غرض یہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس باب میں امام اعظم علیہ الرحمہ کے مذہب پر ہیں۔

۲- درج ذیل اقتباس میں فتاویٰ ابواللیث سمرقندی کی عبارت بطور استناد بیان فرمائی ہے جس سے ان کی حنفیت کا اشارہ ملتا ہے، اقتباس یہ ہے:

”خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے خواجہ یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ابواللیث سمرقندی کی فقہ میں لکھا دیکھا ہے کہ علی ابن ابی طالب روایت کرتے ہیں: ”فانلقی ادم من ربہ کلمات“ (پس آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ باتیں سیکھ لیں) یہ وہ وقت تھا جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے آئے تھے۔“ (انیس الارواح مترجم ص ۷)

۳- انیس الارواح میں ہے:

”فرمایا کہ ان کا نام شمس العارفین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک سے پڑا۔ یہ اس طرح ہوا کہ جس روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک پر پہنچا اور سلام کیا تو آواز آئی (علیک السلام یا شمس العارفین) اے شمس العارفین تجھ پر سلام ہو۔

پھر فرمایا کہ یہی معاملہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پیش آیا تھا۔ جب آپ ابتدائی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک پر پہنچے اور کہا: اے رسولوں کے سردار! آپ پر سلام۔ تو آواز آئی (علیک السلام یا امام المسلمین۔ اے مسلمانوں کے امام تجھ پر سلام ہو۔“ (انیس الارواح مترجم ص ۲۱)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب جلیلہ کا یہ بیان اس امر کا

شاہد ہے کہ حضرت خواجہ خواجگان سیدی عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی مذہب کے تابع اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔

اس تفصیل سے یہ امر منقح ہو جاتا ہے کہ حضرت سیدی خواجہ غریب نواز اور آپ کے شیخ حضرت سیدی خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہما امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور حنفی تھے۔ درمختار میں ہے کہ:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اعظم معجزات اور سرداران اہل کشف و ولایت سے تھے۔ بے شمار اولیائے کرام و صالحین عظام و محققین اسلام نے آپ کی پیروی کی ہے اور آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی مدح فرمائی ہے۔ امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے استاذ ابوعلی دقاق سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ طریقہ امام ابو القاسم نصر اباضی سے، انہوں نے حضرت سیدی شبلی سے، انہوں نے حضرت سیدی سری سقطی سے، انہوں نے حضرت سیدی داؤد طائی سے اور انہوں نے علم طریقہ امام اعظم ابوحنیفہ سے اخذ کیا رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ اور ان سب نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ثنا کی ہے اور آپ کے فضل کا اعتراف کیا ہے تو کیا یہ سادات کرام ہمارے لیے بہتر نمونہ نہیں ہیں جو ائمہ طریقہ بھی ہیں اور ارباب شریعت و حقیقت بھی۔ خلاصہ کلام یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زہد، ورع، عبادت، علم اور فہم میں کوئی آپ کا شریک نہیں ہے۔ اسی لیے آپ کے مذہب کے پیروکار بے شمار ہوئے۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں کثیر مقامات پر اولیائے کرام کے فضائل بیان کیے گئے ہیں مثلاً ارشاد باری ہے: **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون**۔ خبردار، بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (سورہ یونس، آیت: ۶۲)۔

جب اللہ عزوجل کے مقربان بارگاہ، عارفان رموز شریعت و واقفان اسرار طریقت اولیائے کرام علیہم الرحمة والرضوان نے تقلید کی اور تقلید کرتے رہے تو آج کل کے آزاد منہ نما گنواروں کی کیا حیثیت کہ وہ عالم اس سے روگردانی کریں۔ اسی لئے علما نے صراحت فرمائی کہ غیر مقلد گمراہ، گمراہ گر ہیں اور یقیناً تقلید سے انحراف مسلمانوں کے راستے سے انحراف ہے جس کا انجام نار جہنم ہے۔ اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ حضرات اولیائے کرام کے دامن سے وابستہ رہیں، اور اماموں کے امام حضرت سیدی ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کو نعمت جانیں کہ یہ دراصل اتباع کتاب و سنت ہے۔

## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا طرز تربیت و اصلاح

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی

جامعہ اشرفیہ مبارک پور

کوئی مذہب اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ تغیر پذیر زندگی میں خوش گوار تبدیلی لاسکتا ہے، جب تک کہ اس میں ایسے افراد نہ پیدا ہوں جو نیک نیتی، بے غرضی، روحانیت، ایثار، اخلاص اور اپنے اخلاق حمیدہ کے ذریعہ پیروان مذہب کے تن بے جان میں نئی روح پھونک دیں اور ان کے اندر خود اعتمادی، خود احتسابی، قوت ادراک اور جوش عمل کی جوت جگا دیں۔

اسلام کی دعوت و تبلیغ اور بنی نوع انسان کی اصلاح و تربیت کی ایک طویل تاریخ ہے۔ داعی اعظم حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ، تابعین، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کے لیے مبارک زندگیاں وقف کیں، ان مبارک جماعتوں کے بعد علما، صلحا اور صوفیہ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا اور یہی وہ حضرات ہیں جو خداوند کریم کی طرف سے قیامت تک کے لیے اس کا عظیم کے لیے منتخب ہیں۔

اسلام کی تاریخ کبھی بھی دعا و مصلحین سے خالی نہیں رہی، دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تربیت کا کام ہر زمانے میں ان ادوار کی ضرورتوں کے پیش نظر کم و بیش ہوتا رہا۔ جب بھی دشمنان اسلام کی طرف سے دین کو کوئی خطرہ محسوس ہوا، کوئی پر عزم اور باقوت شخصیت ضرور میدان عمل میں آئی، جس نے اس فتنہ کا سدباب کیا اور باطل تحریکوں پر قدغن لگائی۔

اسلام کے چار مشہور سلسلوں (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) نے رشد و ہدایت اور تبلیغ و اصلاح کی شمعیں خوب روشن کیں۔ اپنے اپنے دور میں ان میں سے ہر ایک کی شعاع فیض بار نے اکناف عالم کو منور کیا، اہل ہند نے بھی ان کی پاکیزہ تعلیمات سے روشنی حاصل کی۔ لیکن سلسلہ چشتیہ نے چون کہ ہندستان کے قریبی ملک ایران میں نشوونما پائی، اس لیے اس کے اثرات اس ملک پر نسبتاً زیادہ مرتب ہوئے۔ غرض کہ رب قدیر نے ہندستان میں اس سلسلہ کو تربیت و اصلاح کے لیے منتخب کر لیا تھا، جس چشتی بزرگ نے سب سے پہلے اس ملک کی طرف نظر التفات فرمائی، وہ خواجہ ابو محمد چشتی (علیہ الرحمۃ) [۱] کی بابرکت ذات تھی۔ انھیں کی دعائے مستجاب نے سلطان محمود غزنوی کو فاتح ہندستان بننے میں معاونت کی۔ حضرت علامہ عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

جس زمانے میں سلطان محمود غزنوی سومنات [۲] (ہندستان) کی لڑائی کے لیے روانہ ہوا تھا، خواجہ ابو محمد کو خواب میں اشارہ ہوا کہ تمہیں محمود کی مدد کے لیے جانا چاہئے، وہ ستر سال کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر مشرکوں اور بت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا [۳] لیکن تبلیغ اسلام اور دعوت اصلاح میں اس وقت تیزی آئی، جب سلسلہ چشتیہ کے شیخ الشیوخ خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتی سجزی [۴] رحمۃ اللہ علیہ نے ہندستان میں قدم رکھا اور تبلیغ و ارشاد کی بساط بچھائی۔

آپ رائے پتھورا [۵] (پرتھوی راج چوہان) کے دور حکومت میں ہندوستان تشریف لائے اورا جمیر سے اپنی اصلاحی تحریک کا آغاز کیا جو ان دنوں رائے پتھورا کا دار السلطنت تھا اور کفر و شرک کی آماجگاہ بھی۔ حضرت نظام الدین اولیا [۶] رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ سید محمد مبارک کرمانی [۷] اس دور کے حالات اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی سعی اصلاح بیان کرتے ہیں:

ترجمہ: ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی سرے تک کفر و شرک کی آماجگاہ تھا۔ اہل کبر و نخوت خدائی کا دعویٰ کر رہے تھے اور خدا کی خدائی میں دوسروں کو شریک کرتے تھے، پتھر، ڈھیلہ، درخت، جانور، گائے اور گوبر کو سجدہ کرتے، کفر کی تاریکی کی وجہ سے ان کے دل تاریک اور مقفل تھے۔

سب دین و شریعت کے حکم سے غافل، خدا اور پیغمبر سے بے خبر۔ نہ کسی نے قبلہ کی سمت پہچانی نہ اللہ اکبر کی صدا سنی۔ آفتاب یقین حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک قدم کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس کی تاریکی نور اسلام سے بدل گئی۔ ان کی کوششوں سے جہاں صلیب و کلیسا تھے، مسجد و محراب و منبر نظر آنے لگے۔ جہاں مشرکانہ صدائیں بلند ہوتی تھیں وہ نعرہ اللہ اکبر گونجنے لگی۔

اس سرزمین میں جس کو اسلام کی دولت ملی اور قیامت تک اس دولت سے شرف یاب ہوگا اور نسل در نسل ان کی اولاد دامن اسلام سے وابستہ ہوگی اور وہ جماعت جن کی تبلیغ اسلام نے اس دار حرب کو دارالاسلام بنایا تا قیامت اس کا ثواب ان افراد قدسیہ اور شیخ الاسلام خواجہ معین الدین حسن سجزی قدس سرہ العزیز کی روح کو پہنچتا رہے گا۔ [۸]

تجدید اسلام اور دعوت اصلاح میں اس وقت مزید استحکام آیا، جب سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان کی باگ ڈور سنبھالی۔ علامہ میر سید غلام علی آزاد بلگرامی رقم طراز ہیں:

سلطان شہاب الدین محمد غوری کی رائے پتھو را (پرتھوی راج) پر فتح یابی حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کے مبارک وجود کی برکت ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ غزنین سے اجمیر تشریف لائے اور وہاں قیام پذیر ہوئے اور پرتھوی راج کی طرف سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچی تو خواجہ نے سفارش کا پیغام بھیجا، جسے نالائق رائے پتھو را نے قبول نہ کیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص

یہاں آ کر غیب کی باتیں بتاتا ہے (یہ طنز ن کر) خواجہ صاحب نے ناراض ہو کر فرمایا ”پتھو را رازندہ گرفتیم و دادیم“ (ہم نے پتھو را کو زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے حوالے کیا)

انھیں دنوں سلطان شہاب الدین غوری پتھو را پر حملہ آور ہوا۔ پتھو را پورے نخوت و غرور سے مقابلے پر صرف آرا ہوا اور دونوں لشکروں کے درمیان نیزہ بازی اور تیغ زنی شروع ہوئی، سلطان فتح یاب ہوا اور پتھو را زندہ گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اسی وقت سے دین کی جڑیں اس دیار میں مستحکم ہوئیں اور کفر کی بنیادیں روز بروز منہدم ہوتی گئیں۔ اسی لیے حضرت خواجہ ہندوستان کو ساتویں صدی کا ”مجدد“ کہا جاتا ہے [۹] شہزادی جہاں آرا بیگم نے اس تعلق سے ایک دوسرا واقعہ بیان کیا ہے:

ترجمہ: حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ [۱۰] سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان رائے پتھو را کے پاس سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مرید ہونے کی غرض سے آیا، حضرت نے اسے مرید نہ کیا، وہ شخص واپس گیا اور رائے پتھو را سے حضرت کی شکایت کی، حضرت کے پاس رائے پتھو را نے ایک شخص کو بھیج کر یہ دریافت کیا کہ آپ نے اس آدمی کو اپنی مریدی میں کیوں قبول نہ کیا؟ حضرت نے فرمایا: میں نے اسے مرید اس لیے نہیں کیا کہ تین چیزیں اس کے اندر ایسی ہیں جو اس سے کبھی جدا نہ ہوں گی۔ اول: یہ بہت بڑا گنہگار ہے۔ دوم: یہ کہ میرے متبعین سے نہیں ہے اور ہم ایسوں کو اپنی ارادت میں نہیں لیتے جو غیروں کے سامنے سر جھکا تا ہے۔ سوم: یہ کہ میں نے لوح محفوظ میں لکھا دیکھا ہے کہ وہ اس دنیا سے بے ایمان جائے گا۔ جب یہ جواب پتھو را کو بتایا گیا تو اس نے کہا کہ شیخ غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ ہمارے شہر سے نکل جائیں۔ جب حضرت کو یہ بات معلوم ہوئی تو مسکرا کر فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف تین دن کی مہلت ہے، اس شہر سے تم جاؤ گے یا ہم۔ اس دوران

سلطان محمد شاہ کے لشکر نے اجمیر پر حملہ کیا اور پتھو را کو زندہ گرفتار کر لیا اور وہ شخص جو حضرت سے مرید ہونے آیا تھا اس نے پانی میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔

ہندستان میں قدم رکھنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے جب دعوت اسلام اور تربیت و اصلاح کی مہم تیز کی اور پروانہ دار لوگ آپ کے گرد اکٹھا ہونے لگے تو پرتھوی راج چوہان اور اس کے ہوا خواہوں کو خواجہ کی یہ مقبولیت اچھی نہ لگی۔ ہر طرح سے آپ کو پریشان کیا گیا۔ آپ کے اوپر مشکلات کے پہاڑ توڑے گئے، لیکن اس مرد حق آگاہ کے پائے ثبات میں تبلیغ اسلام اور اصلاح احوال کے تعلق سے لغزش نہ آئی اور آپ نے اصلاحی مہم اور تیز کردی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ پتھو را کے ہوا خواہ حضرت خواجہ ہند کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور اسلام کی بیش بہا دولت سے سرفراز ہوئے۔ اس تعلق سے ذیل کے واقعات دل چسپی سے خالی نہ ہوں گے۔

### رام دیو کا قبول اسلام:

اناساگر جس کے گرد و نواح میں ہزاروں بت خانے تھے، جن پر سیکڑوں من تیل اور پھول صرف ہوتے۔ صبح سے شام تک پرستاروں کا ہجوم رہا کرتا تھا، برہمنوں اور پجاریوں کو حضرت کا قیام ناگوار گزرا، ایک دن جب راجہ اور اہل شہر کی کثیر تعداد مندروں میں پوجا کے لیے حاضر ہوئی، مہنوں کا سردار رام دیو مہنت ایک جماعت کثیر کے ساتھ حضرت کی بارگاہ میں آیا۔ حضرت خواجہ کے جمال جہاں آرا پر نظر پڑتے ہی لوگوں کے جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا، بید کی طرح کانپنے لگے، حضرت کی نگاہ کیمیا تاثیر نے مہنت کے دل کی کیفیت بدل دی۔ وہ بہ صد خلوص و عقیدت آگے بڑھا اور دست حق پرست پر اسلام قبول کر لیا۔

پجاریوں کا سردار رام دیو جو چند ساعت قبل تک کفر و شرک سے نہ صرف آلودہ تھا بلکہ اس باطل فکر و عمل کا مبلغ و ترجمان بھی تھا، اب وہ توحید و رسالت کا اقراری

بن چکا تھا۔ ایک جماعت لے کر حضرت خواجہ کو پریشان کرنے آیا تھا، مگر شہر پسندوں کا وہی قائد حضرت خواجہ کے دفاع میں سینہ سپر ہو گیا اور لکڑی اور پتھر سے معاندین خواجہ کو مار مار کر بھگا دیا۔ حضرت نے رام دیو کی یہ مجاہدانہ خدمت دیکھی تو ازراہ کرم ایک پیالا پانی عطا فرمایا اور پینے کا حکم دیا، پانی پیتے ہی اس کا آئینہ دل ضلالت و گمراہی کے زنگ سے پاک ہو گیا۔ آپ قدح نے آب حیات کا اثر دکھایا۔ بے جان قلب و روح میں زندگی کی توانائی پیدا ہوئی، عشق و ارادت کے فیض عام نے اسے حضرت کے قدموں میں ڈال دیا اور داخل سلسلہ ہو گیا۔ خواجہ نے اس کا نام شادی دیور کھا۔

### جے پال کا قبول اسلام:

حضرت خواجہ ہند کی تبلیغی اور اصلاحی مہم کو سرد کرنے کے لیے پرتھوی راج چوہان نے جوگی جے پال کا سہارا لیا۔ اس وقت اس کی جادوگری کا ڈنکا بج رہا تھا، اس نے اپنی سحر انگیزی سے حضرت خواجہ کو مرعوب کرنا چاہا تا کہ تبلیغ اسلام اور عمل اصلاح سے باز آئیں، وہ اس عمل حسن سے باز کیوں آتے، جب کہ اسی کام کے لیے وہ منجانب الرسول ہندستان پر مامور تھے۔ آخر کار جوگی جے پال اپنا سارا کرتب دکھا کر عاجز ہو گیا، خواجہ اور ان کے ساتھیوں کو گزند نہ پہنچا سکا۔ جب اس نے اپنے کرتب کا آخری داؤ استعمال کرنا چاہا تو حضرت خواجہ سے مخاطب ہو کر کہا:

اب میرا اور تمہارا مقابلہ باقی ہے، بہتر ہے کہ تم فوراً اجمیر چھوڑ دو، ورنہ میں آسمان پہ جا کر تمہارے سر پر اس قدر بلائیں برسائوں گا کہ تمہارا سنبھلنا دشوار ہو جائے گا، حضرت خواجہ نے تعجب سے فرمایا۔

تو کار زمیں را نکو ساختی

کہ با آسمان نیز پرداختی

جے پال نے ہرن کا مرگ چھالا ہوا میں پھینکا اور اچھل کر اس پر بیٹھ گیا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضا میں پرواز کرنے لگا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ لوگ حیران

تھے دیکھو اب کیا ہوتا ہے، حضرت نے بے پال کا یہ کرشمہ سحر اور لوگوں کی حیرت دیکھی تو اپنے نگلیں چوبیس (کھڑاؤں) کو حکم دیا کہ جاؤ سرزنش کرتے ہوئے مغرور بے پال کو نیچے اتار لاؤ۔ یہ فرمان سنتے ہی دونوں کفش پرندوں کی طرح فضا میں اڑتے ہوئے نگا ہوں سے روپوش ہو گئے، چند ساعت بعد لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ حضرت کے پاؤں بے پال کے سر کو کھٹے ہوئے خواجہ کے پاس لے آئے۔ کھڑاؤں کی ضرب نے منکر بے پال کے غرور نخوت کا بت توڑ دیا تھا، روحانی صداقت کے سامنے جادوگری کا فریب تار عنکبوت کی طرح پارہ پارہ ہو چکا تھا، اسے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ درویش کوئی جادوگر نہیں، روحانیت کی غیر متزلزل قوت کا مالک ہے۔ اس کے ادنیٰ حکم سے بے جان پاؤں نہ صرف ہوا میں اڑنے کی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہو جاتے ہیں، بلکہ ہندستان کے ماہر فن جادوگر کو بے بس کر کے ذلت و حقارت کے ساتھ زمین پر لانے کی قوت بھی پا جاتے ہیں۔ نگا ہوں سے حجابات اٹھ چکے تھے، بے پال نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا اور خلوص دل کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ عرض کی، حضور! دعا فرمائیے، میں امر ہو جاؤں، یعنی تاقیامت زندہ رہوں۔ حضرت نے دعا فرمائی: الہی اس بندہ کی دعا قبول فرما۔ جب حضرت پر دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تو نے دائمی زندگی پائی مگر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مشہور ہے کہ بے پال اب تک اجمیر کے کوہستان میں رہتا ہے، جو راہ گیر راستہ بھول جاتا ہے، اس کی رہبری کرتا ہے۔ ہر شب جمعہ روضہ مقدس کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ حضرت نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ [۱۳]

**پرتھوی راج کو دعوت اسلام:**

جب پرتھوی راج کے معتمدین دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے تو خواجہ غریب نواز نے خود پرتھوی راج کو دعوت اسلام پیش کی۔ آپ نے تحریر فرمایا:

اے راجہ! تیرا اعتقاد جن جن لوگوں پر تھا، وہ بہ حکم خدا مسلمان ہو گئے ہیں۔

اگر بھلائی چاہتا ہے تو تو بھی مسلمان ہو جا، ورنہ ذلیل و خوار ہو گا۔ سنگ دل پرتھوی راج نے اس دعوت حق کو قبول نہ کیا تو حضرت خواجہ نے مراقبہ کیا، کچھ دیر کے بعد جب تفکر سے سراٹھایا اور فرمایا: اگر یہ بد بخت ایمان نہ لایا تو میں اس کو اسلامی لشکر کے حوالہ زندہ گرفتار کرادوں گا۔ [سیر الاقطاب ص ۱۳۲]۔ [۱۴]

حضرت خواجہ کی عظمت و فضیلت اور روحانیت کو محسوس کرنے کے بعد بھی پرتھوی راج اسلام کی دولت سے محروم رہا اور لشکر اسلام کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ حضرت خواجہ کی روحانی قوت اور تصرفات و کرامات نے باشندگان اجمیر کو متاثر کیا، نیز آپ کے اصلاحی عمل اور تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگ کثیر تعداد میں شرک و بت پرستی سے توبہ کر کے ایمان و اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے اور حضرت کے ارادت مندوں کی تعداد دو میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔

مرشد گرامی حضرت عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ [۱۵] سے علاحدگی کے بعد حضرت خواجہ نے مختلف مقامات کی سیاحت کی، حضرت کی سیاحت راہ سلوک کی سخت منزلیں طے کرنے کی خاطر ہوئیں۔ اس لیے آپ نے انہیں مقامات کا انتخاب کیا جہاں راہ سلوک کے شہسوار اور بحر معرفت کے شناور موجود تھے۔ ان کے فیض صحبت سے آپ خوب خوب سیراب ہوئے۔ اسی دوران آپ کی روحانیت نے اصلاح و تربیت کا کام بھی انجام دیا، جس کی وجہ سے گم گشتہ راہ، راہ یاب ہوئے۔ ذیل کے واقعات آپ کی روحانی اصلاح و تربیت کے دل چسپ شواہد ہیں۔

**یادگار محمد حاکم سبزواری کی توبہ:**

حضرت جب سبزواری تشریف لائے، وہاں محمد یادگار نامی ایک حاکم تھا جو درشت مزاج، کثیف طبیعت، فاسق اور رخص میں مشہور تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو برا کہتا اور جس کسی کا نام ابو بکر، عمر اور عثمان ہوتا اس کو سخت تکلیف پہنچاتا اور اس کی بربادی کے درپے ہو جاتا۔ شہر کے نزدیک اس کا ایک باغ

تھا۔ وہاں اس نے حوض اور پر تکلف عمارت بنوائی تھی۔ جب وہ اس جگہ آتا تو شراب اور عیاشیوں میں مشغول ہوتا۔

حضرت شیخ معین الدین چشتی قدس سرہ جب سبزوار آئے تو پہلے ہی دن اس باغ میں داخل ہوئے اور اسی حوض میں غسل کیا جو اس باغ میں تھا اور دو رکعت نماز پڑھی اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو گئے، اتفاق سے اسی روز یادگار محمد اس باغ کی طرف متوجہ ہوا، اس درویش نے جو حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ کے ساتھ تھا، شیخ مذکور سے عرض کیا کہ امیر کے فرماش باغ میں آگئے ہیں، ان کے بعد وہ بھی آئے گا۔ مصلحت اسی میں ہے کہ آپ اس باغ سے باہر نکل آئیں کہ وہ ایک قوی اور ظالم شخص ہے، حضرت شیخ نے ان کے کہنے پر کوئی توجہ نہ کی اور اس سے فرمایا کہ اس سرو کے سائے میں بیٹھ جاؤ جو حوض کے قریب ہے۔ اسی اثنا میں یادگار محمد کے فرماش آگئے اور انھوں نے اس کا خاص غالیچہ حوض کے کنارے بچھا دیا اور شیخ کی دہشت اور بزرگی کی وجہ سے وہ ان کو نہ اٹھا سکے اور نہ منع کر سکے۔ اسی اثنا میں یادگار محمد آ گیا۔ حضرت شیخ نے اپنی جگہ سے حرکت کی، جب اس کی نظر حضرت شیخ پر پڑی تو اس کے جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا اور اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ حضرت شیخ کی بزرگی و شان کی وجہ سے اس کے تمام مصاحبوں اور ہم نشینوں پر دہشت چھا گئی اور اس نے لرزاں و ترساں غالیچہ کو دور پھینک دیا اور وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا، حضرت شیخ نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا۔ وہ ذرا سی دیر میں بے طاقت ہو گیا اور گر پڑا۔ جب حاضرین نے یہ واقعہ دیکھا تو سب نے زمین پر سر رکھ دیے، حضرت شیخ نے اپنے درویش سے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی حوض سے لے اور اس کے چہرے پر چھڑک، درویش مذکور نے شیخ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا، کچھ دیر بعد یادگار محمد کو ہوش آیا، اس نے زمین پر سر رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے بلند آواز سے فرمایا کہ تو نے توبہ کی؟ اس نے نہایت عاجزی سے جواب دیا کہ میں نے توبہ کی۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ وہ برا عقیدہ

(رفض) جو رکھتا تھا، اس کو چھوڑ دیا؟ اس نے کہا خدا کی قسم چھوڑ دیا۔ نہیں معلوم کہ اس نے کیا دیکھا کہ یکبارگی ڈر گیا، کانپا اور بے ہوش ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت شیخ معین الدین نے فرمایا کہ وہ وضو کرے اور توبہ کے شکرانے کی دو رکعت نماز پڑھے، اس نے ایسا ہی کیا، شیخ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مرید ہو گیا۔ اس کے تمام مصاحبوں نے بھی اسی طرح توبہ کی۔ [۷۱]

بیعت سے سرفراز ہونے کے بعد یادگار محمد نے تمام سامان اور نقدی جو اس کے ملک میں تھا، حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت نے فرمایا: تمام دشمنوں کو خوش کرا اور جس کسی سے جو کچھ ظلم و تشدد سے حاصل کیا ہے، وہ اس کو واپس کر دے تاکہ حق سبحانہ تعالیٰ تیری توبہ کو استقلال و دوام عطا فرمائے اور تجھ پر رحمت کی نظر کرے۔

(اس کا رد عمل یہ ہوا کہ یادگار محمد نے) تمام کنیزوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا اور جو کچھ ان سے متعلق دیکھا، وہ بھی ان کو بخش دیا، اس کی دو بیویاں تھیں دونوں کو طلاق دیدی اور دل و جان سے حضرت شیخ کی محبت و الفت اور اتحاد و اعتقاد کی نذر کر دیے اور واصلان حق سے ہوا۔

اولیائے کرام کو پروردگار عالم نے بندوں کی اصلاح و تربیت کے ایسے ایسے گر عطا فرمائے ہیں جو عام انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ یادگار محمد کو ایک نظر کیمیا اثر نے رفض سے توبہ کرنے پر مجبور کیا اور ذیل کی عبارت میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ پرندے کی ایک بھنی ہوئی ران کھلا کر اصلاح حال فرمائی، واقعہ یوں ہے۔

**حکیم ضیاء الدین کی اصلاح حال:**

حضرت خواجہ سبزوار سے بلخ آئے اور حضرت شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں چند ماہ قیام فرمایا۔ وہاں مولانا ضیاء الدین بلخی تھے۔ مولانا کو علم تصوف پر بالکل اعتماد و

اعتقاد نہ تھا، چنانچہ وہ اکثر اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ علم تصوف ہدیٰ ہے کہ جو تپ زدہ اور مسلوب العقل بکا کرتے ہیں۔ اور اس نیک بخت گروہ کے حق میں سوائے گالیاں دینے کے کچھ نہ کہتے تھے۔ اتفاق سے حضرت خواجہ کا گزر اس گاؤں سے ہوا، جہاں حکیم ضیاء الدین درس دیتے تھے، وہاں تیر سے ایک کلنگ کو شکار کیا اور چاہا کہ اس کے کباب بنائیں اور کام میں لائیں، حضرت نے ایک درخت کے نیچے قیام کیا اور خادم کو حکم دیا کہ آگ جلائے اور کباب تیار کرے، خود نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

اتفاق سے مولانا حکیم ضیاء الدین کا اس طرف سے گزر ہوا، دیکھا کہ ایک درویش نماز میں مشغول ہیں اور ان کا خادم کلنگ کے کباب بنا رہا ہے۔ مولانا بھوکے تھے انہوں نے چاہا کہ کچھ دیر اس درخت کے نیچے جہاں حضرت زبدۃ المشائخ (خواجہ غریب نواز) مشغول عبادت تھے قیام کریں اور کباب میں سے چند لقمے کھائیں۔ جب حضرت خواجہ نماز سے فارغ ہوئے تو حکیم ضیاء الدین کی یہ مجال نہ تھی کہ ان کے قدموں پر اپنا سر نہ رکھیں، لیکن تکلف سے انہوں نے اپنے کو باز رکھا۔ سلام کیا اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے، اسی وقت حضرت زبدۃ المشائخ کے خادم نے کباب پیش کیا، حضرت شیخ نے 'بسم اللہ الرحمن الرحیم' پڑھی اور اس کلنگ کی ایک ران علاحدہ کی اور مولانا ضیاء الدین حکیم کے سامنے رکھ دی اور دوسری ران میں سے کچھ گوشت کاٹا اور خود تناول فرمایا۔ مولانا ضیاء الدین نے جب اس کباب میں سے ایک لقمہ اٹھایا اور کھایا تو فوراً اس لقمے کے اثر سے ان کے سینے میں ظلمت فلسفیانہ کا جو رنگ تھا، اس کی جگہ اسرار معرفت کے انوار رونما ہو گئے۔ چنانچہ مولانا اس نور کے ظاہر ہونے کے بعد از خود رفتہ ہو گئے، کچھ دیر بعد حضرت زبدۃ المشائخ نے اپنا پس خوردہ ان کے منہ میں ڈال دیا، جس سے مولانا ہوش میں آ گئے۔ جب مولانا کو اسرار وحدت کی روشنی حاصل ہوئی تو انہوں نے اپنا تمام فلسفیانہ کتب خانہ دریا میں ڈال دیا اور اپنے آپ کو

دنیا دی ساز و سامان سے آزاد کر لیا اور ان کے مرید ہو گئے اور ان کے تمام شاگرد بھی حضرت خواجہ بزرگ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ (خواجہ بزرگ نے) مولانا ضیاء الدین کو اس جگہ متعین کر دیا اور خود غزنین کی طرف روانہ ہو گئے۔ [۱۹]

### صوفی حمید الدین ناگوری کی توبہ:

حضرت صوفی حمید الدین ناگوری [۲۰] حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ خلفا میں سے ہیں، آپ کے جوانی کے ابتدائی ایام روش زمانہ کے مطابق لاابالی پن میں گزرے، لیکن حضرت خواجہ بزرگ کی نگاہ کیمیا اثر نے اصلاح و تربیت کا وہ کارنامہ انجام دیا کہ ان کی زندگی میں انقلاب پیدا ہو گیا اور آزادی ترک کر کے راہ راست اختیار کر لی۔ سیر العارفین میں ہے:

وہ (صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ) ابتدائی زمانے میں بہت پریشان حال تھے، وہ نہایت خوب صورت تھے، چنانچہ جو عورت ان کو دیکھتی تھی، فریفتہ ہو جاتی تھی۔ جب انہوں نے حضرت معین الملتہ والدین کی صحبت پائی تو تائب ہو گئے، توبہ کر لینے کے بعد ان کے ہم نشینوں نے پھر فسق و فجور کی طرف بلایا، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کمر بند کو اتنا مضبوط باندھ لیا ہے کہ معلوم نہیں کہ بہشت کی حوروں پر بھی کھولوں یا نہیں۔ انہوں نے تائب ہونے کے بعد حضرت شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک بارگی ترک و تجرید اختیار کر لی اور جو کچھ ان کی ملکیت میں تھا، فقر کو دے دیا۔ [۲۱]

حضرت خواجہ بزرگ کی اصلاحی سرگرمیوں نے باشندگان ہند کے اندر اسلامی روح پھونک دی اور کج روی سے دور رکھا۔ گویا ہندوستان کے اندر جو کچھ بھی اصلاحی انقلاب برپا ہوا وہ حضرت خواجہ غریب نواز کی جہد مسلسل اور آپ کے خلفا کی سعی پیہم کا نتیجہ ہے۔ آپ ہی کے عہد زریں میں اجمیر کی سیاسی مرکز ختم ہو گئی اور دہلی پورے طور پر ہندوستان کا دارالسلطنت قرار پایا۔ آپ نے رشد و ہدایت اور اصلاح و



تر بیت کے لیے اپنے احب خلفا میں سے حضرت قطب الدین بخت یار کا کی رحمتہ اللہ علیہ کو دہلی کی ذمہ داری سونپی اور حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کو ناگور کے محاذ پر تعینات کیا اور خود اجیر کو اپنا مستقر باقی رکھا جہاں سے اسلام کی تعلیمات لوگوں تک پہنچائیں۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اہل وطن دامن اسلام سے وابستہ ہونے لگے اور ان کی تربیت نے وابستگان کے اندر وہ اسلامی جذبہ پیدا کیا کہ انھوں نے بقیہ عمر اسلام کی دعوت و اشاعت اور بندگان خدا کی تربیت و اصلاح میں گزاردی اور بڑی بڑی کامیابی و کامرانی کے ساتھ راہی ملک بقا ہوئے۔

بزرگوں کے ملفوظات و ارشادات بھی رشد و ہدایت اور اصلاح و تربیت کا اہم ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس لیے خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجیری رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات کا ایک حسین انتخاب دیدہ و دل کی تازگی کے لیے پیش ہے۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ”دلیل العارفین“ کے نام سے آپ کے خلیفہ ارشد حضرت قطب الدین بختیار کا کی علیہ الرحمۃ نے مرتب کیا ہے۔ اصل کتاب فارسی زبان میں ہے اور کم یاب ہے، میرے سامنے اس کا اردو ترجمہ ہے جس پر مترجم کا نام مرقوم نہیں۔ دلیل العارفین کے تعلق سے اہل علم کی مختلف رائیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور بعض کا خیال ہے کہ اس کا انتساب ان کی طرف صحیح نہیں۔ مگر شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی [۲۲] رحمتہ اللہ علیہ نے ”اخبار الاخیار“ میں جہاں حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ بہت ہی مختصر انداز میں کھینچا ہے۔ وہیں ان کے ملفوظات قدرے تفصیل کے پیش کیے ہیں، اس سے ان کے ملفوظات کا اعتبار ان کے نزدیک بحال نظر آتا ہے۔ اس کتاب میں حضرت خواجہ اجیری رحمتہ اللہ علیہ کی بارہ مجلسوں کے ملفوظات و ارشادات ہیں، جس میں صوفیانہ اسرار و رموز اور دینی احکام و مسائل مثلاً: طہارت، نماز، صدقہ، شریعت و طریقت، عظمت قرآن، عظمت والدین، علما کا مرتبہ، زیارت کعبہ کا ثواب، قدرت الہی، وظیفہ

پر مداومت، نیک صحبت، مراتب سلوک، محبت میں صادق کون، قدرت الہی، فضائل سورہ فاتحہ، توکل عارفان، ملک الموت، پیر کے حکم کی بجا آوری، پیر اور مرید کا رشتہ، عذاب قبر، قبرستان کی تعظیم و توقیر، گناہ کبیرہ، عبادت، عبادت اہل سلوک، توبہ اور تنہائی پر اختصار کے ساتھ بڑے عمدہ اشارے اور کنائے فرمائے ہیں جو بندگان خدا کی اصلاح اور تربیت کے لئے گہرے گہرے گہراں مایہ ہیں۔

### طہارت:

☆ (وضو میں) ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا میری سنت ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی بھی یہی سنت ہے۔ اس پر زیادہ ستم ہے [۲۳]

☆ حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے وضو کرتے وقت ہاتھ دو مرتبہ دھوئے۔ جب نماز ادا کر چکے تو اسی رات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو فرماتے ہیں کہ مجھے تو تعجب ہے کہ تمہارے وضو میں کمی رہ جائے۔ خواجہ صاحب اس ہیبت سے جاگ پڑے، پھر تازہ وضو کر کے نماز ادا کی۔ کفارہ کے لیے سال بھر پانچ سو رکعات بطور وظیفہ کے روزانہ ادا کی۔ [۲۴]

☆ جب آدمی رات کو باطہارت سوتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے ہمراہ رہیں۔ وہ صبح تک اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو بخش دے، کیوں یہ باطہارت سویا ہے۔ [۲۵]

☆ جب آدمی باطہارت سوتا ہے تو فرشتے اس کی جان عرش کے نیچے لے جاتے ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ اسے نوری خلقت پہنا دو، جب وہ سجدہ کر چکتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اسے واپس لے جاؤ کیوں کہ یہ نیک بندہ ہے جو باطہارت سویا ہے اور جو شخص بے طہارت سوتا ہے، اس کی جان کو پہلے ہی

آسمان سے واپس کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس لائق نہیں کہ اسے لے جایا جائے، ایسا آدمی اللہ کو سجدہ کرنے والا نہیں۔ [۲۶]

نماز:

نماز ایک امانت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سپرد کی ہے تو بندوں پر واجب ہے کہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں۔ جب لوگ نماز اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور اس کے تمام حقوق بجالاتے ہیں، رکوع و سجود اور قرات و تسبیح کو محفوظ رکھتے ہیں تو فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں پھر اس نماز سے نور شائع ہوتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، جب وہ نماز عرش سے نیچے لائی جاتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کر اور نماز ادا کرنے والے کے لیے بخشش مانگ، کیوں کہ وہ تیرے حقوق اچھی طرح بجالایا۔ پھر خواجہ صاحب روئے اور فرمایا کہ یہ تو اچھی نماز ادا کرنے والوں کے حق میں ہے۔ لیکن جو ارکان نماز بخوبی ملحوظ نہیں رکھتے، جب ان کی نماز کو فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں تو آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور حکم ہوتا ہے کہ اس نماز کو لے جا کر اسی نمازی کے سر پر مار دو۔ پھر نماز زبان حال سے کہتی ہے کہ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے، خدا تجھے ضائع کرے۔

☆ فرمایا، ایک مرتبہ میں شام کے قریب ایک شہر میں تھا..... اس کے باہر ایک غارتھی جس میں ایک بزرگ شیخ اوحدمحمدالواحد غزنوی رہتے تھے اور جن کے وجود مبارک پر چمڑا ہی چمڑا تھا، سجادہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور دو شیران کے پاس کھڑے تھے، میں شیروں کے ڈر کے مارے پاس نہ جاسکتا تھا، جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو فرمایا، آ جاؤ، ڈرو نہیں۔ جب میں پاس گیا تو آداب بجالایا اور بیٹھ گیا۔

پہلی بات جو بزرگ نے مجھ سے کی وہ یہ ہے کہ اگر تو کسی کا ارادہ نہ کرے گا تو وہ تیرا بھی ارادہ نہ کرے گا، یعنی شیر کی کیا ہستی ہے کہ تو اس سے ڈرتا ہے، پھر فرمایا

کہ جب تیرے دل میں خدا کا خوف ہوگا تمام تجھ سے ڈریں گے، شیر کی کیا حقیقت ہے، وہ لوگوں سے بھی نہیں ڈرے گا، اس قسم کی بہت سی باتیں بیان فرمائیں، پھر پوچھا کہاں سے آنا ہوا، عرض کی بغداد سے، فرمایا آنا مبارک ہو، لیکن لازم ہے کہ درویشوں کی خدمت کرے تاکہ بزرگ بن جائے، لیکن سنو! مجھے اس غار میں رہتے ہوئے کئی سال گزر گئے اور تمام خلقت سے گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کی ہے۔ لیکن تیس سال سے ایک چیز کے سبب رو رہا ہوں۔ اس ڈر سے دن رات روتا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا: جب میں نماز ادا کرتا ہوں تو اپنے آپ کو دیکھ کر روتا ہوں کہ اگر ذرہ بھی شرط نماز ادا نہ ہوئی تو سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ اسی وقت فرشتے یہ طاعت میرے منہ پر دے ماریں گے۔ تو اے درویش اگر تو نماز کے حق سے عہدہ برآ ہوتو واقعی تو نے بڑا کام کیا ہے، نہیں تو اپنی عمر ضائع کرے گا۔ پھر حدیث بیان فرمائی: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی گناہ دنیا میں اور کوئی دشمن قیامت میں اس سے بڑھ کر نہیں کہ نماز کو باشرائط ادا نہ کیا جائے۔ میرے بدن پر جو ہڈیاں اور چمڑا دکھائی دیتا ہے یہ اسی کے سبب ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا مجھ سے نماز کا حق ادا ہوا بھی ہے یا نہیں!

پھر خواجہ صاحب نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: اے درویش! نماز دین کا رکن ہے اور رکن ستون ہوتا ہے جب ستون قائم ہوگا تو گھر بھی قائم رہے گا، جب ستون نکل جائے گا، تو چھت فوراً گر پڑے گی۔ چوں کہ اسلام اور دین کے لیے نماز بمنزلہ ستون ہے۔ جب نماز کے اندر فرض، سنت، رکوع اور سجود میں خلل آئے گا، تو درحقیقت اسلام اور دین وغیرہ خراب ہو جائیں گے۔ [۲۷]

☆ وہ کیسے مسلمان ہیں جو نماز وقت پر ادا نہیں کرتے اور اس قدر دیر کرتے ہیں کہ وقت گذر جاتا ہے، اس کی مسلمانی پر بیس ہزار افسوس جو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ [۲۸]

☆ فرماتے ہیں کہ میرا گزرا ایسے شہر سے ہوا جہاں پر رسم تھی کہ وقت سے پہلے نماز کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ تم سب وقت سے پہلے ہی تیار ہو۔ کہا سبب یہ ہے کہ وقت ہو تو فوراً نماز ادا کر لیں، جب تیار نہ ہوں گے تو شاید وقت گزر جائے، پھر یہ منہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح دکھائیں گے، کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔  
عجلوا بالتوبة قبل الموت وعجلوا بالصلوة قبل الفوت۔ [۲۹]  
مرنے سے پہلے توبہ کے لیے جلدی کرو اور فوت ہونے سے پہلے نماز کے لیے جلدی کرو

☆ ایک مرتبہ خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے صبح کی نماز قضا ہوگئی تو اس قدر روئے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آواز آئی اے بایزید! تو اس قدر آہ و زاری کیوں کرتا ہے؟ اگر صبح کی ایک نماز فوت ہوگئی تو ہم نے تیرے اعمال میں ہزار نماز کا ثواب لکھ دیا ہے۔ [۳۰]  
☆ جو شخص پانچوں (وقت کی) نمازیں با وقت ادا کرتا ہے، وہ قیامت کے دن اس کی رہنمائی ہیں۔  
☆ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کی نماز نہیں، اس کا ایمان نہیں۔ [۳۱]

### عظمت والدین:

والدین کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو فرزند دوستی خدا سے اپنے والدین کا چہرہ دیکھتا ہے، اس کے نامہ اعمال میں حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ ایک فاسق اور بدکار جوان فوت ہوا، تو اس نے خواب میں دیکھا کہ حاجیوں کے ساتھ بہشت میں ٹہل رہا ہے، لوگوں کو تعجب ہوا۔ سبب دریافت کیا۔ کہا، میری بڑھیا ماں تھی۔ جب میں گھر سے نکلتا، اس کے قدموں پر سر رکھ دیتا، ماں

دعا دیتی کہ اللہ تجھے بخشے اور حج کا ثواب تیرے نصیب کرے، اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کر لی اور مجھے بخش دیا، اب میں حاجیوں کے ساتھ بہشت میں ٹہل رہا ہوں [۳۲]  
حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ یہ مرتبہ آپ کو کس طرح حاصل ہوا، تو فرمایا: میں ابھی سات سال کا تھا کہ مسجد میں استاد سے قرآن مجید پڑھنے جایا کرتا تھا، جب اس آیت پر پہنچا، وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔ تو استاد سے اس کا مطلب پوچھا۔ فرمایا حکم الہی ہے کہ جس طرح میری خدمت بجالاتے ہو، والدین کی بھی خدمت استاد بجالو۔ استاد سے یہ سنتے ہی بستہ باندھ کر گھر گیا اور ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا کہ اے ماں! میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے کچھ مانگ، میں کما حقہ تیری خدمت بجالوں گا۔ جب والدہ سے یہ درخواست کی تو انھوں نے رحم کھا کر دو گناہ ادا کرنے کے بعد میرا ہاتھ قبلہ رخ ہو کر سونپا، یہ دولت مجھے وہاں سے نصیب ہوئی جس کا سبب والدہ کی دعا تھی۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ موسم سرما میں رات کے وقت میری ماں نے پانی مانگا۔ میں کوزہ بھر کر ہاتھ پر رکھ کر حاضر ہوا، لیکن والدہ سو گئیں، میں نے نہ جگایا، چناں چہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوئیں تو مجھے کوزے لئے کھڑا دیکھا، جب مجھ سے کوزہ لیا تو سردی کے مارے میرا ہاتھ کوزہ سے چپکا ہوا تھا، کوزہ کے ساتھ ہی میرے ہاتھ کا چمڑا اکھڑ گیا۔ ماں نے ترس کھا کر میرا سر بغل میں لیا اور چھاتی سے لگا کر بوسہ لیا اور کہا۔ اے جان مادر! تو نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ یہ کہہ کر میرے حق میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ میری ماں کی دعا قبول ہوئی اور یہ سب دولت اسی دعا کی بدولت نصیب ہوئی [۳۳]

### عظمت قرآن:

قرآن شریف کو دیکھنا ثواب ہے، جو شخص کلام اللہ شریف کی طرف دیکھتا ہے یا پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا کہ اسے دو ثواب دو، ایک قرآن شریف پڑھنے کا دوسرا

قرآن شریف دیکھنے کا، اور ہر حرف کے بدلے میں اسے دس نیکیاں عطا ہوتی ہیں اور دس بدیاں مٹائی جاتی ہیں۔ [۳۳]

پہلے زمانہ میں ایک فاسق جوان تھا، جس کی بدکاری سے لوگوں کو نفرت آتی تھی۔ لوگ اسے بہت منع کرتے، لیکن ایک نہ سنتا۔ الغرض جب وہ مر گیا تو اسے خواب میں دیکھا کہ سر پر تاج رکھے، خرقہ پہنے فرشتوں کے ہمراہ بہشت میں جا رہا ہے، اس سے پوچھا گیا کہ تو تو بدکار تھا، یہ دولت کہاں سے نصیب ہوئی؟ جواب دیا کہ دنیا میں مجھ سے ایک نیکی ہوئی، وہ یہ کہ جہاں کہیں قرآن شریف دیکھ لیتا، کھڑے ہو کر بڑی عزت کی نگاہ سے اسے دیکھتا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی بدولت بخش دیا اور یہ درجہ عنایت فرمایا [۳۵]

### علماء کا مرتبہ:

اگر کوئی شخص علماء کی طرف دیکھے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت تک اس کے لیے بخشش مانگتا رہتا ہے۔ جس دل میں علماء و مشائخ کی محبت ہو، ہزار سال کی عبادت اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ اگر وہ اسی اثنا میں مرجائے تو اسے علماء کا درجہ ملتا ہے اور اس مقام کا نام ”علمین“ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص علماء سے آدورفت رکھے اور سات دن ان کی خدمت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکی اس کے نامہ اعمال میں لکھتا ہے، ایسی نیکی کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑے ہو کر گزار دے۔ [۳۶]

### زیارت کعبہ ثواب:

خانہ کعبہ کا دیکھنا کار ثواب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت کرے گا، وہ عبادت میں داخل ہوگا۔ اس کی زیارت سے ہزار سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور اسے اولیا کا درجہ

نصیب ہوگا۔ [۳۷]

### پیر اور مرید کا رشتہ:

اپنے پیر کو دیکھنا اور ان کی خدمت کرنا کار ثواب ہے، حضرت خواجہ اجیمیری اپنے پیر حضرت عثمان ہارونی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، جو شخص اپنے پیر کی خدمت کا حقہ ایک دن بجلائے، اللہ تعالیٰ بہشت میں مرواریدی ہزار محل اسے عنایت کرے گا اور ہزار سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ مرید کو لازم ہے کہ جو کچھ پیر کی زبان سے سنے، اس پر بڑی کوشش سے عمل کرے اور پیر کی خدمت بجلائے اور حاضر خدمت رہے۔ اگر متواتر خدمت بجا نہ لاسکے تو کم از کم ایک بار کی ضرور کوشش کرے۔ [۳۸]

جس نے کچھ پایا خدمت سے پایا، مرید کو چاہئے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ برابر بھی تجاوز نہ کرے اور جو کچھ اسے نماز، تسبیح اور اوراد و وظائف وغیرہ کی بابت فرمائے، گوش ہوش سے سنے اور اسے بجلائے تاکہ کسی مقام پر پہنچ سکے۔ کیوں کہ پیر مرید کا سنوارنے والا ہے۔ پیر جو کچھ فرمائے گا، وہ مرید کے کمال کے لیے ہی فرمائے گا۔ [۳۹]

### فضیلت سورہ فاتحہ:

سورہ فاتحہ کو حاجت برآوری کے لیے بہ کثرت پڑھنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جسے کوئی مشکل پیش آئے وہ حسب ذیل طریقہ سے سورہ فاتحہ پڑھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد لله رب العلمین۔ یعنی رحیم کی میم کو لام سے ملائے اور آمین کے وقت تین مرتبہ آمین کہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مشکل کو حل کر دے گا۔ [۴۰]

سورہ فاتحہ تمام دردوں اور بیماریوں کے لئے شفا ہے، جو بیماری کسی علاج سے درست نہ ہو، وہ صبح کی نماز کے فرضوں اور سنتوں کے درمیان اکتالیس مرتبہ بسم اللہ اور سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے سے دور ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الفاتحة شفاء من كل داء یعنی سورہ فاتحہ ہر مرض کی دوا ہے۔ [۴۱]

### ورد پر مداومت:

فرمایا: جو شخص ورد مقرر کرے، اسے روزانہ پڑھنا چاہئے، دن کو اگر نہ ہو سکے تو رات کو ضرور پڑھے۔ مولانا رضی الدین رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے پر سے گر پڑے، جس سے پاؤں میں چوٹ آگئی، جب گھر آئے تو سوچا کہ یہ بلا مجھ پر کہاں سے آئی، یاد آ گیا کہ صبح کی نماز میں سورہ بلیین پڑھا کرتا تھا، وہ آج نہیں پڑھی۔ [۴۲]

اسی موقع سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ ”خواجہ عبداللہ مبارک“ سے ایک مرتبہ وظیفہ نہ ہو سکا، اسی وقت غیب سے آواز آئی کہ اے عبداللہ! جو عہد تو نے ہم سے کیا تھا، شاید تو بھول گیا ہے، یعنی وظیفہ تو نے آج نہیں پڑھا۔ [۴۳]

### شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت:

فرمایا: راہ شریعت پر چلنے والوں کی ابتدا یہ ہے کہ جب لوگ شریعت پر ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور شریعت کے تمام فرمان بجالاتے ہیں اور ان کے بجالانے میں ذرہ برابر بھی تجاوز نہیں کرتے تو اکثر وہ دوسرے مرتبے پر پہنچتے ہیں جسے طریقت کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب مع شرائط طریقت پر ثابت قدم ہوتے ہیں اور تمام احکام شریعت بے کم و کاست بجالاتے ہیں تو معرفت کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں، جب معرفت کو پہنچتے ہیں تو شناخت و شناسائی کا مقام آ جاتا ہے، جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہو جاتے ہیں تو درجہ حقیقت کو پہنچتے ہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر جو کچھ طلب کرتے ہیں، پالیتے ہیں۔ [۴۴]

### سلوک اور مراتب سلوک:

فرمایا: مشائخ نے سلوک کے سو درجے مقرر کیے ہیں۔ ان میں سے ستر ہواں مرتبہ کشف و کرامت کا ہے۔ جو شخص اس ستر ہویں درجے میں اپنے آپ کو ظاہر کر دے، وہ باقی تراسی کس طرح حاصل کرے گا۔ سالک کو چاہیے کہ جب تک سوئیں مرتبہ پر نہ پہنچ جائے اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے۔ [۴۵]

خواجگان چشت کے خاندان میں بعض نے پندرہ درجے مقرر کیے ہیں، جن میں پانچواں کشف و کرامت کا ہے، ہمارے خواجگان فرماتے ہیں کہ جب تک پندرہ ہویں درجے تک نہ پہنچ جائے، اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے۔ پھر کامل ہوگا۔ [۴۶]

ایک مرتبہ خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے مناجات کے وقت یہ الفاظ کہے ”کیف السلوک علیک“ آواز آئی۔ اے بایزید طلق نفسك ثنا و قل ہو اللہ احد یعنی پہلے اپنے آپ کو تین طلاق دے، پھر ہماری بات کر۔ [۴۷]

فرمایا: جب تک آدمی راہ سلوک میں پہلے دنیا و مافیہا اور پھر اپنے آپ کو نہ چھوڑے، وہ اہل سلوک میں داخل ہی نہیں ہو سکتا اور نہ ان میں کا ہوتا ہے۔ اگر اس کی یہ حالت نہ ہو تو سمجھو کہ جھوٹا ہے۔ [۴۸]

### صحبت نیکان:

فرمایا: حدیث شریف میں آیا ہے ”الصحة توثر“ یعنی صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اگر کوئی برا شخص نیکوں کی صحبت اختیار کرے تو امید ہے کہ وہ نیک ہو جائے گا اور اگر نیک شخص بدوں کی صحبت میں بیٹھے تو بد ہو جائے گا۔ کیوں کہ جس کسی نے کچھ حاصل کیا، صحبت سے حاصل کیا اور جو نعمت حاصل ہوئی، وہ نیکوں سے حاصل ہوئی۔ [۴۹]

### عارفوں کا توکل:

فرمایا: عارفوں کا توکل یہ ہے کہ ان کا توکل سوائے خدا کے کسی پر نہ ہو اور نہ کسی چیز کی طرف توجہ کریں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو کچھ ضرورت ہے، فرمایا: تجھ سے نہیں۔ اس لیے کہ آپ اپنے نفس سے غائب تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے باطنی حضور حاصل تھا۔ عارف کا توکل حق پر اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ عالم سکر میں متحیر رہتا ہے۔ متوکل حقیقت میں وہ ہے جو مخلوق کی مدد کرے اور تکلیف کی شکایت نہ کرے۔ اہل توکل پر تجلیات شوق میں ایک

ایسا وقت آتا ہے کہ اگر اس وقت انہیں ذرہ ذرہ کر دیا جائے یا تلوار سے زخمی کیا جائے، یا کسی اور طرح رنج و الم پہنچایا جائے تو انہیں مطلق خبر نہیں ہوتی۔ [۵۰]

عارف آفتاب کی طرح ہوتا ہے جو سارے جہان کو روشنی بخشتا ہے۔ جس کی روشنی سے کوئی چیز خالی نہیں رہتی [۵۱]

**ملک الموت:**

فرمایا: بغیر ملک الموت کے دنیا کی قیمت جو بھر بھی نہیں، پوچھا کیوں؟ فرمایا: اس واسطے کہ حدیث میں ہے الموت جسری وصل الحیب الی الحیب یعنی موت ایک پل ہے جو دوست سے دوست کی ملاقات کراتا ہے۔ [۵۲]

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ چند ملفوظات کے روشن موتی ہیں جن میں اصلاح و تربیت کے پہلو نمایاں ہیں۔ انہیں پر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے، لیکن اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ حضرات خواجگان چشت کے حالات صحیح اور معتبر ذرائع سے ملنا بڑا مشکل ہے۔ اور خاص طور سے حضرت خواجہ اجمیری کے صحیح حالات مرتب کرنے میں جو دشواریاں سامنے آتی ہیں، انہیں اہل تحقیق کی تحریروں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

استاذی الکریم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی شیخ الجامعہ، جامعہ اشرفیہ مبارکپور حضرت خواجہ اجمیری کے حالات کے تعلق سے یوں افادہ فرماتے ہیں:

”خواجہ اجمیری علیہ الرحمۃ کے احوال میں اتنا مختلف، متضاد اور طویل و ضخیم مواد تیار ہو گیا ہے کہ آج ایک قاری حیران ہو جاتا ہے کہ کس کو مانے، کس کو رد کرے اور کس کو ترجیح دے۔ سب اپنی بات نہایت وثوق سے لکھ رہے ہیں گویا شریک حال رہے ہوں یا شرکائے حال سے سن کر قلم بند کیا ہو۔ آج ہی سے نہیں آج سے چار سو سال پہلے حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) کے سامنے بھی یہی صورت حال تھی، اسی لیے وہ اخبار الاخیار میں حضرت

خواجہ کے حالات میں سیدنا عثمان ہارونی کی بیس سالہ خدمت، رائے پتھوراکے زمانے میں ہندستان آمد اور تاریخ وصال ۶۱۶ رجب ۶۳۳ھ کے سوا کچھ نہ لکھ سکے۔ اس تاریخ وصال میں بھی اختلاف دیکھا، ناچار اسے ذکر کر کے اول کو ترجیح دی۔ پھر جو معتبر چیز انہیں نظر آئی، وہ حضرت کے ملفوظات تھے جو سیدنا قطب الدین بختیار کاکی نے جمع کیے تھے، ان سے تقریباً دو صفحے نقل کیے پھر اجمیر اور ناگوری کی وجہ تسمیہ بتا کر تذکرہ ختم کر دیا، ولادت، تاریخ ولادت کا بھی ذکر نہ آنے دیا، نہ عمر کا ذکر کیا۔ انہوں نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میری کوشش ہوگی کہ وہی ذکر کروں جو صحیح ہو اور اختلاف کی صورت میں کچھ فراموش اور قرآن وغیرہ سے صدق کی جستجو کروں۔ [۵۳]

ان بزرگوں اور محققین کی پیروی کرتے ہوئے ناچیز راقم السطور نے بھی اس مضمون میں انہیں باتوں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو اہل تحقیق کے نزدیک محقق اور اہل علم کے نزدیک معتبر ہیں۔ و اللہ الہادی و بہ الایادی۔

## حواشی و مراجع

۱۔ خواجہ ابو محمد چشتی بن خواجہ ابوالاحمد کی ولادت شب یکم محرم ۳۳۱ھ/۹۴۲ء میں ہوئی۔ آپ مادر زاد ولی تھے، ایام حمل میں آپ کی والدہ ماجدہ اپنے بطن سے لا الہ الا اللہ کی آواز سنیں، جب اپنے شوہر خواجہ ابوالاحمد سے یہ حال بیان کیا تو انہوں نے فرمایا: مبارک ہو تیرے بطن سے ولد صالح پیدا ہوگا۔ ایام رضاعت کے بعد شیر مادر از خود ترک کر دیا، جب ساڑھے چار سال کی عمر ہوئی، مکتب بٹھائے گئے۔ تھوڑی ہی مدت میں قرآن ختم کر لیا، سات سال کی عمر ہوئی تو نماز باقاعدہ باجماعت ادا فرمانے لگے اور گوشہ خلوت میں ذکر الہی فرمایا کرتے۔

والدگرمی سے بیعت و خلافت کی۔ جب چوبیس سال کی عمر ہوئی، والدگرمی نے دارفانی سے کوچ کیا اور آپ خانقاہ چشت کے سجادہ نشین ہو کر بیعت و ارشاد کے منصب پر فائز ہو گئے۔ آپ کے تین خلفا تھے۔ خواجہ ابو یوسف، خواجہ محمد کا کو، خواجہ استاد مردان۔ آپ کی وفات سیر الاقطاب کے مطابق ربیع الاول ۴۱۴ھ میں ہے اور سفینۃ الاولیاء کے مطابق رجب ۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء میں۔ مزار پر انور چشت میں ہے۔

۲ تاریخ فرشتہ کے مطابق سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۵ھ میں سومنات کی طرف کوچ کیا، اگر حضرت خواجہ ابو محمد چشتی کا سنہ وفات ۴۱۱ھ یا ۴۱۴ھ صحیح مانا جائے تو وہ حملہ سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ اس زمانے میں سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا یہ دریاے عمان (مراد شمالی بحیرہ عرب) کے کنارے واقع ہے، یہ شہر اپنے عظیم الشان بت کی وجہ سے تمام برہمنوں اور غیر مسلموں کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا تھا۔ (تاریخ فرشتہ ج ۱/۷۸)

۳ علامہ عبدالرحمن جامی/ترجمہ اردو: شمس بریلوی، نجات الانس ص ۵۲۰، دانش پبلشنگ کمپنی نئی دہلی۔

۴ حضرت خواجہ اجمیری کے ساتھ سنجری (سنجر) کی نسبت بہت مشہور ہے لیکن اہل تحقیق کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں۔ ان کی تحقیق میں سنجر (سنجر) صحیح ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: سنجر بکسر سین و سکون جیم و کسر زائے معجم نسبت یہ سیتان، سیتان راہ زبان عربی سجتان و سجر گویند۔ اس تعریب است و ابدال سین کے بذا از تعریب است۔ ترجمہ: سنجر سین کسرہ، جیم کے سکون اور زائے معجم کے کسرہ کے ساتھ سیتان کی طرف منسوب ہے سیتان کو عربی زبان میں سجتان کہتے ہیں اور یہ تعریب ہے اور سین کا زائے بدلنا تعریب کے تغیرات سے ہے۔ [الانتباہ

فی سلاسل اولیاء اللہ، ص ۸۸، مطبع احمد، دہلی]۔

مولانا عبد الاول جون پوری لکھتے ہیں: السنجری نسبت الی سجتان الاقلیم المعروف و یقال له فی الفارسیہ سیتان خواجہ معین الدین ولی الہند الاجمیری سنجری منسوب الی سجتان و من یقولونہ منسوب الی سنجر نقولہم من قبیل غلط العلوم۔ ترجمہ: سنجری ایک مشہور ملک سجتان کی طرف منسوب ہے جسے فارسی میں سجتان کہا جاتا ہے، خواجہ معین الدین ولی الہند اجمیری کو سجتان کی طرف منسوب کرتے ہوئے سنجری کہتے ہیں۔ جو حضرات سنجری کی طرف نسبت کرتے ہوئے انھیں سنجری کہتے ہیں تو ان کا قول غلط العلوم کے قبیل سے ہے۔

(رسالہ تمرین الادب فی ترقین العرب ص ۲۸۔ مشمولہ شرح جامی مطبوعہ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

۵ پرتھوی راج چوہان دہلی کا راجہ تھا، اجمیر بھی اس کی سلطنت میں تھا۔ دہلی کی سلطنت نانا انند پال (اننگ پال) سے ملی اور اجمیر کی سلطنت اپنے باپ سو میثور سے وراثت میں پائی۔ اس طرح وہ دو طاقت ور مرکزی سلطنتوں کا مالک ہوا۔ چونکہ اجمیر اس کے باپ دادا کا دار السلطنت تھا، اس لیے گمان غالب یہ ہے کہ وہ زیادہ تر اجمیر میں ہی رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اجمیر اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی مرکز تھا۔ پرتھوی راج بڑا بہادر، باہمت اور فنون سپہ گری میں طاق تھا۔ وہ قابل سپہ سالار اور ماہر تیر انداز تھا۔ ہندوستان کے اتر، پچھم میں غور نام کی ایک سلطنت تھی، اس کا حاکم محمد غوری تھا، وہ قوم کا ترک تھا ہندوستان کے راجاؤں کی باہمی پھوٹ دیکھ کر اس نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ پرتھوی راج نے غوری کے اس حملے کو روکنے کے لئے راجپوت راجاؤں کو جمع کیا دہلی سے کچھ دور ترواڑی کے میدان

میں پرتھوی راج اور غوری کی فوجوں میں مڈھ بھیڑ ہوئی، راجپوت بڑی دلیری سے لڑے اور غوری کی فوج کو تتر بتر کر دیا۔ غوری گھائل ہوا اور میدان سے جان بچا کر بھاگ نکلا۔ غوری اپنے ملک پہنچ کر پرتھوی راج سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کی تیاری میں لگ گیا، دوسرے ہی سال وہ ایک بھاری فوج کے ساتھ پھر اسی ترواڑی کے میدان میں آ ڈٹا۔ پرتھوی راج نے ایک بار پھر راج پوت راجاؤں سے کہا کہ مل کر مقابلہ کریں، لیکن آپسی اختلاف کی وجہ سے کچھ ہی راجاؤں نے اس کا ساتھ دیا، سلطان غوری کی فوج بھاری پڑی، اس لئے پرتھوی راج اور اس کی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا، پرتھوی راج گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا، اس طرح راجپوت راجاؤں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور سلطان شہاب الدین نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح ہندستان میں غوری فرماں روائی کا آغاز ہوا۔

نظام الدین اولیا: آپ کا اسم گرامی سید محمد، لقب شیخ المشائخ، نظام الدین اور محبوب الہی ہے۔ آپ نجیب الطرفین حسینی سید ہیں۔ ۲۷ صفر ۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء بمقام بدایوں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ پانچ ہی سال کے تھے کہ والد گرامی حضرت سید احمد کاسا یہ سراسے ٹھگ گیا۔ والدہ ماجدہ سیدہ بی بی زلیخا جو خدا شناس پارسا خاتون تھیں، نے ان کی پرورش کی اور دینی، اخلاقی تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کے اساتذہ میں خواجہ شادی مقبری، مولانا علاء الدین اصولی، مولانا شمس الدین، مولانا برہان الدین اور مولانا محمد بن احمد کا نام ملتا ہے۔ علم ظاہری حاصل کرنے کے بعد آپ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں رہ کر سلوک و معرفت کے مراحل طے کیے۔ ۱۳ رمضان المبارک ۶۶۹ھ کو بابا فرید نے انھیں خلافت سے نوازا۔ آپ کی ذات مکارم اخلاق کا پیکر جمیل تھی۔ علم و فضل، عقل و

شعور اور جذبہ عشق الہی سے رب کریم نے خوب نوازا تھا۔ بابا فرید نے عطاء خلافت کے وقت فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ تم کو عقل، علم اور عشق کی دولت سے نوازے۔ آپ پوری زندگی خدمت خلق، اصلاح امت اور تبلیغ اسلام میں مصروف رہے۔

۱۸ ربیع الاخر ۷۲۵ھ / ۱۳۳۴ء بروز بدھ وصال ہوا۔ خانوادہ چشت کے روحانی سربراہ کا جنازہ ہزاروں سوگوار ارادات مندوں کے کاندھوں پر اٹھا۔ سلطان دہلی محمد شاہ تغلق بھی جنازہ میں شریک تھا۔ نمازہ جنازہ شیخ الاسلام ابوالفتح رکن الدین نبیرہ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی۔ دہلی میں آپ کی آخری آرام گاہ مرجع خلائق ہے، تربت انور پر سلطان محمد تغلق نے شاندار گنبد تعمیر کرایا۔ (تذکرہ مشائخ عظام از مولانا ڈاکٹر محمد عاصم گھوسی ص ۲۸۵ تا ۲۹۲ ملخصاً، مطبوعہ مجمع الاسلامی مبارک پور)

سید محمد بن مبارک کرمانی۔ ولادت ۷۱۹ھ۔ وفات ۷۷۱ھ۔ آپ سید مبارک بن محمود کرمانی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے سیر الاولیا کے نام کی ایک کتاب لکھی ہے، جس میں مشائخ چشت کے حالات لکھے گئے ہیں۔ زمانہ طفولیت ہی میں خواجہ نظام الدین اولیا سے بیعت ہوئے اور شیخ کی بعض مجالس میں شرکت کی۔ شیخ کی وفات کے بعد شیخ کے بعض خلفا سے مستفیض ہوئے، خصوصاً شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے۔ اکثر اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیا کو خواب میں دیکھا کرتے تھے۔ کئی مرتبہ تجدید بیعت کی ہے۔ آپ کے والد، چچا اور دادا، سب لوگ خواجہ نظام الدین اولیا کے رشتہ دار تھے، آپ نے اپنی کتاب سیر الاولیا میں جو کچھ لکھا ہے، وہ اپنے آباؤ اجداد ہی کے ذریعہ اور واسطہ سے لکھا ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت نازل فرمائے۔ (اخبار الاخبار ص ۲۱۰، ۲۱۱ از شیخ عبدالحق محدث



- ۵ (دہلوی) سید محمد بن مبارک (میر خورد) سیر الاولیا، ص ۴۷۔
- ۹ (الف) میر سید غلام علی آزاد، مآثر الکرام، ص ۷۱، ۷۲، جامعۃ الرضا بریلی شریف۔
- (ب) شہزادی جہاں آرا بیگم، مؤنس الارواح، ص ۳۶، شاہ ابوالخیر اکادمی، بازار چتلی قبر دہلی۔
- ۱۰ خواجہ قطب الدین، نختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ قصبہ اوش مضافات فرغنے ولایت، ماوراء النہر میں خانوادہ سادات حسینی میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی بخت یار، قطب الدین لقب ہے۔ ولادت شب دوشنبہ ۵۸۲ھ میں ہوئی۔ پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھا، سر سجدے میں رکھ کر تہلیل و تقدیس رب کی۔ عمر شریف ڈیڑھ برس کی ہوئی تو باپ کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ پاکیزہ باطن مادر مہربان کی آغوش محبت میں پروان چڑھتے رہے۔ صاحب کمال معلم ابو حفص کے فیض تعلیم و تربیت نے سلوک و معرفت کا ایسا ذوق پیدا کیا کہ ہمہ وقت یاد الہی میں مصروف رہنے لگے۔ مرشد کامل کی تلاش میں اصفہان پہنچے۔ حسن اتفاق سے انھیں دنوں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ وارد اصفہان ہوئے، وہیں حضرت خواجہ اجمیری سے آپ کو شرف بیعت حاصل ہوا۔ آپ نے اپنے شیخ کے ساتھ سیر و سیاحت بھی کی، اخیر میں مرشد برحق نے ارشاد و تبلیغ کے لیے انھیں دہلی میں چھوڑا اور خود اجمیر تشریف لے گئے۔ شب دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو یہ چراغ رشد و ہدایت گل ہو گیا۔ سلطان شمس الدین التمش نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مرقد انور دہلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ (خواجہ غریب نواز ص ۱۴۸ تا ۱۵۵ ملخصاً از مولانا محمد عاصم گھوسی، فاروقیہ بک ڈپو دہلی)

- ۱۱ شہزادی جہاں آرا بیگم، مؤنس الارواح ص ۳۷، شاہ ابوالخیر اکادمی، بازار چتلی قبر دہلی۔
- ۱۲ ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی، خواجہ غریب نواز، ص ۱۰۱، ۱۰۲، فاروقیہ بک ڈپو دہلی
- ۱۳ ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی، خواجہ غریب نواز، ص ۱۰۶، ۱۰۷، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی۔
- ۱۴ ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی، خواجہ غریب نواز، ص ۱۰۷، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی۔
- ۱۵ حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتی قدس سرہ العزیز نیشاپور کے قریب علاقہ خراسان کی ایک بستی ہارون میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت میں تذکرہ نگاروں کے درمیان اختلاف ہے، اکثر کے نزدیک سنہ ولادت ۵۳۶ھ / ۱۱۴۱ء ہے، آپ خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ نیشاپور اس وقت علم و فضل کا عظیم مرکز تھا، اس لیے اعلیٰ تعلیم کے لیے اس شہر میں قیام کیا۔ حدیث، فقہ، تفسیر اور دیگر علوم و فنون میں مہارت حاصل کی اور جلد ہی بڑے علما میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ خواجہ حاجی شریف زندگی چشتی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت کی، ان کی رہنمائی میں سلوک کی منزلیں طے کی، مجاہدہ اور مکاشفہ نے جب آپ کو مرد کامل بنا دیا تو شیخ طریقت نے خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ خلعت و خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت نے بلاد اسلامی کی سیر و سیاحت شروع کی، مجاہدہ ذکر و فکر برابر جاری رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ ستر سال تک سخت ریاضت و مجاہدہ میں بسر کیا اور اس مدت میں شکم سیر ہو کر نہ کھانا کھاتے، نہ پانی پیتے۔ قرآن حکیم کے حافظ تھے، روزانہ ایک ختم قرآن شریف کی تلاوت فرماتے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ قصبہ ہارون نیشاپور خانقاہ عثمانی میں حاضر ہو کر آپ

کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ پھر خلافت سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری زندگی خدمتِ خلق اور تبلیغ و ارشاد میں گزاری، اخیر عمر میں مکہ معظمہ تشریف لے گئے، وہیں ۶۱ شوال ۶۰۷ھ کو رحلت فرمائی اور مکہ معظمہ میں جنت المعلیٰ کے قریب دفن ہوئے۔

(مرآة الاسرار ص ۵۶۲ از شیخ عبدالرحمن چشتی۔ خواجہ غریب نواز ص ۷۳، ۷۴۔ از مولانا محمد عاصم اعظمی)

۱۶۔ سبزوار، ایران کے ایک شہر کا نام۔

۱۷۔ حامد بن فضل اللہ جمالی/ ترجمہ ایوب قادری، سیر العارفین، ص ۹، ۱۰، ۱۱، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۱۸۔ حامد بن فضل اللہ جمالی/ ترجمہ ایوب قادری، سیر العارفین، ص ۱۱، اردو سائنس بورڈ لاہور۔

۱۹۔ حامد بن فضل اللہ جمالی/ ترجمہ ایوب قادری سیر العارفین، ص ۱۱-۱۲، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۲۰۔ آپ کی کنیت ابوالاحمد، نام حمید الدین، لقب سلطان التارکین اور صوفی ہے، آپ کا سلسلہ نسب سعید بن زید بن عمرو قریشی سے ملتا ہے، جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی تھے، آپ عشرہ مبشر میں سے تھے، صوفی صاحب کے والد سلطان معز الدین محمد غوری کے ساتھ ہندستان تشریف لائے اور دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔ سلطان التارکین کا بیان ہے کہ فتح دہلی کے بعد مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا سب سے پہلا بچہ میں ہی ہوں۔ آپ نے طویل عمر پائی۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے زمانہ سے لے کر شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کے آغاز کا عہد دیکھا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تحریر و تقریر میں قدم

راخ رکھتے تھے، تصوف میں شان عالی کے مالک تھے، قواعد طریقت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ تصنیفات میں ”اصول الطریقت“ بہت مشہور ہے۔ صحیح قول کے مطابق آپ کی وفات ۲۹ ربیع الاخر ۳۷۶ھ میں ہوئی، مزار پر انوار ناگور میں ہے۔

حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، ص ۱۵، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۲۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد میں جس بزرگ نے سب سے پہلے سر زمین ہند پر قدم رکھا وہ آغا محمد ترک تھے، آغا محمد بخارا کے

رہنے والے تھے۔ تیرہویں صدی عیسویں میں جب مغلوں نے وسط ایشیا میں آگ و خون کا ہنگامہ برپا کیا تو وہ اپنے وطن کے حالات سے بددل ہو کر ترکوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہندستان تشریف لائے۔ آپ کے

ایک سوا ایک بیٹے تھے، ایک سانحہ میں سوڑ کے انتقال کر گئے، صرف بڑے صاحبزادے معز الدین بچے۔ آپ اپنے والد کے ہمراہ دہلی میں آ گئے۔

ان کے ایک فرزند شیخ موسیٰ تھے جو بڑی شہرت کے حامل تھے، شیخ موسیٰ کے کئی بیٹے تھے ان میں دو بیٹے تھے، شیخ رزق اللہ، شیخ سیف الدین۔ شیخ

سیف الدین کے صاحبزادے شیخ عبدالحق محدث دہلوی تھے، ماہ محرم ۹۵۸ھ/ ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد کے زیر

سایہ حاصل کی، متوسطات بھی انھیں سے پڑھی، اس کے بعد مکان سے دو میل کے فاصلے پر ایک مدرسہ میں جا کر علمی تشنگی بجھانے لگے۔ ماوراء النہر

کے علما سے بھی استفادہ کیا، تحصیل علم کے بعد حجاز مقدس کا سفر کیا، مکہ معظمہ کے محدثین سے بخاری اور مسلم کا درس لیا، حجاز سے واپس آتے ہی درس و

تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور آخر عمر تک جاری رہا۔ آپ کا مدرسہ ہندستان گیر شہرت کا حامل تھا۔ سب سے پہلے شیخ نے اپنے والد کی بیعت کی، اس

۲۱

۲۲

کے بعد والد گرامی کے حکم سے حضرت موسیٰ گیلانی کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔

سید موسیٰ گیلانی سلسلہ عالیہ قادریہ کے بزرگ تھے اور سید عبدالحامد معروف بہ حامد گنج بخش (۸۹۷ھ/۱۵۷۰ء) کے فرزند ارجمند تھے۔ حضرت موسیٰ گیلانی نے آپ کو خلافت سے نوازا، شیخ عبدالوہاب متقی اور خواجہ محمد باقی نے بھی ارادت و خلافت عطا فرمائی۔ لیکن آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ آپ کی دینی خدمات بے شمار ہیں، مہدوی تحریک، علمائے سوا اور گمراہ صوفیہ سے ہمیشہ متصادم رہے۔ گیارہویں صدی ہجری میں جب کہ شمالی ہند میں علم حدیث تقریباً اٹھ چکا تھا، آپ نے علم حدیث کی شمع روشن کی اور مختلف علوم و فنون میں ترسٹھ تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ۲۱/ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو چورانوے سال کی عمر میں بادشاہ علم و فضل ہمیشہ کے لیے بیٹھی نیند سو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(انتخاب انرشیح عبدالحق محدث دہلوی۔ از مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی۔ مجمع الاسلامی، مبارک پور)

۲۳ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۱، ص: ۳۳، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۲۴ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۱، ص: ۳۳، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۲۵ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۱، ص: ۳۳، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۲۶ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۱، ص: ۳۳، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۲۷ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۲، ص: ۷-۸، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۲۸ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۳، ص: ۱۰، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۲۹ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۳، ص: ۱۱، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۰ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۳، ص: ۱۱، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۱ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۳، ص: ۱۱، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۲ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۵، ص: ۲۰، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۳ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۵، ص: ۲۰، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۴ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۵، ص: ۲۱، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۵ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۵، ص: ۲۱، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۶ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۵، ص: ۲۲، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۷ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجیری) مجلس: ۵، ص: ۲۲، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

- ۳۸ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۵: ص ۲۲، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۳۹ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱: ص ۲، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۴۰ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۷: ص ۲۷، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۴۱ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۷: ص ۲۸، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۴۲ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۸: ص ۳۰، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۴۳ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۸: ص ۳۱، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۴۴ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۲: ص ۷، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۴۵ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۹: ص ۳۷، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۴۶ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۹: ص ۳۷، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۴۷ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۹: ص ۳۹، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۴۸ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۹: ص ۳۹، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

- ۴۹ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱۰: ص ۴۶، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۵۰ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱۱: ص ۵۳، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۵۱ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱۲: ص ۵۸، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۵۲ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱۲: ص ۵۸، مکتبہ: جام نور، دہلی۔
- ۵۳ مرتب: مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی / افاضات: مولانا محمد احمد مصباحی سیدنا عبد الوہاب جیلانی کا مدفن بغداد یا ناگور ص ۲۹، ۳۰ مجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ۔

## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات اور تبلیغ اسلام

سید مغیث احمد قادری چشتی

اجمیر شریف

کچھ کم آٹھ سو برس پہلے کی بات ہے جب اجمیر شریف چوہان خاندان کے مشہور حکمران مہاراجہ پرتھوی راج کی راجدھانی ہونے کے سبب بڑی رونق پر تھا، ٹھیک اسی زمانے میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ افغانستان کے راستے اس بارونق شہر میں تشریف لائے تھے۔

حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ کا اجمیر کا سفر کسی دنیوی مقصد کے لئے نہ تھا، بلکہ اپنی اچھی باتیں اور اسلام کی تعلیمات سے ہندوستان کے باسیوں کو روشناس کرانا مقصود تھا کہ:

۱- خدا (عزّوجل) ایک ہے جس کو ہر انسان اس وقت ضرور پکارتا ہے جب وہ خود کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر دنیا سے مایوس ہو جاتا ہے۔

۲- ہر پیدا ہونے والے کو ایک نہ اک دن ضرور مرنا ہے۔ دھن دولت اور طاقت راج پاٹ اور لاؤ لشکر یہ سب کی سب دنیا میں رہ جانے والی چیزیں ہیں اور ان میں سے کوئی بھی چیز موت کو نہیں روک سکتی، اور نہ ہی روح کے ساتھ جاسکتی ہے۔

۳- ہر انسان (علاوہ اس کے کہ جس پر اللہ کا فضل خاص ہو جائے) خاک ہونے والا ہے لیکن اس کی روح نجات کے لیے تڑپتی رہتی ہے لیکن نجات خداوند کریم کی پہچان کے بغیر اور پھر یاد کے بغیر اور اس کی یاد قول و فعل کی سچائی کے بغیر ناممکن ہے۔

۴- دنیا میں سب سے بڑا کام امن و شانتی قائم رکھنا ہے، ایک دوسرے سے پریم اور محبت کرنا، کمزوروں کو سہارا دینا، دکھی لوگوں کو سکھ پہچانا اور غریبوں کی خبر گیری کرنا ہے، حضرت خواجہ غریب نواز اپنا گھر بار، دھن دولت اور سکھ چین سب کچھ لٹا کر خدا کے بندوں کی ہدایت اور ان کی آزادی، صراط مستقیم کے راستے پر گامزن کرانے کے لیے ہندوستان تشریف لائے، اور احمد نگر میں بستی سے دور، تالاب کے کنارے پہاڑ کی چوٹی پر بوریا بچھا کر بیٹھ گئے۔

دنیا میں کون ایسا شخص ہے جس کی آنکھیں ایسے خدا رسید بزرگ درویش کو نہ ڈھونڈتی ہوں اور ایسے کامل بزرگ کے لئے کس کے دل میں جگہ نہ ہوگی، مہاراجہ پرتھوی راج کی راجدھانی (اجمیر) کے لوگوں نے دیکھا اور سنا تو لوگ بھاگتے ہوئے حضرت کے پاس آئے، اور یہاں پہنچ کر جب لوگوں کی تڑپتی اور بھٹکتی ہوئی زندگی کو چین و سکون میسر ہونے لگا۔ نہ جانے کتنے بے قرار دلوں کو قرار آنے لگا، اور حضرت خواجہ کی دعاؤں کا فیض کسی سمندر کی لہروں کی مانند ان تمام لوگوں پر جو گمراہ تھے، جو بھٹکے ہوئے تھے، جو بے قرار تھے جنہیں چین و سکون کبھی نصیب ہی نہ ہوا تھا، پلک جھپکتے ہی سب پر چھا گیا، پھر کیا تھا پورے اجمیر میں آپ کا چرچا ہونے لگا، لوگوں کے من کی مرادیں پوری ہونے لگیں، جسمانی بیماریاں ٹھیک ہونے لگیں، تڑپتی روحوں کو قرار آ گیا اور پھر اجمیر والوں کے دلوں میں آپ بسنے لگے لوگ آپ کی محبت کا دم بھرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے لوگ کلمہ پڑھ کر اسلام مذہب قبول کرنے لگے اور اس

طرح بہت کم عرصہ میں آپ پورے ہندوستان میں مشہور ہو گئے اور آپ کی تعلیمات کا وہ اثر ہوا کہ بہت سی گمراہ قوموں کے پیروکار اپنا مذہب چھوڑ کر دامنِ اسلام میں پناہ گزین ہو گئے۔

**حضرت غریب نواز سے سکھوں کی عقیدت:**

سکھوں کی مشہور کتاب جنم ساکھی کلاں کے ص ۴۰۴ میں یہ واقعہ اس طرح

لکھا ہوا ہے:

آئے ہندوستان وچ تب لاگے کرن وچار

ایک رہتیا اجیر وچ ایک رہتیا لکھن پور جائے

رہے ہندوستان وچ فقیر اللہ دے ہوئے

زوری ہندنہ جیتا کہ زوری رہے کھوئے

نانک چیتک کر مون دے بڑے پیر کھائے

راجہ پر جا ہندوان سرائوریاں آئے

یعنی سکھ مذہب کے پیشوا و بانی گرو نانک کہتے ہیں کہ (خواجہ معین الدین چشتی اور شاہ مدار قدس سرہا) ہندوستان میں آئے تو کچھ سوچ کر اجیر ٹھہر گئے۔ اور دوسرے مکن پور میں جا بسے، خدا کے ان سچے بندوں نے ہندوستان کو تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنے کردار اور روحانی طاقت سے جیتا۔ جوگی چپال نے جب اپنا جادو اور شعبدہ دکھایا تو حضرت خواجہ نے اپنی کرامت سے اسے زیر کر لیا۔ اور یوں ایک دن راجہ اور پر جاسب حضرت کے قدموں پر گر گئی۔ اور جب یہ ہوا تو سارے ہندوستان میں چرچا ہو گیا اور لوگ دور دور سے حضرت کے در پر اپنی جبین عقیدت جھکانے لگے۔ اور اس زمانے سے راجستھان کے سارے ہندو نے آپ کو خواجہ پیر، یا اجیر پیر کے نام سے جاننے لگے۔

**ہندوؤں کی حضرت خواجہ سے عقیدت:**

حضرت خواجہ کی روحانی طاقت اس وقت بھی اتنی مانی ہوئی تھی کہ ایک لڑائی کے موقعے پر اجیر راجدھانی کاراج کوی چندا بھاٹ اس روحانی طاقت پر بھروسہ کر کے مہاراجہ پر تھوی راجہ کو اس طرح ڈھارس بندھاتا ہے۔

بیواس مار جی

پروتو سرن جی

اجمیر پیر سہائے

دشمن پیمال لکھو دیو ہائے

ڈھلی تخت تھر راج تین تین

گنگ جل جمن روی چند بے تین

یعنی اے مہاراجہ چوہان! تو میوات کی لڑائی جیتنے والا ہے۔ خدا تیرا نگہبان ہے، اجیر والے پیر حضرت خواجہ تیرے ساتھ ہیں یعنی ان کی روحانی طاقت تیری مدد پر ہے، جب تک گنگا جمن سورج چاند قائم ہیں۔ یہ اشعار پر تھوی راج کی راسا کی پانچویں جلد میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور پر تھوی راجہ کی راسا کی نسبت شریمان بنسی دھرو دیا لنگار پروفیسر سنسکرت و ہندی (عثمانیہ یونیورسٹی) یہ لکھتے ہیں:

ہندی میں سب سے پرانی شاعری ڈنگل یعنی راجپوتانہ ہے اور اس زبان میں زیادہ تر راسو لکھے گئے ہیں، ان نظموں کے لکھنے والے درباری اور بھاٹ ہوتے تھے۔ ان راسو میں پر تھوی راجہ رسوا بہت مشہور ہوئے۔ اس طرح ہر زمانہ اور ہر قوم کے مصنفوں نے حضرت خواجہ کا ذکر بڑے ہی ادب اور احترام سے کیا ہے۔ اب سے تقریباً ساڑھے تین سو سال قبل کا مصنف چند بھان برہمن اپنی ایک فارسی کی کتاب چارچمن میں ص ۵۸ پر لکھتا ہے:

اجمیر ہندوستان کا بہت اچھا شہر ہے جہاں راجپوتوں کے رانا اور راؤ رہتے ہیں۔ اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی (رضی اللہ عنہ) کی قبر شریف بھی ہے۔ خواجہ پیر بہت درویشوں کے سردار تھے اور خدا کی قدرت کے بھید کھولنے والے تھے۔

ایسے ہی اب سے کوئی تین سو برس قبل کا مصنف سجان رائے کھتری اپنی فارسی کی کتاب خلاصۃ التواریخ میں لکھتا ہے:

”آپ یعنی حضرت خواجہ پیر گوشہ نشینی کے لئے تشریف لائے اور اب آپ کا مزار اقدس سارے جہاں والوں کے لئے بلا تفریق مذہب و ملت کی زیارت گاہ ہے (ص ۳۱) اور اب سے تقریباً سو سال پہلے الہ آباد کے رہنے والے بابو لال اور ششی کشوری لال منصف (مجسٹریٹ) درجہ اول نے تو فارسی میں حضرت پیر کی پوری سوانح عمری لکھوا کر چھپوادی جس میں بڑی عقیدت و احترام سے آپ کا ذکر کیا گیا ہے، اس کتاب کا نام وقائع شاہ معین الدین چشتی ہے، نولکشور پریس میں تقریباً سو سال پہلے چھپی ہوئی ہے۔

ان پرانی کتابوں کے علاوہ موجودہ زمانہ کے مصنفوں نے بھی حضرت خواجہ کو بہت بڑا درویش، اور بہت اونچے درجہ کا عالم و صوفی مانا ہے۔ اسی اجمیر کے باسی دیوان بہادر مسٹر ہر بلاس ساردا (سابق ڈسٹرکٹ ایڈیشنل جج) اب سے کچھ سال پہلے حضرت خواجہ پیر کی نسبت جو مضمون لکھا تھا، اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

”حضرت خواجہ معین الدین چشتی دنیا کے بہت بڑے ولی ہیں، آپ کی روحانیت کا مقام بہت اونچا ہے۔ آپ سچے اور اصلی ولی کامل تھے۔ آپ دنیا سے اور دنیا داروں سے بچنے والے تھے۔ آپ ایک ایسے فقیر تھے جن کا رعب و دبدبہ شاہان وقت پر ہوتا تھا۔ آپ کے دبلے پتلے جسم سے سچائی کا نور نکلتا تھا جو اب بھی آٹھ سو سال کا طویل عرصہ بیت جانے کے بعد بھی بالکل اسی طرح چمک

رہا ہے۔

آپ نے اپنی عملی زندگی سے یہ ثابت کر دیا کہ مذہب اسلام کا اصلی مقصد کسی چیز کو بگاڑنا نہیں بلکہ بنانا ہے۔ اور خدا کے ان نبیوں کو ہندوں کی زندگی کو مذہب اسلام کے سانچے میں ڈھالنا ہے اور اس کے بعد آگے چل کر دیوان بہادر ہر بلاس رائے نے ہندوستان میں بسنے والوں سے کچھ یوں اپیل کی ہے:

”مجھے امید ہے حضرت خواجہ کا روحانی نور اب بھی انسانوں کے دلوں پر اپنی ہدایت کی روشنی بکھیر کر سب کو آپس میں بھائی بھائی کی طرح آپس میں پریم کرنا ضرور سکھادے گا ان شاء اللہ۔ (ہفتہ وار اخبار (معین اجمیر) یکم رجب ۱۳۵۸ھ۔ ۱۹۳۹ء)

بیچہتی کا نور:

حضرت خواجہ پیر جب اس دنیا میں موجود تھے تو اس وقت بھی آپ کا دروازہ ہر مذہب اور ہر قوم کے لئے کھلا ہوا تھا، اور آج جب کہ آپ اس دنیا سے پردہ کر گئے تب بھی آپ کا در ہر مذہب اور ہر قوم کے لئے کھلا ہوا ہے۔ آج جب کہ ہر طرف افراتفری ہے، فرقہ پرستی کا زہر ہر کسی کو اپنا شکار بنانے پر کمر بستہ ہے تو ایسے عالم میں بھی، ہندو سکھ عیسائی یہودی و صابی دیگر قوموں کے لوگ بھی آپ کے مزار پر انوار پر اپنا نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اور آپ کی روحانیت سے روح کا چین اور زندگی کا سکون حاصل کرتے ہیں۔ ہندوستان کے انگریز حکمرانوں میں ایک مشہور وائے سرانے لارڈ کرزن نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے یہی منظر دیکھ کر اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے:

”ہندوستان میں ایک قبر بادشاہت کر رہی ہے“

اور ابھی کچھ عرصہ قبل دیوان بہادر مسٹر ہر بلاس نے ”اجمیر میر واڑہ بہاری

شاسن، ایک مضمون لکھ کر اجمیر کے روزنامہ اخبار اپنارا جستھان میں ۲۳ ستمبر ۱۹۴۷ء کی جلد نمبر ۳ نمبر ۱۲ ص ۲ پر چھپوایا ہے۔ اس مضمون میں یہ جملہ لکھا ہے:

اجمیر وہ شہر ہے جہاں سے ہر طرف پرکاش پھیلتا ہے۔

پھر یہی نہیں کہ ہندو مصنفین نے ہی صرف حضرت خواجہ کی تعریف کی ہے اور ان کی پاکیزہ زندگی کا بڑے ہی ادب سے تذکرہ کیا ہے بلکہ ہر زمانہ میں ہر قوم کے لوگوں نے جس میں بڑے سے بڑے مذہبی پیشواؤں اور بڑے سے بڑے راجوں مہاراجوں نے بھی آپ کی بارگاہ میں اپنی جین عقیدت خم کی ہے، اور بابا گرو نانک کا اجمیر شریف آنا اور حضرت خواجہ کی بارگاہ جین عقیدت خم کرنا دعا کرنا تو کتاب جنم سکھی سے ص ۲۴۷ سے ثابت ہے۔

**راج پوتوں نے حضرت خواجہ کی بارگاہ میں سر جھکایا:**

مارواڑ کے راؤ مال دیو جی کو کون نہیں جانتا، جن کے قبضے میں کئی برس تک اجمیر اور اس کا علاقہ رہا ہے، ان کی ایک رانی جیسلمیر کے راول لون کرناجی کی کماری تھی جو کہ اپنے خاوند سے روٹھ کر اجمیر چلی آئی تھی اور تارا گڑھ کے ایک برج پر رہا کرتی تھی۔ اس سے اب تک اس برج کو روٹھی رانی کا برج کہتے ہیں۔ اس رانی کو حضرت خواجہ سے کچھ ایسی عقیدت ہو گئی تھی کہ ہر جمعرات حضرت خواجہ کی مزار اقدس پر چمیلی اور گلاب کے پھول چڑھانے کے لئے بھیجتی تھی۔

کسی ملکی معاملہ میں اکبر بادشاہ میں اور مہاراجہ مان سنگھ میں ایک معاہدہ ہونا تھا تو حضرت خواجہ کے مزار اقدس کے گنبد کے سامنے وہ دونوں حاضر ہوئے اور وہیں پر معاہدہ کیا گیا، کیوں کہ یہ دونوں بادشاہ وقت حضرت غریب نواز سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ دونوں کو یقین تھا کہ یہاں پر جو معاہدہ ہوگا اس کے خلاف ورزی کوئی بھی نہیں کرے گا۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے اختصار سے کام لیا جا رہا ہے ورنہ بہت سی تاریخی باتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہی وجہ تھی حضرت خواجہ کی درگاہ کے انتظام

وانصرام کے تعلق سے اور زائرین کے کھانے پینے کے ساتھ دیگر لوازمات کے اخراجات کی غرض سے ہندوستان کی ہر ریاست میں بڑی بڑی جاگیریں وقف تھیں۔ پورے ہندوستان میں دو چار ریاست ہی ایسی رہی ہوں گی جہاں حضرت خواجہ کی درگاہ کے لئے جاگیریں وقف نہ رہی ہوں۔

**حضرت خواجہ کی ذات مرکز رشد و ہدایت:**

ان تمام باتوں کے لکھنے سے ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کی مقدس بارگاہ کو جس طرح ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے کروڑوں مسلمان اپنا مرکز عقیدت سمجھتے اور مانتے ہیں اسی طرح دوسری بہت ساری قوموں نے بھی انہیں اپنا طیب روحانی و جسمانی مانا ہے۔ اور یہ روایت ہر قوم نے اپنے بزرگوں سے ترکہ میں پائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۶۳۲ھ بمطابق ۱۲۳۵ء سے لے کر آج تک اجمیر کو فتح کرنے والے راجپوتی اور بادشاہ نے اس درگاہ کی بڑی قدر کی ہے اور اس کے تقدس کو تاریخی عظمتوں کے ساتھ باقی رکھا اور اس کی حفاظت کے لئے اپنی پوری طاقت سے کام لیا۔

دلی کے سلطان، مانڈو کے بادشاہ، میواڑ کے رانا، مارواڑ کے راؤ، مرہٹے راجہ اور انگریز اپنے اپنے وقتوں میں اجمیر پر قابض ضرور ہے، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما رہے، قتل و غارت گری ہوتی رہی، مگر حضرت خواجہ کا مزار پر انوار محفوظ رہا۔ اور ہم عقیدت مندوں کے لئے حضرت خواجہ کا یہ پیغام ہے کہ ساری کائنات کا مالک حقیقی تو بس صرف اور صرف خداوند قدوس ہی ہے، وہی جس کو چاہتا ہے حاکم اور جس کو چاہتا ہے محکوم بنا دیتا ہے۔ اس لیے ہر انسان کا یہ لازمی فریضہ ہے کہ وہ خداوند کریم کے بنائے ہوئے اصولوں پر عمل کرے اور اس کا شکر ہر حال میں ہونا چاہئے اور قول و فعل میں صداقت ہونی چاہئے۔



حضرت خواجہ غریب نواز کی اس پیاری نصیحت پر ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ عمل کیا اور اب ہم کو بھی اپنے بزرگوں کی اس راہ پر چلنا ہوگا۔ یہ بھی حضرت خواجہ کی کرامت رہی ہے کہ یہاں پر کبھی بھی کسی راجہ یا بادشاہ نے غداری یا بغاوت کے جرم میں کسی کو کبھی سزا نہیں دی ہے۔

**تارا گڑھ میں حضرت خواجہ کا داخلہ:**

گجرات کے راجہ بھیم راؤ سے ہارنے کے بعد دہلی اور اجمیر کے پہلے مسلمان قطب الدین ایبک اجمیر آکر تارا گڑھ پر ٹھہرے تو تقریباً چھ ماہ تک راجپوتوں نے قلعہ کو گھیرے رکھا، اس وقت حضرت خواجہ غریب نواز اپنے ساتھیوں اور مریدوں سمیت اجمیر میں تھے، آپ نے اس لڑائی میں حصہ نہیں لیا، کیوں کہ آپ کا کام تلوار چلانا نہیں بلکہ دلوں کو جوڑنا تھا اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو خدا تک پہنچانا تھا اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد جب ایبک کے مرنے کی خبر مشہور ہوئی تو ایک رات پڑوس کے ٹھا کروں نے تارا گڑھ کے قلعہ پر چڑھائی کر دی، اور قلعہ دار حضرت سید حسین خنگ سوار کو ان کی فوج سمیت شہید کر دیا۔ دوسرے دن حضرت خواجہ غریب نواز اپنے ساتھیوں کو لے کر تارا گڑھ پر ضرور گئے مگر خون کا بدلہ لینے کی غرض سے نہیں بلکہ شہید ہونے والوں کی لاشوں کو دفن کر کے واپس آگئے۔ سپودیوں نے مسلمانوں سے اجمیر کو اپنے قبضے میں کر لیا، میواڑ کے کنور پر تھوی راج نے ملو خاں سے تارا گڑھ چھین لیا۔ میرتہ نے راؤ ویرم دیو نے اجمیر کو فتح کیا، مہاراجہ اجیت سنگھ نے اجمیر پر راج کیا، مرہٹہ حکومت قائم ہوئی، راٹھوروں نے اجمیر میں اپنی حکومت چلائی۔ انگریزوں کا تسلط ہوا، یہ سب کچھ ہوا، مگر حکومتوں کی الٹ پلٹ سے ہمارے بزرگوں نے اپنے آپ کو دور ہی رکھا اور حضرت خواجہ کی خدمت کرنا اپنی سعادت مندی سمجھتے رہے۔ اگرچہ لڑائیوں میں کبھی کبھی بہت سی ناقابل برداشت تکلیفیں اٹھانا پڑتی تھیں۔ آج بھی عشاقانِ خواجہ ہر

طرح کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر دور دور سے زیارت کے لئے حاضر ہونا اپنی سعادت مندی سمجھتے ہیں۔

اجمیر شریف تاریخی عظمت و حرمت اور عالم گیر مقبولیت کی حامل ہے، یہاں پر روزانہ ہزاروں کی تعداد میں مصیبت زدہ غم کے مارے حاضری دیتے ہیں اور مرا دیں پاتے ہیں۔

بگرداب بلا افتاد کشتی  
ضعیفانِ شکستہ را تو پشتی  
حق خواجہ عثمان ہاروں  
مدد کن یا معین الدین چشتی

## خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی صوفیانہ شاعری

### ساحل شہسرامی (علیگ)

عطاءئے رسول، سلطان الہند، غریب نواز خواجہ معظم سیدنا سید معین الدین حسن حسنی حسینی چشتی سنجری، جمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵۳۰ھ-۶۲۷ھ) امت مسلمہ کے لئے بارگاہ الہی کا بے بدل انعام، انمول تحفہ، لازوال نعمت اور سرمدی سرمایہ تھے۔ چمنستان نبوت کا یہ سدا بہار پھول جدھر سے گذرا، اپنے پیچھے ایمانوں کے مشک زار چھوڑتا گیا۔ آپ کی ذات کریم سراپا بہار تھی جس نے لگشوں کو رعنائیاں اور فضاؤں کو نہ ختم ہونے والی سرمستیاں عطا کیں۔ جہاں بیٹھ گئے چمن مسکرا پڑے، جہاں رک گئے رجتوں کی بارشیں جھوم کر برس اٹھیں۔ آپ کی ۷۷ سالہ سیاحت نے نہ جانے کتنے ویرانے آباد کئے، آبادیوں کو رونقیں، چمن کو مسکراہٹیں، پھولوں کو لافنتیں اور آفتابوں کو حرارتیں عطا کیں۔ خراسان، سمرقند، بخارا، عراق عرب، ہارون، بغداد، کرمان، ہمدان، تبریز، استرآباد، خرقان، میمنہ، ہرات، افغانستان، غزنی، رے فالوجہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بدخشاں، دمشق، جیلان، اصفہان، چشت، ملتان لاہور، سمانہ، دہلی ہوتا ہوا یہ سراپا شوق و محبت، اجمیر مقدس میں کیا داخل ہوا کہ عشق و عرفان کا آتش فشاں پھوٹ پڑا جس کی دھمک سے کفر کی بنیادیں دہل گئیں، فصیلیں جچ اٹھیں اور پھر نور ایمان اور الہی عرفان کا ایسا جاں بخش آبتار رواں ہوا کہ آج تک ایک عالم سیراب ہو رہا ہے۔

میرا خواجہ علم و فن، فکر و دانش، ظاہری عرفان اور باطنی فیضان کا ایک سمندر تھا۔ بارگاہ خدادندی سے مقبولیت کی سند، بارگاہ رسالت سے قطب مشائخ بروجر کا لقب،

ہند کی سلطنت ارزانی، وقت وصال قلم نور سے جبین اقدس کی یہ تحریر ”ہذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ“ اور تصرفات کا مسلسل کارواں، آپ کی روحانی عظمتوں اور عرفانی پنہائیوں کے لئے کافی سے زائد شہادت ہے۔ اور یہی گہرائی علوم ظاہر میں بھی بے پناہ دسترس کی روشن دلیل ہے کہ جب تک علوم نبوت کا وافر حصہ نصیب نہ ہوگا، اس وقت تک دل کے دروازے انوار الہی کے لئے وا نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابو القاسم قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسالہ مبارکہ قشیریہ میں سیدی ابو العباس احمد بن محمد الآدی معاصر سیدنا جنید بغدادی قدس سرہا کا فرمان نقل کرتے ہیں:

”من الزم نفسه اداہ الشریعة نور اللہ قلبہ بنور المعرفة ولا مقام اشرف من مقام متابعة الحبيب فی اوامره و افعاله و اخلاقہ“

جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کر لے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کر دے گا اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ احکام افعال، عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے۔ (مقال عرفاء ص ۲۰)

اور علم کے بغیر اتباع کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ حضرت مخدوم الملک قدس سرہ، تحریر فرماتے ہیں:

”علم مجاہدہ و ریاضت کے لئے اسی طرح ضروری ہے جس طرح طہارت نماز کے لئے۔ کوئی مجاہدہ بے علم نہیں ہوتا، جس طرح کوئی نماز بے طہارت نہیں ہوتی (مکتوبات منیری ص ۱۵۴)۔“

اولیاء اللہ کی بات ہی کچھ اور ہے۔ علم درسی یعنی علم شریعت سے آراستہ، مجاہدہ و ریاضت میں صدق و اخلاص کا گہرا رنگ، عمل خالص کی نورانیت، رفتہ رفتہ یہی عمل صالح ان کو علم وراثت کا مخزن بنا دیتا ہے“ (مکتوبات صدی ص ۱۹۷)

سرکار غریب نواز قدس سرہ کی ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سید غیاث الدین حسن قدس سرہ کی آغوش میں ہوئی۔ پھر عہد شباب میں ایک مجذوب کریم کی عنایتوں

سے سنجر، سمرقند و بخارا کی مشہور درسگاہوں سے تفسیر وحدیث وفقہ وغیرہ علوم دینیہ کی تکمیل ہوئی۔ آپ سے چند تصانیف بھی منسوب کی جاتی ہیں لیکن انیس الارواح اور دلیل العارفین اور ایک مختصر دیوان فارسی کے سوا اور کوئی علمی سرمایہ ہمارے سامنے نہیں۔ ان موجودہ منسوب علمی سرمایوں سے ہی آپ کے گہرے علمی رسوخ کا بہت کچھ اندازہ ہو جاتا ہے، بالخصوص آپ سے منسوب مختصر فارسی دیوان کے مطالعہ سے آپ کے فارسی زبان و ادب پر مکمل دسترس اور اعلیٰ ترین ذوق عرفان کا خوب پتہ چلتا ہے۔ حضرت کی صوفیانہ شاعری کے مختلف گوشوں کا تعارف ہی اس تحریری نذرانہ عقیدت کا مقصود ہے۔ چونکہ یہ فارسی زبان و ادب سے متعلق ہے اس لئے پہلے ایک نگاہ فارسی شاعری اور اس کے صوفیانہ ادب پر۔

فارسی شاعری کا باضابطہ نقطہ آغاز رودکی کو سمجھنا چاہئے جس کی شاعرانہ فکر نے فارسی میں شاعری کی آب و ہوا پیدا کی اور اسے بزم شعرا تک آنے کے قابل بنایا۔ اس دور میں فطری سادگی اور محسوسات کے حقیقی رنگ ملتے ہیں، جس میں غازہ تصنع کی آمیزش نظر نہیں آتی۔ رودکی، اسدی، طوسی، عنصری، فرخی، فردوسی اس دور اولین کے باکمال شعرا تھے جس میں رودکی کو اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور فردوسی کو خاتمیت کا فخر۔ فارسی شاعری کے دوسرے دور میں فکر میں ذرا چستی، گہرائی اور خوش سلیقگی پیدا ہوئی۔ اس دور کی نمائندگی خاقانی، انوری، نظامی، حکیم سنائی، مولانا روم اور عمر خیام کی سرمست فکروں کے حوالے رہی۔ دوسرے دور کی رنگینی اور لطافت فکر نے جب تیسرے دور میں قدم رکھا تو اس میں نکھار اور جوش آگیا، الفاظ و معانی کے دائرے وسیع ہو گئے۔ اس طبقہ کے بہترین نمائندے سعدی، امیر خسرو اور حافظ ہیں۔ اس دور نے فارسی شاعری میں بہت گرانقدر اور لطیف سرمایہ چھوڑا۔ ۹۰۰ھ کے بعد چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔ فیضی، عری، نظیری، طالب آملی، ابوطالب کلیم، مرزا صاحب اس دور کے ممتاز اراکین ہیں۔ یہ دور درحقیقت غزل کے ارتقا کا زمانہ تھا۔ نئی

ترکیبیں، جدید استعارات، نادر تشبیہیں کثرت سے پیدا ہوئیں۔ اس کے بعد کے ادوار گذشتہ آثار کے محافظ بن کر رہ گئے، اس میں کچھ اضافہ نہ کر سکے۔ مدتوں بعد ایران میں قاتنی پیدا ہوا اور اس نے شاعری کی کاپیا پلٹ کرنی چاہی لیکن اس کی شاعری کوئی نئی شاعری نہ تھی، وہی چبائے ہوئے نوالے تھے جو پھر منہ میں پھیرے جاتے تھے۔ (الانہار۔ مفہوماً ملخصاً ص ۴۲ تا ۴۸)

لیکن فارس کی شاعری کے اس طویل سفر میں صوفیانہ شاعری کا باضابطہ موڑ اس وقت آتا ہے جب تاتاریوں کی تاراجیوں کے سلسلے شروع ہوتے ہیں۔ یہ ایک بھیا تک طوفان تھا جس کی سفاکیوں سے پوری کائنات لرز اٹھی۔ مصائب کا اہل ایمان کے لئے خوشگوار پہلو یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی رونقیں اس وقت نگاہوں میں ماند پڑی جاتی ہیں اور مولیٰ کی یاد دلوں میں بسیرا کر لیتی ہے۔ تصوف کی بنیاد ہی دنیا سے بے زاری اور رجوع الی اللہ پر ہے۔ اس لئے ایسے ماحول میں جو دل جتنا زیادہ تاشراتی ہوتا ہے، اتنا ہی وہ الطاف خداوندی سے قریب ہو جاتا ہے اور یوں عشق الہی کی شمع انوار و تجلیات کی آماجگاہ بن کر دلوں میں روشن ہو جاتی ہے جس کی کرنوں سے پورا وجود جگمگا اٹھتا ہے۔

عشق سر تا پا درد اور سوز و گداز ہے جو اظہار بھی چاہتا ہے۔ اس لئے عشق الہی سے معمور دل جیسے مصدر کیف سے جو آواز بلند ہوتی ہے، اس کا ارتعاش خوب نمایاں، اس کی تاثیر بہت گہری اور اس کے اثرات بڑے وسیع ہوتے ہیں۔ شاعری جذبہ اور تخیل کی ملی جلی آواز کا نام ہے، اس لئے تصوف نے فارسی شاعری کو خوب نوازا۔ اسے تصوف کی جناب سے درد ملا، سوز ملا، گداز ملا، کیفیات ملیں، واردات عطا ہوئیں، حقائق سے یارانہ ہوا، زبانوں کو شستگی اور خیالات کو پاکیزگی ہاتھ آئی اور یوں عشق و سرمستی کی ایک ہری بھری دنیا وجود میں آگئی۔ بقول شبلی:

”فارسی شاعری اس وقت تک قالب بے جان تھی، جب تک اس میں

تصوف کا عنصر شامل نہیں ہوا۔ شاعری اصل میں اظہار جذبات کا نام ہے۔ تصوف سے پہلے جذبات کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ قصیدہ مداحی اور خوشامد کا نام تھا، مثنوی واقعہ نگاری تھی، غزل زبانی باتیں تھیں۔ تصوف کا اصل مایہ خمیر، عشق حقیقی ہے جو سرتاپا جذبہ اور جوش ہے۔ عشق حقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس نے تمام سینہ و دل گرمادیئے۔ اب زبان سے جو کچھ نکلتا تھا گرمی سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ ارباب دل ایک طرف، اہل ہوس کی باتوں میں بھی تاثیر آگئی (شعرالجم پنجم ص ۱۲۰)۔

سب سے پہلے تصوف میں شاعرانہ خیالات کا اظہار سیدنا سلطان ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ نے فرمایا۔ آپ شیخ بوعلی سینا کے معاصر رفقا میں تھے۔ ابتداءً چودہ سال جذب کی حالت میں رہے۔ سلوک میں آنے کے بعد بھی جذب کا اثر باقی تھا۔ ۴۰۴ھ میں وفات پائی۔ چند اشعار یہ ہیں:

غازی برہ شہادت اندرتگ و پواست غافل کہ شہید عشق فاضل ترا زوست  
در روز قیامت ایں بدان کے ماند کیں کشیۂ دشمن است، واک کشیۂ دوست  
لیکن حضرت حکیم سنائی قدس سرہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تصوف کو مستقل  
طور پر نظم میں بیان کیا ہے۔ حدیقہ ان کی مشہور کتاب ہے۔ پختگی، برجستگی اور صفائی  
میں ان کا کلام تمام معاصرین سے ممتاز ہے۔ حکیم سنائی قدس سرہ نے ۵۲۵ھ میں  
وفات پائی۔ آپ کے بعد اوحید الدین کرمانی متوفی ۵۳۶ھ، ان کے مرید اوحیدی  
اصفہانی، خواجہ فرید الدین عطار، مولانا رومی، شیخ سعدی، امیر خسرو، عراقی ہمدانی، حافظ  
شیرازی اور عبدالرحمن جامی قدس سرہ نے اس چمن کی آبیاری کی۔ سنائی کی  
حدیقہ، کرمانی کی مصباح الارواح، اوحیدی کی جام جم، عطار کی منطق الطیر، رومی کی  
مثنوی، سعدی کی بوستان، خسرو کی ہشت بہشت، اور عراقی، شیرازی اور جامی کے  
دواوین اس فن کی اعلیٰ یادگار ہیں۔

سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھٹی صدی کے سلطان الاولیاء ہیں،

اس لئے آپ کے زمانہ میں فارسی شاعری کا دوسرا دور چل رہا تھا۔ اس عہد میں آپ نے جس کثرت اور تسلسل سے اپنے اشعار میں جوش و جذبے سے لبریز سہل انداز میں اسرار عشق الہی عام کئے ہیں، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بقولے آپ نے آٹھ ہزار سے زائد اشعار کہے ہیں۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب ”آب کوثر“ میں لکھتے ہیں:

”حضرت خواجہ بزرگ کو زمانہ ان کی پاک زندگی، مبلغانہ اور مصلحانہ کوششوں اور روحانی عظمت کی وجہ سے مانتا ہے لیکن ان کی زندگی کا ایک اور پہلو بھی تھا جس سے اکثر لوگ روشناس نہیں۔ آپ شاعر بھی تھے اور آپ کے اشعار کی تعداد سات آٹھ ہزار کے قریب تھی۔ فارسی شعرا کے مشہور تذکرہ ”آتشکدہ“ میں آپ کی دور باعیاں نقل ہوئی ہیں..... سیر السالکین میں آپ کی نسبت لکھا ہے:

حضرت ایشان در زمرہ شعرائے نامدار از مغنمات روزگار اند و در اصناف  
شعر قصیدہ و غزل مرعی دارند۔ مجموعہ کلام عرفان آنحضرت کہ گنجینہ پیش از ہفت ہشت  
ہزار بیت بودہ، از دست دوران نامہریاں از میاں رفت و اند کے ازاں ماندہ (آب  
کوثر ص ۲۰۸-۲۰۹)

آپ کے متفرق اشعار مختلف کتابوں میں منقول ہیں۔ مؤنس الارواح میں آپ کی ایک غزل منقول ہے۔ مظہر جمال مصطفائی میں سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان اقدس میں ایک منقبت مذکور ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

یا غوث معظم نور ہدی، مختار نبی مختار خدا  
سلطان دو عالم قطب علی حیراں زجلالت ارض و سما  
شیخ اکرام نے بھی آتشکدہ کے حوالے سے آپ کی یہ دور باعیاں ذکر کی ہیں:

عاشق ہر دم فکر رخ دوست کند  
عاشق کر شمشہ کہ نکوست کند  
ماجرم و گنہ کنیم و اولطف و عطا  
ہر کس چیزیکہ لائق اوست کند

اے بعد نبی برسر تو تاج نبی      اے دادہ شہاں ز تیغ تو باج نبی  
آنی تو کہ معراج تو بالا تر شد      یک قامت احمد زمعراج نبی  
سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان رفیع میں آپ کی یہ رباعی مشہور  
عالم ہے:

شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسین      دیں ہست حسین دیں پناہ ہست حسین  
سرداد نہ داد دست درد دست یزید      حقا کہ بناء لاله ہست حسین  
سیدنا حضرت خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی سے منسوب ایک  
مختصر دیوان بھی ہے جس میں حمد یہ نعتیہ غزلیات اور قصائد کی ایک اچھی تعداد موجود  
ہے۔ اس دیوان کو بعض حضرات شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کوثر کے مصنف شیخ  
محمد اکرام کا یہی خیال ہے اور بزم صوفیہ کے مؤلف صباح الدین عبدالرحمن تو اسے  
وضعی قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ خیالات اس لئے بہت زیادہ قابل اعتنا نہیں معلوم ہوتے  
کہ یہ سلسلہ ظن و تخمین اور وہم و گمان صرف آپ کے شعری مجموعہ ہی تک نہیں محدود  
رہتا بلکہ ملفوظات مشائخ چشت تک بھی جا پہنچتا ہے۔ بقول صباح الدین عبدالرحمن:  
”کچھ اہل علم ایسے ہیں جو انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین،  
اسرار الاولیاء اور راحت القلوب کے ساتھ فضل الفوائد اور مفتاح العاشقین کو بھی غیر  
مستند، نقلی جعلی مجموعہ ملفوظات سمجھتے ہیں لیکن وہ سیر الاولیاء کو غیر مستند قرار نہیں دیتے۔  
البتہ سیر الاولیاء میں خواجگان چشت کے ملفوظات کے جو حوالے ہیں، ان پر تعجب کا  
اظہار کر کے خاموش ہو جاتے ہیں“ (بزم صوفیہ ص ۶۳۹)

حالانکہ ان ملفوظات کے بارے میں خود بزم صوفیہ میں تحقیق یہی ہے کہ یہ  
انہی مشائخ کے مجموعہ ملفوظات ہیں، انہیں وضعی کہنا درست نہیں۔

پھر شک کی کچھ بنیادیں ہوتی ہیں۔ تاریخی تضادات ہوں، غیر اسلامی  
نظریات ہوں، نادر روایات ہوں جس کا اگلوں میں سراغ نہ ملتا ہو، زبان و بیان کی

ایسی بے ربطی اور کمزوری ہو جس سے معلوم ہو کہ یہ انداز اس شیخ معظم کی شان رفیع  
کے مناسب نہیں، نثر و شعر میں ایسی ترکیبیں ہوں جو اس شاعر یا نثر نگار کے دور سے  
بالکل ہم آہنگ نہ ہوں یا اس کی دوسری تحریروں سے بالکل میل نہ کھاتی ہوں تو اس  
منسوب چیز کو وضعی، الحاقی اور مشکوک قرار دینا بلاشبہ قابل توجہ ہو سکتا ہے لیکن اس مختصر  
سے مجموعہ اشعار میں تو یہ سب کچھ نہیں۔ نہ اس میں غیر اسلامی نظریات ملتے ہیں، نہ  
تضادات کا عیب ہے، بے ربطی اور زبان و بیان کی کمزوری بھی نظر نہیں آتی، خواجہ  
معظم کے انداز فکر اور ان کے دور کے شاعرانہ مزاج سے ہم آہنگ بھی ہے۔ پھر اشعار  
کا داخلی سوز بھی اس کی کافی شہادت ہے کہ یہ کسی عشق حقیقی میں بریاں و گریاں قلب  
مومن کی آواز ہے تو صرف اس بنیاد پر کہ اس کی دریافت یا اشاعت عرصہ دراز کے  
بعد ہوئی، اسے وضعی قرار دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ بہت سی تحریریں ہیں جن کی  
دریافت ان کے وجود کے عرصہ دراز کے بعد ہوتی ہے لیکن قرآن کی روشنی میں اس کی  
صحت تسلیم کی جاتی۔ ہے ایسے مقام پر اتصال سند کی ضرورت نہیں ہوتی، خصوصاً جب  
کہ وہ تحریر حلت و حرمت کے باب سے نہ ہو۔ جب حضرت خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ کی شاعرانہ عظمت عہد قدیم کے مصنفین کو تسلیم ہے اور کلام کے کچھ حصص کے محفوظ  
رہنے کا بھی اقرار ہے تو اگر کلام کا کوئی مجموعہ کسی کے ذخیرہ کتب سے دستیاب  
ہو جاتا ہے تو کیا عجب؟۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے قلمی نسخے شائقین  
و معتقدین لیتے رہے۔ مختصر دیوان کا مرتب اس کی دستیابی کی صورت بیان کرتے  
ہوئے لکھتا ہے:

”آج تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ العزیز با دیگر  
کمالات صوری و معنوی مذاق شعر و شاعری بھی رکھتے تھے۔ حسن اتفاق سے ہم کو ایک  
مختصر دیوان حضرت صاحب کا بمنزلہ کلیات، کتب خانہ مجمع کمالات جناب نظام  
الدولہ نواب محمد مردان علی خان صاحب بہادر متخلص بہ نظام سابق دیوان سرکار مارواڑ

سے نصیب ہوا اور اس پر مواہیر فیضی و ابوالفضل ثبت تھیں۔ معلوم ہوا کہ وہ کتب خانہ اکبر بادشاہ سے تھا۔ ممدوح از بس معتقد حضرت خواجہ صاحب قدس اللہ سرہ کا تھا۔ اس نے اپنے عہد دولت میں بہم پہنچایا اور شکر خدا کہ ہم کو گھر بیٹھے بے منت ہاتھ آیا۔ چونکہ یہ نعمت غیر مترقبہ تھی، اس لئے ہم نے واسطے یادگار حضرت کے طبع کیا تا کہ بطور تبرک کے لوگ اس کو حرز جان بنائیں اور ہم اس سعادت سے شمرہ خیر پائیں (دیوان خواجہ پاک ص ۹۳ مطبوعہ نولکشور)

علامہ شمس بریلوی (پاکستان) اور ڈاکٹر سید لیاقت حسین معینی (علی گڑھ) نے اپنے مقالات میں مدلل طور پر ثابت کیا ہے کہ یہ شعری دیوان حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کا ہے۔

اب حضرت خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی سے منسوب اس مختصر سے مجموعہ کلام کا مختصر تعارف صوفیانہ نقطہ نظر سے پیش ہوتا ہے۔ واللہ الموفق حضرت خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب یہ دیوان ایک سو بائیس حمدیہ عشقیہ اور نعتیہ غزلوں پر مشتمل ہے جس میں بارہ سو چھبیس اشعار ہیں اور الف سے لے کر یاء تک کی ردیفیں موجود ہیں۔ خالص نعت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مشتمل غزلوں کی تعداد آٹھ ہے لیکن سوز عشق کی نمائندہ غزلوں میں بھی کہیں کہیں نعتیہ اشعار درآئے ہیں۔

اس پورے شعری سرمایہ پر تکلیفات کی جو فضا محیط ہے، وہ ہے شاعر کی سرمستی اور جنون کی حد تک تصور محبوب میں جذب اور فنایت۔ اس کے ساتھ ساتھ شعری لوازمات بلاغت، سلاست، اصلیت، جوش، محاکات، تسلسل، پرکاری، ندرت فکر، پرواز تخیل، تشبیہات و استعارات، مترنم بحریں، کھنکنے الفاظ، بولتے مصرعے، مسکراتے انداز کی ساری کیفیات اپنی تمام تر شناختوں کے ساتھ موجود ہیں۔ البتہ اصناف سخن کی تمام راہداریوں کا التزام نہیں۔ صنائع اور بدائع کی آراستگی سے بھی پورا کلام سجا سجا نظر

آتا ہے۔ مذکورہ بالا اوصاف کی جھلک، آنے والی تمثیلات میں آپ خود ملاحظہ فرمائیں گے لیکن راقم کا مدعا چونکہ شاعر کی صوفیانہ فکر کے چند گوشوں کو نمایاں کرنا ہے، اس لئے ان شاعرانہ عناصر کے بیان سے قلم کشاں ہی گذرنا ہوگا۔

تصوف حسن ازلی کی رعنائیوں میں اس طرح سے جذب ہو جانے کا نام ہے کہ سوائے مشاہدہ یار کے اور کسی چیز کی جستجو باقی نہ رہے۔ سیدنا خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بارگاہ لم یزل میں قرب اور اس کی بلندیاں شہرہ آفاق ہیں۔ بارگاہ نبوت سے قطب مشائخ مجرد بر کا خطاب، مرشد کے لئے آپ کا باعث افتخار ہونا اور آپ کے رواں دواں مشاہداتی تصرفات، آپ کے بلندی مراتب کے کافی سے زائد شواہد ہیں۔ اور یہ مرتبہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے، جب طلب محبوب میں کوئی خود کو فنا کر دے اور بس وہی جاں نواز محبوب ہر چہار سمت جلوہ ساماں نظر آئے۔ اس لئے آپ کے اشعار میں ان کیفیات عشق اور واردات قلب کی جلوہ طریاں پورے شباب پر ہیں۔ اس کے ساتھ عشق حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، پاس ادب، التزام شرع، احترام نفس، تواضع، ادب، خود سپردگی، انابت، تسلیم و رضا، صبر و توکل، خوف ورجا، تربیت باطن جیسے پاکیزہ تصورات کی تلقین بھی موجود ہے۔ اب ان تصورات کی تمثیلات ذیلی سرخیوں اور مختصر وضاحتوں کے ساتھ پیش ہوتی ہیں۔

#### وحدت الوجود:

وحدت الوجود جسے شبلی نے تصوف کا نشہ قرار دیا ہے، اکابرین اسلام کا منظور نگاہ زاویہ فکر ہے۔ قادری، چشتی، سہروردی مشائخ اس نظریہ کے حامی اور پر جوش داعی رہے۔ چند بزرگان امت نے عقول متوسطہ کی رعایت کرتے ہوئے وحدت شہود کا اعتراف فرمایا لیکن ان کا وجدان بھی اک جلوہ ہمہ رنگ اور پرتو چراغان بزم سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وحدت الوجود کے نظریات ہی حق ہیں، گرچہ ان کی تفہیم عقول متوسطہ کے معیار سے بہت بلند ہے۔ اس نظریہ کو

حلولیہ جیسے باطل فرقہ کے نظریات سے شتمہ برابر علاقہ نہیں۔ قطب الارشاد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ اس کی ترجمانی فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقہً اسی کی ذات پاک کے ساتھ خاص ہے۔ وحدت وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود اور موجود واحد، باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے۔ کل شئیء ہالک الا وجہہ اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من و تو، زید و عمرو ہر شئی خدا ہے۔ یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب ہے جو اہل اسلام و ایمان حقیقی ہیں۔ [امام احمد رضا اور تصوف ص ۱۶-۱۷]“

عارف ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے، آپ رقم طراز ہیں:

”جو لوگ وحدت وجود کے قائل ہیں اور اشیا کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کہتے ہیں اس سے ان کی مراد یہ نہیں کہ اشیا، حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ کفر، الحاد، زندقہ اور گمراہی ہے، کیونکہ واجب ممکن نہیں ہو سکتا اور ممکن واجب نہیں ہو سکتا۔ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اشیا نہیں ہیں، حق تعالیٰ موجود ہے۔ (بزم صوفیہ ص ۱۷۰ بحوالہ مکتوبات امام ربانی نمبر ۲۴ ج ۲)“

اس لئے وحدت الوجود کے نظریہ کو حلولیہ فرقہ کے نظریات کا ہم معنی قرار دے کر اس پر نکیر کرنا کسی بھی طرح قابل توجہ نہیں ہو سکتا۔

وحدت وجود و شہود کون سے تصورات ہیں؟ ان کی تشریح ایک عارف باللہ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے، اس کے بعد اسی کی روشنی میں حضرت خواجہ معظم قدس سرہ کے اشعار میں اس کا عکس۔

سراج العارفین سیدنا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ (۱۸۳۹ء-۱۹۰۶ء) سراج العوارف میں تحریر فرماتے ہیں:

”وحدت کی دو قسمیں ہیں ایک وجودی، دوسری شہودی۔ وجودی کے معنی یہ ہیں کہ سالک کے علم اور نظردونوں سے اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس کا شعور ختم ہو جائے اور اس کی نظر و علم میں اللہ کے سوا سب کچھ فنا ہونے کے بعد ذات باری تعالیٰ باقی رہے۔ یہی سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ اس مقام پر آنے کے بعد سالک ولی ہو جاتا ہے۔ سیرالی اللہ کے ختم ہونے کے یہی معنی ہیں اور اسی کو مقام لاہوت کہتے ہیں۔ قادریہ، چشتیہ و سہروردیہ وغیرہم تمام اولیاء اللہ کا یہی مسلک ہے۔ ایک قلیل تعداد وحدت شہود کی طرف گئی ہے اور اس کو سالک کا ابتدائی مقام جانتے ہیں۔“

وحدت شہودی کے بھی یہی معنی ہیں لیکن اس میں موجودات کا انکار صرف سالک کی نظر سے ہوتا ہے، اس کے علم سے نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات اس کے علم میں تو باقی رہتے ہیں، صرف نظر سے ختم ہو جاتے ہیں مگر سالک کے علم میں باقی رہتے ہیں۔ جیسے سورج نکلنے پر ستارے کہ سب ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں، نظر کے سامنے صرف سورج ہوتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ ستاروں کا وجود ویسے ہی باقی ہے، بس نظر سے چھپ گیا ہے۔ لامحالہ اس میں توحید میں نقص باقی رہتا ہے اور وہ نقص یہ ہے کہ سالک کے علم میں موجودات باقی رہ جاتے ہیں۔ یہ بات فنائے مطلق کے منافی ہے (سراج العوارف فی الوصایا و المعارف (اردو) ص ۶۴-۶۵)

وحدت کے یہ اسرار الہی عارفان بارگاہ صمدیت سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ سیدنا حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے عارف ہیں جنہوں نے ان گراں بہا حقائق کے مخفی خزانے کو طالبان عشق کے لئے بازار شوق میں برسر عام رکھ کر دعوت نظارہ دی لیکن ابھی اس میں رمز و کنایہ کی ترجمانی تھی اور عقول متوسطہ کے لئے اس کے اندر ماورائی کیفیات کی دبیر تہیں موجود تھیں۔ لیکن ماضی قریب میں حقائق آشنا علامہ فضل حق خیر آبادی نے الروض الجود فی وحدۃ الوجود میں اس نظریہ کی حقانیت پر ایسے روشن عقلی دلائل قائم فرمائے کہ کوئی بڑے سے بڑا فلسفی

بھی انہیں رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ راقم نے اپنے مقالہ ”علامہ فضل حق خیر آبادی اور نظریہ وحدت الوجود“ میں حضرت علامہ قدس سرہ کے اس رسالہ کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔

حضرت خواجہ معظم سلطان الہند سیدنا خواجہ معین الدین حسن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شراب وحدت کو مختلف انداز اور مختلف رنگ میں پیش کیا ہے اور اس کثرت سے اس کے مضامین وارد ہیں کہ گویا ہر جگہ یہی رنگ نظر آتا ہے۔ چند انداز آپ بھی دیکھئے۔ (ہمہ اوست) کی ردیف میں پوری غزل نظم فرمائی ہے۔ اس کے چند اشعار پیش ہیں جن کے پیمانوں میں وحدت الوجودی شراب صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔

- ۱- کسیکہ عاشق و معشوق خوشن ہمہ اوست حریف خلوت و ساقی انجمن ہمہ اوست
  - ۲- اگر تو خرقہ ہستی خویش پارہ کنی نظر کنی کہ دریں زیر پیرہن ہمہ اوست
  - ۳- ز جام عشق نہ منصور بے خود آد بوس کہ دار نیز ہی گفت بارن ہمہ اوست
  - ۴- ملو کہ کثرت اشیا نقیض وحدت گشت تو در حقیقت اشیا نظر فگن ہمہ اوست
  - ۵- تعین است گراز اعتبار ماومن است ز اعتبار گذر کن کہ ماومن ہمہ اوست
  - ۶- چہ جائے بادہ و جام و کلام ساقی مست خموش باش معین و دم مزن ہمہ اوست
- (دیوان خواجہ معظم ص ۱۳)

- ۱- جو ذات خود ہی عاشق بھی ہو اور معشوق بھی، خلوت کی حریف بھی ہو اور انجمن کا ساقی بھی ہر جگہ اسی کا وجود ہو۔
- ۲- اگر تو اپنے وجود کا لباس پارہ پارہ کر دے تو دیکھ لے گا کہ اس لباس وجود میں بھی صرف اسی کی جلوہ فرمائی ہے۔
- ۳- عشق کے جام سے صرف منصور ہی بے خود اور سرمست نہ ہوئے بلکہ دارورسن بھی یہی نعرہ لگاتے ہیں کہ بس وہی (محبوب حقیقی) موجود ہے۔

- ۴- یہ نہ کہنا کہ چیزوں کی کثرت تو وحدت کی ضد ہوتی ہے۔ ذرا اشیا کی حقیقت پہ نگاہ ڈال تو سب جگہ اسی کا جلوہ معلوم ہوگا۔
- ۵- تعینات اگر ہیں بھی ماومن کے اعتبار سے ہیں۔ اعتبارات سے گذر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ سب کے سب وہی ہیں۔
- ۶- شراب و جام کی گفتگو کیسی اور مست و سرشار ساقی کہاں۔ اے معین دم مت مار خاموش رہ! سب کچھ تو وہی ہے۔

ذرا تصور کیجئے کہ شفاف پانی ہے جسے مختلف رنگ کے گلاسوں میں ڈالا جاتا ہے تو وہی بے رنگ پانی کے قطرات سبز و سرخ، سفید و زرد مختلف رنگوں کی کیفیات پیش کرتے ہیں۔ ظاہر بین یہی سمجھتا ہے کہ یہ سب الگ سے وجود ہیں جو مختلف رنگ رکھتے ہیں لیکن حقیقت آشنا خوب سمجھتا ہے کہ یہ سارا کرشمہ رنگارنگ گلاس کی دین ہے، ورنہ پانی وہی ایک ہے جو محل بدلتا چلا جا رہا ہے۔ وحدت وجود کی ایسی تقریبی تمثیل کی ترجمانی ان اشعار میں دیکھئے۔

- ۷- بادہ صاف است مپندار کہ رنگین شدہ آست آں زہم رنگی جام ست کہ شد سرخ و کبود
  - ۸- اول و آخرم و ظاہر و باطن ہمہ اوست کہ ہمو بود و ہمو ہست و ہمو خواهد بود
- (ایضاً ص ۲۳-۲۴)
- ۷- شراب تو بالکل شفاف ہے، اسے رنگین نہ سمجھنا۔ یہ تو جام کی ہم رنگی کی کرشمہ سازی ہے کہ سرخ اور نیلگوں نظر آتی ہے۔
  - ۸- میری ابتدا، میری انتہا، میرا ظاہر، میرا باطن سب کچھ وہی ہے۔ کل بھی وہی تھا، آج بھی وہی ہے اور آئندہ بھی وہی رہے گا۔
- دوسری جگہ بڑے رنگ و آہنگ کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وجود تو بس ایک ہے، باقی سب پانی کے بلبلے۔ اس پریسیکٹروں دلیلیں موجود ہیں، کوئی دل پینا اور نگاہ آشنا تو ہو:



- ۹- بخدا غیر خدا درد و جہاں نیست کسے صد دلیل ست ولے واقف ازاں نیست کسے  
۱۰- مسند عزت و خلوت گد و حدت خالی ست از ازل تا بہ ابد در خور آں نیست کسے  
(دیوان خواجہ معظم ص ۸۹)
- ۹- بخدا! اللہ تعالیٰ کے سوا دونوں جہان میں (در حقیقت) کوئی موجود نہیں۔ اس بات پر سینکڑوں دلیلیں ہیں لیکن اس سے واقفیت رکھنے والے کتنے ہیں۔  
۱۰- عزت و جلال کی مسند اور وحدت کا خلوت کدہ، غیر سے خالی ہے۔ ازل سے لے کر اب تک اس کا کوئی سزاوار نہیں۔

### فنا اور بقا:

بشری تشخصات سے کنارہ کش ہو کر مولیٰ کی یاد میں اس طرح گم ہو جانا کہ پھر ”اپنی خبر کو خبر نہ ہو“ کا مرحلہ آجائے، اصطلاح صوفیا میں فنا کی منزل ہوتی ہے، جس کی آغوش سے وہ بقا نمودار ہوتی ہے جو اپنے دامن سے وابستہ ہونے والے کو اس طرح زندہ جاوید کر دیتی ہے کہ۔

بے نشانوں کا نشان مٹتا نہیں مٹتے نام ہو ہی جائے گا  
سرکار نور سیدنا شاہ سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”فنا کا معنی ہے سیرالی اللہ کی انتہا اور بقا کا مطلب ہے سیر فی اللہ کی ابتدا۔ اس لئے کہ سیرالی اللہ اس وقت پوری ہوتی ہے جب آدمی اپنے وجود کے صحرا کو سچائی کے قدموں سے ایک دم طے کر لے اور سیر فی اللہ اس وقت ٹھیک ہوتی ہے، جب بندہ کو فنا کے بعد اللہ تعالیٰ گندگیوں سے پاک کر دے (سراج العوارف)  
فنا کے تین مراتب ہیں:

۱- فنا فی الشیخ، ۲- فنا فی الرسول، ۳- فنا فی اللہ

ہر پہلی منزل دوسری منزل کے لئے زینہ ہے۔ جب تک یہ تینوں مرتبے

طے نہیں ہو جاتے، سالک کو منزل مقصود نہیں ملتی۔ فنا فی اللہ کی منزل طے ہو جانے کے بعد ہی بقا کی لامتناہی سرحدیں شروع ہوتی ہیں۔ بقول سرکار نور قدس سرہ:  
”جب یہ فنا (فنا فی اللہ) اپنی حد تک پہنچ جاتی ہے تو بقا کی ابتدا ہوتی ہے۔ جب یہ فنا حضرت جنید علیہ الرحمہ کو حاصل ہوئی تو فرمایا کہ چالیس سال سے میں خدا سے باتیں کرتا ہوں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان سے کلام کر رہا ہوں۔ اس قسم کے بہت سے اقوال بزرگوں سے منقول ہیں۔ یہ فنا حاصل ہو جانے کے بعد سالک موحد بالذات ہو جاتا ہے کہ شرک کا وجود بھی باقی نہیں رہتا (سراج العوارف)

جب فنا کی یہ منزلیں سالک کے لئے جادہ منزل ٹھہریں تو اس کا اہتمام کس قدر ہوگا؟ یہ خوب ظاہر ہے اور یوں بھی کمال عشق حقیقی یہی ہے کہ محبوب کے مقابل محبت فنا ہو جائے۔ اسی لئے اولیائے امت نے ان مراحل کی اہمیت پورے جوش و خروش کے ساتھ واضح فرمائی۔ تقریباً تمام ہی کتب تصوف اس کی ترجمان ہیں۔ سب سے پہلے سیدنا ابوسعید خرازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مراتب سے اپنی تصنیف میں مفصل بحث فرمائی ہے۔ سرکار خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کثرت سے اس کی تلقین کی ہے اور اس کی اہمیت کا اظہار مختلف انداز سے فرمایا ہے۔ چندا شعار دیکھئے:

- ۱۱- دلا! بحلقہ رندان بزم عشق درآ کہ جرمہ ز شراب بقا دہند ترا  
۱۲- اگر بقا طلبی اولت فنا باید کہ تا فنا نہ شوی رہ نمی بری بہ بقا  
۱۳- ز ظلمت بشریت چو بگذری برسی ازیں حسیض دنائت براوج اودانی  
۱۴- نقاب ہستی خود را تو از میاں بردار دگر نہیں کہ جمال کہ می شود پیدا  
۱۵- اگر تجلی نور قدم ہمی خواہی معین نقاب حدوث از جمال خود بکش  
۱۶- گیر در دار بقا جیل انا الحق درد دست چند دردیر فنا دارورسن می جلی

(دیوان خواجہ پاک ص ۳-۴)

۱۱- اے دل! ذرا بزم عشق کے سرمستوں میں داخل ہو، تا کہ بقا کی شراب

- کا ایک گھونٹ تھے بھی دیدیں۔
- ۱۲- اگر بقا مطلوب ہے تو پہلے عشق الہی میں تھے فنا ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ جب تک تھے فنا کا مرتبہ حاصل نہیں ہوگا، اس وقت تک تھے بقا کی منزل کا سراغ نہیں مل سکتا۔
- ۱۳- جب بشریت کی تاریکی سے گذر جاؤ گے، تب جا کر اس پستی کے نشیب سے ”اودائی“ کی بلندی تک رسائی ہوگی۔
- ۱۴- ذرا درمیان سے اپنی ہستی کا نقاب اٹھا کے تو دیکھ! پھر کس کا جمال جہاں آرا نمودار ہوتا ہے۔
- ۱۵- معین! اگر قدم کے نور کی تجلی مطلوب ہے تو اپنی ذات کے جمال سے حدوث کا نقاب اٹھا دے۔
- ۱۶- خانہ بقا میں انا الحق کی رسی مضبوطی سے تھام لے، کیونکہ فنا کے بتکدے میں دارورسن (کی مشقتیں) کب تک ڈھونڈتا پھرے گا۔
- اب بقا کی منزل پر فائز ہونے کا جلوہ بھی دیکھئے۔ کس قدر کیف اور سرمستی میں فرماتے ہیں:
- ۱۷- من نمی گویم انا الحق یارمی گوید بگو چوں نگویم چوں مراد لداری گوید بگو
- ۱۸- سر منصورے نہاں کردن نہ حد چوں من است چوں کنم ہم ریسماں ہم داری گوید بگو
- ۱۹- اے صبا اگر پرسدت کمز ماچمی گوید معینیں ایں دوئی راز میاں برداری گوید بگو (ایضاً ص ۷۶-۷۷)
- ۱۷- میں نہیں کہتا انا الحق، یا کہتا ہے کہ کہو تو کہہ دیتا ہوں۔ جب تک دلدار مجھے حکم نہیں دیتا میں تو چوں بھی نہیں بولتا۔
- ۱۸- کسی منصور کاراز پوشیدہ رکھنا مجھ جیسے کی طاقت سے سوا ہے۔ ہاں اسی وقت ایسا کرتا ہوں جب دارورسن کہنے لگتے ہیں کہ کہہ دے۔

- ۱۹- اے صبا! میرا حبیب اگر دریافت کرے کہ معین ہم سے کیا کہتا ہے تو کہہ دینا کہ اس کی عرض تو بس یہی ہے کہ پیارے! درمیان سے یہ دوئی کا حجاب ہٹا دو۔
- جب فنا کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو سوائے رضائے دوست اور خیال یار کے اور کچھ باقی نہیں رہتا، حتیٰ کہ محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق، سکر و صحو، نعمت و کلفت، جنت و دوزخ کسی کا تصور ننگا ہوں میں نہیں سماتا۔ حضرت خواجہ پاک ان واردات کی تصویر کشی کرتے ہوئے آپ بیتی بیان فرماتے ہیں:
- ۲۰- ما بہر وصال از دل و جاں نیز گذشتیم و وصل نخواہی تو از اں نیز گذشتیم
- ۲۱- در بحر فنا غرق رضائے تو چنا نیم کز جوئے مراد دو جہاں نیز گذشتیم
- ۲۲- عمرے زبے نام و نشان تو دویدیم مادر طلب از نام و نشان نیز گذشتیم
- ۲۳- در پائے کہ نفس بہیمی چہ کند دل کز مرتبہ روح و رواں نیز گذشتیم
- ۲۴- یک جام بمادا کہ تن دل شد و دل جاں یک جام دگر داد ز جاں نیز گذشتیم
- ۲۵- در منزل مقصود کہ خلوت کہ قدس است از حادثہ کون و مکاں نیز گذشتیم
- ۲۶- از عین عیاں دید معین حسن تو امروز کز وعدہ فردا بچناں نیز گذشتیم
- (دیوان خواجہ پاک ص ۵۹)
- ۲۰- ہم تو وصال محبوب کی خاطر دل و جان سے بھی گذر چکے اور وصل بھی تیرا مدعا نہ ہو تو ہم اس سے بھی دستبردار ہوتے ہیں۔
- ۲۱- تیری رضا کی خاطر فنا کے سمندر میں ہم اس طرح غرق ہیں کہ دونوں جہاں کے مقاصد کی طلب بھی باقی نہ رہی۔
- ۲۲- تیری علامتوں کی تلاش میں ایک زمانے تک ہم اس طرح سرگرداں رہے کہ خود ہمارے وجود کا نام و نشان جاتا رہا۔
- ۲۳- درندہ صفت نفس کے مقام پر دل کیا بگاڑ سکتا ہے، اس لئے کہ ہم تو جسم و جان کے مرتبے سے بھی گذر چکے ہیں۔

- ۲۴- اس نے ایک جام سے نوازا تو جسم، دھڑکتے ہوئے دل اور دل، روح میں تبدیل ہو گیا اور جب دوسرا جام ملا تو پھر ہمیں اپنی جان کا بھی ہوش نہ رہا۔
- ۲۵- میری منزل مقصود جو بارگاہِ قدس کا خلوت کدہ ہے، اس مقام پر کون و مکاں کے وجود کا بھی ہمیں خیال نہ رہا۔
- ۲۶- معین نے تو آج تیرا حسن بالکل بے حجاب دیکھ لیا ہے کہ وعدہ فردا کا کون خیال کرے، وہ بھی ایسے معاملے میں۔
- اسی طرح کی ایک دوسری مترنم بحر میں واردات فنا کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں فرماتے ہیں۔ کیا کیف ہے، کیا سرور ہے، کیا مستی ہے، کیا غنائیت ہے، بس دیکھا کیجئے۔ اس پر بحر کے ترنم اور غنائیت نے اور ستم ڈھایا ہے:
- ۲۷- مابفکرش از بہشت و حورو غلماں فارغیم
- از نعیم ہر دو عالم بہر جاناں فارغیم
- ۲۸- قوت از خوان ایبت عند ربی خوردہ ایم
- آں غذا نوشیدہ ایم از آب وازناں فارغیم
- ۲۹- ما کز اں لب ہا حیات جاودانی یافتیم
- از طلبگاری خضر و آب حیواں فارغیم
- ۳۰- ہچو لالہ داغہا بردل نہادم تا کنوں
- ہچو گل در باغ وصل از داغ ہجراں فارغیم
- ۳۱- واعظا! عشاق را خوش نیست ترغیب بہشت
- ما بیدارش زباغ خلد و رضواں فارغیم

- ۳۲- عارفان را چوں نظر بر عین معروف ست و بس از وساٹ در ظہور نور عرفاں فارغیم
- ۳۳- ہرچہ دیدیم با حجاب اوست یا خود عین اوست لاجرم از عشق و عقل و کفر و ایماں فارغیم
- ۳۴- حاجے اندر میان عاشق و معشوق نیست مابجاناں واصلیم واز رقیباں فارغیم

- ۳۵- در ملامت رومعین خلق آنچہ خواہد گوینگو ما کنوں از مدح و قدح جملہ خلقتاں فارغیم (ایضاً ص ۵۳-۵۴)
- ۲۷- ہمیں اس کی فکر میں جنت اور حورو غلماں کا بھی خیال نہیں۔ ہم تو محبوب کی خاطر دونوں جہاں کی نعمتوں سے بے نیاز ہیں۔
- ۲۸- ایبت عند ربی (میں اپنے رب کے پاس شب گزارتا ہوں) کے دسترخوان سے ہم نے رزق پالیا ہے۔ ایسی غذا کے بعد ہم کو روٹی اور پانی کی فکر نہیں رہتی۔
- ۲۹- ہم نے ان پاکیزہ لبوں سے ایسی جاوداں زندگی پالی ہے کہ اب حضرت خضر (علیہ السلام) اور آب حیات کی طلب بھی باقی نہیں رہی۔
- ۳۰- لالہ سُرخ کی مانند دل پر ہم نے اتنے داغ بھی سجائے ہیں کہ اب وصل کے باغ میں پھول کی مانند ہجر و فراق کے داغ کی ہمیں پرواہ نہ رہی۔
- ۳۱- واعظ! حسن ازل کے عاشقوں کو جنت کی ترغیب مناسب نہیں۔ ہم تو اس کے دیدار جمال کی خاطر رضوان اور اس کے جنتی گلزار کو بہت پہلے تہ چکے ہیں۔
- ۳۲- چونکہ عارفان الہی کی نگاہ صرف اپنے محبوب پر ہوتی ہے، اس لئے نور عرفان کے ظہور میں ہم اسباب سے بے نیاز ہیں۔
- ۳۳- میں نے جو کچھ دیکھا یا تو اس کی تجلی تھی یا خود اسی کی ذات (جب ہر جگہ اسی کا جلوہ ہے تو اب) مجھے عشق، عقل، کفر اور ایمان سے بھی کوئی مطلب نہ رہا۔
- ۳۴- عاشق اور معشوق کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا، ہم تو وصال محبوب کی لذت سے سرشار ہیں، رقیبوں کا خیال کہاں؟
- ۳۵- معین! ملامت کے باوجود چلتا رہ اور مخلوق سے کہدے، جو چاہے بکتی رہے، اس لیے کہ ہم تو ساری مخلوق کی مدح و قدح سے بے نیاز ہو چکے۔

### تسلیم و رضا:

نعمت ہو یا کلفت ہر حال میں راضی برضائے الہی رہنے کا نام تسلیم و رضا

ہے۔ ”الحمد لله على كل حال“ اسی کی تصویر کشی ہے۔ عشق حقیقی سے سرشار روحمیں مصیبتوں کا بھی ویسے ہی خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرتی ہیں جیسے ایک عام انسان نعمت و آسائش کا۔ بقول سیدی الکریم امام غزالی قدس سرہ: رضا کی شرط یہ ہے کہ آدمی سوال نہ کرے اور جو چیز اس کے پاس موجود نہیں اسے طلب نہ کرے اور جو موجود ہے اس پر قناعت کرے (کیمیائے سعادت ص ۹۵۲) اس مقام کو حدیث شریف میں باب اللہ الاعظم فرمایا گیا یعنی راہ خدا کا سب سے عظیم دروازہ۔ سیدنا داتا گنج بخش مخدوم سید علی ہجویری لاہوری قدس سرہ (متوفی ۴۶۵ھ) اس مقام کا تعارف پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”مختصراً اتنا یاد رکھو کہ رضا مقامات کی انتہا اور احوال کی ابتدا ہے اور یہ مقام ایسا ہے جس کا ایک کنارہ ریاضت و مجاہدے کی طرف ہے اور دوسرا کنارہ محبت و اشتیاق کی سمت۔ اس سے اوپر اور کوئی مقام نہیں ہے اور تمام مجاہدے اسی پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کی ابتدا کسی ہے اور اس کی انتہا وہی۔ (کشف المحجوب، ص ۳۶۳)

اس مقام کی منظر نگاری بھی خواجہ معظم نے فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

۳۶- ہر آنچہ آیدت از غیب نیک و بد منگر ہمیں بس است کہ از سوائے دوست می آید  
۳۷- ازیں مصائب دوراں منال و شاداں باش کہ تیر دوست بہ پہلوئے دوست می آید  
(دیوان خواجہ پاک ص ۲۶)

۳۸- از گلبن غم خارستم خورد و نالید آں دیدہ کہ در گلشن جاں روئے تو دیدہ  
(ایضاً ص ۸۲)

۳۹- بہر بلا کہ تو خواہی بیازمائے مرا کہ در مشاہدہ تو بلا نمی بینم  
۴۰- زمن بہر چہ کنی یاد را ضمیم حقا کہ ہر چہ از تو رسد جز عطانی بینم  
(دیوان خواجہ پاک ص ۵۲)

۳۶- عالم غیب سے تیرے پاس جو کچھ بھی پہنچے، اس میں اچھے بُرے کی تمیز مت

کر۔ یہی بہت ہے کہ یہ سب چیزیں دوست کی جناب سے آتی ہیں۔

۳۷- زمانے کی ان مصیبتوں کی فریاد مت کر بلکہ خوش و خرم رہ کہ دوست کا تیر دوست ہی کے پہلو میں آتا ہے۔

۳۸- جس نگاہ نے روح کے گلشن میں تیرے روئے زیبا کی زیارت کر لی، اسے اگر غم کے گلبن سے ستم کا کاٹنا بھی چھب جائے تو وہ فریاد نہ کرے۔

۳۹- تو جس مصیبت سے چاہے آزما لے مجھے بے خود پائے گا، اس لئے کہ تیرے دیدار کی لذت میں مصیبت کا احساس کہاں؟

۴۰- تو میرے ساتھ جو سلوک چاہے کر، بخدا میں اس سے راضی ہوں۔ اس لئے کہ تیری بارگاہ سے جو کچھ ملے، میرے واسطے وہ نعمت و عطا کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

### مولیٰ کا استغنا:

حضرت خواجہ معظم قدس سرہ نے اپنے قصیدہ حمدیہ میں معبود حقیقی کی صفات حمیدہ ذکر کی ہیں۔ لاجلہ و دیت، کرم، رحمت، قدرت و دیگر صفات قدوسیہ کے تذکرے ہیں۔ اسی طرح متفرق اشعار بھی ان صفات مولیٰ کے بیان سے آراستہ و پیراستہ ہیں لیکن مقام صمدیت سا لک کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی بے نیازی اور استغنا سے مقررین بھی لرزتے کانپتے رہتے ہیں۔ امام اہل سنت نے کیا خوب فرمایا:

واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو  
بے نیازی سے وہاں کا پتی پائی طاعت جوش رحمت یہ یہاں ناز گنہ کا دیکھو  
(حدائق بخشش حصہ اول ص ۵۸)

حضرت خواجہ معظم اس بارگاہ بے نیاز میں سراپا نیاز بن کر کانپتے ہوئے اپنی بے بضاعتی اور فنا نیت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

- ۴۱- چوں نشان بے نشانی در رہ گم نامی است برق استغنا از ان نام و نشان من بسوخت  
۴۱- چونکہ بے نشان محبوب کا سراغ، گم نامی کی راہ میں ہے، اسی لئے اس کی بے  
نیازی کی بجلی نے میرے وجود کا نام و نشان تک جلا کے را کھ کر دیا ہے۔

### عشق و یقین اور عقل:

عشق سراپا حال ہے اور عقل سراپا قاتل۔ عشق و عقل کے تقابل میں بہت کچھ  
کہا گیا اور کہا جائے گا۔ ڈاکٹر اقبال کا یہ خاص موضوع تھا۔ ان کا یہ شعر مشہور عالم ہے۔  
بے خطر کوڈ پڑا آتش نمرود میں عشق عقل تھی محو تماشا ئے لب بام ابھی  
عقل پرستی کو صوفیائے کرام نے راہ سلوک کا حجاب اکبر بتایا ہے کہ اس سے  
خود بینی اور خود پسندی جنم لیتی ہے اور جو خود بین اور خود پسند ہو، وہ خدا میں اور خدا پسند  
کیسے ہو سکتا ہے ع ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی  
حضرت خواجہ پاک قدس سرہ نے بھی عقل کی بے بضاعتی کی تصویر کشی اور  
اسے ورطہ حیرت سے چل نکلنے کی تلقین فرمائی ہے:

- ۴۲- دروادی طلب چو نہد بیک عقل پائے دست قضا بہ تیغ فنا پاش پئے کند  
۴۳- روز ازل بگردن آدم گنبد عشق قید محبتی کہ مرآں رامباد فلک  
۴۴- لاف از کمال سخن کجاذدے یک نکتہ گرز عشق شدے کشف بر ملک  
۴۵- گر نغمہ ز عشق شنودے سماع چرخ در رقص خویش خرقہ در انداختے فلک  
۴۶- مفتی شرع منکر عشق ست از وپرس زان سگ کہ گشت محو نمکسار شد نمک  
۴۷- گر سگ نمادہ ست و بکلی نمک شدہ است ہر کس کہ نیست باورش این نکتہ کو بمک  
۴۸- از ساکنان مدرسہ تاپیر خانقاہ گردرک این سخن نہ کند رفت تادرک  
۴۹- جانے کہ نور مطلع حق الیقین بیافت ز آئینہ دلش کہ ز داند غبار شک  
(۲ ایضاً ۴۶)

۴۲- جب وادی طلب میں عقل کا قاصد قدم رکھتا ہے تو قضا کا ہاتھ فنا کی تلوار

- سے اس کے پیر کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے۔  
۴۳- روز ازل حضرت آدم علیہ السلام کی گردن میں عشق نے محبت کی ایک زنجیر  
ڈال دی۔ خدا کرے وہ زنجیر محبت کبھی ٹوٹنے نہ پائے۔  
۴۴- اگر عشق کا ایک نکتہ بھی فرشتوں پر کھل جاتا تو وہ نحن نسبح کے کمال کی  
دہائی نہ دیتے۔  
۴۵- اگر عشق کی سرمستیوں کا ایک نغمہ بھی آسمان کے کان میں پڑ جاتا تو سرمستی  
میں رقص کرتا ہوا اپنا لباس اتار دیتا۔  
۴۶- شریعت کا مفتی عشق کا منکر ہے، اس سے ذرا اسکتے کے بارے میں  
دریافت کرو جو نمک کی کان میں گم ہو کر نمک بن گیا۔  
۴۷- اگر کتے کا نام و نشان نہ رہا اور وہ بالکل نمک ہو گیا (تو پھر عشق کی تاثیر کا  
انکار کیسے ہو سکتا ہے) جسے اس نکتے کا یقین نہ آئے، وہ اپنی راہ لے۔  
۴۸- ساکنان مدرسہ ہوں یا پیر خانقاہ، جس نے یہ نکتہ نہیں سمجھا وہ جہنم میں گیا۔  
۴۹- جس روح نے حق الیقین کے افق کا نور پالیا، اس کے دل کے آئینے سے  
شک کا غبار کون دور کرے۔

ان اشعار کے ملاحظہ کرنے کے بعد شعور کے پردہ پر اقبال کا یہ شعر  
جھلملانے لگتا ہے۔

- مدرسہ نے جو چھپایا ہے تری آنکھوں سے خلوت کوہ و بیاباں میں ہیں اسرار وہ فاش  
اب حضرت خواجہ کی آپ بیٹی اور در حدیث دیگر الیقین بھی دیکھئے:  
۵۰- ز عقل خود بروں رتم بازار جنوں رتم بہ میخانہ دروں رتم بدیدم تمہارا پر مئے  
۵۱- معین بچشم خرد حسن دوست نماید بہ میں بدیدہ مجنوں جمال لیلی را  
(ایضاً ۵)  
۵۰- اپنی عقل کے خلوت کدے سے باہر نکل کر میں جنوں کے بازار میں گیا۔

میخانہ کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ سارے خم شراب سے لبالب ہیں۔  
۵۱- معین! نگاہ عقل سے دوست کے حسن کی زیارت نہیں ہو سکتی۔ لیلیٰ کے جمال کو مجنوں کی نگاہ سے دیکھو۔

### اخلاص:

”عارف کی خصلت اخلاص ہے“ (بزم صوفیہ ص ۸۱) دلیل العارفین میں حضرت خواجہ معظم کے اس ارشاد کی پہچان یہ ہے کہ ہر کام صرف رضائے مولیٰ کے حصول کے لیے کیا جائے، اس میں کسی منفعت کے حصول یا کسی مضرت سے بچنے کا تصور شامل نہ ہو۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب

کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

سیدنا امام غزالی قدس سرہ اس کی وضاحت میں تحریر فرماتے ہیں:

”اے عزیز! معلوم ہونا چاہئے کہ جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ نیت کسی عمل کے محرک اور متقاضی کو کہتے ہیں۔ یہ باعث اور محرک اگر ایک ہے تو اس نیت کو خالص کہتے ہیں اور جب دو یا دو سے زیادہ چیزیں اس عمل کا محرک یا باعث ہوں تو چونکہ اس میں شرکت ہوئی، اس لیے وہ خالص نہ رہی۔ اس شرکت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے خدا کے واسطے روزہ رکھا، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا مطلب روزہ رکھنے سے یہ بھی تھا کہ کھانا ترک کرنے سے تندرستی حاصل کرے، ساتھ ہی خرچ اس طرح کم ہو جائے یا کھانا پکانے کی محنت سے نجات حاصل ہو یا اطمینان کے ساتھ ایک کام کو انجام دے سکے یا یہ کہ صوم کے سبب سے بیدار رہے اور بیدار رہ کر کچھ کام کر سکے..... ایسے تمام خیالات اخلاص کو باطل کرنے والے ہیں، خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ بلکہ عمل خالص وہ ہے کہ جس میں اپنا کچھ فائدہ نہ ہو، بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہے (کیمیائے سعادت ص ۸۳۴)

حضرت خواجہ معظم نے اس کی تصویر اپنے حوالے سے یہ پیش کی ہے:

۵۲- مانمی گوئیم نعمت یا بلا خواہیم و بس بلکہ مادائے رضائے دوست را خواہیم و بس  
۵۳- گر رضائے دوست مارا در بلا خواہد رسید ما ہمیشہ خویشتن را بتلا خواہیم و بس  
۵۴- خلق از حق نعمت و فضل و عطا خواہند و ما از خدا صبر جمیل اندر بلا خواہیم و بس  
۵۵- ز اہل اینجا عمل خواہند و در عقبی بہشت ایں نمی خواہیم و آں ہم با خدا خواہیم و بس  
۵۶- ہر کسے از تو بقدر خود مرادے خواستند ما مراد خویشتن از تو ترا خواہیم و بس  
(دیوان خواجہ پاک ص ۴۲)

۵۲- ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمیں نعمت یا مصیبت چاہیے۔ ہمیں تو بس ہمیشہ دوست کی رضا مطلوب ہے۔

۵۳- اگر دوست کی رضا ہمیں مصیبت میں ڈال دے تو ہم ہمیشہ ایسی مصیبت میں گرفتار رہنا پسند کریں گے۔

۵۴- مخلوق، خدائے تعالیٰ سے فضل و کرم اور بخشش و عطا کی طلبگار ہوتی ہے۔ لیکن ہم تو مولیٰ تعالیٰ سے یہی دعا کرتے ہیں کہ مصیبتوں میں ہمیں صبر جمیل عطا کرے۔

۵۵- زاہد، دنیا میں نیک عمل اور آخرت میں جنت کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ ہمارا یہ مطلوب نہیں۔ ہمیں تو جنت بھی چاہئے تو بس اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لیے۔

۵۶- سبھی لوگ اپنے اپنے ظرف کے مطابق تجھ سے اپنے مقاصد طلب کرتے ہیں۔ ہم تو تجھ سے بس تجھی کو طلب کرتے ہیں۔

ان اشعار کے ملاحظہ کرنے کے بعد بے ساختہ حضرت رابعہ بصریہ کی وہ حکایت یاد آ جاتی ہے جب اللہ کی یہ پاکیزہ بندی ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے ہاتھ میں آگ لے کر اٹھی اور عالم غیظ میں ایک سمت ان کے قدم پاک بڑھے۔ لوگوں نے یہ تیور دیکھ کر دریافت کیا کہ حضرت رابعہ آپ کہاں چلیں وہ بھی اس انداز سے۔ آپ

نے اسی تیور میں فرمایا کہ میں جا رہی ہوں آج جنت کو جلا کر اور دوزخ کو بجا کر دم لوں گی۔ کوئی میرے خدا کی عبادت اس کی رضا کے لیے نہیں کرتا، سب یا تو جنت کی لالچ میں یا دوزخ کے خوف سے عبادت کیا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیسا پاکیزہ جذبہ ہے۔ اسی جذبہ خیر کی مسکراتی تصویر مذکورہ بالا اشعار پیش کرتے ہیں۔

### سرستی اور ناز:

شراب عشق کی خاص تاثیر تصور محبوب سے سرشاری اور وصال محبوب کے قرب کے تصورات پہ ناز افزاء طرب انگیز کیفیات ہوتی ہیں۔ اس مختصر مجموعہ اشعار کی کئی غزلیں بڑی ہی طرب انگیز اور نشاط آمیز کیفیات اور واردات لیے ہوئے ہیں۔ چند اشعار آپ بھی دیکھئے:

۵۷ من مست آل پیمانہ ام وز بونے اود پوانہ ام  
لیلی اگر ہم خانہ ام گردد چومن مجنون شود  
۵۸ اوساقی و مستش منم پیمانہ درد ستش منم  
دروے نگاہے می کنم تا کے رخس گلگون شود

(دیوان خواجہ پاک ص ۳۲)

۵۷- میں اسی پیمانے کا مست ہوں اور اسی کی خوشبو سے مدہوش و بے خود۔ لیلی بھی اگر میری ہم خانہ ہو جائے تو میری طرح مجنون بن جائے۔  
۵۸- وہ ساقی ہے اور میں اس کا مست، اس کے ہاتھوں کا جام میرا ہی وجود ہے۔ میں تو بس اسی کو دیکھتا رہتا ہوں کہ کب اس کا چہرہ گلنار ہوتا ہے۔

### محبت رسول:

محبت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جان ایمان اور روح اسلام ہے اور عشق نبوی میں فنایت قرب الہی کے حصول کا بنیادی ذیئہ۔ حضرت خواجہ معظم کے عشق رسول کی وارداتیں اور پرسوز کیفیات ان کے عہد کی نگاہوں میں عام رہیں۔

ساری زندگی اپنے حبیب اور جد کریم کی والہانہ یاد ہی آپ کے درد جگر کا درماں رہی۔ اپنے ملفوظات میں آقائے کونین رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر روح پرور بہت ہی والہانہ انداز میں فرماتے ہیں۔ اکثر احادیث طیبہ بیان فرماتے فرماتے رونے لگتے۔ ریش اقدس آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: ”افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا، اس کی جگہ کہاں ہوگی۔ جو آپ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائے گا“۔ یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کر کے رو پڑے (بزم صوفیہ ص ۶۵) عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ برکت تھی کہ بارگاہ نبوت سے حد درجہ قریب اور اس جناب عالی میں بے حد مقبول تھے۔ اسی در کریم سے آپ کو ہند کی سلطنت تفویض ہوئی، بے شمار روحانی انعامات و اکرامات سے سرفراز ہوئے، شرف خطاب عطا ہوا، حاضری روضہ اقدس کے بعد آپ نے سلام نیاز عرض کیا:

الصلوة والسلام عليك يا رسول الله

حظیرہ قدس سے جواب آیا:

وعليكم السلام يا قطب مشائخ بروبحر (بزم صوفیہ ص-۶۵)

آپ نے نثر اور مجلسی گفتگو کے ساتھ ساتھ نظم کی زبان میں بھی یہ سوز دل تقسیم کیا ہے۔ متعدد نعتیں عرض کیں جن سے عشق و وارثی کی خوشبو پھوٹی پڑتی ہے۔ عشق و وفا کی خوشبوئیں اور غیرتیں لئے ہوئے آپ کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے:

۵۹- درجاں چو کرد منزل جانان مامد صد در کشا در دل از جان مامد  
۶۰- ما بلبلیم نالاں در گلستان احمد ما لولونیم و مرجاں، عثمان مامد  
۶۱- ما طالب خدا نیم بردین مصطفایم بردر گمش گدایم سلطان مامد  
۶۲- در باغ و بوستانم دیگر خواں معینے باغم بس است قراں بستان مامد  
(دیوان خواجہ پاک ص ۲۱) (علیہ السلام)  
۶۳- مرا ز دیدہ و دل ہر زماں در و د مادم نثار روضہ پرنور صدر و بدر دو عالم

(ایضاً ص ۴۷)

۶۳- در نعت خواجہ دوسرا روز، شب معین کوس محبتش زساتا سمک زدہ

(ایضاً ص ۴۳)

۵۹- ہمارے محبوب محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ہماری روح میں اتر گئے تو

آپ نے ہمارے دل کے سینکڑوں دروازے کشادہ کر دیئے۔

۶۰- ہم احمد مجتبیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے گلزار کی چھچھاتی بلبل ہیں۔ ہم موتی

اور مرجان ہیں اور ہماری (عمان جیسی) کان حضور کی ذات اقدس ہے۔

۶۱- ہم خدا کے طالب اور مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دین پر قائم

ہیں۔ ہمارے سلطان محمد عربی ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ہم ان کی

بارگاہ کے بھکاری۔

۶۲- اے معین! مجھے کسی دوسرے باغ اور چمن میں مت بلا۔ ہمارے لیے باغ

قرآن اور محمدی چمن کافی ہے۔

۶۳- دونوں جہاں کے بدر کامل اور صدر بزم کے روضہ پر نور پر ہماری نگاہ و دل

کی جانب سے ہر لحظہ پیہم درود نثار ہو۔

۶۴- معین شب و روز خواجہ دوسرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت میں مصروف ہے۔

اس کے عشق کا آواز تو آسمان کے تاروں اور سمندر کی مچھلیوں تک پہنچ چکا ہے۔

**اتباع مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء:**

جب عشق ہوتا ہے تو وارفتگی کی حد تک اس کی پیروی، اقتدا اور اتباع کا جذبہ

خود بخود دلوں میں انگڑائی لیتا ہے۔ پیروی مصطفیٰ ہی ایمان اور عرفان کی جان ہے، اس

کے بغیر کچھ ہاتھ آنے کا نہیں۔

بہ مصطفیٰ برسوں خولیش راکہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نرسیدی تمام بوہی اوست

(اقبال)

عارف باللہ امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، جنہیں بقول امام سیوطی چکھتر

بار بیداری میں زیارت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شرف پاک حاصل ہوا، اپنی

کتاب مستطاب طبقات کبریٰ میں سیدی الکریم ابو عبد اللہ محمد بن خضیف ضعی قدس سرہ

کا یہ ارشاد ذکر فرمایا ہے:

التصوف تصفیۃ القلوب و اتباع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الشریعۃ۔

تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہو (امام احمد رضا اور تصوف ص ۵)

سیدنا خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی بارگاہ بے کس پناہ کی در یوزہ گری

کو ہی ساری ایمانی توانائیوں اور روحانی گہرائیوں کا اصل الاصول قرار دیتے ہیں:

۶۵- عروج جان معینے براوج اودانی بجز متابعت مصطفیٰ نمی پنم

(دیوان ص ۵۲)

۶۶- گر عروج جاں معینے بایت بر نہ فلک در رکاب خواجہ کولاک می بایشدن

(ایضاً ص ۷۵)

۶۷- عروج نیست میسر براوج اودانی مگر بہ پیروی مقتدائے عالم غیب

۶۵- معین الدین! ”اودانی“ کی بلند یوں تک روح کی رسائی مصطفیٰ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

۶۶- اے معین! اگر تجھے فلک اعلیٰ تک اپنی روح کی رسائی مطلوب ہے تو خواجہ

لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہم رکاب ہو جا۔

۶۷- عالم غیب کے پیشوا کی پیروی کے بغیر ”اودانی“ کی بلند یوں تک رسائی نہیں

ہو سکتی۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے بھی ان بزرگان

امت کی پاکیزہ فکروں کی اتباع میں عالم کو یہی پیغام جاں نواز دیا۔ آپ فرماتے ہیں:



ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروغ ہیں اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے  
(حدائق بخشش ص ۷۸)

حضرت خواجہ پاک کے نعتیہ اشعار میں صفات رسول اور کمالات رسول کی  
ایسی نمائندگی بھی ملتی ہے جس سے معتقدات اہل سنت روشن ہوتے ہیں۔ اور آج بھی  
اہل سنت کے بارگاہ نبوی کے تعلق سے جو عقائد وابستہ ہیں، ان کی تائید ہوتی ہے۔  
اس لئے حسب سابق ذیلی عناوین کے ساتھ ایسے اشعار بھی پیش ہوتے ہیں۔

### نور محمدی کی اولیت:

اس سلسلے میں جمہور امت کا اتفاق ہے کہ مرتبہ ایجاد میں نور محمدی صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وسلم کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ خود طبرانی اور شیخین کی حدیث حضرت  
جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی کامل شہادت ہے۔ اس سلسلے میں اکابرین  
اسلام کے مستقل رسالے بھی ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے بھی  
اسے متعدد مقامات پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اپنے ایک نعتیہ کلام میں فرماتے ہیں۔

سب سے اول، سب سے آخر ابتدا ہو، انتہا ہو  
سب تمہاری ہی خبر تھے تم مؤخر مبتدا ہو

(ایضاً ص ۱۳۷)

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ (متوفی ۱۰۵۲ھ) نے بھی  
مدارج النبوة کے دیباچہ میں اسے ذکر کیا ہے۔

حضرت خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی نظریہ کی ترجمانی کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

۶۸-۱۔ تو سلطان دار ملک وجود ہمہ عالم طفیل، تو مقصود

۶۹- مرکز محور وجود توئی کہ بتو قائم است ہر موجود

۷۰- اول و آخری بہ جان و بہ تن ظاہر و باطنی خشمت وجود

۷۱- زاولت نام ازاں محمد شد کامنت راست عاقبت محمود

(دیوان خواجہ پاک ص ۲۰)

۷۲- عالم نمی از رشحہ بحر کرم اوست آدم کف خاک کی زغبہ اوست

۷۳- آدم شدہ بیدار و ہنوز او بشکر خواب شہابش وجودے کہ طفیل عدم اوست

(ایضاً ص ۸)

۷۴- چہ مظہر یست کہ مبعوث شد براول و آخر بظاہر است مؤخر باطن ست مقدم

(ایضاً ص ۴۷)

۶۸- اے کہ تیری ذات گرامی ساری کائنات کی سلطان ہے، تو ہی مقصود کائنات  
ہے، باقی سارا عالم طفیلی۔

۶۹- محور وجود کا تو ہی مرکز ہے، اس لیے تیرے ہی دم قدم سے ہر موجود باقی ہے۔

۷۰- جان اور تن دونوں میں تو ہی اول ہے اور تو ہی آخر ہے اور حشمت و سخاوت  
میں تو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔

۷۱- ابتداء ہی سے تیرا اسم گرامی محمد ٹھہرا۔ اس کا سبب یہی ہے کہ تیرے ہر مقصد  
کا انجام محمود ہے۔

۷۲- سارا عالم آپ کے بحر کرم کی ایک چھینٹ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کا  
خاک کی وجود آپ کے غبار قدم کی برکت۔

۷۳- حضرت آدم علیہ السلام زندگی کی حرارتیں لے کر بیدار ہو چکے اور آپ ابھی  
میٹھی نیند میں سرشار۔ واہ واہ! کیسا نادر وجود ہے جو آپ کے عدم کے  
صدقے میں ظاہر ہوا۔

۷۴- قدرت الہی کا کیسا شاندار مظہر ہے جو ابتدا اور انتہا دونوں جگہ موجود ہے۔  
ظاہر میں تو اس کا وجود مؤخر نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں سب سے مقدم  
ہے۔

## رفعت محمدی :

شان نبوت کی بلندی کا کہنا ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ان رفعتوں کے تذکرے خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنئے:

۷۵- از فلک بگذر کہ فوق العرش منزل گاہ اوست چوں کند عزم سفر اے خواجہ عالی جناب

۷۶- سرّ ماوحی نلجند در ضمیر جبرئیل کشف اسرار لدنی کئے کندام الکتاب

۷۷- در مقام لی مع اللہ از کمال اتصال از خدا بود جدا بچوں شعاع از آفتاب

(دیوان خواجہ پاک ص ۶)

۷۸- چو شد ندیم سراپردہ گفت جبرئیل کہ ہن بگوئے محمد! ثنائے عالم غیب

۷۹- چوں او نمود بجز اعتراف لا اھصی ثنائش گفت بقرآن خدائے عالم غیب

(ایضاً ص ۷)

۷۵- فلک سے آگے بڑھئے اے خواجہ عالی جناب! جب سفر کا عزم ہو چکا تو

آپ کی منزل عرش سے بھی آگے ہے۔

۷۶- ”ماوحی“ کا راز تو حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کے سینے میں بھی نہیں

سما سکتا۔ بھلا قرآن حکیم اسرار لدنی کو کیسے عام کر سکتا ہے۔

۷۷- ”لی مع اللہ“ کے مقام قرب میں کمال اتصال کے سبب خدائے تعالیٰ سے

آپ جدا نہیں ہوتے۔ اس کی ادنیٰ مثال یہ سمجھو جیسے آفتاب کہ اس سے اس

کی کرن علیحدہ نہیں ہو سکتی۔

۷۸- جیسے ہی آپ خلوت کدہ قدس کے رفیق ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام

نے عرض کی: محمد عربی! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عالم الغیب خدا تعالیٰ کی حمد

و ثنا بجالائیں!

۷۹- جب آپ نے ”لا اھصی“ کہہ کر اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو عالم غیب کے

خدا نے قرآن حکیم میں آپ مدح و ثناء بیان فرمائی۔

## نور انبیت مصطفیٰ:

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں نور انبیت کا تصور

ائمہ اسلام کے نزدیک مسلم ہے۔ قرآن حکیم کی آیات کریمہ، کثیر احادیث طیبہ اس پر

شاہد ہیں۔ مسئلہ کی وضاحت کے لئے اس موضوع پر علمائے اہل سنت خصوصاً امام

جلال الدین سیوطی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ اسماعیل نبہانی اور اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہم کی تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ صلوات

الصفافی نور المصطفیٰ، نفی الفئی عن انار بنورہ کل شئی، ہدیٰ

الحیران نفی الفئی عن سید الاکوان، رسائل اعلیٰ حضرت میں کافی سے زائد

دلائل موجود ہیں۔

سیدنا سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی ترجمانی اپنے

اشعار کریمہ میں فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

۸۰- نور حق ست آں مجسم گشتہ در ذات نبی ہچون نور ماہ کز خورشید کردست اکتساب

(دیوان خواجہ پاک ص ۶)

۸۱- بصورت از بشر آمدولے از روئے حقیقت ز فرق تا بقدم رحمت خداست مجسم

(ایضاً ص ۷)

۸۰- نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی خدا کا نور ہے جو مجسم ہو کر

نمودار ہوا۔ اس کی تقریبی مثال کے لئے چاند کو دیکھو کہ اس نے اپنی روشنی

خورشید سے حاصل کی ہے۔

۸۱- وہ ظاہری طور سے تو بشر کی صورت میں تشریف لائے لیکن درحقیقت

سر تا پا خدائے تعالیٰ کی مجسم رحمت ہیں۔

رحمت عالم:

آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمتہ للعالمین زبان زد عام ہے۔

وما رسلناک الا رحمة للعالمین۔ اس کا تذکرہ خواجہ ہند کی زبان حق ترجمان سے بھی سنئے:

۸۲- ہجو بسم اللہ بر منشور قرآنت خدائے تا قیامت ہم عنان مانند عنوان ساختہ

۸۳- اندران عنوان دور حمت کردہ ظاہر اندریں جسم و جانت رحمتے برانس و برجان ساختہ

(ایضاً ص ۸۱)

۸۲- اپنے قرآنی منشور پر جس طرح بسم اللہ شریف کا سرنامہ خدائے تعالیٰ نے رکھا

ہے اسی طرح آپ کی کریم ذات کو اس نے سارے جہان کا عنوان بنایا ہے۔

۸۳- اس (بسم اللہ کے) عنوان میں دو رحمتیں (رحمن و رحیم) نمایاں کیں اور اس

عنوان میں آپ کی جسم و جان کو جن و انس کے لئے سراپا رحمت بنا کے بھیجا۔

علم غیب:

ہم اہل سنت کا مسلک مختار یہ ہے کہ آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

ان کے محبوب خالق نے ساری کائنات کا علم عطا فرمایا ہے۔ اس موضوع پر اہل باطل

عرصہ سے اہل حق سے برسریکا رہیں۔ لیکن ایک مومن منصف کے لئے اللہ و رسول کا

رشاد بس ہے۔ تفصیلی دلائل کے لئے اس موضوع پر علمائے اہل سنت کی کثیر تصانیف

خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے رسائل الدولة المکیة

بالمادة الغیبیة، خالص الاعتقاد، اللؤلؤ المکنون، الفیوضات الملکیة

کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ سبھی عرفائے حق اور عارفان اسرار الہی کا یہی مسلک رہا ہے۔ شیخ

عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اشعة اللمعات میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔ سیدنا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) خالص

الاعتقاد میں تحریر فرماتے ہیں:

”ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علماء میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم

غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے، وہ

روز ازل سے یوم آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات و احادیث کا

مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے؟ بہت اہل ظاہر جانب خصوص گئے ہیں اور عام

علمائے باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علمائے ظاہر نے آیات و احادیث کو ان کے

عموم پر رکھا۔ ہمارا قول مختار قول اخیر ہے جو عام عرفائے کرام و بکثرت اعلام کا مسلک

ہے۔ اس بارے میں بعض آیات و احادیث و اقوال ائمہ فقیر کے رسالے انباء المصطفیٰ

میں ملیں گے اور ”اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ما کان و کایکون“

(۱۳۱۸ھ) وغیرہ رسائل فقیر میں بحمد اللہ تعالیٰ کثیر و وافر ہیں۔ اور اقوال اولیا کرام

و علمائے عظام کی کثرت تو اس درجہ ہے کہ ان کے شمار کو ایک دفتر عظیم درکار ہے (امام

احمد رضا اور تصوف ص ۲۷)

حضرت خواجہ پاک بھی سرکار قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم غیب کا راہنما

تسلیم کرتے ہیں اور راہنما وہی ہوتا ہے جو خود اس راہ کا عارف ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

۸۴- ندائے عالم غیب از حق نمی شنوی شنوز لفظ بیہر صدائے عالم غیب

۸۵- ترا حضرت عزت ہی نماید راہ محمد عربی رہنمائے عالم غیب

(دیوان خواجہ پاک ص ۷)

۸۴- اگر تجھ میں حق تعالیٰ سے عالم غیب کی صدا سننے کی صلاحیت نہیں ہے تو عالم

غیب کے ترجمان رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی پاک زبان سے اس

جہان کی صدائیں سنو۔

۸۵- عالم غیب کے راہ نما محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہی بارگاہ رب

العزت تک تیری راہنمائی فرمائیں گے۔

یادگاری امت:

پہلے سجدہ پہ روز ازل سے درود یادگاری امت پہ لاکھوں سلام

آقائے کریم، رؤوف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو امت کی یاد ساتھ تھی اور ظاہری دنیا سے تشریف لے گئے تو امتی امتی کی صدائے جاں نواز فضاؤں میں بکھرتی رہی۔ اور کل محشر میں بھی اس بارگاہ بے کس پناہ ہی سے سراپا امید صدائے جاں بخش ”انالہا“ سنائی دے گی۔ اسی یادگاری امت اور عنخواری ملت کی فکر کس حسن تغلیل کے ساتھ حضرت خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش فرمائی ہے:

۸۶- شادی جہاں کر دے غم امت دانست کہ شادی جہاں نہ غم اوست  
۸۷- چوں دید کہ نیکی تو کم بود و بدی بیش زیں واسطہ دانم کہ غم بیش و کم اوست  
(ایضاً ص ۹)

۸۶- دنیا کی ساری مسرتیں آپ نے امت کے غم پر قربان کر دیں۔ اس لیے کہ آپ کو خوب علم ہے کہ سارے جہاں کی مسرتیں آپ کی عنخواری کے طفیل ہیں۔  
۸۷- جب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تمہاری نیکیاں کم اور برائیاں زیادہ ہیں۔ میرا خیال ہے اسی لیے آپ اکثر و بیشتر غمگین رہے۔

### شفاعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء:

شفاعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء بھی امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ لیکن شیخ نجدی اور ان کے متبع شیخ اسماعیل دہلوی نے اس میں تشکیک کی راہیں نکالیں جس کے جواب میں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ نے ”تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ“ تصنیف کر کے ان کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا اور یوں اس فتنہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی اس اجماعی مسئلہ کی تائید میں سینکڑوں احادیث کریمہ سے مزین دور سالیٰ تصنیف فرمائے۔

۱- اسماع الاربعین فی شفاعت سید المحبوبین، ۲- سمع وطاعة لاحادیث الشفاعت۔ اسماع الاربعین کے آغاز میں لکھتے ہیں:

”سبحان اللہ ایسے سوال سن کر کتنا تعجب آتا ہے کہ مسلمان و مدعیان سنت اور

ایسے واضح عقائد میں تشکیک کی آفت، یہ بھی قرب قیامت کی ایک علامت ہے اناللہ وانا الیہ راجعون۔ احادیث شفاعت بھی ایسی چیز ہیں جو کسی طرح چھپ سکیں۔ بیسیوں صحابہ، صد ہا تابعین، ہزار ہا محدثین ان کے راوی الخ (اسماع الاربعین ص ۲) حضرت خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفاعت محبوب کے کس درجہ امیدوار نظر آتے ہیں۔

۸۸- یارسول اللہ! شفاعت از تومی دارم امید باوجود صد ہزاراں جرم در روز حساب (دیوان ص ۶)

۸۹- مستغرق گناہیم ہر چند عذر خواہیم پزمرده چوں گیاہیم باران مامحمد  
۹۰- از درد زخم عصیاں مارا چہ غم چوسازد از مرہم شفاعت درمان مامحمد  
(ایضاً ص ۲۱)

۸۸- یارسول اللہ! باوجود لاکھوں گناہ کے، قیامت کے دن آپ کی کریم ذات سے مجھے شفاعت کی آس لگی ہے۔

۸۹- ہر چند کہ میں نے توبہ سے کام لیا لیکن پھر بھی گناہوں میں غرق ہوں، اسی لئے سوکھی گھاس کی مانند پڑ مردہ رہتا ہوں۔ ہمارے لئے بارش کرم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

۹۰- محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب شفاعت کے مرہم سے ہمارے درد کا مداوا فرمائیں تو زخم گناہ کے ٹیس کی ہمیں کیا فکر؟

### نداء، استغاثہ اور توسل:

ان مسائل پر بھی جمہور اہل سنت کا اجماع ہے۔ آٹھویں صدی تک پوری امت اس کے جواز و استحباب پر متفق تھی۔ لیکن ابن تیمیہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اس اجماعی زاویہ فکر کو جو کتاب و سنت اور آثار صحابہ کی شاندار تائیدات سے مزین و مؤید ہے، زک پہنچانے کی کوشش کی لیکن اس دور کے اکابرین اسلام نے اس کا ناطقہ بند

کر دیا۔ پھر بارہویں صدی میں ابن عبد الوہاب نجدی نے، ابن تیمیہ کی بوسیدہ ہڈیوں میں زندگی کی حرارتیں پیدا کرنے کوششیں کیں لیکن وہ برگ و بار نہ لاسکیں۔ آج بھی اس کے تبعین اور مملکت آل سعود اس کی ترویج و اشاعت کے لئے اپنی ساری میڈیائی قوت کو بروکار لاتی ہے، لیکن سلف سے لے کر خلف تک اس کے جواز و استحباب پر متفق ہیں۔ دلائل کے لئے علما اہل سنت کی اس موضوع پر کاوشوں کو دیکھا جائے خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ”برکات الامداد لاهل الاستمداد“ اور علامہ علوی مالکی کی ”اصلاح فکر و اعتقاد“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ماویٰ و بلجا، انیس بے کساں، درد مندوں کے چارہ سازی بارگاہ میں ہی اپنی درد مند یوں کا مداوا دھونڈتے ہیں، پکارتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

۹۱- یارسول اللہ! بحال عاصیاں کن یک نظر تا شود زان یک نظر کار فقیراں ساخته  
۹۲- رحمۃ للعالمین! بر معینے رحم کن کز جہالت خویش را محکوم شیطان ساخته  
(ایضاً ص ۸۲)

۹۳- یارب بحق سید کونین مصطفیٰ کش جسم و جان خلاصہ کون و مکاں بود  
۹۴- نومید چوں شود دل و جان امیدوار جائے کہ رحمت و کرم بے کراں بود  
۹۵- دارد معین بر رحمت حق منتہائے تو امیدازاں زیادہ کہ اندر گماں بود  
(ایضاً ص ۱۹)

۹۱- یارسول اللہ! ہم گناہگاروں کی حالت زار پر رحمت کی ایک نگاہ ڈال دیجئے تا کہ اس نگاہ کرم کے صدقے میں ہم فقیروں کا کام بن جائے۔

۹۲- یارحمۃ للعالمین! بے چارے معین پر رحم فرمائیے جو اپنی نادانی کے سبب لعین شیطان کا محکوم بنا پھر تا ہے۔

۹۳- اے کریم رب! دونوں جہان کے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

صدقے میں، جن کی ذات گرامی ساری کائنات کی روح ہے۔  
۹۴- ایسی جگہ جہاں رحمت و کرم کا بے حساب سمندر ہوگا اور امید لگانے والے جان و دل ناامید ہو جائیں گے۔  
۹۵- ایسے عالم میں معین کو آپ کی ذات گرامی سے ہی قیاس سے زیادہ رحمت الہی کے حصول کی امید لگی ہوئی ہے۔

### باطن کی تربیت:

سرکار خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وارفتگی و شوق، سرمستی و رعنائی کی دعوت پر شوق کے ساتھ ساتھ اس راہ میں نفس کی عیاریوں کی بھی نشاندہی فرمائی ہے، اس کی شکار گاہوں کا بھی پتہ بتایا ہے۔ رذائل سے دوری، خصائل سے آراستگی، پاکیزہ اخلاق، تواضع اور انابت کی تعلیم بھی پیش فرمائی ہے، جنہیں اپنا لینے سے باطن کی دنیا جھلک اٹھے۔ یہ تعلیمات اکثر در حدیث دیگران کے عنوان سے ہیں، اور کہیں کہیں براہ راست بھی خطاب ملتا ہے۔ ذیلی سرخیوں میں اب وہ تعلیمات اشعار خواجہ معظم کے حوالے سے دیکھتے چلیے۔

### خوف ورجا:

خوف ورجا کی اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی اسے ایمان کا دو کناہ قرار دیا گیا۔ حدیث شریف میں ہے الايمان بين النخوف والرجاء حضرت امام غزالی اس کی فضیلت کے بارے میں کیمیائے سعادت میں تحریر فرماتے ہیں:  
”خوف و امید سالک کے لئے دو بازوؤں کی طرح ہیں جن کی قوت سے وہ بلند مقامات کو پہنچتا ہے، کیونکہ جمال الہی کے تجاہات بہت بلند ہیں۔ جب تک امید صادق نہ پیدا ہو اور جمال الہی کی لذت مدد نہ کرے، ان بلند یوں کو طے کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے برعکس نفسانی خواہشات جو دوزخ کی راہ پر واقع ہیں، ایسی غالب اور انسان کو فریب دینے والی اور اپنی طرف کھینچنے والی ہیں کہ انسان کا اس کے

دام سے بچنا بہت مشکل ہے۔ جب تک انسان کے دل پر خدا کا خوف غالب نہ ہو، اس ہوا و ہوس سے بچنا ناممکن ہے۔ اسی بنا پر خوف و امید کی بڑی فضیلت رکھی گئی ہے، کیونکہ امید باگ کی طرح ہے جو بندے کو کھینچتی ہے اور خوف ڈرے اور کوڑے کی مانند ہے جو اس کو چلاتا ہے (کیمیائے سعادت ص ۷۳)۔

اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

مقصد اور مدعا اس تمام گفتگو کا یہ ہے کہ خوف ورجا مساوی ہیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر قیامت کے دن ندا کریں کہ آج بہشت میں صرف ایک ہی شخص جائے گا تو سمجھئے کہ وہ ایک میں ہوں اور اگر منادی ہو کہ دوزخ میں صرف ایک شخص ہی ڈالا جائے گا تو میں ہر اس میں ہوں گا کہ کہیں وہ ایک شخص میں نہ ہوؤں۔ (ایضاً ص ۷۳)

سیدنا حضرت خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بآں فضل و کمال اور قبول بارگاہ ذوالجلال خشیات الہی کا بے پناہ غلبہ رہا کرتا تھا۔ جب کبھی قبر و حشر کے مناظر کا تذکرہ آجاتا تو آپ بے اختیار رو پڑتے اور کبھی تو چیخیں تک بلند ہو جاتیں (تفصیل کے لئے دیکھئے دلیل العارفین) آپ خود عارف کی یہ بنیادی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہیں: ہیبت، تعظیم، حیا۔ اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت و گزاری تعظیم ہے اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے۔ (سیر الاقطاب ص ۱۳۹ بحوالہ بزم صوفیہ ص ۸۱)

اب خوف ورجا کے یہی مناظر آپ کے اشعار میں دیکھئے:

- ۹۶- مینداز از نظر زاہد مرامین مفلس مسکین گناہ بے حد و طاعت بغایت مختصر دارد  
۹۷- چہی دانی تو اے غافل کہ شاید عاشق بے دل مراد خویشتم حاصل بیک آہ سحر دارد  
(دیوان خواجہ پاک ص ۳۰)

۹۸- اگرچہ داد اطعنا نمی تو اں دادن ولے قبول سمعنا در امتثال تو بس  
۹۹- معینا زچہ دار الجلال می طلی تو عاصی و تراطف ذوالجلال تو بس  
(ایضاً ص ۴۲)

۹۶- اے زاہد! مجھ مفلس بے چارے کو جو بے حساب گناہ اور بہت قلیل نیکیاں رکھتا ہے، حقارت کی نگاہ سے مت دیکھ۔

۹۷- ارے غافل! تجھے کیا معلوم؟ بہت ممکن ہے کہ بے دل عاشق ایک آہ سحر میں اپنی مراد پالے۔

۹۸- اگرچہ ہم اطاعت کا سرمایہ اکٹھا نہ کر سکے لیکن ہماری التجاؤں کو سن لینا تو تیری ہی قدرت میں ہے۔

۹۹- اے معین! رب ذوالجلال کی بارگاہ سے تجھے اور کیا چاہئے۔ تو ایک گناہگار ہے تیرے واسطے تو بس عزت و جلال والے رب کا لطف و کرم ہی کافی ہے۔ اب رحمت الہی کی امیدواری کا ایک دوسرا انداز ملاحظہ کیجئے۔ اسی بارگاہ قدس سے رحمت بھری یہ ندا آتی ہے۔

- ۱۰۰- نظر برحمت ماکن مخور فریب عمل چو شد پدید مسبب معطل است سبب  
۱۰۱- مرا جو کہ نیابی باغ عالم قدس درون سینہ سوزان عاصیاں بطلب  
۱۰۲- بوقت درد و طلب لطفہائے من دیدی قیاس کن کہ چہ بنی بوقت عیش و طرب  
(ایضاً ص ۸)

۱۰۰- عمل کے فریب میں نہ پڑنا، ہماری رحمت پر نگاہ رکھنا۔ جب مسبب مل گیا تو سبب کی کیا ضرورت؟

۱۰۱- مجھے جہان قدس کے باغ میں مت تلاش کر کہ تو نہ پاسکے گا۔ تلاش ہی کرنا ہے تو مجھے گناہگاروں کے درد مند سینوں میں تلاش کر۔

۱۰۲- درد مندی اور طلب کے وقت تو تو نے میرے لطف و کرم کا مظاہرہ دیکھا۔

ذرا اندازہ کر کہ مسرت و طرب کے زمانے میں میری رحمت کا کیا عالم ہوگا۔

تواضع اور تذلل اور کبر سے گریز:

تواضع سارے کمالات و محاسن کا سرچشمہ، رحمت الہی کا مصدر اور فیض نبوی کا منبع ہے اور تکبر سارے مفسدوں کی بنیاد اور ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔ اس لئے قرآن وحدیث میں کثرت سے تواضع کی تعلیم اور کبر سے گریز کا حکم دیا گیا ہے۔

سیدنا امام غزالی قدس سرہ نے کبر کے اسباب میں تقویٰ کے غرور کو بھی بیان فرمایا ہے، جبکہ یہ نفس کا زبردست دھوکہ ہے اور راہ سلوک کے لئے سخت سنگ گراں۔

حضرت امام غزالی تحریر فرماتے ہیں:

”تکبر کے اسباب سات ہیں: (۱) علم (۲) عمل، یہ دونوں دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور (۳) نسب، (۴) جمال، (۵) قوت، (۶) مال، (۷) مددگاروں کی کثرت، یہ دنیاوی اسباب ہیں۔ (احیاء العلوم للغزالی ۳/۳۳۸)

زبدۃ الکاملین عارف باللہ سیدنا ابوالحسن احمد نوری مارہروی قدس سرہ نے سالک کے بارہ آداب ذکر کئے ہیں۔ نواں ادب اسی تواضع سے متعلق ہے، چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

”جب کبھی تجلیات کے غلبہ سے باطنی جوش ابھرے جو عقل و وہم سے باہر ہے تو اپنے مقام کو نہ بھولے اور بزرگوں کی برابری نہ کرے۔ بہتر تو یہ ہے کہ اپنے کو ساری مخلوقات سے کم تر جانے، یہاں تک کہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل و خوار سمجھے اور یہ کمال انسانی کا وہ مرتبہ ہے جو امداد الہی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلطنت عظمیٰ اور خلافت اور خطاب لو لاک لما خلقت الدنیا حاصل ہونے کے باوجود بھی بارگاہ الہی میں مناجات فرماتے کہ یا اللہ مجھے مسکین رکھ کر زندہ رکھ اور بحالت مسکین ہی موت دے اور گروہ مسکین کے ساتھ ہی میرا حشر فرما۔ اسی سے اندازہ لگا لو کہ عاجزی کا مرتبہ کس قدر بلند و بالا ہے (سراج

العوارف فی الوصایا والمعارف ص ۱۵۴)

اب میرے عظیم خواجہ پاک کی تواضع کا انداز دیکھئے اور عبرت لیجئے۔

تقویٰ کے غرور سے گریز:

۱۰۳- بزن بسنگ ملامت زجاجہ ناموس بکوائے عشق بریز آب روئے تقویٰ را  
(دیوان س ۵)

۱۰۳- ملامت کے پتھر سے اعزاز کے شیشے کو توڑ دے۔ عشق کے کوچے میں تقویٰ کے غرور کو ختم کر دے۔

نام و نسب اور انانیت کے فخر سے اجتناب:

۱۰۴- معین ز نام و نشان در گذر کہ در رہ عشق غلامی سگ کولیش ترا بس است لقب  
۱۰۵- اسد وجود بشکن اگر مردایں رہی ورنہ ہزار سالہ رہ اندر میاں بود  
۱۰۴- معین! نام و نمود کی ہوس چھوڑ۔ عشق کی راہ میں تو تیرے لئے یہی لقب کافی ہے کہ تو کوچہ محبوب کے کتے کا غلام ہے۔

۱۰۵- اگر تو اس راہ کا جواں مرد ہے تو اپنے وجود انا کی دیوار پاش پاش کر دے، ورنہ یہ راستہ ہزار سال میں بھی طے نہ ہوگا۔

اعتراف تقصیر:

جب مشیت الہی دلوں میں جلوہ گر ہوتی ہے تو تواضع کی شان پیدا ہوتی ہے، جس سے اپنی تقصیرات کا اعتراف اور اپنے نفس کا احتساب دل و نگاہ میں چھا جاتا ہے۔ میرے سلطان کی کسر نفسی اور تقصیرات جو ہمارے لئے مثنوبات ہوں گے، کا شان اعتراف دیکھئے۔

۱۰۶- تو بحر رحمتی ومن آلودہ گناہ پاکم بشوای ز تو پاکئی ہر پلید  
(دیوان خواجہ پاک ص ۲۰)

۱۰۶- تو رحمت کا سمندر ہے اور میں گناہوں میں لتھڑا ہوا ایک انسان۔ اے وہ

ذات کریم جس کی جناب سے ہر پلید کو پاکی ملتی ہے، مجھے بھی پاک کر دے۔

### نفس کی نگہداری:

احساسِ نفس سا لک کی اہم ذمہ داری ہے۔ اسی لئے عرفاء یہ تلقین فرماتے ہیں کہ جب سونے کے لئے بستر پر دراز ہو تو محاسبہ کرے کہ آج میں نے کتنے گناہ کیے ہیں اور کتنی نیکیاں۔ نیکیوں پر شکر الہی بجلائے کہ یہ اسی کی توفیق سے ہے اور گناہوں پر شرمندہ ہو، توبہ کرے اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے۔ یہ واقعہ مشہور ہے اور کتابوں میں بھی مذکور ہے کہ ایک عارف نے، جن کا اسم گرامی ابن الصممہ قدس سرہ تھا، اپنی عمر کا حساب لگایا تو تعداد ایام ہزاروں میں پہنچی۔ معایہ خیال آیا کہ اگر روزانہ ایک گناہ بھی مانو تو ہزاروں گناہ ہوئے اور نہ جانے ہر دن کتنا گناہ ہوتا ہے۔ ناگاہ چیخ ماری اور ہیبت مواخذہ الہی سے واصل بحق ہو گئے۔ (کیمیائے سعادت ص ۸۵۰)

حضرت خواجہ پاک بھی احساسِ نفس کی دعوت دیتے ہیں اور نفس کی سرکشی

کو علاج نہیں سمجھتے:

۱۰۷- سرکشی چوں کند آں تن کہ دلش گشت سوار توبہ میں نفس جموح ست ولے رام دل ست (دیوان ص ۱۱)

۱۰۸- وہ جسم جس کا شہسوار دل ہو، سرکشی کیونکہ کر سکتا ہے۔؟ ذرا خیال کر! نفس اگر چہ سرکش ہے لیکن اسے بھی تودل کے تابع بنایا گیا ہے۔

### توکل:

توکل اور قناعت سے دل میں آسودگی، فکر میں اطمینان اور اعمال میں یکسانیت اور خشوع پیدا ہوتا ہے۔ توکل کی حقیقت کیا ہے اسے حکیم الامت حجتہ الاسلام سیدنا امام غزالی سے سنئے۔ آپ مکاشفۃ القلوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”توکل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسباب سے قطع نظر کر لیا جائے، جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے بلکہ توکل اسباب کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم سے ایک بدوی نے پوچھا۔ میں اونٹ کا پیر باندھ کر یا کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اونٹ کا پاؤں باندھ دے اور توکل کر اللہ پر۔

فرمان نبوی ہے کہ اگر تم اللہ پر توکل کرنے کی حقیقت کو پالیتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پرندوں کی طرح رزق دیتا جو صبح بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم اور حضرت شفیق بلخی رحمہما اللہ تعالیٰ کی مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی۔ حضرت ابراہیم نے پوچھا اے شفیق بلخی! تم نے یہ بلند مرتبہ کیسے پایا؟ جناب شفیق نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ میرا ایک بیابان سے گذر ہوا۔ وہاں میں نے ایک ایسا پرندہ پڑا دیکھا جس کے دونوں بازو ٹوٹ گئے تھے۔ میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ دیکھوں تو سہی اسے کیسے رزق ملتا ہے۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ایک پرندہ آیا جس کی چونچ میں ایک ٹڈی تھی اور اس نے وہ پرندے کے منہ میں ڈال دی۔ میں نے دل میں سوچا کہ وہ رازق کائنات ایک پرندے کے ذریعہ دوسرے پرندے کا رزق پہنچا دیتا ہے، میرا رزق بھی مجھے ہر حالت میں پہنچا سکتا ہے۔ لہذا میں نے سب کا روبرو چھوڑ دیئے اور عبادت میں مصروف ہو گیا۔ جناب ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اے شفیق! تم نے مجبور و معذور پرندہ بننا پسند کیا اور تندرست پرندہ بننا پسند نہ کیا کہ تم کو مقام بلند نصیب ہوتا۔ کیا تم نے یہ فرمان نبوی نہیں سنا کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے؟ مومن تو ہمیشہ بلندی درجات کی تمنا کرتا ہے تا آنکہ وہ ابرار کی صف میں جگہ پاتا ہے۔ جناب شفیق رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنتے ہی جناب ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کو چوما اور کہاں آپ بے شک میرے استاد ہیں۔ (مکاشفۃ القلوب ص ۲۱۳-۲۱۴)

یعنی توکل کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان رزق کے حصول کے اسباب مہیا کر لے تو اسباب کے بجائے اپنا نصب العین اس خالق کائنات کو بنائے جو حقیقت



میں روزی رساں ہے، جیسے سائل جو کشتکول لے کر گداگری کرتا ہے، وہ کشتکول کو نہیں بلکہ ہمیشہ دینے والے سخی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

سیدنا امام غزالی قدس سرہ نے توکل کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں۔ عارف کا توکل کیسا ہونا چاہئے، اس کے بارے میں حضرت سلطان الہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”عارف کا توکل تو یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے۔ حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف و رنج پہنچے تو وہ نہ ان کی شکایت کرے اور نہ حکایت (دلیل العارفین ص ۵۱، بحوالہ بزم صوفیہ ص ۸۱)

اب توکل کا یہی پیغام حضرت خواجہ پاک سے نظم کی زبان میں سنئے:

۱۰۸- بگذر ز فکر روزی و رزاق را شناس بنگر چگونہ رزق تو دل خواہ می رسد (دیوان ص ۲۶)

۱۰۸- روزی کی فکر چھوڑ، رزاق کو پہچان لے، پھر دیکھ کہ کیسے تیری مرضی کے مطابق تجھے رزق ملتا ہے۔

احقر نے اس عنوان میں ذرا تفصیل سے کام لیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آج انسانی دل کی ساری آرزوگی، فکری تباہی اور پریشان خاطرگی کا سبب مولیٰ کے بجائے اسباب پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر قناعت اور توکل سے کام لیا جائے تو بہت ساری اہم مشکلات از خود حل ہو جائیں گی۔ ہمارے سبھی مشائخ نے اسی کا درس دیا ہے۔ خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان گرامی ابھی گزرا۔ سلسلہ قادریہ برکاتیہ کے تاجدار سلطان العاشقین سیدنا سید شاہ برکت اللہ عتیقی مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”مالداروں دینداروں کے دروازوں پر مارے مارے ہرگز نہ پھریں، ہمیشہ اللہ کی رحمت سے آس لگائے رکھیں۔ اسی کریم و رحیم عم نوالہ کے کرم و رحمت پر بھروسہ اور توکل اختیار کریں (ملفوظات مشائخ مارہرہ ص ۱۸)

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسباب کو ترک کر دیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں:

توکل معارضہ اسباب کا نام نہیں - اللهم ارزقنا نصيبا منه ہر آنکھ خدا کے لئے نم ہوتی نہیں ہے ہر اک کے لئے اشک بہانا نہیں ہوتا ہر قلب تجلی کہ محبوب کہاں ہے؟ ہر دل میں توکل کا ٹھکانہ نہیں ہوتا (بدر)

### شہوت شگنی:

شہوت کھانے کی ہو یا سونے یا کسی اور چیز کی، روح کی ظلمت اور دل کی تاریکی کا سبب ہے۔ اور شہوت معدہ ہی ساری شہوتوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی لیے قلت خوراک اور فاقہ کی بے شمار فضیلتیں احادیث طیبہ میں وارد ہیں۔

حکیم الامت سیدنا امام غزالی قدس سرہ نے تقلیل خوراک کے دس فائدے ذکر کیے ہیں۔ اس کے پہلے فائدے کو حضرت خواجہ پاک نے اپنے شعر میں پیش فرمایا ہے۔ حضرت امام غزالی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

”گر سگی میں دس فائدے ہیں: پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دل صاف اور روشن ہوتا ہے اور سیری دل کو دھندلا اور غمی کرتی ہے اور ایک بخار معدے سے اٹھ کر دماغ کو جاتا ہے جس سے انسان کا دل پریشان ہوتا ہے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کم کھانے سے اپنے دل کو زندہ کرو اور گر سگی سے اس کو پاک صاف بناؤ تاکہ تصفیہ حاصل ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بھوکا رہتا ہے، اس کا دل زیرک ہوتا ہے اور اس کی عقل زیادہ ہوتی ہے۔

شیخ شبلی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ایسا نہیں ہوا کہ میں کسی دن اللہ کے لیے بھوکا رہا ہوں اور میرے دل میں ایک تازہ حکمت نہ پیدا ہوئی ہو۔ (کیمیائے سعادت ص ۲۸۵)

حضرت خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

- ۱۰۹- جاں رامد ز حکمت و تن راز شہوت است نقصان این مقوی رحمان آں بود  
 ۱۱۰- کم خوردن ست مایہ حکمت در اں فزائے سود دل ست گر چہ کہ تن رازیاں بود  
 ۱۱۱- تن مر کبے ست بستہ بر آ خرز بہر رزم آں بہ کہ روز معرکہ لاغر میاں بود  
 (دیوان خواجہ پاک ص ۱۸)
- ۱۰۹- روح کو حکمت سے فروغ ہے اور بدن کو شہوت سے۔ جسم کی لاغری روح کے فروغ اور تقویت کا سامان ہے۔  
 ۱۱۰- کم کھانا، حکمت اور دانش کا سرمایہ ہے۔ اس لیے کہ اس میں منفعت دل کی افزائش ہے، گرچہ بدن کا نقصان ہوتا ہے  
 ۱۱۱- بدن ایک بندھا ہوا گھوڑا ہے جسے آخرت کی رزمگاہ کے لیے تیار رکھا گیا ہے اور کارزار کے دن بہتر یہی ہوتا ہے کہ گھوڑا دہلی کمر کا ہو۔

### جاں سوزی:

مجاہدہ اور جاں سوزی اور فکر محبوب میں اپنے کو گھلاتے رہنا، عارفان حق اور عاشقان حقیقی کا شیوہ ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ پاک دلیل العارفین میں خود فرماتے ہیں:  
 ”عارف وہ ہے جو اپنے سے ساری باتیں نکال کر یگانہ ہو جائے۔ عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی اس راہ میں اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے۔ (بزم صوفیہ ص ۸۰)۔

اب عارف کی یہی کیفیات شعر میں ملاحظہ کیجئے:

- ۱۱۲- در محنت فراق چو دل می رود ز دست در لذت وصال بہ میں تا چہ ساں بود  
 ۱۱۳- از ذرہ ذرہ اش چکدہ قطرہ قطرہ خون باہر دلے کہ عیش تو در امتحاں بود  
 (دیوان ص ۱۸)
- ۱۱۲- جب فراق کی کلفت میں دل ہاتھ سے جاتا رہا تو سوچو کہ لذت وصال میں

کیا حال ہوگا۔

۱۱۳- اس دل کے ذرے ذرے سے لہو کے قطرات ٹپکتے ہیں جو تیرے عشق کی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے۔

### عشق غومیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف اکابرین اسلام کی منقبتیں بھی منقول ہیں۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبتیں عام طور سے شہرت رکھتی ہیں۔

فقیر قادری اخیر میں سیدنا غوث اعظم سید شیخ ابو محمد محی الدین عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاء عنہ کی شان رفیع میں کہی گئی وہ عالی منقبت بطور عقیدت پیش کرتا ہے جس سے سرکار خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بارگاہ فیض مآب سے گہری عقیدت اور شینگی خوب جھلکتی ہے، تاکہ قادری چشتی فیضان کا دوا آتشہ اس گدائے قادری کی سیاہ کاریوں کے کفارے اور نجات کا سامان ہو جائے ع

چل لکھ لائیں شاخونوں میں چہرہ تیرا

حضرت خواجہ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

- ۱۱۴- یا غوث معظم، نور صدی، مختار نبی، مختار خدا  
 سلطان دو عالم، قطب علی، حیراں ز جلالت ارض و سما  
 ۱۱۵- در صدق ہمہ صدیق و شی، در عدل و عدالت چوں عمری  
 اے کان حیا عثمان نشی، مانند علی با جو دو سخا  
 ۱۱۶- در بزم نبی عالی شانی، ستار عیوب مریدانی  
 در ملک ولایت سلطانی، اے منبع فضل و جو دو سخا  
 ۱۱۷- چوں پائے نبی شد تاج سرت تاج ہمہ عالم شد قدمت  
 اقطاب جہاں در پیش درت افتادہ چو پیش شاہ گدا

- ۱۱۸- گرداد مسیح بہ مردہ رواں، داری تو بدین محمد جاں  
ہمہ عالم محی الدین گویاں، بر حسن و جمالت گشتہ فدا
- ۱۱۹- در شرع بغایت پرکاری، چالاک چو جعفر طیار  
بر عرش معلی سیاری، اے واقف راز اوادنی
- ۱۲۰- از بس کہ قتل نفس خودم بیمار خجالت مند دم  
شرمندہ سیدہ رونفعلم از فیض تو دارم و چشم دوا
- ۱۲۱- معین کہ غلام نام تو شد در یوزہ گرا کرام تو شد  
شد خواجہ زان کہ غلام تو شد دارد طلب تسلیم و رضا
- ۱۱۳- اے با عظمت فریادرس، ہدایت کی روشنی، بارگاہ نبوت کے محبوب، رب  
کریم جل و علا کے برگزیدہ، دونوں جہاں کے سلطان اور بلندیوں کے  
مرکز! آپ کی عظمت و جلال کے سامنے آسمان و زمین حیرت زدہ ہیں۔
- ۱۱۵- سچائیوں میں صدیق اکبر کے جانشین کامل، عدل و انصاف میں فاروق  
اعظم کے پرتو، حضرت عثمان غنی کی شرم و حیا کے امین اور جو دو سخا میں  
مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے عکس جمیل۔
- ۱۱۶- اے جو دو سخا کے سرچشمہ! آپ شہرستان ولایت کے سلطان ہیں، مریدوں  
کے عیب پوش اور بارگاہ نبوت علیہ السلام و الختیمہ میں نہایت عالی قدر۔
- ۱۱۷- چونکہ قدم نبوت آپ کے سراقدرس کا تاج ہے، اسی لیے آپ کا قدم مبارک  
سارے جہاں کا تاج ٹھہرا۔ ساری دنیا کے قطب آپ کے آستانہ کریم  
کے حضور یوں پڑے ہوئے ہیں، جیسے بادشاہ کے سامنے گداگر۔
- ۱۱۸- اگر سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردوں کو زندگی عطا کی تو آپ  
نے دین محمدی میں جان ڈال دی۔ سارا عالم آپ کو محی الدین کے لقب سے  
یاد کرتا ہے اور آپ کے حسن و جمال پر فدا ہے۔

- ۱۱۹- آپ کو شریعت میں کامل دسترس حاصل تھی، حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ  
عنہ کی مانند ہوشیار تھے۔ اے ”اوادنی“ کے راز سے واقف! آپ کی سیرگاہ  
تو عرش معلیٰ ہے۔
- ۱۲۰- گرچہ میں اپنے نفس کا مقتول ہوں، میرادل بیمار اور شرمسار ہے اور میں خود  
بھی ججل، نامد، اور سیاہ رو ہوں لیکن آپ کے فیض و کرم سے اپنے درد کی دوا  
رکھتا ہوں۔
- ۱۲۱- معین جو آپ کے نام نامی کا غلام، آپ کے اکرام کا منگتا ہے اور آپ کی  
غلامی کا شرف حاصل ہونے کی وجہ سے خواجہ بن گیا، آپ کی تسلیم و رضا کا  
طالب ہے۔
- خواجہ غریب نواز قدس سرہ کی بارگاہ معظم میں عقیدت و محبت کی یہ چند ٹوٹی  
پھوٹی لکیریں نذر گدایانہ کے طور سے حاضر ہیں عگر قبول افتدز ہے عز و شرف  
ناچیز کو اسی بارگاہ کریم سے فکر و قلم کی بھیک ملی اور آستان معظم کی خاک پاک  
کی برکت سے ایمان کی صحیح سمتوں میں زندگی ناپائیدار کا قافلہ رواں دواں ہے۔ اس  
لیے اس بارگاہ عالی جاہ کی عقیدت میری حیات کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔
- چہ از صفائے ارادت زخم بمہر تو دم  
ضمیر پاک دل روشنت، گواہ من است

## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی کرامات

مولانا نفیس احمد مصباحی

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ہندوستان کی سرزمین کو بے شمار مردانِ خدا، وارثینِ انبیا، علمائے ربانی اور عرفائے صمدانی نے اپنے انوار و برکات سے سرفراز فرمایا، اور شرک، کفر اور بد عقیدگی کی تاریکیوں کو دور کر کے توحید، ایمان اور خوش عقیدگی کے اجالے پھیلا کر پورے خطے کو بقعہ نور بنا دیا۔ ان ہادیانِ برحق کی فہرست میں یوں تو مختلف سلاسلِ طریقت کے مشائخ و سادات اور صوفیہ و علما شامل ہیں، لیکن اس سرزمین پر سب سے زیادہ اور سب سے پہلے فیض بخش فرمانے والے نفوسِ قدسیہ، مشائخِ چشت اہل بہشت ہی ہیں، اور اُن پاک باز اور سراپاِ اخلاص ہستیوں میں سلطانِ الہند، خواجہ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سجزی (۱) اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۳ھ) کی ذات گرامی سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ کے والد کا نام سید غیاث الدین اور والدہ کا نام بی بی اُمُّ الورع تھا۔ آپ مقتدائے اوتاد حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۱۷ھ/۱۲۲۰ء) کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور پورے بیس سال اپنے مرشدِ طریقت کی صحبت میں گزارے۔ شیخِ طریقت سے آپ کو اس قدر عشق اور تعلق خاطر ہو گیا تھا کہ سایہ کی طرح ساتھ لگے رہتے، جہاں کہیں وہ تشریف لے جاتے حضرت خواجہ اُن کا بستر، توشہ دان اور دوسرے ضرورت کے سامان سر پر لادے ہوئے ہمراہ چلتے۔ سیر و سیاحت کے دوران سیدستان، دمشق، اوش، بدخشاں، بغداد، مکہ

معظمہ، مدینہ منورہ اور دیگر شہروں میں گئے اور وہاں کے صلحا، صوفیہ اور مشائخ سے روحانی فیوض و برکات حاصل کیے۔

حرمین شریفین کے ایک سفر ہی کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کعبۃ اللہ میں میزابِ رحمت کے نیچے اپنے چہیتے مرید حضرت خواجہ اجمیری کے لیے دعا کی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر خدا کے سپرد کیا۔ غیب سے آواز آئی: ”ہم نے معین الدین کو قبول کیا“۔ شیخ یہ آواز سن کر بہت خوش ہوئے اور بارگاہِ الہی میں شکر ادا کیا۔ حج سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ پہنچے تو خواجہ بزرگ نے دربارِ رسالت میں سلام نیاز پیش کیا، جواب ملا: وعلیک السلام اے سمندروں اور جنگلوں کے قطبِ المشائخ! جب یہ آواز آئی تو خواجہ صاحب نے فرمایا: کام مکمل ہو گیا۔

جب مرشدِ طریقت نے تلاشِ حق کے تمام مراحل طے کر دیے اور اپنی خاص توجہ سے آپ کو ”مرد کامل“ بنا دیا تو آپ کو خرقہٴ خلافت اور اپنی جانشینی سے سرفراز فرمایا اور وہ برکاتِ نبوی جو خانوادہٴ چشت میں سلسلہ بسلسلہ چلے آرہے تھے آپ کو عطا فرمائے۔ تفویضِ خلافت و تبرکات کا یہ واقعہ ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں بمقام بغداد پیش آیا۔ (۲)

اس کے بعد آپ اپنے شیخِ طریقت سے رخصت ہو کر مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ اور دونوں مقامات مقدسہ سے آپ کو رضاء و خود شنودی اور قبولیت کا پروانہ ملا۔

حرم کعبہ میں جب آپ یادِ الہی میں مستغرق تھے، غیب سے آواز آئی: ”اے معین الدین، ہم تجھ سے خوش ہیں، تجھے بخش دیا، جو کچھ چاہے مانگ تا کہ عطا کروں۔“

اور مدینہ منورہ میں قیام کے دوران آپ کو بارگاہ رسالت سے یہ جاں نواز خوش خبری ملی:

”اے معین الدین، تو میرے دین کا معین و مددگار ہے۔ میں نے تجھے ہندستان کی ولایت عطا کی۔ وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے، تو اجیر جا۔ تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا“۔ (۳)

اس دل نواز خوش خبری کو سننے کے بعد آپ کی مسرت و شادمانی کی انتہا نہ رہی اور اولیاء و خالصانِ خدا کی ایک جماعت کے ساتھ آپ نے ہندستان کا رخ کیا۔

جس وقت حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان ہندستان آئے، اس وقت اگرچہ سلطان محمود غزنوی کے متواتر حملوں نے مسلمانوں کی فوجی قوت کا رعب غیر مسلموں کے دلوں میں قائم کر دیا تھا۔ راجپوت سلطنتیں رو بہ زوال ہو چلی تھیں مگر محمود غزنوی کے جانشین صرف پنجاب تک محدود ہو کر رہ گئے اور اپنے مورث اعلیٰ کی مہم کو مکمل نہ کر سکے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ہندستان کے متعدد راجاؤں نے اپنی ریاستوں کی تنظیم کر لی تھی اور کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کر لی۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ شہاب الدین غوری کی ناکام مہموں نے راجپوتوں کے حوصلے بلند کر دیے تھے۔ سیاسی اور حکومتی استحکام نے ہندو تشدد کو بھی عام کر دیا تھا۔ پورے ملک میں شرک و کفر کا دور دورہ تھا۔ توحید و صداقت کی روشنی دور دور تک نظر نہ آتی تھی۔ سید محمد بن مبارک کرمانی نے اپنی کتاب ”سیر الاولیاء“ میں اس وقت کے حالات کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

”ہندستان کی مملکت میں مشرق کے آخری سرے تک ہر طرف کفر و کافر کی اور بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ ہندستان کے سرکش اور مغرور لوگ اکثر خدائی کا دعویٰ کرتے تھے اور خدائے بزرگ و برتر کے شریک بنتے۔ پتھروں، درختوں، جانوروں، چوپایوں، اور گائے کے گوبر تک کو پوجتے تھے۔ کفر کی ان تاریکیوں میں ان کے دلوں

پر قفل لگے ہوئے تھے۔

ہمہ غافل از حکم دین و شریعت ہمہ بے خبر از خدا و پیغمبر  
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجاہ قبلہ نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر  
ترجمہ: ”سب لوگ دین اور شریعت کے حکم سے بے خبر اور خدا و پیغمبر سے ناواقف تھے نہ کسی نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی نہ کسی نے اللہ اکبر کی صدا سنی“۔

ایسے پر آشوب و پرفتن ماحول میں خواجہ غریب نواز نے قدیم ہندستان کے عظیم سیاسی و مذہبی مرکز اجیر کو اپنے قیام کے لئے منتخب فرمایا۔ یہ جرات مندانہ فیصلہ مرد حق شناس کی اولوالعزمی، بلند ہمتی اور ایمانی جرات کا ایک درخشاں کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوایانِ مذاہب اور فاضلینِ عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔“ (۴)

ہندستان میں آپ کی آمد کی برکت سے راجپوتانہ جیسی سنگلاخ زمین میں اسلام کی نشر و اشاعت ہوئی، ضلالت و گمراہی کی شبِ دیبچور میں بھٹکنے والے لاکھوں انسانوں نے اس آفتابِ رشد و ہدایت سے ایمان و اذعان اور یقین و آگہی کا نور حاصل کیا، اور آپ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ خلفا و مریدین پورے برصغیر میں اسلام کی شمعِ ہدایت لے کر پھیل گئے۔ اور اپنی پاک بازی، خوش اخلاقی، تقویٰ شعاری، اخلاص و للہیت اور روحانیت و کرامت کے ذریعہ سرزمینِ ہند کو اسلام و ایمان کے انوار و تجلیات سے جگمگا دیا۔

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کی ذات گرامی گونا گوں اوصاف و کمالات کی جامع تھی، لیکن اس مقالہ میں مجھے آپ کے ایک خاص وصف ”روحانیت اور کرامت“ کے تعلق سے کچھ گفتگو کرنا ہے۔ اصل موضوع پر روشنی ڈالنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کرامت اور اس سے تعلق رکھنے والی چیزوں کو بھی کسی حد تک

بیان کر دیا جائے تاکہ اصل موضوع کو سمجھے میں آسانی ہو۔

علم کلام کی مشہور کتاب: ”عقائد نسفی“ میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابو حفص عمر بن محمد نسفی علیہ الرحمہ (ولادت ۴۶۱ھ - وفات ۵۳۷ھ) فرماتے ہیں: کرامات الاولیاء حق (اولیا کی کرامتیں حق اور ثابت ہیں)

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۷۱۲ھ - وفات ۷۹۱ھ) لکھتے ہیں:

والولیٰ هو العارف باللہ تعالیٰ وصفاته حسب ما یمكن، المواظب علی الطاعات، المحتنب عن المعاصی، المعرض عن الانهماك فی اللذات والشهوات۔ وكرامته ظهوراً امرٍ خارقٍ للعادة من قبله غیر مُقارنٍ لدعوی النبوة، فمالا یكون مقروناً بالایمان والعمل الصالح یكون استدرأجاً، وما یكون مقروناً بدعوی النبوة یكون معجزه۔ (۵)

”ولی“ وہ ہے جو امکانی حد تک اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے آشنا ہو، پابندی کے ساتھ اس کی فرماں برداری کرتا ہو، گناہوں سے پرہیز کرتا ہو، دنیوی لذتوں اور نفسانی خواہشوں میں انہماک سے بچتا ہو۔ اور اس کی ”کرامت“ یہ ہے کہ اس سے خلاف عادت کسی چیز کا ظہور ہو، اور اس کے ساتھ نبی ہونے کا دعویٰ نہ ہو۔ تو اگر خلاف عادت کسی چیز کا ظہور ایسے شخص سے ہو جو ایمان اور اعمال صالحہ سے خالی ہو تو وہ ”استدرج“ ہے، اور جو دعوائے نبوت کے ساتھ اس کا ظہور ہو تو وہ معجزہ“ ہے)

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) فرماتے ہیں:

”نبی سے جو بات خلاف عادت قبل نبوت ظاہر ہو، اس کو ”ارہاص“ کہتے ہیں اور ولی سے جو ایسی بات صادر ہو، اس کو ”کرامت“ کہتے ہیں اور عام مومنین سے

جو صادر ہو، اسے ”معونت“ کہتے ہیں اور بے باک فجار یا کفار سے جو ان کے موافق ظاہر ہو، اس کو ”استدرج“ کہتے ہیں اور ان کے خلاف ظاہر ہو تو ”اہانت“ ہے۔“ (خیالی، ص ۱۴۲) (۶)

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ خلاف عادت ظاہر ہونے والی چیزوں کی آٹھ صورتیں ہیں، کیوں کہ خلاف عادت ظہور میں آنے والی شے یا تو مومن سے ظاہر ہوگی یا کافر سے، پھر مومن کی بھی کئی صورتیں ہیں، یا تو وہ خاصانِ خدا میں سے ہوگا یا نہیں، خاصانِ خدا میں سے ہوتو نبی ہوگا یا ولی اور نبی سے ظاہر ہو تو قبل بعثت ظاہر ہوگی یا بعد بعثت، پھر خاصانِ خدا میں سے نہ ہونے کی صورت میں یا تو وہ مومن صالح ہوگا یا فاسق، اور کافر سے ظاہر ہونے والی چیز میں یا تو اس میں تعلیم و تعلم اور سیکھنے سکھانے کا عمل دخل ہوگا یا نہیں، اور اگر بلا تعلیم و تعلم ہو تو یا تو مقصد کے عین مطابق ظہور میں آئے گی، یا مقصد کے خلاف۔ اس طرح خوارقِ عادت کی آٹھ قسمیں ہوئیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) ارہاص: وہ خلاف عادت چیز جو کسی نبی سے قبل بعثت ظاہر ہو، جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کے وقت رونما ہونے والے خلاف عادت امور مثلاً نوشیرواں کے محل میں زبردست زلزلہ آنا اور چودہ کننگروں کا گرجانا، ہزار برس سے مسلسل جلنے والے آتش کدہ فارس کا اچانک سرد پڑ جانا، بحیرہ ساوہ کا خشک ہو جانا وغیرہ۔

(۲) معجزہ: وہ خلاف عادت چیز جو کسی نبی کے ہاتھوں بعد بعثت ظہور میں آئے، جیسے درختوں کا سجدہ کرتے ہوئے سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو جانا، مقام صہبا میں ایک انگلی کے اشارہ سے ڈوبے ہوئے سورج کا پلٹ آنا، وغیرہ۔

(۳) کرامت: وہ خلاف عادت چیز جو کسی ولی سے رونما ہو۔

(۴) معونت: وہ خلاف عادت چیز جو کسی عام مومن صالح سے ظہور میں آئے۔

(۵) استدراراج: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی مومنِ فاسق سے رونما ہو۔

(۶) سحر: وہ خلافِ عادت چیز جو کافر یا فاسق سے رونما ہو اور اس میں تعلیم و تعلم اور سیکھنے سکھانے کا عمل دخل ہو۔

(۷) ابتلا: وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں رونما ہو اور اس میں سیکھنے سکھانے کا عمل دخل نہ ہو اور وہ اس کے مقصد کے مطابق ہو، جیسے دجالِ اکبر سے عالمِ وجود میں آنے والے امور و افعال۔

(۸) اہانت: وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں بلا تعلیم و تعلم ظاہر ہو، اور اس کے مقصد کے خلاف ہو، جیسے مسیلمہ کذاب سے رونما ہونے والا خلافِ عادت واقعہ کہ اس نے ایک بھینگے کے آنکھ صحیح ہونے کی دعا کی تو اس کی دوسری آنکھ بھی بھینگی ہو گئی۔ [عقیدۃ الشہدۃ، ص ۱۵۶] (۷)

پھر کرامت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جس میں کسی دھوکہ کا دخل نہیں ہو سکتا۔ دوسری وہ جس میں استدراراج اور شعبہہ کا شبہہ ہو سکتا ہے، تو اصل کرامت وہی ہے جو شبہہ سے پاک ہو (۸) اسی لیے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کرامةُ الولیِّ استقامةُ فعله علی قانونِ قولِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فالتحدثُ بِسِرِّ الوِلايةِ نقصٌ، والترصُّدُ لِنسِیمِها کرامةٌ والکرامةُ أثرُ انعکاسِ نورِ الحقِّ علی قلبِ الولیِّ من منبعِ ضوءِ نورِ الکلمیِّ بواسطةِ فیضِ الالہیِّ، ولا یظهرُ ذلك علی الولیِّ الا مع عدمِ اختیاره۔ والا ولیاءُ خصّوا باشاراتِ نبویةٍ، واطلاعاتِ حقیقیةٍ وأرواحِ نوریةٍ وأسرارِ قدسیةٍ وأنفاسِ روحانیةٍ ومشاهداتِ زکیةٍ۔“ (۹)

(ترجمہ: ولی کی کرامت یہ ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے قانون پر عمل کے اعتبار سے پورا اترے۔ تو ولایت کے راز کی باتیں کرنا نقص

ہے اور نسیم ولایت کے انتظار میں لگے رہنا کرامت ہے۔ کرامت یہ ہے کہ ولی کے دل پر حق تعالیٰ کے نور کے عکس اور پرتو کا اثر نور کلی کی روشنی کے چشمہ سے فیض الہی کے واسطے سے پڑے اور ولی پر اس کا ظہور اس کے اختیار کے بغیر ہی ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ نبوی اشارات، حقیقی اطلاعات، نوری ارواح، قدسی رموز و اسرار، روحانی نفوس اور پاکیزہ مشاہدات سے خصوصی طور پر بہرہ ور ہوتے ہیں)۔

کرامتیں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا نتیجہ ہیں:

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ”جامع کرامات الاولیاء“ میں ایک باب باندھ کر اس موضوع پر عالمانہ اور عارفانہ گفتگو فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

المطلب الثالث فی أنّ الکرامات ہی نتائج الطاعات، ولا بدّ أن یکون بینها و بین الأعضاء المطیعة التي تصدر عنها۔ مناسبات۔

ذکر الشیخ رضی اللہ عنہ فی الفتوحات کتابہ ”مواقع النجوم“ وأثنی علیہ کثیراً، وهو کتاب نفیس جدا، ذکر فیہ الکرامات التي تصدر عن الأعضاء الثمانية، بمناسبات الطاعات التي صدرت عنها، وهی العین والأذن واللسان والید والبطن والفرج والرّجل والقلب؛ اذ کل واحدٍ منها علیہ تکلیف یخصّه من أنواع الأحکام الشرعیة، فاذا قام بها المكلف تصدر تلك الکرامات عنها، و ذکر فی ذلك الكتاب معارف وأسراراً کثیرة من علم الحقیقة، وفوائد جمّة من علم الشریعة، وقدر أیّت أن أختصر منه هنا شیئاً قليلاً فی ذکر هذه الأعضاء الثمانية وما ینا سنها من الکرامات متمیماً للفائدة (۱۰)

ترجمہ: مطلب سوم اس بارے میں کہ کرامات، طاعات کے نتائج ہیں۔ پھر

ضروری ہے کہ طاعات اور کرامات ظاہر کرنے والے اللہ کے فرمانبردار اعضا کے درمیان کچھ مناسبت بھی ہو۔

حضرت شیخ ابن عربی رضی اللہ عنہ نے ”فتوحات مکیہ“ میں اپنی کتاب ”مواقع النجوم“ کا ذکر فرمایا ہے اور اس کتاب کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ بہت عمدہ کتاب ہے۔ اس میں آپ نے آٹھ اعضا سے صادر ہونے والی کرامات کا بھی ذکر فرمایا ہے، کیوں کہ ان اعضا سے وہ طاعات صادر ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ اعضا یہ ہیں:

- ۱- آنکھ ۲- کان ۳- زبان ۴- ہاتھ  
۵- شکم ۶- شرم گاہ ۷- پاؤں ۸- دل

کیونکہ ان اعضا میں سے ہر ایک عضو کے ساتھ کچھ خاص قسم کے احکام شرع کی بجا آوری کی ذمہ داری متعلق ہے، تو جب وہ انسان ان اعضا سے ان شرعی ذمہ داریوں کو انجام دیتا ہے تو ان سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ نے اپنی اس کتاب میں علم حقیقت کے بے شمار معارف و اسرار کا ذکر فرمایا ہے اور علم شریعت کے بہت سے فوائد بیان کیے ہیں۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان آٹھ اعضا سے متعلق ان کے بیان کردہ معلومات اور فوائد کو مختصراً پیش کروں

اتنا لکھنے کے بعد علامہ بہانی نے حضرت شیخ ابن عربی علیہ الرحمۃ والرضوان کی عارفانہ تحقیقات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے میں یہاں صرف اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

۱- آنکھ: آنکھ اگر طاعت و عبادات میں مصروف رہے اور خلاف شرع چیزوں کے دیکھنے سے بچے تو اسے یہ کرامت ملتی ہے کہ وہ آنے والے کو آنے سے پہلے دور سے ملاحظہ کر لیتی ہے، اسی طرح کثیف حجابات کے پیچھے بھی دیکھ لیتی ہے اور نماز کے

وقت کعبہ شریف کو اپنے سامنے پاتی ہے تاکہ ٹھیک اس کی طرف منہ ہو سکے۔ پھر آنکھ کو یہ کرامت بھی نصیب ہوتی ہے کہ وہ ملائکہ، ملا اعلیٰ اور جنوں کے عالم ملکوتی، عالم روحانی اور عالم خاکی کا مشاہدہ کرنے لگتی ہے، اور اسے حضرت خضر علیہ السلام اور ابدال بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔

۲- کان: اگر کان طاعت شعار ہو اور خلاف شرع باتیں سننے سے بچے تو اسے یہ خوش خبری ملتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ارباب عقل و ہدایت میں سے ہے اور یہ بہت بڑی کرامت ہے۔ ارشاد بانی ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ [زمر: ۱۷، ۱۸]

[ترجمہ: تو خوش خبری سنا دو میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں]

اور کان کو یہ کرامت بھی عطا ہوتی ہے کہ وہ جمادات کی بولیاں سننے لگتا ہے اور جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو عالم وجود کی ہر چیز، بولنے والی زبان سے اس طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے سنائی دیتی ہے جیسے (عام لوگ) زید و عمر و آپس میں باتیں کر رہے ہوں۔

۳- زبان: اگر زبان احکام الہی کی بجا آوری کرے اور شریعت کی خلاف ورزی سے بچے تو اسے یہ کرامت نصیب ہوتی ہے کہ یہ عالم بالا سے ہم کلام ہوتی ہے، کیوں کہ بندہ کبھی مقام سماع میں ہوتا ہے تو غیب سے اسے ندا دی جاتی ہے، تو جب وہ بولتا ہے تو اس کی بات رد نہیں کی جاتی۔ پھر جب اس میں اور عالم بالا کے مینوں میں مکالمہ کا سلسلہ راست ہو جاتا ہے اور باہم گفتگو کا آغاز ہو جاتا ہے تو حالت یہ ہوتی ہے کہ جو یہ کہتا ہے وہ زبان سے کہتا ہے اور جو وہ کہتے ہیں وہ اس تک کانوں کے مقام تحقیق پر پہنچنے کی وجہ سے آتا ہے۔ اور جو یہ مشاہدہ کرتا ہے وہ آنکھوں کی مقام تحقیق تک رسائی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہی صورت حال مذکورہ بالا تمام اعضا کی ہوتی ہے۔



اور زبان کی ایک کرامت یہ بھی ہے کہ وہ شے کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کے وجود کو اپنی گویائی سے عیاں کر دیتی ہے، اور وجود میں آنے سے پہلے ہی غیبی چیزوں سے خبردار کر دیتی ہے۔

۴- ہاتھ: اگر ہاتھ کو اس سے تعلق رکھنے والی شرعی خلاف ورزیوں سے دور رکھ کر طاعات خداوندی میں مصروف رکھا جائے تو اسے یہ کرامت عطا ہوتی ہے کہ جب وہ گریبان میں داخل ہونے کے بعد باہر نکلتا ہے تو چمکتا دمکتا نکلتا ہے اور یہ چمک دمک کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ رتبہ عطا ہوا تھا۔ اور (کبھی) ہاتھ کو یہ کرامت بھی ملتی ہے کہ انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں، خرق عادت کا یہ درجہ ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا تھا۔ اسی طرح اسے یہ کرامت بھی نصیب ہوتی ہے کہ وہ دشمنوں کے چہروں پر مٹی پھینکتا ہے تو یہ پسپا ہو جاتے ہیں۔ یوں ہی کچھ اولیائے کرام ہو اسے اپنی مٹھی میں کچھ پکڑتے نظر آتے ہیں اور جب ان کی مٹھی کھلتی ہے تو ہاتھ سے سونا اور چاندی نکلتے ہیں، وغیرہ۔

۵- شکم: شکم کو جب اس سے تعلق رکھنے والی شرعی خلاف ورزیوں سے بچا کر اللہ تعالیٰ کا طاعت شعار بنالیا جاتا ہے تو اسے مکرو استدراراج سے پاک کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ عطا ہوتی ہے کہ اس کے کھانے، پانی اور لباس کی حفاظت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ خود اس کے دل میں یا حرمت و شبہ حرمت والی شے میں ہی کوئی علامت ظاہر فرما دیتا ہے۔ پھر تو وہ صرف حلال اور پاکیزہ چیز ہی تناول کرتا ہے، جیسا کہ حضرت حارث محاسبی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کے سامنے جب مشکوک کھانا لایا جاتا تو ان کی انگلی کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی۔ اور جیسے حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ جب ماں کے شکم میں تھے تو وہ حرام کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھاتی تھیں۔ کسی کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ایسی حالت میں اُسے (غیب سے) ندادی جاتی ہے کہ پرہیز کرو اور کسی کا جی متلانے لگتا ہے۔ کوئی اس کھانے کو اپنے سامنے خون کی

شکل میں دیکھتا ہے، کوئی اس پر سیاہی دیکھتا ہے، اور کوئی اس کھانے کو خنزیر کی شکل میں دیکھتا ہے۔ یا اسی طرح کی دوسری علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جو خاص طور سے اولیاء اللہ اور خالصانِ خدا کو ملتی ہیں۔

شکم سے متعلق یہ کرامت بھی ہے کہ تھوڑا سا کھانا بہت سے لوگوں کو آسودہ کر دیتا ہے اور یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ملنے والی میراث ہے کہ جب آپ کی بارگاہ میں چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا گیا اور جس کے پاس گے ہوں تھا وہ گے ہوں لایا، جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لایا، یہاں تک کہ جب دسترخوان پر قلیل مقدار میں یہ چیزیں جمع ہو گئیں تو سرکار نے برکت کی دعا فرمائی پھر لوگوں نے اپنے برتن بھر لیے۔ (صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے۔)

شکم کی کرامتوں میں ایک کرامت یہ ہے کہ پلیٹ میں رکھا ہوا ایک قسم کا کھانا حاضرین کی خواہش کے مطابق مختلف ذائقے والا ہو جاتا ہے۔

شکم کی ایک کرامت یہ بھی ہوتی ہے کہ جن اور فرشتے اس رتبہ پر پہنچنے والے شخص کے لیے کھانا لے کر حاضر ہوتے ہیں یا وہ خود ان چیزوں کو فضا میں معلق پاتا ہے۔

پیٹ کی ایک کرامت یہ بھی ہوتی ہے کہ تلخ، کھارا اور بد ذائقہ پانی شیریں اور خوش ذائقہ ہو جاتا ہے۔

سیدی حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں: میں نے ایسا پانی حضرت ابو عبد اللہ بن استاذ مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں پیا تھا، آپ شیخ عارف باللہ حضرت ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ کے خاص اصحاب و مریدین میں سے تھے، حضرت انھیں ”الحاج المبرور“ (مقبول حاجی) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص حلال غذا کے اس مقام پر پہنچ جائے تو یہ یا

تو اپنی کمائی کے باعث ہوتا ہے یا تو حید کے اس ورع و تقویٰ کے باعث جس کے بارے میں بزرگان دین فرماتے ہیں: ”عارف وہ ہے جس کا نور معرفت اس کے ورع و تقویٰ کے نور کو نہ بجھا سکے“۔ تو جب اسے حلال غذا حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو لینے میں بھی کمی کرتا ہے۔ پھر جب وہ اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو اس کے اندر ایک سرگرم فیصلہ کن حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ حوصلہ اس بندے کے اندر اس لیے پیدا فرماتا ہے کہ وہ اس کی کرامت اور اس کے مقام و مرتبہ کی صحت اور صداقت کا سامان ہو جائے۔ پھر یہ ساری کرامتیں اسی ہمت اور حوصلے کی جلوہ سامانیاں ہوتی ہیں، اور اس سے ایسی اور کرامتوں کا ظہور بھی ہوتا ہے جن کا خطرہ بھی اس کے دل میں نہیں گزرتا۔

۶۔ شرم گاہ: جب شرم گاہ ناجائز کاموں کو چھوڑ دیتی اور اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار بن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مردے زندہ کرنے، نابینا اور برص زدہ کو شفا دینے اور اپنی ذات کریم سے غافل کرنے والی ہر چیز کو چھوڑ دینے کی کرامت سے سرفراز فرماتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاَهَا وَأَبْنَهَا آيَةً  
لِلْعَالَمِينَ [انبیاء: ۱۹]

(اور اس عورت کو (یاد کرو) جس نے اپنی پارسائی محفوظ رکھی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی، اور اسے اور اس کے بیٹے کو سارے جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا۔)

حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ عنہ نے اس کے تعلق سے کچھ اور باریک مناسبتیں اور علم حقیقت کے رموز و اسرار بیان فرماتے ہیں۔

۷۔ قدم: جب قدم شریعت کی خلاف ورزیوں سے اجتناب کرتا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کی راہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پانی پر چلنے، زمین سمٹ

جانے اور فضا میں اڑنے کی کرامتیں عطا فرماتا ہے۔ اس سلسلہ کی کرامتیں اتنی مشہور ہیں کہ انھیں بیان کرنے کی حاجت نہیں، کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں، بہر حال اللہ تعالیٰ کے کچھ اولیا اور خاص بندے ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسے معاملات فرماتا ہے۔

حضرت محی الدین ابن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ہم نے پانی اور ہوا پر چلنے والوں اور زمین کی وسعتوں کو لپیٹ دینے والوں کی ایک عظیم دنیا خود دیکھی ہے۔“

۸۔ دل: دل جب خلاف شرع حرکتوں کو چھوڑ کر طاعت شعار ہو جاتا ہے تو اسے یہ کرامت نصیب ہوتی ہے کہ اسے کائنات میں وجود پذیر ہونے والی چیزوں کی معرفت ان کے وجود سے پہلے ہی ہو جاتی ہے۔

سیدی حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے میرے عزیز فرزند! (اللہ تعالیٰ تجھے تو فینق خیر سے نوازے، تیرا دل روشن و مجلی کرے، تیرا سینہ کھول دے، تیرا لباس پاکیزہ رکھے، اور تیرا باطن صاف ستھرا رکھے) اعضا سے متعلق جو کرامتیں اور مقامات ہم نے بیان کیے ہیں، وہ سب دل ہی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔ اگر دل نہ ہو تو ان اعضا کو ان میں سے کچھ بھی نصیب نہ ہو کیوں کہ اگر ان اعضا سے صادر ہونے والے افعال و اعمال کو اخلاص قلب کی تائید حاصل نہ ہو تو وہ سب ”بکھرے ہوئے غبار“ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور وہ نتیجہ بے بہرہ رہتا ہے پھر اس کے حصے میں سعادت نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا أُمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا  
لِلَّهِ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ [بینہ: ۵]

(اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں صرف اسی پر عقیدہ لائے ہوئے۔)

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَلِكُلِّ أَمْرٍ إِيمَانٌ مَّانَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هَجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهَجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هَجْرَتُهُ إِلَى دِينَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةً يَتَزَوَّجُهَا فَهَجْرَتُهُ إِلَى مَا هَا جَرَ إِلَيْهِ

(اعمال کا مدرائیتوں پر ہی ہے، ہر شخص کو نیت کا پھل ملتا ہے۔ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہو تو یہ ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہی ہوگی۔ جس کی ہجرت حصول دنیا یا کسی عورت سے شادی کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی)۔

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ اعمال ظاہری ہوں یا باطنی، سب کو دل کا عمل ہی سند قبول بخشتا ہے یا درجہ جرح پر لا کر گرا دیتا ہے۔ تو پھر واضح ہوا کہ صرف اور صرف دل کے حکم اور اس کے ارادے سے ہی سب اعضا میں حرکت و سکون کی جلوہ فرمائیاں ہوتی ہیں، خواہ ان حرکات و سکنات کا تعلق طاعت شریعہ سے ہو یا معصیت سے، کیوں کہ دل میں ہی پہلے ایک ارادہ جنم لیتا ہے، اگر دل اسے پورا کرنے پر عزم راسخ کرے تو وہ اس عضو کو، جو اس ارادہ کو پورا کر سکتا ہے، دیکھتا ہے، اب دل اس عضو کو اس ارادے کو پورا کرنے کے لیے حرکت میں لے آتا ہے، خواہ طاعت کے لئے حرکت میں لائے یا نافرمانی کے لئے اور اسی عمل کی وجہ سے متعلقہ عضو پر ثواب و عتاب کا حکم کیا جاتا ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ بلا قصد غیر محرم عورت پر پہلی اور اچانک نظر کو جس میں دل کی نیت اور توجہ نہیں ہوتی، شریعت نے معاف قرار دے دیا ہے اور مواخذہ نہیں فرمایا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بھول کر قصد و ارادہ کے بغیر کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو معاف فرمادیتا ہے۔ اسی طرح جب دل کسی معصیت کا قصد و ارادہ کرتا ہے اور اس کے لیے اصرار نہیں کرتا تو جب تک اس پر عمل پیرا نہیں ہوگا یا ارادہ کو کلام کی شکل نہیں دے گا، اس سے محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ تو تھی معاصی کی بات، لیکن اگر معاملہ طاعات کا ہے تو صرف نیت و قصد سے ہی مستحق ثواب ہوگا۔ اگر

معصیت پر قصد کے بعد عمل نہیں کیا تو یہ نیکی شمار ہوگی۔ جب یہ باتیں معلوم ہوئیں تو یہ بھی پتا چل گیا کہ دل بدن کار نہیں و امیر ہے اور اعضا کی جتنی کرامات بیان ہوئی ہیں، وہ دل کی طرف ہی لوٹی ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ دل کی اپنی مخصوص کرامات بھی تو ہیں، مثلاً یہ کرامت کہ اللہ برتر و اعلیٰ اسے عالم اکبر میں دو لیت شدہ اسرار بتا دیتا ہے اور یہ کرامت کہ وہ علل و اسباب اسے معلوم ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے کسی شی کا وجود ہوتا ہے، یا وہ مختلف جہانوں میں جس جہان سے بھی تعلق رکھتا ہے روحانی ہو یا غیر روحانی، سب کا اسے علم ہو جاتا ہے ان کے علاوہ اور کرامات بھی ہیں جن کا اپنی کتاب ”مواقع النجوم“ میں سیدی محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ (۱۰)

### معجزہ اور کرامت میں فرق:

اوپر ذکر کی ہوئی تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ معجزہ اور کرامت دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے، بس دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ خلاف عادت تعجب خیز چیزیں اگر کسی نبی سے ظہور پذیر ہوں، تو یہ معجزہ کہلائیں گی اور اگر ان چیزوں کا ظہور کسی ولی کی جانب سے ہو تو ان کو کرامت کہا جائے گا چنانچہ حضرت یافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ”نشر المحاسن الغالیہ“ میں تحریر فرمایا ہے کہ امام الحرمین ابو بکر باقلانی و ابو بکر بن نورک و حجة الاسلام امام غزالی و امام فخر الدین رازی و ناصر الدین بیضاوی و محمد بن عبدالملک سلمی و ناصر الدین طوسی و حافظ الدین نسفی و ابوالقاسم قشیری ان تمام اکابر علمائے اہل سنت و محققین ملت نے متفقہ طور پر یہی تحریر فرمایا کہ معجزہ اور کرامت میں یہی فرق ہے کہ خوارق عادات کا صدور و ظہور کسی نبی سے ہو تو اس کو معجزہ کہا جائے گا، اور اگر کسی طرف سے ہو تو اس کو کرامت کے نام سے یاد کیا جائے گا، حضرت یافعی نے ان دس اماموں کے نام اور ان کتابوں کی عبارتیں نقل فرمانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ان اماموں کے علاوہ دوسرے بزرگان ملت نے بھی یہی فرمایا ہے، لیکن علم و فضل اور تحقیق و تدقیق کے ان پہاڑوں کے نام ذکر کر دینے کے بعد مزید محققین کے

ناموں کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ (۱۱)

**معجزہ ضروری اور کرامت ضروری نہیں:**

معجزہ اور کرامت میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہر ولی کے لیے کرامت کا ہونا ضروری نہیں ہے مگر ہر نبی کے لئے معجزہ کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ ولی کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی ولایت کا اعلان کرے یا اپنی ولایت کا ثبوت دے بلکہ ولی کے لیے تو یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ خود بھی جانے کہ میں ولی ہوں، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیا اللہ ایسے بھی ہوئے کہ ان کو اپنے بارے میں یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ وہ ولی ہیں، بلکہ دوسرے اولیائے کرام نے اپنے کشف و کرامت سے ان کی ولایت کو جاننا پہچانا اور ان کے ولی ہونے کا چرچا کیا، مگر نبی کے لیے اپنی نبوت کا اثبات ضروری ہے اور چونکہ انسانوں کے سامنے نبوت کا اثبات بغیر معجزہ دکھائے ہوئے نہیں سکتا، اس لئے ہر نبی کے لیے معجزہ کو ہونا ضروری اور لازمی ہے۔

**کرامت کی صورتیں:**

اولیائے کرام سے صادر و ظاہر ہونے والی کرامتیں کتنے طرح کی ہیں؟ اور ان کی تعداد کتنی ہے؟ اس بارے میں علامہ تاج الدین سبکی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ”طبقات“ میں تحریر فرمایا کہ میرے خیال میں اولیائے کرام سے جتنی قسموں کی کرامتیں صادر ہوتی ہیں، ان قسموں کی تعداد ایک سو سے بھی زائد ہے، اس کے بعد علامہ موصوف نے قدرے تفصیل کے ساتھ کرامت کی پچیس قسموں کا بیان فرمایا ہے جن کو ہم ناظرین کی خدمت میں کچھ مزید تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

۱- مردوں کو زندہ کرنا:

یہ وہ کرامت ہے کہ بہت سے اولیائے کرام سے اس کا صدور ہو چکا ہے، چنانچہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ ابو عبید بصری جو اپنے دور کے مشاہیر اولیا میں

سے ہیں، ایک مرتبہ جہاد میں تشریف لے گئے، جب انہوں نے وطن کی طرف واپسی کا ارادہ فرمایا تو ناگہاں ان کا گھوڑا مر گیا مگر ان کی دعا سے اچانک ان کا مرا ہوا گھوڑا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا، اور وہ اس پر سوار ہو کر اپنے وطن ”بُسر“ پہنچ گئے اور خادم کو کہا کہ اس کی زین اور لگام اتار لے، خادم نے جوں ہی زین اور لگام کو گھوڑے سے جدا کیا، فوراً ہی گھوڑا مر کر گر پڑا۔

اسی طرح حضرت شیخ مُفَرَّج جو علاقہ مصر میں ”صعید“ کے باشندہ تھے، ان کے دسترخوان پر ایک پرندہ کا بچہ بھنا ہوا رکھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ ”تو خدا تعالیٰ کے حکم سے اڑ کر چلا جا“ ان الفاظ کا ان کی زبان سے نکلنا تھا کہ ایک لمحہ میں وہ پرندہ کا بچہ زندہ ہو گیا اور اڑ کر چلا گیا۔

اسی طرح حضرت شیخ اہدل علیہ الرحمۃ نے اپنی مری ہوئی بلی کو پکارا تو وہ دوڑتی ہوئی شیخ کے سامنے حاضر ہو گئی۔

اسی طرح حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے دسترخوان پر پکی ہوئی مرغی کو تناول فرما کر اس کی ہڈیوں کو جمع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اے مرغی! تو اس اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر کھڑی ہو جا جو سڑی گئی ہڈیوں کو زندہ فرمائے گا۔ زبان مبارک سے ان الفاظ کے نکلنے ہی مرغی زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگی۔

اسی طرح شیخ زین الدین شافعی مدرس مدرسہ شامیہ نے اس بچے کو جو مدرسہ کی چھت سے گر کر مر گیا تھا، زندہ کر دیا۔

اسی طرح عام طور پر یہ مشہور ہے کہ بغداد شریف میں چار بزرگ ایسے ہوئے جو مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو خدائے تعالیٰ کے حکم سے شفا دیتے تھے، اور اپنی دعاؤں سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، شیخ ابوسعید قیلوی و شیخ بقا بن بطو و شیخ علی بن ابی نصر ہیتی و شیخ عبدالقادر جیلانی علیہم الرحمۃ والرضوان۔

۲- مردوں سے کلام کرنا:

کرامت کی یہ قسم بھی حضرت شیخ ابوسعیدؓ از اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہما وغیرہ بہت سے اولیائے کرام سے بارہا اور بکثرت منقول ہے۔

شیخ علی بن ابی نصر ہیتی کا بیان ہے کہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے ہمراہ حضرت معروف کرنی علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک پر گیا اور سلام کیا تو قبر انور سے آواز آئی کہ علیک السلام یا سید اہل الزماں۔

شیخ علی بن ابی نصر ہیتی اور بقا بن بطو، یہ دونوں بزرگ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے ساتھ حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے۔ تو ناگہاں حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ قبر شریف سے باہر نکل آئے اور فرمایا کہ اے عبدالقادر جیلانی! میں علم شریعت و طریقت اور علم قال و حال میں تمہارا محتاج ہوں۔

۳- دریاؤں پر تصرف:

دریا کا پھٹ جانا، دریا کا خشک ہو جانا، دریا پر چلنا بہت سے اولیائے کرام سے ان کرامتوں کا ظہور ہوا، بالخصوص سید المتاخرین حضرت تقی الدین بن دینق العید علیہ الرحمۃ کے لئے تو ان کرامتوں کا بار بار ظہور عام طور پر مشہور خلاق ہے۔

۴- انقلاب ماہیت:

کسی چیز کی حقیقت کا ناگہاں بدل جانا، یہ کرامت بھی اکثر اولیائے کرام سے منقول ہے۔ چنانچہ شیخ عیسیٰ ہتاریمینی علیہ الرحمۃ کے پاس بطور مذاق کے کسی بد باطن نے شراب سے بھری دو مشکیں تحفہ میں بھیج دیں، آپ نے دونوں مشکوں کا منہ کھول کر ایک دوسرے میں شراب کو اٹھیل دیا، پھر حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگ اس کو تناول فرمائیں۔ حاضرین نے کھایا تو اتنا نفیس اور اس قدر عمدہ لگی تھا کہ عمر بھر

لوگوں نے اتنا عمدہ لگی نہیں کھایا۔

۵- زمین کا سمٹ جانا:

سیکڑوں ہزاروں میل کی مسافت کا چند لمحوں میں طے ہونا، یہ کرامت بھی اس قدر زیادہ اللہ والوں سے منقول ہے کہ اس کی روایات حد تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں، چنانچہ طرطوس کی جامع مسجد میں ایک ولی تشریف فرما تھے، اچانک انہوں نے اپنا سر گریباں میں ڈالا اور پھر چند لمحوں میں گریبان سے سر نکالا تو وہ ایک دم حرم کعبہ میں پہنچ گئے۔

۶- نباتات سے گفتگو:

بہت سے حیوانات و نباتات اور جمادات نے اولیائے کرام سے گفتگو کی، جن کی حکایات بکثرت کتابوں میں مذکور ہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم ادھم علیہ الرحمۃ بیت المقدس کے راستے میں ایک چھوٹے سے انار کے درخت کے سایہ میں اتر پڑے، تو اس درخت نے آواز بلند کہا کہ اے ابواسحاق! آپ مجھے یہ شرف عطا فرمائیے کہ میرا ایک پھل کھا لیجئے، اس درخت کا پھل کھٹا تھا، مگر درخت کی تمنا پوری کرنے کے لئے آپ نے اس کا ایک پھل توڑ کر کھایا، تو وہ نہایت ہی میٹھا ہو گیا، اور آپ کی برکت سے وہ سال میں دو بار پھلنے لگا اور وہ درخت اس قدر مشہور ہو گیا کہ لوگ اس کو ”رُمانۃ العابدین“ (عابدوں کا انار) کہنے لگے۔

۷- شفائے امراض:

اولیائے کرام کے لئے اس کرامت کا ثبوت بھی بکثرت کتابوں میں مرقوم ہے، چنانچہ حضرت سری سقطی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ایک پہاڑ میں میں نے ایک ایسے بزرگ سے ملاقات کی جو اپا ہجوں، اندھوں، اور دوسرے قسم قسم کے مریضوں کو خدا کے حکم سے شفا یاب فرماتے تھے۔

## ۸- جانوروں کا فرماں بردار ہو جانا:

بہت سے بزرگوں نے اپنی کرامت سے خطرناک درندوں کو اپنا فرماں بردار بنا لیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید بن ابی الخیر مہینہ علیہ الرحمۃ نے شیروں کو اپنا اطاعت گزار بنا رکھا تھا اور دوسرے بہت سے اولیا شیروں پر سواری فرماتے تھے جن کی حکایات مشہور ہیں۔

## ۹- زمانہ کا مختصر ہو جانا:

یہ کرامت بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ ان کی صحبت میں لوگوں کو ایسا محسوس ہوا کہ پورا دن اس قدر جلدی گزر گیا کہ گویا گھنٹہ دو گھنٹہ کا وقت گزرا ہے۔

## ۱۰- زمانہ کا طویل ہو جانا:

اس کرامت کا ظہور سینکڑوں علما و مشائخ سے اس طرح ہوا کہ ان بزرگوں نے مختصر سے مختصر وقتوں میں اس قدر زیادہ کام کر لیا کہ دنیا والے اتنا کام مہینوں، بلکہ برسوں میں بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اما شافعی و حجت الاسلام امام غزالی و علامہ جلال الدین سیوطی و امام الحرمین شیخ محی الدین نووی (۱۲) وغیرہ علمائے دین نے اس قدر کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف فرمائیں کہ اگر ان کی عمروں کا حساب لگایا جائے تو روزانہ اتنے زیادہ اوراق ان بزرگوں نے تصنیف فرمائے کہ کوئی اتنے زیادہ اوراق کو اتنی قلیل مدت میں نقل بھی نہیں کر سکتا حالانکہ یہ اللہ والے تصنیف کے علاوہ دوسرے مشاغل بھی رکھتے تھے اور نفلی عبادتیں بھی بہ کثرت کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح منقول ہے کہ بعض بزرگوں نے دن رات میں آٹھ آٹھ ختم قرآن مجید کی تلاوت کر لی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کے اوقات میں اس قدر اور اتنی زیادہ برکت ہوئی ہے کہ جس کو کرامت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

## ۱۱- مقبولیت دعا:

یہ کرامت بھی بہت زیادہ بزرگوں سے منقول ہے۔

## ۱۲- خاموشی و کلام پر قدرت:

بعض بزرگوں نے برسوں تک کسی انسان سے کلام نہیں کیا اور بعض بزرگوں نے نمازوں اور ضروریات کے علاوہ کئی کئی دنوں تک مسلسل وعظ فرمایا اور درس دیا ہے۔

## ۱۳- دلوں کو اپنی طرف کھینچ لینا:

سینکڑوں اولیائے کرام سے یہ کرامت صادر ہوئی کہ جن بستوں یا مجلسوں میں لوگ ان سے عداوت و نفرت رکھتے تھے، جب ان حضرات نے وہاں قدم رکھا تو ان کی توجہات سے ناگہاں سب کے دل ان کی محبت سے لب ریز ہو گئے اور سب کے سب پروانوں کی طرح ان کے قدموں پر نثار ہونے لگے۔

## ۱۴- غیب کی خبریں:

اس کے بے شمار نظائر موجود ہیں کہ اولیائے کرام نے دلوں میں چھپے ہوئے خیالات و خطرات کو جان لیا اور لوگوں کو غیب کی خبریں دیتے رہے اور ان کی پیشین گوئیاں سو فی صدی صحیح ہوتی رہیں۔

## ۱۵- بغیر کھائے پئے زندہ رہنا:

ایسے بزرگوں کی فہرست بہت ہی طویل ہے جو ایک مدت دراز تک بغیر کچھ کھائے پئے زندہ رہ کر عبادتوں میں مصروف رہے اور انھیں کھانا یا پانی چھوڑ دینے سے ذرہ برابر کوئی ضعف بھی لاحق نہیں ہوا۔

## ۱۶- نظام عالم میں تصرفات:

منقول ہے کہ بہت سے بزرگوں نے شدید قحط کے زمانے میں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرمایا تو ناگہاں آسمان سے موسلا دھار بارش ہونے لگی، اور مشہور ہے کہ حضرت شیخ ابوالعباس شاطر علیہ الرحمۃ تو درہموں کے بدلے بارش

فروخت کیا کرتے تھے۔

۱۷- بہت زیادہ مقدار میں کھا لینا:

بعض بزرگوں نے جب چاہا بیسیوں آدمیوں کی خوراک اکیلے کھا گئے اور انھیں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی۔

۱۸- حرام غذاؤں سے محفوظ:

بہت سے اولیائے کرام کی یہ کرامت مشہور ہے کہ حرام غذاؤں سے وہ ایک خاص قسم کی بدبو محسوس کرتے تھے، چنانچہ حضرت شیخ حارث محاسبی علیہ الرحمۃ کے سامنے جب بھی کوئی حرام غذائی جاتی تھی، تو انھیں اس غذا سے ایسی ناگوار بدبو محسوس ہوتی تھی کہ وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ حرام غذا کو دیکھتے ہی ان کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت شیخ ابوالعباس مرسی کے سامنے لوگوں نے امتحان کے طور پر حرام کھانا رکھ دیا تھا، تو آپ نے فرمایا: اگر حرام غذا کو دیکھ کر حارث محاسبی علیہ الرحمۃ کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی، تو میرا یہ حال ہے کہ حرام غذا کے سامنے میری ستر رگیں پھڑکنے لگتی ہیں۔

۱۹- دور کی چیزوں کو دیکھ لینا:

چنانچہ شیخ ابواسحاق شیرازی علیہ الرحمۃ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ وہ بغداد شریف میں بیٹھے ہوئے کعبہ مکرمہ کو دیکھا کرتے تھے۔

۲۰- ہیبت و دبدبہ:

بعض اولیائے کرام سے اس کرامت کا صدور اس طور ہوا کہ ان کی صورت دیکھ کر بعض لوگوں پر اس قدر خوف و ہراس طاری ہوا کہ ان کا دم نکل گیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کی ہیبت سے ان کی مجلس میں ایک شخص مر گیا۔

۲۱- مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا:

اس کرامت کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ”خلع ولبس“ کہتے ہیں، یعنی ایک شکل کو چھوڑ کر دوسری شکل میں ظاہر ہو جانا۔ حضرات صوفیا کا قول ہے کہ عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان ایک تیسرا عالم بھی ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ اس عالم مثال میں ایک ہی شخص کی روح مختلف جسموں میں ظاہر ہو جایا کرتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے قرآن مجید کی آیت کریمہ ”فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا“ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت بی بی مریم کے سامنے ایک تن درست، جوان آدمی کی صورت میں ظاہر ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ عالم مثال میں ہوا تھا۔

یہ کرامت بہت سے اولیائے دکھائی ہے۔ چنانچہ حضرت قضیب البان موصلی علیہ الرحمۃ جن کا اولیا کے طبقہ ابدال میں شمار ہوتا ہے، کسی نے آپ پر یہ تہمت لگائی کہ آپ نماز نہیں پڑھتے۔ یہ سن کر آپ جلال میں آگئے اور فوراً ہی اپنے آپ کو اس کے سامنے چند صورتوں میں ظاہر کیا اور پوچھا کہ بتا! تو نے کس صورت میں مجھ کو ترک نماز کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت مولانا یعقوب چرخنی علیہ الرحمۃ جو مشائخ نقشبندیہ میں بہت ہی ممتاز بزرگ ہیں، جب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمۃ ان کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت مولانا یعقوب چرخنی علیہ الرحمۃ کے چہرہ اقدس پر ان کو داغ دھبے نظر آئے جس سے ان کے دل میں کچھ کراہت پیدا ہوئی۔ تو اچانک آپ ان کے سامنے ایک ایسی نورانی شکل میں ظاہر ہو گئے کہ بے اختیار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمۃ کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا اور وہ فوراً ہی بیعت ہو گئے۔

۲۲- دشمنوں کے شر سے بچنا:

خداوند قدوس نے بعض اولیائے کرام کو یہ کرامت بھی عطا فرمائی ہے کہ ظالم، اُمرا و سلاطین نے جب ان کے قتل یا ایذا رسانی کا ارادہ کیا تو غیب سے ایسے

اسباب پیدا ہو گئے کہ وہ ان کے شر سے محفوظ رہے، جیسا کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کو خلیفہ بغداد ہارون رشید نے ایذا رسانی کے خیال سے دربار میں طلب کیا، مگر جب وہ سامنے گئے تو خلیفہ خود ایسی پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا کہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

۲۳- زمین کے خزانوں کو دیکھنا:

بعض اولیائے کرام کو یہ کرامت ملی ہے کہ وہ زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کو دیکھ لیا کرتے تھے، اور اس کو اپنی کرامت سے باہر نکال لیتے تھے، چنانچہ شیخ ابوتراب علیہ الرحمۃ نے ایک ایسے مقام پر جہاں پانی نایاب تھا، زمین پر ایک ٹھوکرا مار کر پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔

۲۴- مشکلات کا آسان ہو جانا:

یہ کرامت بزرگان دین سے بار بار اور بے شمار مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ جس کی سینکڑوں مثالیں ”تذکرۃ الاولیاء“ وغیرہ مستند کتابوں میں مذکور ہیں۔

۲۵- مہلکات کا اثر نہ کرنا:

چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بد باطن بادشاہ نے کسی خدا رسیدہ بزرگ کو گرفتار کیا اور انھیں مجبور کر دیا کہ وہ کوئی تعجب خیز کرامت دکھائیں، ورنہ انھیں اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ آپ نے اونٹ کی بیگنیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اٹھا لاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا ہیں؟ جب لوگوں نے ان کو اٹھا کر دیکھا تو وہ خالص سونے کے ٹکڑے تھے۔ پھر آپ نے ایک خالی پیالے کو اٹھا کر گھمایا اور اوندھا کر کے بادشاہ کو دیا تو وہ پانی سے بھرا ہوا تھا اور اوندھا ہونے کے باوجود اس میں سے ایک قطرہ بھی پانی نہیں گرا۔ یہ دو کرامتیں دیکھ کر بد عقیدہ بادشاہ کہنے لگا۔ یہ سب نظر بندی کے جادو کا کرشمہ ہے۔ پھر بادشاہ نے آگ جلانے کا حکم دیا۔ جب آگ کے شعلے بلند ہوئے، تو بادشاہ نے مجلس سماع منعقد کرائی۔ جب ان درویشوں کو سماع سن کر جوش

و جد میں حال آ گیا، تو یہ سب لوگ جلتی ہوئی آگ میں داخل ہو کر رقص کرنے لگے۔ پھر ایک درویش بادشاہ کے بچے کو گود میں لے کر آگ میں کود پڑا اور تھوڑی دیر تک بادشاہ کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ بادشاہ اپنے بچے کے فراق میں بے چین ہو گیا، مگر پھر چند منٹوں میں درویش نے بادشاہ کے بچے کو اس حال میں بادشاہ کی گود میں ڈال دیا کہ بچے کے ایک ہاتھ میں سیب اور دوسرے ہاتھ میں انار تھا، بادشاہ نے پوچھا کہ بیٹا تم کہاں چلے گئے تھے؟ تو اس نے کہا کہ میں ایک باغ میں تھا، جہاں سے میں یہ پھل لایا ہوں، یہ دیکھ کر بھی ظالم و بد عقیدہ بادشاہ کا دل نہیں پسجا اور اس نے اس بزرگ کو بار بار زہر کا پیالہ پلایا۔ مگر ہر مرتبہ زہر کے اثر سے اس بزرگ کے کپڑے پھٹتے رہے اور ان کی ذات پر زہر کا کوئی اثر نہ ہوا۔

کرامت کی یہ وہ پچیس شکلیں ہیں اور ان کی چند مثالیں ہیں، جن کو علامہ تاج الدین سبکی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ”طبقات“ میں تحریر فرمایا، ورنہ اس کے علاوہ کرامات کی بہت سی قسمیں ہیں اور ان کی مثالیں اس قدر زیادہ تعداد میں ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ہزاروں اوراق کا ایک ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ مگر بطور مثال جس قدر ہم نے یہاں تحریر کر دیا وہ طالب حق کی تسکین روح اور اطمینان قلب کے لئے بہت کافی ہے، رہ گئے بد عقیدہ منکرین تو ان کی ہدایت کے لئے دلائل تو کیا؟ دور رسالت میں ان کے لیے معجزہ ”شق القمر“ بھی سود مند نہیں ہوا۔ (۱۳)

کرامت کی قسمیں:

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی الفتوحات المکیہ میں فرماتے ہیں:

کرامت حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، یہ اس کے اسم مبارک ”البر“ کی برکات ہیں۔ اس لیے یہ ”ابراز“ کے حصے میں پورے جمال کے ساتھ جلوہ ریز ہوتی ہے۔ اس لئے کہ مناسبت اس بات کی متقاضی ہے کہ ”بر“ کے احسانات ابرار تک



پہنچیں، اگرچہ انہیں خود کرامت کی طلب نہ ہو۔

کرامت کی دو قسمیں ہیں، ایک حسی، دوسری معنوی۔ عوام صرف حسی ہی کو کرامت جانتے ہیں جیسے دل کی باتوں پر مطلع ہونا، ماضی، حال اور استقبال کی اطلاع دینا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، زمین کا لپٹ جانا، نظروں سے اوجھل ہو جانا، دعا کا فوراً قبول ہونا، عوام صرف اسی طرح کی چیزوں کو کرامت سمجھتے ہیں۔

### معنوی کرامات:

معنوی کرامتوں کو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہی سمجھ سکتے ہیں، عوام کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔ معنوی کرامات یہ ہیں آداب شریعت اس بندہ حق کے لئے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مکارم اخلاق کو سامنے لانے کی اسے توفیق ملتی ہے۔ بد اخلاقی سے پرہیز کرتا ہے۔ واجبات کی مطلقاً ان کے اوقات میں پابندی کے ساتھ ادائیگی کرتا ہے۔ خیرات و حسنات کی طرف جلدی کرتا ہے۔ اس کا سینہ بغض و حسد، کینہ، بدگمانی اور ہر بری صفت سے پاک ہوتا ہے۔ انفاس قدسیہ کے ساتھ اسے مراقبہ کرنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات اور دیگر اشیا میں حقوق اللہ کی رعایت کو اپنا شعار بنالیتا ہے۔ وہ اپنے دل میں اپنے مولیٰ کے آثار رحمت کو تلاش کرتا ہے۔ وہ سانسوں کے آتے جاتے پوری مراعات سے کام لیتا ہے۔ جب سانس آئے تو ادب سے اسے قبول کرتا ہے اور جب سانس نکلے تو اسے خلعت حضوری حاصل ہوتی ہے۔

یہ سب کرامات معنویہ ہمارے نزدیک اولیا کی کرامتیں ہیں، ان میں مکر کا دخل ہے نہ استدرراج کا۔ یہ سب وفائے عہد کی دبلیں ہیں کہ مقصود ٹھیک ہے اور مطلوب کے عدم حصول میں رضا بالقضا ہے اور پریشانی آنے کی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر شکر۔ ایسا ولی ان کرامات میں صرف مقرب فرشتوں اور برگزیدہ منتخب اولیاء اللہ کو ہی شریک کرتا ہے۔

### حسی کرامات:

کرامت حسی جسے عام لوگ کرامات سمجھتے ہیں، اس میں مکر خفی کا داخل ہونا ممکن ہے۔ اگر ہم انہیں کرامت فرض کریں تو ضروری ہے کہ استقامت کا نتیجہ ہو یا استقامت پیدا کرنے کا ذریعہ ہو۔ اگر ایسا نہیں تو پھر وہ کرامت بھی نہیں۔ جب کرامت کا نتیجہ استقامت ہو تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عمل کا حصہ یا فعل کی جزا بنا دے، اور جب کسی سے یہ ظہور پذیر ہیں تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے محاسبہ فرمائے۔ (۱۴)

### اصل کرامات، کرامات معنوی ہیں:

حضرت ابولقاسم قشیری رضی اللہ عنہ رسالہ مبارک قشیریہ میں، سیدی ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی معاصر سیدنا جنید بغدادی قدس سرہما کا فرمان نقل کرتے ہیں:

”مَنْ أَلْزَمَ نَفْسَهَا آدَابَ الشَّرِيعَةِ نَوَّرَ اللَّهُ قَلْبَهُ بِنُورِ الْمَعْرِفَةِ، وَلَا مَقَامَ أَشْرَفَ مِنْ مَقَامِ مُتَابَعَةِ الْحَبِيبِ فِي أَمْرِهِ وَأَفْعَالِهِ وَأَخْلَاقِهِ“

”جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کر دے گا۔ اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام، افعال، عادات سب میں حضوری پیروی کی جائے۔“ (۱۵)

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامت دی گئی کہ ہوا پر چارزانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض و واجب، مکروہ و حرام اور محافظت حدود و آداب شریعت میں اس کا حال کیسا ہے۔“ (۱۶)

## حضرت خواجہ غریب نواز کی معنوی کرامتیں:

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کی پاکیزہ زندگی پر نگاہ ڈالنے تو وہ مکمل طور سے شریعت کے معیار پر پوری اترتی نظر آتی ہے۔ ان کے فکر و خیال اور عقائد و اعمال غرض کہ زندگی کے تمام گوشوں میں شرعی احکام کا پورا پورا پاس و لحاظ ملتا ہے۔ اب ذیل میں اس کے کچھ شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

### محبت الہی:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل محبت الہی سے معمور تھا۔ جس کا اثر ان کے اعمال و افعال، حرکات و سکنات اور خود ان کے اقوال و ملفوظات سے ظاہر ہوتا تھا۔ صوفیہ کرام اور مشائخ طریقت کی بارگاہوں میں ”حُبّ الہی“ کی خصوصی تعلیم ہوتی تھی اور وہ اپنے مریدین و مسترشدین کو خصوصی تربیت فرما کر انہیں ”حُبّ الہی“ کا خوگر بنا دیتے تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کو یہ دولت اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ سے ملی تھی، اسی لئے ان کی ذات پر حُبّ الہی کا غلبہ رہا کرتا تھا، اور کبھی یہ آتش محبت اتنی تیز ہو جاتی کہ وہ بند و نصاب کی شکل اختیار کر کے آپ کی زبان پر آ جاتی۔ ایک موقع پر اپنے مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ والرضوان سے فرمایا:

”عاشق کا دل محبت کی آگ میں جلتا رہتا ہے، لہذا جو کچھ بھی اس دل میں آئے گا جل جائے گا اور نابود ہو جائے گا۔ کیوں کہ آتش محبت سے زیادہ تیزی کسی آگ میں نہیں“۔ فرمایا: ”بہتی ندیوں کا شور سنو، کس طرح شور کرتی ہیں، لیکن جب سمندر میں پہنچتی ہیں بالکل خاموش ہو جاتی ہیں۔“

اور فرمایا: ”میں نے خواجہ عثمان ہارونی کی زبانی سنا، فرماتے تھے کہ انسان مستحق فقر اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس عالم فانی میں اس کا کچھ بھی باقی نہ رہے،

محبت کی علامت یہ ہے کہ فرماں بردار رہتے ہوئے اس بات سے ڈرتے رہو کہ محبوب تمہیں دوستی سے جدا نہ کر دے۔“

اور فرمایا: ”محبت میں عارف کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ صفات حق اس کے اندر پیدا ہو جائیں، اور محبت میں عارف کا درجہ کامل یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے مقابلہ پر دعویٰ کر کے آئے تو وہ اپنی قوت و کرامت سے اسے گرفتار کرے۔“

اور فرمایا: ”درویش وہ ہے کہ جس کے پاس جو بھی حاجت لے کر آئے تو اسے خالی ہاتھ اور معدوم واپس نہ کرے اور عارف راہ محبت میں ایسا شخص ہے جو دو عالم سے دل ہٹالے۔“ (۱۷)

### عشق رسول:

عشق رسول اہل ایمان کی غذائے روح بلکہ جان ایمان ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بغیر ایمان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ خود حدیث پاک میں ارشاد ہوا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أُكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، متفق علیہ (۱۸)

(تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام عشق رسول کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے اور اولیائے کرام اُسے ”حرز جان“ بنائے رہے۔

حضرت خواجہ تمام عمر عشق الہی میں وارفتہ اور بے خود رہنے کے ساتھ محبت رسول کے نشے میں بھی سرشار رہے، اپنے ملفوظات میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں فرماتے تھے، اور اکثر حدیث نبوی بیان فرما کر رونے لگتے

تھے، ایک جگہ ملفوظات میں فرمایا: کہ ”افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا، اس کی جگہ کہاں ہوگی، جو آپ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائے گا، یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کر کے رو پڑے۔“ (۱۹)

### ریاضت و مجاہدہ:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا، وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ [العنكبوت: ۶۹]

(ترجمہ: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔)

اس فرمان الہی پر خواجہ صاحب کا بھرپور عمل تھا۔ اسی لیے آپ نے ریاضت و مجاہدہ کی دشوار گزار راہوں سے اپنے آپ کو گزارا اور وعدہ الہی کے مطابق رشد و ہدایت کی بے بہا دولتوں سے بہرہ ور ہوئے۔ اسی لیے آپ کا معمول یہ تھا کہ رات کو کم سوتے اور بالعموم عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، کلام پاک ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں ختم کرتے، مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب کسی شہر میں وارد ہوتے تو قبرستان میں قیام فرماتے۔ مگر جب لوگوں کو ان کی خبر ہو جاتی تو وہاں توقف نہ کرتے اور چپ چاپ کسی طرف روانہ ہو جاتے۔ (۲۰)

حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

”ستر سال تک آپ نے آرام نہ کیا، اور نہ پشت زمین سے لگائی۔ ستر سال تک آپ کا وضو سوا حاجت انسانی کے نہ ٹوٹا، آنکھیں عموماً بند رکھتے، نماز کے وقت کھولتے اور شیخ کی نظر جس پر پڑ جاتی ولی اللہ ہو جاتا۔ (۲۱)

دلیل العارفین میں خود حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کا یہ بیان موجود ہے: جب شیخ الاسلام سلطان المشائخ خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ کا مرید ہوا

تو آٹھ سال تک آپ کی خدمت میں ایک دم بھی آرام نہ کیا۔ نہ دن دیکھتا نہ رات، جہاں آپ سفر کو جاتے سونے کے کپڑے اور توشہ اٹھا کر ہمراہ ہوتا۔ جب میری خدمت دیکھی، ایسی نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی انتہا نہیں۔“ (۲۲)

### نماز کا اہتمام:

حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان خود نمازوں کو پابندی کے ساتھ مقرر اوقات میں ادا فرماتے اور اپنے مریدین و مسترشدین کو بھی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی نصیحت فرماتے تھے۔ دلیل العارفین، مجلس دہم میں خود آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ ”تصوّف رسوم ہے نہ کہ علوم“۔ (۲۳) یعنی تصوف اور اہل تصوف عمل سے تعلق رکھتے ہیں، صرف علم سے نہیں۔ اس لیے خواجہ صاحب کے ملفوظات میں نماز کی پابندی کی جس قدر سختی کے ساتھ تاکید ملتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ اس پر کار بند تھے۔ بلکہ آپ کے یہاں تو فرائض کے علاوہ نفل نمازوں کی بھی تاکید ملتی ہے۔

عملی طور پر آپ کا حال یہ تھا کہ ”عموماً با وضو رہتے، رات کو کم سوتے اور عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے تھے۔“

اور نماز جیسے اہم العبادات فریضہ کے تعلق سے آپ کا نظریہ اور عقیدہ دلیل العارفین میں مذکور آپ کے درج ذیل ملفوظات سے واضح ہوتا ہے۔

ایک موقع پر فرمایا: ”نماز ایک امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سپرد کی ہے تو بندوں پر لازم ہے کہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں۔“

پھر فرمایا کہ: ”انسان نماز ادا کرے تو رکوع اور سجود کا حقہ بجالائے اور ارکان نماز اچھی طرح ملحوظ رکھے۔“

پھر فرمایا کہ: ”میں نے صلوٰۃ مسعودی میں لکھا دیکھا ہے کہ جب لوگ نماز

اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور اس کے تمام حقوق بجالاتے ہیں اور رکوع و سجود اور قراءت و تسبیح کو ملحوظ رکھتے ہیں تو فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں پھر اس نماز سے ایک نور پھیلتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، پھر جب وہ نماز عرش کے نیچے لائی جاتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کر، اور نماز ادا کرنے والے کے لئے بخشش مانگ، کیوں کہ وہ تیرے حقوق اچھی طرح بجالایا ہے..... پھر خواجہ صاحب روئے اور فرمایا کہ یہ تو اچھی نماز ادا کرنے والوں کے حق میں ہے لیکن جو ارکان نماز کو بخوبی ملحوظ نہیں رکھتے جب ان کی نماز کو فرشتے آسمان پر لے جانا چاہتے ہیں تو آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور حکم ہوتا ہے کہ اس نماز کو لے جا کر اسی نمازی کے منہ پر مار دو پھر نماز زبان حال سے کہتی ہے کہ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے، اللہ تعالیٰ تجھے ضائع کرے۔“

پھر فرمایا ”میں نے خواجہ عثمان ہارونی کی زبان سے سنا ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب انبیاء، اولیا اور ہر مسلمان سے ہوگا جو اس حساب سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے گا وہ عذاب دوزخ میں مبتلا ہوگا۔“

پھر فرمایا کہ ”ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں شام کے قریب ایک شہر میں تھا، جس کا نام میری یاد سے اتر گیا ہے۔ اس کے باہر ایک غار تھا جس میں ایک بزرگ شیخ اوحمد الواحد غزنوی رہتے تھے، اور جس کے وجود مبارک پر چڑا ہی چڑا تھا۔ سجادے پر بیٹھے ہوئے تھے اور دو شیران کے پاس کھڑے تھے۔ میں شیروں کے ڈر سے پاس نہ جاسکتا تھا۔ جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو فرمایا۔ آ جاؤ۔ ڈرو نہیں۔ جب میں پاس گیا تو آداب بجالا کر بیٹھ گیا۔“

پہلی بات جو بزرگ نے مجھ سے کی، وہ یہ ہے کہ اگر تو کسی کا ارادہ نہ کرے گا تو وہ تیرا بھی ارادہ نہ کرے گا۔ یعنی شیر کی کیا ہستی ہے کہ تو اس سے ڈرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب تیرے دل میں خوف خدا ہوگا، تمام تجھ سے ڈریں گے۔ شیر کی کیا حقیقت

ہے۔ وہ لوگوں سے بھی نہیں ڈرے گا۔ اس قسم کی بہت سی باتیں بیان فرمائیں۔ پھر پوچھا، کہاں سے آنا ہوا، عرض کی بغداد سے، فرمایا آنا مبارک ہو۔ لیکن لازم ہے کہ تو درویشوں کی خدمت کرے، تاکہ بزرگ بن جائے۔ لیکن سنو! مجھے اس غار میں رہتے ہوئے کئی ایک سال گزر گئے، اور تمام خلقت سے گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کی ہے۔ لیکن تیس سال سے ایک چیز کے سبب رور ہا ہوں۔ اس ڈر سے دن رات روتا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا جب میں نماز ادا کرتا ہوں تو اپنے آپ کو دیکھ کر روتا ہوں کہ اگر ذرہ برابر شرط نماز ادا نہ ہوئی تو سب کچھ ضائع جائے گا۔ اسی وقت یہ طاعت میرے منہ پر دے ماریں گے۔ پس اے درویش! اگر تو نماز کے حق سے عہدہ برآ ہو جائے تو واقعی تو نے بڑا کام کیا ہے۔ نہیں تو، تو اپنی عمر ضائع کرے گا۔ پھر یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی گناہ دنیا میں، اور کوئی دشمن قیامت میں اس سے بڑھ کر نہیں کہ نماز کو باشرائط ادا نہ کیا جائے۔

پھر فرمایا کہ میرے بدن پر جو ہڈی اور چمڑا دکھائی دیتا ہے، یہ اسی کے سبب سے ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا مجھ سے نماز کا حق ادا ہوا بھی ہے یا نہیں؟ یہ بات کہتے ہوئے ایک سیب اٹھایا جو ان کے پاس ہی تھا۔ ان کی ساری گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ نماز کا عہدہ بڑا بزرگ عہدہ ہے۔ اگر سلامتی کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہو سکے تو خلاصی پاجاتا ہے، نہیں تو شرمندہ رہتا ہے اور چہرہ کسی کو نہیں دکھلا سکتا۔

پھر خواجہ صاحب نے آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ اے درویش! نماز دین کا رکن ہے: اور رکن ستون ہوتا ہے۔ تو جب ستون قائم ہوگا، گھر بھی قائم ہوگا۔ اور جب ستون نکل جائے گا تو چھت فوراً گر پڑے گی۔ چوں کہ اسلام اور دین کے لیے نماز بہ منزلہ ستون ہے۔ جب نماز کے اندر فرض، سنت، رکوع اور سجود میں خلل آئے گا تو حقیقت اسلام اور دین وغیرہ خراب ہو جائیں گے۔

بعد ازاں فرمایا کہ صلوٰۃ مسعودی کی شرح میں امام زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عبادت میں ایسی تاکید و تشدید نہیں کی جیسی کہ نماز کے بارے میں۔“ (۲۴)

دلیل العارفین کی مجلس ہشتم میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی علیہ الرحمہ نے اور ادو وظائف اور معمولات سے متعلق خواجہ صاحب کے ارشادات نقل کیے ہیں اور اسی ضمن میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا: ”جو شخص کوئی وظیفہ مقرر کرے اسے روزانہ پڑھنا چاہئے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ انبیا و اولیا و مشائخ اور مردانِ خدا کا جو وظیفہ ہوتا ہے وہ برابر پڑھتے ہیں اور جو کچھ اپنے پیروں سے سنتے ہیں بجالاتے ہیں..... پھر فرمایا:

”جو ورد ہمارے خواجگان سے منقول ہے، ہم پڑھتے ہیں، تم بھی پڑھا کرو، تاکہ وظیفہ میں ناغہ نہ ہو اور جب اٹھو تو دائیں پہلو اٹھو، اور بسم اللہ پڑھ کر باشرائط وضو کرو، پھر دو گنا ادا کر کے مصلے پر بیٹھو اور سورۃ بقرہ کی چند آیتیں اور سورۃ انعام کی ستر آیتیں پڑھ کر سوبار ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ پڑھو، پھر صبح کی نماز کی سنتیں اس طرح ادا کرو کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اَلَمْ نَشْرَحْ اُور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اَلَمْ تَرَ كَيْفَ تَرَّ كَيْفَ کی تلاوت کرو۔“ اس کے بعد مختلف اور ادو وظائف کے ساتھ سورج نکلنے کے بعد دس رکعت نماز اشراق، پھر بارہ رکعت نماز چاشت، پھر نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد چھ رکعت نماز اؤابین اور نماز عشا کے بعد چار رکعت صلوٰۃ السعادة پڑھنے کی تلقین فرمائی اور اخیر میں ارشاد فرمایا:

رات کے تین حصے کرے۔ پہلا حصہ نماز میں گزارے، دوسرا تہجد میں، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ نماز ہمارے لیے فرض ہے۔ یہ چار سلام سے ادا کرے اور جس قدر قرآن شریف یاد ہو پڑھے پھر تھوڑی دیر سو جائے، پھر اٹھ کر تازہ وضو کرے اور صبح کا زب تک یاد الہی میں مشغول رہے..... اسی طرح

ہر روز کیا کرے اور اس میں کمی بیشی نہ کرے تاکہ مشائخ کی سنت ادا ہو۔“ (۲۵)

اسی طرح مجلس اول میں بھی نماز اشراق کی بڑی فضیلت ذکر فرمائی ہے۔ اسی ضمن میں فرمایا: ”امام اکتفین حضرت ابوحنیفہ کو فی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: کہ ایک کفن چور چالیس سال تک کفن چراتا رہا۔ جب مرا تو خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں ٹہل رہا ہے۔ اس کا سبب پوچھا تو بولا: مجھ میں ایک چیز تھی کہ جب میں فجر کی نماز ادا کرتا تھا تو سورج نکلنے تک یاد الہی میں مشغول رہ کر اشراق کی نماز ادا کرتا۔ اللہ تعالیٰ چوں کہ اندک پذیر اور بسیار بخش ہے، اس لیے اس نے اسی عمل کی برکت سے بخش دیا، میرے افعال کا کچھ لحاظ نہ فرمایا، اور مجھے اس درجہ پر پہنچا دیا۔“ (۲۶)

### روزہ اور حج کا اہتمام:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح نماز کا اہتمام فرماتے تھے اور اس کے فرائض و واجبات، سنن و مستحبات اور حقوق و آداب کی رعایت کے ساتھ اسے مقررہ اوقات میں ادا فرماتے تھے، اسی طرح آپ کے نزدیک روزہ اور حج کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ وہ خود صائم الدہر رہے، فرض کے ساتھ نفل روزے بھی پورے اہتمام سے خود رکھتے اور اپنے مریدوں کے سامنے اس کے فضائل بھی بیان فرماتے۔ اور خانہ کعبہ کی زیارت بھی اتنی بار فرمائی کہ اس کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

فوائد السالکین کی مجلس پنجم میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ بیان موجود ہے کہ: ”شیخ الاسلام حضرت معین الدین سجزی قدس اللہ سرہ العزیز ہر سال اجیر سے خانہ کعبہ جایا کرتے تھے۔“ یہ بیان اگرچہ کچھ ظاہر ہیں اور سطحی نظر رکھنے والے لوگوں کے نزدیک اس بنا پر قابل تاویل ہو کہ ”اس زمانے میں ہر سال اجیر سے حج کے لئے جانا ممکن نہ تھا، اس لیے ان کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے خانہ کعبہ کی زیارت اتنی بار فرمائی کہ اس کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔“ (۲۷)

لیکن ارباب تحقیق اور اہل حق کے نزدیک اولیائے کرام سے ”طبی ارض“ (زمین کے سمٹ جانے) کی کرامت منقول ہے۔ حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ والرضوان کی کتاب ”حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین“ کے حوالہ سے آپ یہ بیان پڑھ چکے ہیں: ”کہ سیکڑوں، ہزاروں میل کی مسافت کا چند لمحوں میں طے ہونے کی کرامت بھی اس قدر زیادہ اللہ والوں سے منقول ہے کہ اس کی روایات حد تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں، چنانچہ طرطوس کی جامع مسجد میں ایک ولی تشریف فرماتھے، اچانک انہوں نے اپنا سر گریبان میں ڈالا اور پھر چند لمحوں میں گریبان سے سر نکالا تو وہ ایک دم حرم کعبہ پہنچ گئے۔“

شریعت کے بغیر طریقت تک رسائی ناممکن:

تمام علمائے ربانی اور عرفائے حق کا اس پر اتفاق ہے کہ شریعت پر عمل کیے بغیر طریقت، معرفت، حقیقت کسی بھی روحانی درجہ تک رسائی ممکن نہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ نے اپنے ملفوظات ”دلیل العارفين“ میں اس حقیقت کو خوب خوب واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”راہ سلوک پر چلنے والوں کا شروع یہ ہے کہ جب لوگ شریعت میں ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور شریعت کے تمام فرمان بجالاتے ہیں اور ان کے بجالانے میں ذرہ برابر تجاوز نہیں کرتے تو اکثر وہ دوسرے مرتبہ پر پہنچتے ہیں، جسے طریقت کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب پورے شرائط کے ساتھ طریقت میں اور تمام احکام شریعت بے کم و کاست بجالاتے ہیں تو معرفت کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں۔ جب معرفت کو پہنچتے ہیں تو شناخت اور شناسائی کا مقام آجاتا ہے۔ جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہو جاتے ہیں تو درجہ حقیقت کو پہنچتے ہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر جو کچھ طلب کرتے ہیں، پالیتے ہیں۔“ (۲۸)

ایک موقع پر فرمایا: ”کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں، مرد کو چاہیے کہ اس کے احکام بجالانے میں کمی نہ کرے۔ پھر جو کچھ چاہے گا، مل جائے گا۔“ (۲۹)

حضرت خواجہ غریب نواز کے ان ارشادات سے ان متصوفین زمانہ کو سبق لینا چاہئے جو کہتے ہیں کہ ”شریعت تو ایک راستہ ہے، ہم تو منزل مقصود تک پہنچ چکے ہیں، ہمیں شریعت کی راہ پر چلنے کی کیا ضرورت؟ راستہ پر وہ چلے جو ابھی منزل تک نہ پہنچا ہو۔“ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ کسی بھی صورت میں عقل و حواس رکھنے والے انسان کے لیے شریعت کی پابندی سے چارہ کار نہیں۔ چاہے وہ سالک طریقت ہو یا رہ رو راہ حقیقت و معرفت۔

علماء مشائخ کی تعظیم:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ علمائے ربانی، عرفائے صدانی اور مشائخ طریقت کی تعظیم و توقیر کے قائل تھے۔ وہ نہ زاہد خشک تھے کہ مشائخ طریقت سے نفرت کرتے، اور نہ جھوٹے تصوف کے دعویدار، کہ علمائے شریعت سے بے زاری کا اظہار کرتے۔ جیسا کہ ان کے درج ذیل ملفوظات سے عیاں ہوتا ہے:

اگر کوئی شخص علما کی طرف دیکھے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے، جو قیامت تک اس کے لئے بخشش مانگتا رہتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ”جس دل میں علما اور مشائخ کی محبت ہو، ہزار سال کی عبادت اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ اگر وہ اسی اثنا میں مرجائے تو اسے علما کا درجہ ملتا ہے اور اس مقام کا نام علیین ہوتا ہے۔“

پھر فرمایا کہ فتاویٰ ظہیر یہ میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص علما سے آمد و رفت رکھے اور سات دن ان کی خدمت کرے، اللہ

تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکی اس کے نامہ اعمال میں لکھتا ہے۔ ایسی نیکی کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑے ہو کر گزار دے۔

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ پہلے زمانہ میں ایک آدمی تھا جو علما و مشائخ کو دیکھ کر از روئے حسد منہ پھیر لیتا۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کا رخ قبلہ کی طرف کرنا چاہا لیکن نہ ہوا غیب سے آواز آئی، اس کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟ اس نے دنیا میں علما و مشائخ سے روگردانی کی ہے، اس لئے ہم اپنی رحمت سے اس کا منہ پھیر دیتے ہیں اور قیامت کے دن رپچھ کی صورت میں اس کا حشر کریں گے۔ (۳۰)

### سنّتوں کا اہتمام:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اعمال میں سنّتوں کا خاص اہتمام فرماتے تھے، اور اگر کبھی کسی وجہ سے کوئی سنّت ترک ہو جاتی تو حد درجہ پریشان ہو جاتے تھے، اور خود اپنے اصحاب کو بھی سنّتوں کی پابندی کرنے کی تلقین فرماتے۔ آپ کے خلیفہ اور چہیتے مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ والرضوان نے دلیل العارفین میں آپ کے ملفوظات جمع فرمائے ہیں۔ اسی میں لکھا ہے کہ ایک بار خواجہ صاحب نے حقوق اللہ اور حقوق رسول پر گفتگو کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

”سنو! اور اچھی طرح جان لو کہ جو شخص سنّت نبوی ادا نہیں کرتا اور تجاوز کرتا ہے وہ شفاعت سے بے بہرہ رہے گا۔“

پھر فرمایا کہ: ”مسجد ککری میں اولیائے بغداد کے مقابل حاضر تھا اور گفتگو انگلیوں کے خلال کے بارے میں ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ وضو کرتے وقت انگلیوں کا خلال کرنا سنّت ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ میں نے صحابہ کرام کو انگلیوں کا خلال کرنے کو کہا ہے۔ جو آب دست (کے بعد وضو) کے وقت انگلیوں کا خلال

کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی انگلیوں کو شفاعت سے محروم نہیں رکھے گا۔“

پھر فرمایا کہ: ”شیخ اجل شیرازی کے ہمراہ میں ایک مقام میں تھا اور شام کی نماز کا وقت تھا۔ حضرت خواجہ صاحب نیا وضو کرتے تھے۔ اتفاقاً آپ انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے۔ غیبی فرشتے نے آواز دی کہ اے اجل! تو ہمارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی امت بنتا ہے لیکن اس کی سنّت کو ترک کرتا ہے۔ اس کے بعد خواجہ اجل نے قسم کھائی کہ اس وقت سے لے کر مرتے دم تک میں نے کوئی سنّت ترک نہیں کی۔“

پھر فرمایا کہ: ”ایک مرتبہ میں نے خواجہ اجل شیرازی کو بہت مترّد پا کر حالت پوچھی۔ فرمایا کہ جس روز مجھ سے انگلیوں کا خلال سہواً ترک ہوا، میں فکر میں ہوں کہ یہ منہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے روز کیسے دکھاؤں گا۔“

پھر فرمایا: ”صلوٰۃ مسعودی میں بہ طریق ترغیب حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے مطابق فقہ سنّت میں لکھا ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنّت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنّت ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی بھی یہی سنّت ہے۔ اس پر زیادہ کرنا ستم ہے۔“

بعد ازاں اسی موقع پر فرمایا کہ: ”فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کرتے وقت ہاتھ صرف دو مرتبہ دھوئے۔ جب نماز ادا کر چکے تو اسی رات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو فرماتے ہیں کہ مجھے تو تعجب ہے کہ تمہارے وضو میں کمی رہ جائے۔ خواجہ صاحب اس ہیبت سے جاگ پڑے، پھر تازہ وضو کر کے نماز ادا کی اور کفارہ کے لیے سال بھر پانچ سو رکعت بہ طور وظیفہ کے روزانہ ادا کی۔“

پھر ارشاد فرمایا کہ ”حدیث شریف میں ہے کہ دایاں ہاتھ کھانا کھانے اور منہ دھونے کے لیے اور بائیں ہاتھ استنجا کرنے کے لیے ہے۔“

پھر فرمایا کہ ”جب آدمی مسجد میں آئے تو سنت یہ ہے کہ پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے اور جب باہر نکلے تو پہلے بائیں پاؤں باہر نکالے۔ اسی ضمن میں فرمایا کہ ایک مرتبہ خواجہ سفیان ثوری مسجد میں آئے اور بھول کر پہلے بائیں پاؤں اندر رکھ دیا۔ آواز آئی کہ بیل بھی خانہ خدا میں اسی طرح بے ادبی کے ساتھ گھس آتے ہیں۔ اسی روز سے آپ کو سفیان ثوری کہا جانے لگا۔ (۳۱)

### عظمتِ قرآن کریم:

قرآن کریم، کلامِ الہی اور وحیِ ربانی ہے، اس کی تعظیم درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ صحابہ کرام، تابعین عظام، مشائخ طریقت اور علمائے امت ہمیشہ اس کی عظمت کا لحاظ کرتے رہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم سے والہانہ تعلق تھا، آپ برابر اس کی تلاوت کرتے اور اس کے آداب کا لحاظ فرماتے۔

دلیل العارفین کی پانچویں مجلس میں ہے کہ خواجہ صاحب نے عظمتِ والدین کے موضوع پر گفتگو فرمائی پھر ارشاد فرمایا: کہ مجھے قرآن شریف دیکھنا ہے، اس واسطے کہ شرح اولیا میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص کلام اللہ شریف کی طرف دیکھتا ہے، یا پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے دو ثواب دو، ایک قرآن شریف پڑھنے کا، دوسرا قرآن شریف دیکھنے کا، اور ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا ہوتی ہیں اور دس بدیاں مٹائی جاتی ہیں، بعد ازاں دعا گو نے التماس کی کہ مصحف شریف لشکر اور سفر میں لے جاسکتے ہیں، یا نہیں؟ فرمایا، اسلام کے شروع میں چوں کہ کفار کا غلبہ تھا، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف ہمراہ نہیں لے جایا کرتے تھے۔

بعد ازاں اسی موقع پر فرمایا کہ سلطان محمد غزنوی انا اللہ برہانہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ فرمایا، ایک رات میں ایک شخص کے یہاں مہمان تھا، ایک طاق میں قرآن شریف پڑھا، میں نے دل

میں کہا کہ قرآن شریف یہاں ہے، میں کس طرح سوؤں گا، پھر کہا کہ قرآن شریف کسی اور مکان میں رکھ دیا جائے، پھر خیال آیا کہ اپنے آرام کی خاطر میں کیوں اسے باہر بھیجوں، موت کے وقت اسی کے عوض بخش دیا گیا۔

بعد ازاں زبان مبارک سے فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف کو دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی بینائی زیادہ ہو جاتی ہے اور اس کی آنکھ کبھی نہیں دکھتی اور نہ خشک ہوتی ہے۔

پھر اسی موقع کے مناسب فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ سجادے پر بیٹھے ہوئے تھے، اور سامنے قرآن شریف رکھا تھا، ایک نابینا نے آکر التماس کی کہ میں نے بہت علاج کیے، مگر آرام نہیں ہوا۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں۔ میں آپ سے فاتحہ کے لئے مانجی ہوں۔ اس بزرگ نے قبلہ رخ ہو کر فاتحہ پڑھی، اور قرآن شریف اٹھا کر اس کی دونوں آنکھوں پر مسلا جس سے اس کی دونوں آنکھیں چراغ کی طرح روشن ہو گئیں۔

بعد ازاں فرمایا کہ میں نے جامع الحکایات میں لکھا دیکھا ہے کہ پہلے زمانے میں ایک فاسق جوان تھا، جس کی بدکاری سے مسلمانوں کو نفرت آتی تھی، کتنا بھی اسے منع کرتے لیکن ایک نہ سنتا۔ الغرض جب وہ مر گیا تو اسے خواب میں دیکھا کہ سر پر تاج رکھے، خرقہ پہنے فرشتوں کے ہمراہ بہشت میں جا رہا ہے، اس سے پوچھا کہ تو تو بدکار تھا، یہ دولت کہاں سے نصیب ہوئی؟ جواب دیا کہ دنیا میں مجھ سے ایک نیکی ہوئی، وہ یہ کہ جہاں کہیں قرآن شریف دیکھ لیتا، کھڑے ہو کر بڑی عزت کی نگاہوں سے اسے دیکھتا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی بدولت بخش دیا اور یہ درجہ عنایت فرمایا۔ (۳۲)

قرآن کریم کے ساتھ آپ کا والہانہ تعلق صرف زبانی نہ تھا بلکہ اپنے عمل سے بھی اس کا اظہار فرماتے تھے، آپ کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت سید میر عبد الواحد بلگرامی اپنی مشہور تصنیف ”سبع سنابل“ میں لکھتے ہیں:



”آپ کلام ربانی کے حافظ تھے، ہردن اور ہررات قرآن شریف ختم کرتے اور ہر مرتبہ جب قرآن ختم ہوتا تو ہاتھ آواز دیتا کہ ہم نے تمہارا ختم قبول کیا۔“ (۳۳)

### سخاوت و ضیاضی:

فقر و درویشی کے باوجود حضرت خواجہ کی خانقاہ میں شاہانہ فیاضیوں کا دریا بہتا تھا۔ مطبخ میں روزانہ اتنا کھانا پکاتا تھا کہ تمام غرابا و مساکین سیر ہو جاتے تھے۔ (۳۴) ایک موقع پر حضرت خواجہ غریب نواز نے فرمایا:

جو بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے اور دوزخ کے درمیان سات سو پردے حائل کر دے گا، جن میں سے ہر ایک پردہ پانچ سو سالہ راہ کے برابر ہوگا۔ (۳۵)

### پڑوسیوں کے حقوق کا لحاظ:

پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازہ کے ہمراہ ضرور تشریف لے جاتے۔ نماز جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ واپس ہو جاتے تو تنہا اس کی قبر پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اس وقت کے لیے موزوں ہیں، پڑھتے۔ (۳۶)

### غریبوں کی مدد:

حضرت خواجہ صاحب غریبوں اور پریشاں حالوں کی مدد بھی فرماتے تھے، اور اس کے لیے کوشش بھی کرتے تھے۔ اگر کوئی مظلوم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مدد کی فریاد کرتا تو آپ اسے محروم نہیں کرتے تھے، بلکہ اس پر ہونے والے ظلم کو دور کرانے اور اس کا حق اسے واپس دلانے کے لئے پوری جدوجہد فرماتے، اگرچہ اس کے لیے انھیں لمبا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اسی سلسلے کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار ایک کاشت کار نے خواجہ غریب نواز سے عرض کیا کہ حاکم نے میرے کھیت کی پیداوار ضبط

کر لی ہے، کہتا ہے کہ جب تک شاہی فرمان نہ لاؤ گے، اس میں سے کچھ نہ پاسکو گے۔ لہذا حضرت کی امداد چاہتا ہوں۔ میری روزی کا وسیلہ صرف یہی کھیت ہے۔ آپ حضرت قطب صاحب کو لکھ دیں۔ وہ بادشاہ سے فرمان دلا دیں گے۔ اس درخواست پر حضرت خواجہ کسی کو مطلع کیے بغیر کسان کو لے کر دہلی پہنچے۔ جب قطب صاحب نے تشریف آوری کی وجہ دریافت کی تو کسان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اس کے کام کے لیے آیا ہوں۔ قطب صاحب نے عرض کیا کہ حضور کا کوئی خادم بھی سلطان سے فرمان حاصل کر سکتا تھا، حضور کو زحمت سفر اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت غریب نواز نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے مگر مسلمان ذلت اور غربت کے وقت خدا کی رحمت سے قریب ہوتا ہے۔ جب یہ شخص میرے پاس آیا تھا، بہت رنجیدہ تھا۔ مجھے نبی اشارہ ملا کہ کسی کے رنج و غم میں شریک ہونا عین بندگی ہے۔ ادائے بندگی کے لئے میں خود آیا ہوں۔

مرشد کامل کی خواہش کا احترام اور اس کی تعمیل حضرت قطب صاحب کا فرض عین تھا۔ چنانچہ آپ سلطان شمس الدین التمش شہنشاہ ہند کے پاس تشریف لے گئے جو آپ کا حد درجہ معتقد اور سعادت مند مرید تھا۔ اس نے بارگاہ قطب میں بارہا درخواست پیش کی تھی کہ قطب صاحب اس کا شانہ سلطانی کو اپنے قدم میمنت لزوم سے رونق بخشیں اور سلطان کو میزبانی کا شرف اور خدمت کا موقع ملے، مگر مملکت فقر کے تاج دار کو دنیاوی بادشاہت اور اس کے فرماں روا سے کیا سروکار ہو سکتا تھا۔ اس لیے حضرت قطب صاحب نے نیاز مند سلطان کی دعوت پر کبھی قصر سلطانی کا رخ نہیں کیا اور نہ ہی شاہی ہدیے اور نذرانے قبول کیے۔

آپ جب کسی درخواست یا اطلاع کے بغیر شاہی محل میں تشریف لے گئے تو سلطان التمش کو مسرت کے ساتھ حیرت بھی ہوئی۔ آج اس کا بخت خفتہ جاگ اٹھا تھا۔ دیرینہ تننا پوری ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے حد درجہ مسرور تھا، مگر تعجب بھی تھا کہ حضرت

کیسے اور کس کام کے لیے آئے ہیں۔ اس لیے اس نے دست بستہ آنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت قطب صاحب نے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ سلطان نے فوراً ہی کاشت کار کے حق میں زمین داری کا استمراری فرمان تحریر کر کے مرشد کامل کے حوالہ کیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک آراضی کا دستاویز حضرت خواجہ غریب نواز کے صاحب زادے، حضرت خواجہ فخر الدین کے لیے بھی تحریر کیا جس کی رو سے وہ اس زمین پر خود کاشت کاری کرتے اور اس کے ذریعہ سادہ زندگی کے لئے سامان فراہم کرتے۔

قطب صاحب نے کاشت کار کا استمراری فرمان حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کر دیا، اس طرح ایک معمولی کاشت کار کی خدمت بھی ہو گئی اور اہل دہلی کو حضرت خواجہ غریب نواز کی زیارت اور کسب فیض کا موقع بھی میسر آ گیا۔ (۳۷)

### خوش مزاجی:

آپ کبھی کسی پر غصہ نہ ہوتے، خوش طبعی اور خوش مزاجی آپ کا شیوہ تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین، مختیار کا کی علیہ الرحمۃ والرضوان فرمایا کرتے تھے کہ میں جب تک خواجہ غریب نواز کی خدمت اقدس میں رہا، کبھی آپ کو ناراض ہوتے نہیں دیکھا۔ سوائے ایک دن کے جب کہ آپ اپنے خادم شیخ علی کے ہمراہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے اور ایک شخص نے خادم کا دامن پکڑ کر سخت وسست کہنا شروع کر دیا۔ اس پر حضرت کو جلال آیا اور اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو نے دامن کیوں پکڑا؟ (پورا واقعہ کراماتِ حسی کے باب میں ملاحظہ کریں)

### حضرت غریب نواز کی حسی کرامتیں:

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اصل کرامات، کرامات معنوی ہی ہیں جن پر خاص لوگوں کو آگاہی ہوتی ہے اور جن میں استدراج اور مکر کا دخل نہیں ہوتا۔ اب کرامات

معنوی کے بعد کچھ کراماتِ حسی بھی ذکر کر دی جائیں جو عوام کو بھی محسوس ہوتی ہیں۔ کرامات معنوی کے ثبوت کے بعد کراماتِ حسی بلاشبہ ولایت کی دلیل یا دلیل بالائے دلیل ہے۔

### دلوں پر تصرف:

سیکڑوں اولیائے حق سے یہ کرامت صادر ہوئی کہ ان کے اپنے کسی قول، یا عمل، یا صرف نظر ڈالنے سے وہ اثر ہوا جو سیکڑوں کتابیں پڑھنے یا وعظ اور نصیحتیں سننے سے بھی نہ ہوا، کبھی ایسا ہوا کہ جن بستنیوں یا مجلسوں میں لوگ ان سے نفرت و عداوت رکھتے تھے، جب ان مقدس ہستیوں نے وہاں قدم رکھے تو ان کی نفرتیں اور عداوتیں محبت و عقیدت میں تبدیل ہو گئیں اور کبھی فوراً اس طرح کی وارفتگی تو نظر نہ آئی لیکن تھوڑی سی فہمائش کے بعد لوگ راہ راست پر آ گئے۔ اور اگر شقاوتِ ابدی ہی ان کا مقدر تھی تو وہ ان اہل اللہ کے غضب و جلال کا نشانہ بن کر اپنے کفر کردار کو پہنچے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کے روحانی تصرفات کا صدور بار بار ہوا۔ جب آپ بخارا سے تبریز، اصفہان، ہرات ہوتے ہوئے سبزہ وار پہنچے جہاں کا حاکم یادگار محمد تھا جو متعصب شیعہ تھا۔ وہ اتنا متشنّد تھا کہ اس کی قلم رو میں جو شخص اپنے بیٹوں کا نام ابو بکر، عمر، عثمان رکھتا اسے وہ قتل کر دیتا، شہر سے باہر اس کا ایک پُر فضا باغ تھا۔ حضرت خواجہ اسی باغ میں وارد ہوئے اور حوض کے کنارے یاد الہی میں مصروف ہو گئے، یادگار محمد جو ترش مزاجی اور بد خلقی میں مشہور تھا، جب بغرض تفریح باغ میں آیا تو باغ میں ایک اجنبی درویش کو دیکھ کر چلیں بہ جیوں ہوا اور تکلیف دینے کا ارادہ کیا۔ حضرت کی نگاہ جوں ہی اس پر پڑی پاؤں میں لغزش ہوئی، بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ حضرت خواجہ نے اس کے منہ پر پانی چھڑکا، ہوش آیا تو دل کی دنیا بدل چکی تھی، عقیدہ کا فساد رخصت ہو چکا تھا، دل و دماغ شقاوت و ظلم کی تاریکی سے نکل کر صلاح و تقویٰ کی فضا میں پہنچ چکے تھے، چنانچہ وہ اپنے اعیان و امرا کے ساتھ بد

عقیدگی سے تائب ہو کر حضرت خواجہ کا مرید ہو گیا، اور اپنی ساری دولت اور خزانہ حضرت کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت خواجہ نے قبول نہ کیا اور فرمایا جو مال ظلم و تعدی سے حاصل کیا گیا ہے، وہ اس کے اصل مالکوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اپنے لوٹڈی، غلام آزاد کر دیے۔ چند ایام حضرت کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہر و باطن کی تکمیل کر لی، حضرت خواجہ نے اسے اپنا خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ اب وہ سبزہ دار کی ظاہری و باطنی سلطنت کا امیر بن چکا تھا۔

سبزہ دار سے حضرت خواجہ بلخ پہنچے جہاں کچھ دنوں شیخ احمد خضرویہ کے یہاں قیام فرمایا۔ بلخ میں ان دنوں ایک بہت بڑا نامی گرامی حکیم اور فلسفی شخص رہتا تھا جسے مولانا ضیاء الدین حکیم کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اسے تمام علوم ظاہری بالخصوص فلسفہ و حکمت میں بڑا تجربہ حاصل تھا، وہ تصوف اور اہل تصوف سے کافی متنفر تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ تصوف محض ایک ہذیان ہے اور صوفیہ عقل و تمیز سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ بلخ کے مضافات میں اس کا ایک پرفضا باغ تھا جس میں اس کا ایک مدرسہ تھا جہاں وہ اپنے شاگردوں کو فلسفہ و حکمت کا سبق پڑھایا کرتا تھا۔

حضرت غریب نواز کا معمول تھا کہ تیر و کمان، چقماق اور نمک دان ہمیشہ اپنے پاس رکھتے، تاکہ شدید اشتہا کے وقت جنگل میں کسی جانور کا شکار کر کے اسے بھون کر تناول فرمائیں۔ ایک روز حضرت کا گذرنا اس علاقہ سے ہوا، جہاں حکیم ضیاء الدین کا باغ اور اس کی درس گاہ حکمت تھی۔ آپ نے کلنگ کا شکار کیا، خادم کو حکم دیا کہ اسے بھون کر تیار کرے اور خود نماز پڑھنے لگے۔ اسی اثنا میں منکر حقیقت ضیاء الدین آنکلا، دیکھا کہ ایک درویش مصروف نماز ہے اور اس کا خادم کلنگ بھون رہا ہے۔ جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے خادم نے بھنا ہوا پرندہ پیش کیا۔ حکیم ضیاء الدین بھی پاس ہی بیٹھ گیا۔ حضرت نے بسم اللہ پڑھ کر ایک ران ضیاء الدین کو عطا کر دی اور دوسری ران خود تناول فرمانے لگے، ضیاء الدین گوشت کھاتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

جب ہوش آیا تو دنیا بدل چکی تھی، فلسفہ و حکمت کے اسرار و رموز کا رنگ صاف ہو چکا تھا، اہل حال درویش اوصاف باطن صوفیہ سے انکار و تنفر کے جذبات محو ہو چکے تھے۔ قلب و روح کی گہرائی سے حضرت خواجہ کا معتقد بن چکا تھا، حضرت خواجہ کا مرید ہوا، مکان پہنچ کر حکمت کی تمام کتابیں دریا میں ڈال دیں، علوم باطن کے شغف نے اسے مرد کامل بنا دیا اور اسرار الہی اس پر منکشف ہو گئے، سارے دنیاوی علائق سے علیحدگی اختیار کر لی اور شب و روز ذکر و فکر کو اپنا شیوہ بنا لیا، یہ انقلاب حضرت کی نگاہ التفات کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔

حکیم ضیاء الدین اور اس کے فلسفہ زدہ شاگردوں کا حضرت خواجہ غریب نواز کے حلقہ گوشوں میں داخل ہو جانا بڑا غیر معمولی واقعہ تھا، جس نے پورے بلخ اور اطراف و جوانب میں آپ کی عظمت کی دھوم مچادی۔ جس نے سنا قدم بوسی کے لیے حاضر بارگاہ ہوا، جوق در جوق لوگوں کی آمد کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ فلسفیانہ عقل پرستی سے تائب ہو کر حکیم ضیاء الدین نے عبادت و ریاضت کو اپنا معمول بنا لیا، مرشد کامل نے مدارج سلوک طے کرائے اور رموز ظاہری و باطنی کی تعلیم دی، خرقہ درویشی پہن کر اپنا جانشین بنا دیا، اس علاقہ میں ہدایت خلق پر مامور فرمایا اور وہاں سے عازم سفر ہوئے۔ (۳۸)

### دلوں کے حالات سے آگاہی:

شرعی احکام کی پابندی، اخلاص اور تقویٰ و طہارت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بہت سے اولیا کو روشن ضمیر بنا دیتا ہے۔ وہ دلوں کے خطرات سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے اُس محبوب بندے کی حفاظت کا بھی سامان کرتا ہے۔

ایک بار ایک شخص حضرت خواجہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ کو اس کا علم نور باطن سے ہو گیا۔ وہ شخص جب نزدیک آیا تو حضرت خواجہ صاحب بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ جس ارادہ سے آئے ہو اس کو

پورا کرو، یہ سنتے ہی وہ شخص کا پنے لگا، سر بسجود ہو کر عاجزی سے بولا کہ مجھ کو لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے بھیجا گیا تھا، یہ کہہ کر بغل سے چھری نکالی اور سامنے ڈال دی، پھر قدموں پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھ کو اس کی سزا دیجئے، بلکہ میرا کام ہی تمام کر دیجئے۔  
خواجه صاحب نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں۔ تم نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی یہ کہہ کر اس کے لیے دعائیں کیں، وہ شخص بہت متاثر ہوا، اور اسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا، حضرت خواجہ کی دعاؤں کی بدولت اس کو ۴۵ بار حج کعبہ کی سعادت حاصل ہوئی، اور اسی مقدس سرزمین میں پیوند خاک بھی ہوا۔ (۳۹)

### پیشین گوئی:

کبھی اللہ تعالیٰ اپنے محبوبانِ بارگاہ کا دل اپنی معرفت کے انوار سے اس طرح روشن فرمادیتا ہے کہ وہ آئندہ زمانے میں ہونے والی چیزوں کو جان لیتے ہیں، اور حسبِ موقع انھیں بیان بھی کر دیتے ہیں۔

اس طرح کی روشن ضمیری رکھنے والے اولیائے کرام کے بے شمار واقعات تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں جا بجا ملتے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی بارگاہِ خداوندی سے ایسی روشن ضمیری عطا ہوئی تھی کہ آپ مستقبل کی باتوں سے آگاہ ہو جاتے تھے اور مناسب سمجھتے تو اس کا اظہار بھی فرمادیتے تھے۔ مدینہ منورہ سے حضرت غریب نواز بغداد تشریف لائے جہاں وقت کے مشائخ سے صحبتیں رہیں۔ بغداد کے دوران قیام ایک دن خواجه غریب نواز، شیخ اوحدا الدین، شیخ شہاب الدین سہروردی اور قطب الدین بختیار کا کی ایک مجلسِ خیر میں تھے، انبیائے کرام کا ذکر ہو رہا تھا کہ سامنے سے شمس الدین التمش جس کی عمر اس وقت بارہ سال تھی ہاتھ میں ایک پیالہ لئے جا رہا تھا، جب بزرگوں کی نگاہ اس پر پڑی تو حضرت غریب نواز نے فرمایا، یہ لڑکا جب تک دہلی کا بادشاہ نہ ہوگا، خدا اسے دنیا سے نہ اٹھائے گا۔

شمس الدین التمش ایک ترکی غلام تھا جس نے سلطان قطب الدین ایبک کی ماتحتی میں رہ کر اچھے اچھے کارنامے انجام دیے۔ جس سے خوش ہو کر قطب الدین نے اپنی لڑکی سے اس کا نکاح کر دیا اور بیانہ کا حاکم بنا دیا۔ شہنشاہ قطب الدین ایبک کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے آرام شاہ کولاہور میں بادشاہ بنایا گیا، لیکن وہ ایک ہی سال میں معزول ہو گیا۔ پھر ۶۰ھ/۱۲۱۰ء میں التمش کو آرام شاہ کی جگہ تمام ارکانِ سلطنت کے اتفاق رائے سے دہلی کے تخت پر بٹھایا گیا۔ التمش نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ سلطنت کی، اور باغیوں اور دشمنوں کی سرکوبی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس نے اپنے دورِ حکمرانی میں سندھ، رتھمپور، گوالیار اور مالوہ کی ریاستوں پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ (۴۰)

اس طرح حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی۔ ایک بار حضرت کے ایک مرید کو رائے چتھو رائے ستایا۔ مرید نے راجہ کے ناقابل برداشت مظالم کی شکایات حضرت خواجہ کی بارگاہ میں پیش کیں، حضرت نے کسی شخص کو راجہ کے پاس بھیجا اور مسلمانوں پر ظلم و تشدد سے باز رہنے کا حکم دیا، حضرت کی ہدایت اسے سخت ناگوار گزری۔ اس نے سخت غضب ناک ہو کر کہا، کیا ہی اچھا ہو جو یہ فقیر یہاں سے چلا جائے، یہ بات ہر شخص سے کہتا رہتا، یہ شخص یہاں آ کر غیب کی باتیں کرتا ہے۔ جب راجہ کے اس گستاخانہ قول کی خبر حضرت کو ملی تو آپ نے غضب ناک ہو کر ارشاد فرمایا، ”چتھو را ازندہ گرفتیم و دادیم“ ہم نے رائے چتھو را کو زندہ گرفتار کیا اور دے دیا۔

یہ پیشین گوئی ہندستان میں سیاسی و تاریخی لحاظ سے خاص اہمیت رکھتی ہے، جس کا اندازہ ہندستان میں مسلمانوں کی جنگی سرگرمیوں کے پس منظر میں لگایا جاسکتا ہے اور ”گرفتیم و دادیم“ کی معنویت واضح ہو سکتی ہے۔

جب ترائن کی پہلی جنگ میں شہاب الدین غوری کو شکست ہوئی، وہ غزنی

پہنچ کر جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا، اس نے ایک لاکھ بیس ہزار سپاہ جمع کر لی مگر وہ ابھی ہندوستانی راجاؤں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ ہو سکا تھا کہ ایک رات اس نے خواب میں ایک نورانی صورت بزرگ کو دیکھا جو فرما رہے ہیں: خداوند تعالیٰ تم کو ہندوستان کی بادشاہت عطا کرنے والا ہے، تم اس ملک کی طرف توجہ کرو، خواب میں اس بشارت عظمیٰ کو سننے کے بعد اس کے حوصلوں کو قوت ملی اور اسے یقین ہو گیا کہ فتح اب اس کے قدم چومے گی۔ شکست کا بد نما داغ جو دامن عزت پر لگا ہے، دھل جائے گا۔ وہ اپنا لشکر لے کر ترائن پہنچا، جہاں اس کو تین لاکھ راجپوتوں کے مقابلہ میں شاندار فتح حاصل ہوئی۔

ترائن کی فتح پورے ہندوستان پر مسلمانوں کی فتح و اقتدار کا باب اول ثابت ہوئی اور جلد ہی دہلی میں مسلمانوں کی ایک مستحکم مرکزی سلطنت قائم ہو گئی۔ دوسری طرف ترائن میں شکست فاش کے بعد راجپوتوں کی سیاسی عظمت اور چوہانوں کے اقتدار کے تانے بانے بکھر گئے، راجپوت راجاؤں کی شکست کے اثرات صرف اجمیر اور دہلی ہی تک محدود نہ رہے بلکہ پورے ہندوستان میں مسلمانوں کی حربی قوت کا سکہ بیٹھ گیا۔

تسخیر ہند کی سرگرمیاں جو محمد بن قاسم کے حملہ ۹۲ھ/۷۱۲ء سندھ سے شروع ہوتی ہیں، ان کی نتیجہ خیز تکمیل ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء میں ترائن کی فتح سے ہوتی ہے۔ اندرون ہند کی فتوحات اور قیام اقتدار کا فتح باب حضرت خواجہ کے روحانی فیوض و برکات ہی کا کرشمہ ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب حضرت خواجہ نے اجمیر کو اپنی روحانی راجدھانی بنا لیا اور ظلمت کدہ ہند میں ان کی تبلیغی جدوجہد سے نور ہدایت پھیلا، تب جا کر کہیں مسلمان فاتحین کے لئے اندرون ہند فتوحات آسان ہوئیں اور ان علاقوں پر ان کے اقتدار و سطوت سلطانی کی گرفت مضبوط ہوئی، چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

”اس فتح بموجب راندن نفس مبارک رحمان آل قطب ربانی نمود“ (منتخب التواریخ ج ۱، ص ۵۰) یہ فتح حضرت قطب ربانی کی برکتوں سے ہوئی۔

ترائن کی تاریخی فتح کے بعد شہاب الدین غوری، سرستی، ہانسی، سامنا، کھرام کے مشہور قلعوں کو فتح کرتا ہوا دارالخیرا اجمیر میں وارد ہوا، جس وقت شہاب الدین اجمیر کے کوہستانی علاقہ میں داخل ہوا تو شام ہو چکی تھی۔ مغرب کا وقت تھا، اچانک ایک پہاڑی کی اوٹ سے اذان کی آواز آنے لگی۔ وہ متحیر ہوا اور دریافت کرنے لگا، یہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک فقیر کچھ دنوں سے یہاں تشریف لائے ہیں، یہ آواز وہیں سے آرہی ہے۔ شہاب الدین آواز کی رخ پر چل پڑا۔ دیکھا تو اہل اللہ کی ایک جماعت بارگاہ الہی میں صف بستہ ہو کر فریضہ نماز ادا کر رہی ہے۔ وہ بھی جماعت میں شامل ہو گیا، خواجہ غریب نواز امامت فرما رہے تھے۔ جب نماز ختم ہوئی تو اچانک شہاب الدین غوری کی نگاہ خواجہ غریب نواز پر پڑی۔ یہ دیکھ اسے حیرت و مسرت ہوئی کہ یہ تو وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اسے فتح و کامرانی کی بشارت دی تھی۔ وہ اپنے جذبات عقیدت و محبت کو ضبط نہ کر سکا، حضرت خواجہ غریب نواز کے قدموں پر گر پڑا اور دیر تک روتا رہا۔ جب رونے سے فارغ ہوا تو حضرت خواجہ کی خدمت عالی میں مودب بیٹھ گیا اور اپنی قلبی خواہش کا اظہار کیا کہ حضور اس غلام کو مریدی کے شرف سے نوازیں، حضرت خواجہ نے درخواست قبول فرمائی اور حلقہ ارادت میں شامل کر لیا۔ (۴۱)

بے شمار غیر مسلموں کا دائرہ اسلام میں داخلہ:

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے روحانی تصرف سے نہ معلوم کتنے تیرہ دلوں کو ایمان و اسلام کی روشنی نصیب ہوئی اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اللہ و رسول کے اطاعت شعار، وفادار بندے بن گئے۔ آپ کی حیاتِ طیّبہ میں اس طرح کے واقعات بارہا پیش آئے۔

انہیں میں سے ایک واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ نے دوران سفر سمانا سے دہلی کا رخ کیا اور دہلی پہنچ کر آپ نے راج محل کے سامنے قیام فرمایا۔ قریب ہی بڑا بت خانہ تھا، ایک مسلمان درویش کی اقامت عام لوگوں کو ناگوار ہوئی، مگر آپ کے روحانی رعب و جلال کی وجہ سے کسی بیدین کو اذیت پہنچانے کی جرأت نہ ہوئی۔ شہر کے معززین اور مندر کے پجاریوں کا ایک وفد حاکم دہلی کھانڈے راؤ کے پاس آیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ان مسلمان درویشوں سے دیوتا ناراض ہو رہے ہیں۔ اگر ان کو اولین فرصت میں شہر بدر نہ کیا گیا تو دیوتاؤں کا قہر سلطنت کو تباہ کر دے گا۔ تو ہم پرست کھانڈے راؤ نے احمقوں کی بات مان لی، چند کارندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت خواجہ کو دہلی سے نکال دیں۔ جب راؤ کے آدمی حضرت کے پاس آئے اور گفتگو ہوئی تو یہ کارندے حضرت کے اخلاق اور سادہ و مؤثر نصیحتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے راجپوت مسلمان ہو گئے اور آپ کی بزرگی و کرامت کا چرچا سن کر لوگ جوق در جوق آنے لگے اور اسلام کا نور پھیلنے لگا اور مسلمانوں کا ایک وسیع حلقہ بن گیا۔ حضرت خواجہ کی منزل مقصود اجمیر تھی، اس لیے اپنے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کو دہلی میں خلق خدا کی ہدایت کے لئے چھوڑ کر عازم اجمیر ہوئے۔

اجمیر پر تھوی راج کا پایہ تخت تھا۔ دہلی اور دوسرے علاقے اس کے ماتحت تھے۔ اس لحاظ سے اجمیر ان دنوں ایک عظیم و مستحکم مرکز بن گیا تھا۔ حضرت خواجہ اس علاقہ کو کفر و شرک سے خالی کر کے ایمان و اسلام کی روحانی قلم رو کا پایہ تخت بنانا چاہتے تھے۔ (۴۲)

حضرت خواجہ جب دہلی سے اجمیر جا رہے تھے تو راستہ میں سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ (۴۳)

جب آپ اجمیر میں تشریف لائے اور اہل اجمیر کے سامنے آپ کی روحانی

قوتوں اور باطل شکن کرامتوں کا ظہور ہونے لگا تو اہل اجمیر کے دلوں پر آپ کی روحانی عظمت و قوت کا سکہ بیٹھ گیا اور وہ آپ کی دعوت و تبلیغ، کشف و کرامت اور باطنی قوت سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان اسلام قبول کرنے والوں میں عام لوگ بھی تھے اور اجمیر کے راجارائے پتھورا کے ملازمین بھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو ”سیر الاولیاء، ص: ۴۶“ اور ”اخبار الاخبار، ص: ۲۲“ میں مذکور ہے کہ ایک روز راجا نے آپ کے ایک مسلمان عقیدت مند کو کسی وجہ سے ستایا، وہ بیچارا آپ کے پاس فریاد لے کر پہنچا۔ آپ نے اس کی سفارش میں پتھورا رائے کے پاس ایک پیغام بھیجا، لیکن اس نے آپ کی سفارش قبول نہ کی اور کہنے لگا کہ یہ شخص یہاں آ کر بیٹھ گیا ہے اور غیب کی باتیں کرتا ہے۔ جب خواجہ اجمیری کو یہ بات معلوم ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے حوالے کر دیا، اسی زمانہ میں سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کی فوج غزنی سے پہنچی، پتھورا، لشکر اسلام سے مقابلہ کے لیے آیا اور سلطان معز الدین (معروف بہ شہاب الدین غوری) کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا، اسی تاریخ سے اس ملک میں اسلام پھیلا اور کفر کی جڑیں کٹ گئیں۔

سید محمد بن مبارک کرمانی فرماتے ہیں:

”بہ وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بہ حقیقت معین الدین بود،  
ظلمت این دیار بنور اسلام روشن و منور گشت“ (۴۴)

(ترجمہ: اہل یقین کے اس آفتاب عالم تاب کے قدوم میمنت لزوم سے جو کہ صحیح معنوں میں ”معین الدین“ (دین کا حامی و ناصر) تھے، اس سرزمین سے کفر کی تاریکیاں چھٹ گئیں، اور ہر طرف اسلام کا اجالا پھیلا گیا۔)

آنین اکبری میں ہے:

”عزالت گزریں بہ اجمیر شد و فراواں چراغ برافروخت و از دم گیراے  
اوگروہا گروہ بہرہ ور گرفتند“ (۴۵)

(ترجمہ: آپ نے اجمیر میں گوشہ نشینی اختیار کی، اور (معرفت کے) بہت سے چراغ روشن فرمائے اور آپ کے دم قدم سے بہت سے لوگ جوق در جوق اس سے بہرہ ور ہوئے۔)

مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:

”ہزار در ہزار، از صغار و کبار، بہ خدمت آل محبوب کردگار حاضر شدہ مشرف بہ شرف اسلام و ارادت آل حضرت شدند بہ حدے کہ چراغ اسلام در ہند بہ طفیل این خاندان عالی شان روشن گشت“

(ترجمہ: ہزاروں ہزار چھوٹے بڑے لوگ اس محبوب کردگار کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کے شرف اور آپ کی ارادت سے مشرف ہوئے، یہاں تک کہ اسلام کا چراغ ہندستان میں اسی بلند مرتبہ خانوادہ کی وجہ سے روشن ہوا۔)

صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں:

”بیش تر کفار نام دارا زان دیار، بہ برکت آثار آل زبدۃ الاسرار، بہ تشریف ایمان مُشرف شدند۔ و بیش ترے کہ ایمان نیامدند در وقت و فتوح بے حد و عد، بہ حضرت ایشاں می فرستادند، کہ ہنوز آل کفار بدار مرقد معتقدانہ ہر سالے می آیند، و سر بر خاک آل آستانہ عظیم القدر و آل بدر سپہر مشیخت می نہند، و مبلغ ہاے کل بہ مجاورانِ روضہ مطہرہ ایشاں می رسانند، و خدمتے بجای آرند“۔ (۴۷)

(ترجمہ: اس دیار کے اکثر نامور کفار اس زبدۃ الاسرار ذات کی برکتوں سے ایمان و اسلام سے مُشرف ہوئے اور بہت سے ایسے کفار جو اسلام نہ لاسکے، بے حد و حساب نذرانے اور فتوحات (عقیدت کے ساتھ) حضرت کی بارگاہ میں بھیجتے ہیں، اور اب تک یہ کفار اسی طریقے پر عقیدت رکھتے ہیں۔ ہر سال مزار پر حاضری دیتے ہیں اور اس عظیم المرتبت ہستی اور اس آسمان مشیخت کے ماہِ کامل کے آستانے کی

خاک سر پر رکھتے ہیں اور بہت سی نقد رقم روضہ پاک کے مجاوروں کو پیش کرتے ہیں، اور خدمت بجالاتے ہیں)

ہاتھ خشک ہو گیا:

ایک مرتبہ حضرت خواجہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ خادم شیخ علی ہمراہ تھا، کسی نے خادم کا دامن پکڑ کر سخت وسست کہنا شروع کر دیا۔ حضرت پیرو مرشد نے فرمایا: کیا بات ہے؟ تو نے دامن کیوں پکڑا اور کیوں برا بھلا کہا؟ اس شخص نے عرض کیا: حضرت یہ میرا مقروض ہے، قرض ادا نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو، تمہارا قرض ادا کر دے گا۔ وہ نہ مانا۔ اس پر حضرت پیرو مرشد کو غصہ آ گیا۔ فوراً اپنی چادر مبارک زمین پر ڈال دی، فرمایا اس چادر کے نیچے سے جتنا تیرا قرض ہے لے لے، خبردار زیادہ لینے کی کوشش نہ کرنا، اس آدمی نے قرض سے زیادہ روپیہ اٹھایا، اسی وقت اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ (۴۸)

ہررات کعبہ شریف کی زیارت کے لیے جانا:

آپ ”حیۃ اللہ علی العالمین“ کے حوالے سے یہ پڑھ چکے کہ کچھ اولیائے کرام کے لیے زمین سمیٹ دی جاتی ہے تو لمبی مسافت کو تھوڑی ہی دیر میں طے کر لیتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ سے بھی اس طرح کی کرامت منقول ہے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ ہر سال اجمیر سے خانہ کعبہ جایا کرتے تھے لیکن جب آپ درجہ کمال کو پہنچ گئے تو جو حاجی حج کے لئے جایا کرتے تھے وہ آپ کو وہاں پاتے، حالانکہ آپ گھر میں گوشہ نشین ہوا کرتے، آخر معلوم ہوا کہ خواجہ معین الدین ہررات خانہ کعبہ جاتے تھے اور رات وہاں بسر کرتے تھے اور صبح کی نماز باجماعت اپنے گھر میں ادا کرتے تھے۔ (۴۹)

اپنی گدڑی سے جو کی روٹیاں نکالنا:

خود خواجہ معین الدین چشتی ایک مجلس کا تذکرہ فرماتے ہیں جس میں خواجہ عثمان ہارونی، خواجہ اوحاد الدین کرمانی اور خود (خواجہ غریب نواز) بھی موجود تھے۔

گفتگو اس بارے میں شروع ہوئی کہ جو شخص اس مجلس میں ہے، وہ اپنی کرامت دکھائے۔ یہ سنتے ہی خواجہ عثمان ہارونی نے مصلے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور مٹھی بھرا شرفیاں نکال کر ایک درویش کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ درویشوں کے لئے حلوہ لاؤ، شیخ اوحاد الدین نے قریب ہی پڑی ہوئی ایک لکڑی پر ہاتھ مارا تو فوراً ہی وہ لکڑی سونا بن گئی، میں (خواجہ غریب نواز) پیچھے رہ گیا جو پیر و مرشد کی وجہ سے کوئی کرامت ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ شیخ ہارونی نے میرے طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا تم کوئی کرامت کیوں نہیں دکھاتے؟ اس مجلس میں ایک بھوکا درویش تھا جو شرم کی وجہ سے سوال نہیں کرتا تھا، میں نے اپنی گدڑی میں سے جو کی چار روٹیاں نکال کر دے دیں۔ اس درویش اور خواجہ محمد عارف نے فرمایا کہ درویش میں جب تک کرامت کی قوت نہ ہو، اسے درویش کہنا درست نہیں۔ (۵۰)

راجا کے اونٹوں کا اپنی جگہ بیٹھے رہ جانا:

جب حضرت خواجہ غریب نواز کا نورانی قافلہ اجمیر پہنچا تو آپ نے شہر سے باہر ایک سایہ دار مقام پر قیام پذیر ہونا چاہا، راجہ کے ملازمین نے روکتے ہوئے کہا: آپ یہاں قیام نہیں کر سکتے، اس لیے کہ یہاں ہمارے راجہ کے اونٹ بیٹھے ہیں، حضرت کو ناگوار گزارا۔ فرمایا میں یہاں سے جاتا ہوں، تمہارے اونٹ بیٹھے ہی رہ جائیں گے۔ یہ فرما کر آپ کھڑے ہو گئے اور انا ساگر کے پاس تشریف لائے، جہاں اس وقت بت خانوں کی کثرت تھی، آپ نے ایک بلند مقام پر (جو اس وقت حضرت کی چلہ گاہ کے نام سے موسوم ہے) قیام فرمایا۔ جب شام ہوئی راجہ کے اونٹ حسب

معمول اپنی جگہ پر آئے اور بیٹھے گئے، حضرت کے ارشاد کے مطابق ایسے بیٹھے کہ بیٹھے ہی رہ گئے، اٹھانے پر بھی نہ اٹھے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ ان کے سینے زمین سے چپک گئے ہوں۔ صبح کے وقت جب شتر بانوں نے اونٹوں کو اٹھانا چاہا تو وہ اٹھ نہ سکے، اس بات نے انہیں سخت حیرانی میں مبتلا کر دیا، انہوں نے مشورہ کیا اور اس بات پر اتفاق کیا کہ کل ہم نے جس فقیر کو یہاں ٹھہرنے نہ دیا اس کی بددعا لگ گئی ہے، پھر وہ سب کے سب حضور کی خدمت میں آئے اور معذرت خواہ ہوئے، حضرت نے ازراہ شفقت ارشاد فرمایا، جاؤ بارگاہ الہی سے تمہارے اونٹوں کے اٹھنے کا حکم ہو چکا ہے، جب یہ شتر بان اونٹوں کے گلہ میں پہنچے، یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ سارے اونٹ از خود کھڑے ہو گئے۔ (۵۱)

جوگی جے پال کا قبولِ اسلام:

پہلے گزر چکا ہے کہ جس زمانے میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر تشریف لائے، اس وقت اجمیر اور دہلی کا حکمران چوہان خاندان کا مشہور راجہ راجے پتھورا تھا اس کے مقررین نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی، اور جب انہوں نے حضرت خواجہ کی عظمت و کرامت کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس اور لاچار پایا تو ہند و جوگیوں کو خواجہ کو مغلوب کرنے کے لیے مامور کیا، ان میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی جے پال کا ذکر کرتے ہیں، جس سے حضرت خواجہ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے، لیکن حضرت خواجہ اپنی روحانی قوت سے اس پر غالب رہے، اور اس نے متاثر ہو کر حضرت خواجہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اور آپ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا، اور خلافت بھی مرحمت فرمائی۔ (۵۲)

بعد وصال کی کرامتیں:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ سے جس طرح ان کی حیات میں گونا



گوں کرامتوں کا ظہور ہوا، اسی طرح بعدِ وصال بھی آپ سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئیں۔ ان کرامتوں سے جہاں کسی بندۂ خدا کا کام بنا، وہیں بارگاہِ خداوندی میں آپ کے رتبے اور عزت و کرامت کا اظہار بھی ہوا اور دیکھنے والے اہل ایمان کے ایمان و یقین میں مزید سوخ اور پختگی کا سامان بھی ہوا۔ ذیل میں اس طرح کی کچھ کرامتیں پیش کی جا رہی ہیں۔

#### ۱- آستانہ غریب نواز بیماروں کے لیے شفاخانہ:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

حضرت خواجہ کے مزار سے بہت کچھ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں، مولانا برکات احمد مرحوم جو میرے پیر بھائی ہیں اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک ہندو کے سر سے پیر تک پھوڑے تھے، اللہ ہی جانتا ہے کہ کس قدر تھے۔ ٹھیک دو پہر کو آتا اور درگاہ شریف کے سامنے گرم کنکروں اور پتھروں پر لوٹا اور کہتا ”خواجہ اگن لگی ہے“ تیسرے روز میں نے دیکھا کہ بالکل اچھا ہو گیا۔

#### ۲- غریب نوازی:

بھاگل پور سے ایک صاحب ہر سال اجمیر شریف حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک وہابی رئیس سے ملاقات تھی۔ اس نے کہا میاں ہر سال کہاں جایا کرتے ہو؟ بے کار اتنا روپیہ صرف کرتے ہو۔ انہوں نے کہا چلو اور انصاف کی آنکھوں سے دیکھو پھر تم کو اختیار ہے، خیر ایک سال وہ ساتھ میں آیا۔ دیکھا کہ ایک فقیر سوٹا لیے روضہ شریف کا طواف کر رہا ہے اور یہ صدالگار ہے: خواجہ پانچ روپے لوں گا اور ایک گھنٹہ کے اندر لوں گا اور ایک شخص سے لوں گا۔ جب اس وہابی کو خیال ہوا کہ اب بہت وقت گزر گیا ایک گھنٹہ ہو گیا ہوگا اور اب تک اسے کسی نے کچھ نہ دیا، جیب سے پانچ روپے نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھے اور کہا لو، میاں تم خواجہ سے مانگ رہے تھے،

بھلا خواجہ کیا دیں گے لوہم دیتے ہیں، فقیر نے وہ روپے تو جیب میں رکھے اور ایک چکر لگا کر زور سے کہا، خواجہ توری بلہاری جاؤں دلوائے بھی تو کیسے خبیث منکر سے۔ (۵۳)

ان صفحات کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلطان المشائخ خواجہ خواجگاں حضرت سید خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کو گونا گوں کرامتوں سے نوازا تھا، اور ان سب میں اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل و کرم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایتوں کے ساتھ آپ کے اخلاص عمل، سنت و شریعت کی پابندی کا بھی بہت دخل تھا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ کی عنایتیں اس بندے کی طرف کچھ زیادہ متوجہ ہوتی ہیں جو احکام شرع کا عامل اور سنت و شریعت کا پابند ہو۔ اسی بنیاد پر سارے مشائخ کرام اور رہروان طریقت نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اولیائے ہند میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے بلند و بالا ہے، اور آپ ”سلطان الہند“ ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ کو خود بارگاہ رسالت سے ”قطب المشائخین“ کے لقب کی خوش خبری ملی۔ (۵۴)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی علیہ الرحمۃ نے آپ کو ”ملک المشائخ، سلطان السالکین، منہاج المتقین، شمس الفقراء، ختم المہتدین“ کے القاب سے یاد کیا۔ (۵۵)

اب آخر میں انھیں اشعار سے آپ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتا ہوں جو سیر العارفین کے مصنف نے آپ کی شان میں لکھے ہیں:

آل شہنشاہ جہان معرفت	ذات او پیروں ز ادارک و صفت
خسر و ملک، آفتاب تخت و تاج	از خود و از غیر خود بے احتیاج
غرق بحر عشق از صدق و صفا	از خودی بیگانہ، با حق آشنا
کردہ مرغ تماش ز اوج کمال	بیضہ افلاک را در زیر بال

اختر برج سپہر لم یزل      گوہر درج کمال بے بدل  
آں معین الدین ملت بے نظیر      فارغ از دنیا بملک دیں امیر  
در ثنائے او جمائی را چہ حد      فیض او باید کہ فرماید مدد

### حوالہ جات

- (۱) حضرت خواجہ غریب نواز کا وطن سیتان ہے، جسے ”سیتان“ اور ”سجڑ“ اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو ”سجڑی“ کہتے ہیں۔ یہی محققین کے نزدیک صحیح ہے۔ رہ گیا اسے سجڑی کہنا، تو یہ غلط العوام میں سے ہے۔ اس لیے اس سے بچنا چاہئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ”الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ“ میں لکھتے ہیں:
- ”سجڑی بکسر سین و سکون و کسر زائے معجمہ نسبت بہ سیتان، سیتان را بہ زبان عربی سجتان و سجڑ گویند و ایں تعریب است، و ابدال سین بہ زائز تغیرات تعریب است“ (ص ۸۸، مطبع احمدی دہلی)
- (۲) سلطان الہند غریب نواز، از ڈاکٹر مولانا عاصم اعظمی، ص: ۸۸، ۸۹ ناشر: فاروقیہ بک ڈپو، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء
- (۳) سیر الاقطاب، ص: ۱۲۴، بحوالہ مصدر سابق، ص: ۹۲
- (۴) سیر الاولیاء، ص: ۵۷
- (۵) شرح العقائد، ص: ۱۴۴، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲ء

- (۶) بہار شریعت، حصہ اول، ص: ۲۷ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶ء
- (۷) کشف بردہ، ص: ۳۰۱-۳۰۲، مجمع القادری، مبارک پور اعظم گڑھ، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۵ء
- (۸) امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی، ص: ۵، ۶، مجمع الاسلامی، مبارک پور ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء
- (۹) بہتہ الاسرار و معدن الانوار، از نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف نخعی شطرنوی (م ۱۳۷۷) موسسۃ الشرق لاہور، ۱۴۲۸ھ، ۲۰۰۷ء
- (۱۰) جامع کرامات الاولیاء، ص: ۶۰، ۶۱۔ مرکز اہل سنت برکات رضاء پور بندر، گجرات۔
- (۱۱) حجتہ اللہ علی العالمین، ج: ۲،
- (۱۲) محرر مذہب حنفی امام محمد بن حسن شیبانی اور چودہویں صدی ہجری کے مجدد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔
- (۱۳) حجتہ اللہ علی العالمین، ج: ۲، ص: ۱۰۸-۱۱۱۔
- (۱۴) جامع کرامات الاولیاء، ج: ۱، ص: ۶۶۔
- (۱۵) رسالہ قشیریہ، ص: ۳۰، بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف، ص: ۸۔
- (۱۶) رسالہ قشیریہ، ص: ۱۸، بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف، ص: ۸۔
- (۱۷) اخبار الاخبار مترجم، ص: ۵۸ تا ۵۶ ملخصاً۔
- (۱۸) مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۱۲، الفصل الاول من کتاب الایمان۔
- (۱۹) دلیل العارفین، ص: ۱۔

- (۲۰) حضرت خواجہ معین الدین چشتی، از صباح الدین، ص: ۶۵۔
- (۲۱) سبع سنابل شریف مترجم، ص: ۴۳۵۔
- (۲۲) دلیل العارفين، ص: ۲۔
- (۲۳) دلیل العارفين، ص: ۴۹۔
- (۲۴) دلیل العارفين، ص: ۷ تا ۹ ملخصاً۔
- (۲۵) دلیل العارفين، ص: ۳۰ تا ۳۶ ملخصاً۔
- (۲۶) دلیل العارفين، ص: ۵۔
- (۲۷) حضرت خواجہ معین الدین چشتی، از صباح الدین، ص: ۷۶۔
- (۲۸) دلیل العارفين، ص: ۷۔
- (۲۹) دلیل العارفين، ص: ۲۴۔
- (۳۰) دلیل العارفين، ص: ۲۲۔
- (۳۱) دلیل العارفين، ص: ۳، ۴ ملخصاً۔
- (۳۲) دلیل العارفين، ص: ۲۱، ۲۲۔
- (۳۳) سبع سنابل شریف مترجم، ص: ۴۳۷۔
- (۳۴) سیر الاقطاب، ص: ۱۳۳، ۱۳۴۔
- (۳۵) دلیل العارفين، ص: ۱۲۔
- (۳۶) راحت القلوب، ص: ۴۰۔
- (۳۷) سلطان الہندغریب نواز، ص: ۱۱۲ تا ۱۱۴ ملخصاً۔
- (۳۸) سلطان الہندغریب نواز، ص: ۹۳ تا ۹۵ ملخصاً۔

- (۳۹) حضرت خواجہ معین الدین چشتی، از صباح الدین، ص: ۶۵، ۶۶۔
- (۴۰) مختصر تاریخ ہند، ص: ۴۷، ۴۸۔
- (۴۱) سلطان الہندغریب نواز، ص: ۸ تا ۱۰ ملخصاً۔
- (۴۲) سلطان الہندغریب نواز، ص: ۹۷، ۹۸۔
- (۴۳) دعوت اسلام مترجم از عنایت اللہ، ص: ۳۰۱۔
- (۴۴) سیر الاولیاء، ص: ۵۷۔
- (۴۵) آئین اکبری، ج: ۳، ص: ۱۶۸۔
- (۴۶) خزینۃ الاصفیاء، ج: ۱، ص: ۲۵۹۔
- (۴۷) سیر العارفين، ص: ۱۳۔
- (۴۸) معین الارواح، ص: ۱۱۴، اسرار الاولیاء مترجم، ص: ۱۱۶۔
- (۴۹) فوائد السالکین، ص: ۲۶۔
- (۵۰) دلیل العارفين، مجلس نہم، ص: ۴۲۔
- (۵۱) خزینۃ الاصفیاء، ج: ۱، ص: ۲۶۸۔
- (۵۲) خزینۃ الاصفیاء، ج: ۱، ص: ۲۹۵، روضۃ الاقطاب، ص: ۳۲۔
- (۵۳) المملفو ظ حصہ سوم، ص: ۴۷، قادری مشن بریلی شریف
- (۵۴) سیر الاقطاب، ص: ۱۰۳۔
- (۵۵) دلیل العارفين، مجلس اول، ص: ۲۔

## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا ہندوستان میں چشتی فیضان

پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مظفر پور

ارشادِ بانی ہے۔ ”بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے، عنقریب ان کے لیے رحمنِ محبت کر دے گا“ (یعنی اپنا محبوب بنائے گا اور اپنے بندوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا) [پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۹۶]

اس آیتِ پاک کی شانِ نزول کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کسی نیک بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو سب سے پہلے حضرت جبرئیل سے کہتا ہے کہ میں نے فلاں بندے کو اپنا محبوب بنا لیا ہے تو بھی اس سے محبت کر۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبرئیل عالم بالا کے تمام ساکنوں کو اس کی اطلاع دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تو تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین والوں میں اس کی مقبولیت عام کر دی جاتی ہے۔

اس شانِ نزول کا اطلاق و انطباق برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش کے اولیائے کرام میں سب سے زیادہ سلطان الہند، سیدنا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ قدسی صفات پر ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان کی غیر معمولی محبوبیت و مقبولیت کا سورج ہمیشہ ہر قرن و ہر صدی میں نصف النہار پر رہا ہے۔ علمائے کرام اور مشائخِ عطا

م کے تو وہ ممدوح و مخدوم رہے ہی ہیں۔ سلاطین و نوابین سے لے کر فقراء و مساکین تک نے ان کے آستانے کی حاضری اور در کی غلامی کو اپنے لیے باعثِ صد اعزاز و افتخار سمجھا ہے اور آج بھی یہ سلسلہ لا متناہی جاری ہے اور ان شاء اللہ صبحِ قیامت تک جاری رہے گا۔ ان کے مزارِ پاک کی زیارت کے عدم جواز سے متعلق شرک و بدعت کے فتوے صادر ہوتے رہے، مگر یہاں عقیدت مندوں کا یہ مزاج رہا ہے کہ:

تغزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب

بڑھتا ہے یہاں ذوقِ گنہ اور سزا کے بعد

تقسیمِ ملک کے بعد بھی زائرین و متوسلین کی تعداد میں کمی نہیں آئی ہے، بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے خواجہ کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں بجد وافر ڈال دی ہے۔ جو ان کے در کی حاضری اور عرسِ پاک میں شرکت کو اپنی زندگی کی معراج سمجھتے ہیں۔

حضرت خواجہ سے استعانت اور حاجتِ طلبی کا مسئلہ بھی چوکھی حملوں کی زد میں رہا ہے۔ اس کے باوجود خواجہ کے دیوانوں کی ایمانی صحت پر کبھی کوئی اثر نہیں پڑا۔ خواجہ غریب نوازی کے ہزاروں بلکہ لاکھوں واقعات تذکروں اور تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ میں ان کو نقل کر کے اپنی اس تحریر کو طول نہیں دینا چاہتا۔

الغرض خواجہ کی خداداد مقبولیت کے پیش نظر اب اس امر کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ ان کے روحانی مراتب و مقامات کے تعلق سے مزید کچھ کہا جائے۔ لیکن رسولِ گرامی و قارہ، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مقدس کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ نے حضرت خواجہ کو ”قطب المشائخ“ کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔

(سیر الاقطاب ص ۱۰۳ بحوالہ، بزمِ صوفیہ، از صباح الدین عبدالرحمن ص ۶۸)

نیز حضورِ پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خواجہ کو یہ مژدہ جانفزا بھی

سنایا کہ ”معین الدین مجھے پیارا ہے میں نے اسے قبول کیا اور اپنا بنایا“ (ایضاً)  
تذکرہ نگاروں کے مطابق حضرت خواجہ کو ہندوستان کے شہراجمیر کو اپنا تبلیغی  
مرکز بنانے کا حکم بھی بارگاہ رسالت مآب ہی سے ملا۔ اسی لیے آپ کو ”عطاء رسول“  
کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے تمام اولیائے عظام خواہ ان کا تعلق  
کسی بھی روحانی سلسلہ سے ہو، آپ سے بے پایاں عقیدت و محبت کا اظہار فرماتے  
رہے ہیں۔

ہندوستان کے چار مشہور روحانی سلاسل ہیں۔ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور  
نقشبندیہ۔ ان میں حضرت خواجہ چشتی ہندوستان کے اندر سلسلہ کے بانی اور مبلغ کی  
حیثیت سے آفاق میں ممتاز و محترم بنے اور اس کو روشناس غلط کیا۔ چشت، خراسان  
کے ایک مشہور قصبہ یا قریہ کا نام ہے۔ وہاں کے مشائخ اور ارباب طریقت نے تزکیہ  
نفس اور اصلاح باطن کی غرض سے ایک روحانی مرکز قائم کیا تھا۔ چنانچہ اسی مقام کی  
نسبت سے چشتی سلسلہ مشہور ہوا۔ بہر کیف آپ کے وجود مسعود کے ذریعہ بلاد ہند میں  
چشتی سلسلہ متعارف ہوا۔ اس سلسلے سے وابستہ بزرگان دین جو غیر منقسم ہندوستان  
کے تمام حصوں اور علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، ان سب کا شمار واحاطہ آسان نہیں۔  
ہاں آپ کے چند بے حد اہم اور یگانہ روزگار خلفا کی ایک فہرست صاحب خزینہ  
الاصفیاء نے مرتب کی ہے، جسے میں بزم صوفیہ کے حوالے سے سپرد قلم کر رہا ہوں،  
ملاحظہ ہو:

(۱) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (دہلی) (۲) خواجہ فخر  
الدین صاحبزادہ محترم حضرت خواجہ (قصبہ سروار) (۳) شیخ حمید الدین صوفی  
ناگوری (۴) شیخ وجیہ الدین (ہرات) (۵) خواجہ برہان الدین (اجمیر) (۶) شیخ  
احمد (اجمیر) (۷) شیخ محسن (۸) خواجہ سلیمان غازی (۹) شیخ شمس الدین (۱۰)  
خواجہ حسن خیاط (۱۱) جے پال جوگی / عبداللہ (اجمیر) (۱۲) شیخ صدر الدین

کرمائی (۱۳) بی بی حافظہ جمال صاحبزادی حضرت خواجہ (اجمیر) (۱۴) شیخ محمد ترکی  
نارنولی (دہلی) (۱۵) شیخ علی سجری (۱۶) خواجہ یادگار سبزواری (۱۷) شیخ متا (۱۸) شیخ  
وحید برادر (۱۹) شیخ مسعود غازی وغیرہم۔

یہ حضرات جہاں کہیں بھی آرام فرماہیں، مرجع خلایق ہیں۔ ان کے روحانی  
فیوض و برکات سے خلق خدا مستفید ہو رہی ہے۔ زیر زمین رہ کر بھی وہ دلوں پر حکمرانی  
کر رہے ہیں۔ اس طرح بندگان خدا کے دلوں کی کھتی سرسبز و شاداب ہو رہی ہے اور  
اس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں۔

حضرت خواجہ کی حیات ظاہری کے بعد چشتی فیضان جن بزرگوں کے ذریعہ  
زیادہ عام ہوا، ان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کا نام سرفہرست  
ہے۔ آپ کا قیام دہلی کے علاقہ مہرولی، میں رہا اور وہیں آپ کی آخری آرام گاہ آج  
بھی مرجع خلایق ہے۔ آپ ۵۰۵ھ میں علاقہ ماوراء النہر کے قصبہ ”اوش“ میں پیدا  
ہوئے۔ اصل نام بختیار تھا اور قطب الدین لقب۔ مشہور ہے کہ آپ کی جانماز کے  
نیچے سے روزانہ آپ کو نیبی طور پر روٹی ملا کرتی تھی اور افغانی زبان میں روٹی کو کاک،  
کہتے ہیں، اسی لئے آپ کا کی کہلائے۔ سیر الاولیاء کے مطابق اوش سے نکل کر آپ  
بغداد اشرف البلاد پہنچے۔ وہاں امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین  
الدین چشتی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، جہاں اور بہت سارے مشائخین  
کرام موجود تھے۔ اپنے مرشد سے فیوض و برکات کی دولت گرانمایہ حاصل کرنے کے  
بعد سمرقند، غزنی، ملتان اور اجمیر ہوتے ہوئے دہلی تشریف لائے۔ اس وقت یہاں  
سلطان شمس الدین اتمش کی حکومت تھی جو آپ کا سچا عقیدت مند تھا۔ بہر کیف!  
حضرت خواجہ قطب نے اپنی خانقاہ سے خلق خدا کی اصلاح و تربیت شروع کی، جس  
کے نتیجے میں ہزاروں تارک دین اور ایمان سے جگمگانے لگے۔ چنانچہ خواجہ غریب نواز  
قدس سرہ کے بعد سب سے زیادہ بندگان خدا آپ ہی کی تبلیغی کوششوں کے نتیجے میں

دامن اسلام میں آئے۔ آپ کے تقویٰ، طہارت اور اخلاص و اللہیت کا چرچا عام تھا۔ اس لئے لوگ دوردراز سے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے آپ کی زیارت کرنے آتے اور گوہر مراد سے دامن بھر کر لوٹتے اور محمد تعالیٰ آج بھی یہ نورانی سلسلہ جاری ہے۔

دلیل العارفین کے نام سے آپ نے حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ترتیب دیا۔ اس کا خوبصورت تعارف خود آپ نے یوں فرمایا ہے:

”یہ صحیفہ ربانی اور نسخہ فقر مہمانی ملک المشائخ سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیا، شمس الفقرا، ختم المبتدین، معین المملت والدرین حسن ہجری نور اللہ مرقدہ کے کلمات جان پرور سن کر جمع کئے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کا نام دلیل العارفین ہے۔ اس میں حسب ذیل چار قسمیں ہیں۔ قسم اول، فقر و صواب میں قسم دوم مکتوبات و تنبیح میں۔ قسم سوم اوراد وغیرہ میں قسم چہارم سلوک اور اس کے فائدوں کے بیان میں۔“

آپ کے وصال کی تاریخ بزم صوفیہ اور اخبار الاخبار، دونوں کے مطابق ۱۲ ربیع الاول ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۵۶ء ہے۔

صوفی حمید الدین ناگوری (۵۷۰-۶۷۳ھ) بھی حضرت خواجہ غریب نواز کے ممتاز خلفا میں تھے۔ ان کی روحانی عظمت کا اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود آپ کے پیرومرشد حضرت خواجہ معین المملت والدین نے آپ کو سلطان العارفین کا لقب دیا۔ ایک مرید باسعید کے لئے اس سے بڑے اعزاز و اکرام کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اپنی حیات ظاہری میں بھی آپ مرکز توجہ رہے اور وصال کے بعد بھی ناگور میں آپ کا مزار پاک مرجع خلایق ہے۔ آپ ۲۹ ربیع الاول ۶۷۳ھ کو واصل بحق ہوئے۔

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ بھی چشتیہ سلسلہ کے گل سرسبز ہیں۔ آپ براہ راست حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ نہیں ہیں۔

بلکہ آپ نے حضرت خواجہ کے خلیفہ اجل حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دست مبارک پر بیعت کی اور انہیں سے تمام باطنی تعلیمات حاصل کیں۔ لیکن حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (صاحب اخبار الاخبار) کے مطابق آپ حضرت خواجہ غریب نواز کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے اور یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ آپ کا سال ولادت ۵۶۹ھ اور سال وفات ۶۶۴ھ ہے۔ آپ کا مزار پاک اجودھن میں ہے جس کا نیا نام مغل بادشاہ اکبر اعظم نے پاک پٹن شریف رکھا، جو پاکستان کے شہر ملتان میں واقع ہے۔

علامہ اقبال یہاں حاضری دیا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

”میرا خیال تھا کہ شاید [پٹن شریف عرس میں ہونے والے] کے موقع پر حاضر نہ ہو سکوں لیکن مزید غور کرنے پر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مجھے اس موقع پر جانا چاہئے۔ اس واسطے آپ کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ میں حاضر ہوں گا۔ میرے ایک دو دوست بھی ہوں گے.....“ (کلیات مکاتیب اقبال ج ۳ ص ۱۱۵)

الغرض حضرت خواجہ گنج شکر کی مقدس تعلیمات نے بھی چشتی فیضان کو عام کرنے میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیا محبوب الہی کا نام نامی اور اسم گرامی آسمان چشتیت پر مہر نیم روز کی طرح درخشاں اور تابناک ہے۔ آپ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ لیکن شیخ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی قدس سرہ کے مزار پر انوار پر جا کر باطنی فیوض و برکات حاصل کرتے۔ بدایوں میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی لیکن دہلی کو اپنا مستقر بنایا اور یہیں سے آپ کے فیوض کے چشمے جاری ہوئے۔ آپ نے لاکھوں گم کردہ راہ بندگان خدا کی اصلاح و تربیت فرمائی اور آج بھی آپ کے لامتناہی فیوض و برکات کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کے ملفوظات کے چار مجموعے ملتے ہیں۔ جن میں، فوائد الفواد کو بڑی

شہرت ملی۔ اس کے مرتب آپ کے مرید و خلیفہ خواجہ حسن سبزی ہیں۔ صاحب بزم صوفیہ کے مطابق:

’فوائد الفواد کو ہر زمانہ میں جو مقبولیت حاصل رہی، وہ چشتیہ سلسلہ کے اور مشائخ کے ملفوظات کو شاید حاصل نہیں ہوئی۔‘ (بزم صوفیہ ص ۲۶۶)

سب سے محترم اور قد آور شاعر علامہ اقبال کو آپ کی ذات والاصفات سے خصوصی عقیدت رہی ہے۔ ۱۹۰۵ء میں ان کا پہلا سفر یورپ ہوا تو اس موقع پر آپ نے حضرت محبوب الہی کے آستانے پر حاضر ہو کر ایک منقبتی نظم پڑھی جو ’’التجائے مسافر‘‘ کے عنوان سے آپ کے پہلے شعری مجموعہ ’’بانگ درا‘‘ میں موجود ہے۔ اس کے یہ تین ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں۔

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا  
بڑی جناب تری، فیض عام ہے تیرا  
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم  
نظام مہر کی صورت، نظام ہے تیرا  
تری لحد کی زیارت سے زندگی دل کی  
سیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

آپ کا سال ولادت ۶۳۱ھ اور سال وصال ۷۲۵ھ ہے۔ جہاں آپ کا مزار پاک ہے وہ جگہ اب بستی حضرت نظام الدین اولیا کے نام سے مشہور زمانہ ہے۔ تمام چشتی بزرگوں کا تعارف اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔ اس لئے میں اپنی گفتگو حضرت محبوب الہی کے تذکرہ پر ختم کر رہا ہوں۔

حضرت خواجہ غریب نواز اور ان کے خلفائے کرام نے مذہب اسلام کی اشاعت، سلسلہ چشتیہ کے فروغ اور اصلاح امت کے لیے جو نیٹ ورک تیار کیا تھا وہ اپنے آپ میں بے مثال ہے۔ خواجہ معظم نے خواجہ قطب جیسے شاہباز لامکانی کو اسیر

دام عنایت فرمایا۔ قطب صاحب نے حضرت بابا فرید کو جانشین کیا۔ حضرت بابا فرید کے خلفا میں حضرت محبوب الہی اور مخدوم علاء الدین علی احمد صابری کے بلا واسطہ اور بالواسطہ مسترشدین اور فیض یاب ہونے والوں کی تعداد کروڑوں ہے۔ حضرت محبوب الہی کے فیض کو حضرت چراغ دہلوی نے عام و تمام کیا۔ حضرت صابر کا سلسلہ حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے مبارک وجود سے آج پورے عالم کو محیط ہے۔ حضرت چراغ دہلوی نے سیدنا خواجہ بندہ نواز کیسودراز کو فیوض چشت کا وہ سمندر عطا کر دیا کہ آپ کے دم قدم سے سلسلہ چشت کا علمی اور روحانی فیض آج بھی برصغیر ہندوپاک میں جلوہ بار ہے۔

ان بزرگوں کے علاوہ حضرت صوفی حمید الدین ناگوری خلیفہ خواجہ بزرگ، حضرت قطب جمال الدین احمد ہانسوی خلیفہ بابا فرید، شیخ کلیم اللہ جہان آبادی دہلوی، حضرت خواجہ نظام اورنگ آبادی، خواجہ علاء الحق پنڈوی گنجان، حضرت نور قطب عالم، حضرت مخدوم سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی، حضرت مخدوم سارنگ، شیخ سعید الدین خیر آبادی، شیخ محمد مینا لکھنوی، شیخ احمد عبدالحق ردولوی، حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی، حضرت محبت النبی خواجہ فخر الدین محمد دہلوی، خواجہ قیام صدق اور اس طرز کے نہ جانے کتنے اولیائے چشت سرزمین ہندوستان میں آرام فرما ہیں جن کے وجود بامسعود سے ان کی حیات مبارکہ میں بھی اسلام کا نور اور خواجگان چشت کا فیض تقسیم ہوتا تھا اور آج بھی ان کے آستانے سسکتی ہوئی انسانیت کو محبت اور نمکساری اور حاجت روائی کی نعمتیں تقسیم کر رہے ہیں

خدا رحمت کنڈا ایں عاشقان پاک طینت را

مختصر یہ کہ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چشتی فیضان آج بھی برصغیر ہندوپاک و بنگلہ دیش میں جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ جاری رہے گا۔

## ہندوپاک کے اکابر مشائخ چشت

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

جامعہ شمس العلوم گھوسی، منو

دنیاۓ اسلام میں مسلمانوں کی روحانی تعلیم و تربیت اور ان کے تزکیہ باطن کے لیے معرفت و سلوک کے جواہر سلسلے قائم ہوئے، ان میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس سلسلے کی خشت اول تاج الاولیا سراج الاصفیا، ملک المشائخ مقتدائے وقت شیخ ابواسحاق شامی چشتی متوفی ۳۲۹ھ نے خراسان میں ہرات کے قریب ایک شہر چشت کے اندر ۲۶۰ھ میں رکھی اور اس مقام کو اپنی روحانی تعلیم و تربیت کا مرکز بنایا۔ اسی مقدس شہر کی طرف یہ سلسلہ عالیہ منسوب ہوا اور اس سے وابستہ ہونے والوں کو چشتی کہا جانے لگا۔

ابتدا میں یہ سلسلہ ملک خراسان ہی تک محدود رہا۔ اس خانوادے کے تیسرے شیخ ناصح الدین حضرت خواجہ ابو محمد بن خواجہ ابو احمد چشتی (۳۳۱-۴۱۱ھ) سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے۔ ان کا مقصد ورود ہند، غزوہ ہند میں شرکت کرنا تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۵ھ میں جب سومنات پر فوج کشی کی تو حضرت خواجہ ابو محمد چشتی نے خواب میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا:

”اے ابو محمد، تم کو سلطان مجاہد کی مدد کے لیے جانا چاہیے۔ چنانچہ رسول

گرامی کے حکم کی تعمیل میں چند درویشوں کے ساتھ سومنات آگئے اور ستر سال کی عمر میں کفار و مشرکین کے مقابلہ میں شریک جہاد ہوئے۔ ایک دن جنگ میں مشرکین غالب آگئے۔ مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی۔ خواجہ ابو محمد نے یہ منظر دیکھا تو اپنے مرید خاص خواجہ محمد کاکو کو میدان کارزار سے آواز دی: اے کاکو آگے بڑھ۔ کاکو نے جھپٹ کر کفار پر حملہ کر دیا اور اتنی بے جگری سے لڑا کہ مشرکین کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اور لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔“ (فتوح الانس ص ۵۶)

فتح سومنات کے بعد محمود غزنوی کے ساتھ حضرت خواجہ ابو محمد چشت لوٹ گئے اور تقریباً پونے دو سو برس بعد سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت عظمیٰ کے ساتھ وارد ہندوستان ہوئے اور سب سے پہلے اجیر مقدس میں سلسلہ چشتیہ کا خانقاہی نظام قائم ہوا اور اس چشمہ معرفت کے فیوض و برکات سے شمالی ہند کے علاقے مستفیض ہوئے۔

شمالی ہند میں اسلامی حکومت کے قیام سے پہلے ہی جس طریقہ روحانی کی داغ بیل حضرت خواجہ بزرگ نے ڈالی، بعد میں آپ کے نامور خلفا، مریدین، متوسلین کی مساعی جمیلہ سے ہندوستان کے طول و عرض میں خوب مشتہر ہوا اور اس کی خانقاہیں ہندوستان کے مختلف شہروں میں قائم ہوئیں، جہاں سے سالکین طریقت بہرہ مند ہوئے اور مشائخ چشت کی تربیت روحانی سے کروڑوں انسان پاکیزہ اطوار اور عبادت و ریاضت کے شائق بن کر نجات اخروی کا توشہ جمع کرنے لگے۔

قدرت نے اقلیم ہند کی روحانی تربیت کے لیے ابتداءً جس روحانی خانوادے کو مختص فرمایا، وہ سلسلہ چشتیہ ہے۔ جس کے اکابر مشائخ نے صدیوں تک ہندوستان کے افق معرفت پر شمس و قمر کی طرح ضیا پاشیاں کیں اور اس سرزمین پر سلسلہ چشتیہ کو جو فروغ حاصل ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اکابر مشائخ چشت کی علمی، دینی، روحانی سرگرمیوں اور ان کی بے لوث خدمات کے نتیجے میں ہندوستان میں



تصوف و سلوک کا جو ستر انداق پیدا ہوا، اس کے خوش گوار اثرات آج بھی برصغیر ہند کے چپے چپے میں پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں ہندوپاک کے چند اہم اکابر مشائخِ چشت کا اجمالی تذکرہ ہدیہ قارئین ہے۔

### معین الملئۃ والدین سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت سلطان الہند، نیر آسمان معرفت کا اسم گرامی معین الدین ہے۔ والدین حسن کے نام سے پکارتے تھے، آپ نجیب الطرفین سید تھے، پدری سلسلہ نسب بارہویں پشت میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے توسط سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مل جاتا ہے۔

والدہ ماجدہ بی بی ام الورع کا شجرہ نسب حضرت امام حسن کے واسطے سے حضرت علی تک پہنچتا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ج ۱، ص ۲۵۷) حضرت خواجہ غیاث الدین حسن صاحب ثروت عالم اور صوفی منش انسان تھے، سیستان سے ترک وطن کر کے خراسان آئے جہاں قصبہ سنجر علاقہ سیستان میں ۵۳۷ھ میں حضرت خواجہ غریب نواز کی ولادت ہوئی۔

حضرت خواجہ نے صاحب علم، پارسا والدین کے آغوش میں پرورش پائی، اس لیے عام بچوں کی طرح آشنائے لہو و لعب نہ تھے۔ پیشانی مبارک پر لمعہ نور اور شائستہ اطوار اس امر کی غمازی کرتے تھے کہ آپ ایک غیر معمولی شخصیت ہیں اور آگے چل کر فکر و عمل، صلاح و تقویٰ کا روشن مینار ہوں گے۔

ابتدائی تعلیم پدر بزرگوار کے زیر سایہ ہوئی۔ نو برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر ایک مدرسہ میں داخل ہو کر تفسیر و حدیث اور فقہ کی تعلیم پائی۔ جب پندرہ سال کی عمر کو پہنچے تو والد گرامی کا سایہ اٹھ گیا۔ ترکہ میں ایک باغ اور ایک پن چکی حاصل ہوئی جس سے آپ گزراوقات فرماتے۔

### مجذوب ابراہیم قندوزی کی ملاقات:

ایک دن آپ اپنے باغ میں درختوں کی آبیاری کر رہے تھے کہ اس بستی کے ایک مجذوب ابراہیم قندوزی جن پر ہمیشہ جذب و سرمستی کی کیفیت طاری رہتی تھی، باغ کے اندر داخل ہوئے۔ خواجہ صاحب کی نظر ان پر پڑی تو ادب کے ساتھ سامنے گئے اور انہیں لا کر ایک سایہ دار درخت کے پاس بٹھا دیا اور تازہ انگور کا خوشہ سامنے لا کر رکھ دیا اور خود دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت مجذوب نے انگور تناول فرمائے اور خوش ہو کر بغل سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکال کر اپنے منہ میں ڈالا دندان مبارک سے چبا کر حضرت خواجہ کے منہ میں ڈال دیا۔ اس طرح آپ کو ذوق حقیقت کی لذت سے آشنا کر دیا۔

کھلی کا حلق سے اترنا تھا کہ قلب و روح میں انوار الہی پیدا ہوئے، شبہات کے پردے نگاہوں سے اٹھنے لگے، دل کی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا، دنیا سے نفرت پیدا ہو گئی۔ رشتہ و محبت کے سارے علائق توڑ دیئے۔ باغ اور پن چکی اور ساز و سامان بیچ ڈالا۔ ساری قیمت فقر اور مساکین میں تقسیم کر دی اور طالب حق بن کر بیک بینی و دو گوش میدان جستجو میں اتر پڑے، وطن چھوڑ دیا اور سیر و سیاحت شروع کی۔

### علم شریعت کی تحصیل:

ساکان طریقت کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ منزل معرفت تک پہنچنے کے لیے سب سے پہلے علوم ظاہری کا زینہ طے کرتے ہیں۔ پھر عمل کی دشوار گزار منزلوں سے آگے بڑھ کر علوم باطن کی تحصیل کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے بھی یہی راہ اختیار کی اور وطن سے نکل کر سمرقند و بخارا کا رخ کیا اور وہاں کے اکابر علماء سے علوم دینیہ کی تحصیل فرمائی۔

### بیعت:

علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد علوم معرفت کی تحصیل کے لیے روح بیقرار ہوئی تو عراق و حجاز کا رخ کیا جہاں صلحا و صوفیا کی مقتدر ہستیاں بادۂ وحدت کے متوالوں کو سرشار کر رہی تھیں، حضرت خواجہ غریب نواز نے مطالعہ و مشاہدہ کائنات اور وقت کی بر

گزیدہ روحانی شخصیتوں سے فیض اٹھانا شروع کیا مگر مرشد برحق کی جستجو میں نظر کسی شیخ طریقت پر نہیں جمی۔ بخت نے یاور کی اور قصبہ ہارون علاقہ نیشاپور میں آئے جہاں مقتدائے مسالک اسلام، مورد فیض شہر یار ممالک عرفان، مظہر جود و منبع احسان حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کے میخانہ معرفت میں داخل ہوئے، خانقاہ عثمانی کی جلوہ بارفضاؤں نے یقین و آگہی کے مقام سے روشناس کر دیا۔ آپ مرشد کامل کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔

### مجاہدہ و سیاحت:

حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے بعد خواجہ صاحب نے تزکیہ باطن کے لیے سخت مجاہدات کیے۔ ان کا تذکرہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اس طرح فرماتے ہیں۔ ”خواجہ بزرگ نے بڑے بڑے مجاہدات کیے، آپ سات شبانہ روز افطار کرتے اور پانچ مثقال وزن کی روٹی پانی میں بھگو کر تناول فرماتے، آپ کا لباس دو چادریں تھیں جن میں پیوند لگے رہتے، پیوند لگانے کے لیے جس قسم کا کپڑا مل جاتا، اسے سی لیتے۔ (مرآة الاسرار ص ۹۹۵)

شیخ طریقت سے آپ کو اس درجہ عشق ہو گیا کہ سایہ کی طرح ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ جہاں کہیں مرشد طریقت جاتے، حضرت خواجہ آپ کا بستر خواب اور توشہ اور دوسری ضروری اشیا سر پر لادے ہوئے ہمراہ چلتے۔ کامل بیس سال خدمت و طاعت مرشد میں گزارے، طویل سیر و سیاحت کے دوران سیستان، دمشق، طوس، بدخشاں، بغداد، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور دیگر شہروں میں گئے اور وہاں کے صوفیاء اور صلحا سے روحانی فیض حاصل کیے۔

حرمین شریفین کے ایک سفر کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے کعبۃ اللہ میں میزاب رحمت کے نیچے اپنے چہیتے مرید حضرت خواجہ کے لیے دعا کی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر سپرد خدا کیا، غیب سے آواز آئی کہ ہم نے معین الدین کو قبول کیا، شیخ یہ آواز

سن کر بہت مسرور ہوئے اور بارگاہ الہی میں شکر ادا کیا، حج سے فراغت کے بعد روضہ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت خواجہ بزرگ نے دربار رسالت میں سلام و نیاز پیش کیا جواب ملا وعلیک السلام، اے سمندر اور جنگلوں کے قطب مشائخ۔ جب یہ آواز آئی تو خواجہ ہارونی صاحب نے فرمایا، کام مکمل ہو گیا۔

**خرقہ خلافت و جانشینی:**

جب روحانیت کے استاد کامل نے اپنے مرید خاص کو حقیقت و معرفت کا ایک ایک ورق پڑھا دیا اور تلاش حق کے تمام مراحل طے کرادیے اور درجہ قطبیت پر فائز کر دیا، پھر خرقہ خلافت و جانشینی عطا فرمائی۔ پھر عصائے مبارک، نعلین چوبی (کھڑاؤں) اور مصلی عنایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ تبرکات ہمارے پیر طریقت کی یادگار ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچے ہیں اور ہم نے تجھے دیئے ہیں۔ ان کو اس طرح اپنے پاس رکھنا جس طرح ہم نے رکھا، جس کو مرد پانا اسی کو ہماری یہ یادگار دینا، خلق سے طمع نہ رکھنا، آبادی سے دور مخلوق سے کنارہ کش رہنا، کسی سے کچھ طلب نہ کرنا۔ (انیس الارواح، ص ۳۴-۳۵)

### سیر و سیاحت:

جب حضرت غریب نواز شیخ طریقت سے رخصت ہوئے تو مشاہدہ اور مطالعہ عالم اور اہل اللہ کی زیارت کی غرض سے سفر کا آغاز کیا۔ دوران سفر جہاں بھی جاتے، شیخ کی ہدایت کے مطابق خود کو عام لوگوں سے علیحدہ رکھتے، علما و صلحا کی زیارت اور ان سے کمال باطنی کا کسب اور ذکر و فکر کے علاوہ کسی چیز سے سروکار نہ رکھتے۔ چنانچہ سنجان میں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ متوفی ۶۱۸ھ، جیل میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، بغداد میں شیخ ضیاء الدین کی زیارت اور باطنی فیوض سے بہرہ مند ہوئے۔ بغداد کے دوران قیام اوحد الدین کرمانی جو ابھی عرفان کے اولین مرحلہ میں تھے، معتقد ہوئے اور حلقہ ارادت میں داخل ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے۔ شیخ

شہاب الدین عمر سہروردی نے بھی آپ کی خدمت عالی سے کسب فیض کیا۔

ہمدان میں خواجہ یوسف ہمدانی سے ملاقات ہوئی۔ وہاں سے تبریز آ کر شیخ ابو سعید تبریزی کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کیا۔ اصفہان میں شیخ محمود اصفہانی کی زیارت کی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کا کی ان دنوں اصفہان میں موجود تھے اور شیخ محمود کے حلقہ ارادت میں داخل ہونا چاہتے تھے مگر جب ان کی نگاہ حضرت خواجہ غریب نواز پر پڑی تو دل و جان سے گرویدہ ہو گئے اور حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ حضرت نے اپنی دوتائی انہیں عطا کر دی۔ مراحل عرفان طے کرنے کے لیے قطب صاحب نے خواجہ صاحب کی رفاقت سفر کو لازم قرار دیا اور ان کے ہمراہ حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ ۵۸۳ھ میں مکہ معظمہ پہنچے اور حج و زیارت سے مشرف ہو کر مدینہ منورہ کا رخ کیا۔

**بشارت:**

مدینہ منورہ میں آپ عبادت میں مشغول رہتے۔ اپنے قیمتی اوقات مسجد نبوی کے اندر ذکر و فکر میں گزارتے۔ بالآخر وہ لمحہ جاں نواز آ گیا، جب بارگاہ رسالت سے یہ مژدہ دنوازا ملا: اے معین الدین! تو میرے دین کا معین ہے، میں نے تجھے ہندوستان کی ولایت عطا کی۔ وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے، تو اجمیر جا، تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا۔ (سیر الاقطاب ص ۱۲۲)

اس بشارت عظمیٰ سے حضرت خواجہ غریب نواز پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی، یہ بارگاہ رسالت کی حاضری اور سخت مجاہدہ و ریاضت کا تحفہ تھا لیکن وہ کچھ حیران و متردد بھی ہوئے کہ شہراجمیر کہاں ہے، سمت سفر کیا ہوگی؟ مدینہ سے اجمیر کی مسافت کتنی ہے؟ راستہ کے پیچ و خم کیا ہیں؟ اسی فکر میں نیند آ گئی اور خواب میں تاجدار کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف عظیم حاصل ہوا اور حضور نے آپ کو ایک ہی نظر میں مشرق سے مغرب تک سارے عالم کو دکھا دیا۔ تمام بلاد و امصار آپ

کی نگاہوں کے سامنے تھے، اجمیر، وہاں کا قلعہ اور پہاڑیاں نظر آئیں۔ سرکار نے ایک انار عطا کر کے ارشاد فرمایا۔ ”ہم تجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔“ (مولس الارواح ص ۳۰)

**سفر ہند:**

جب بیدار ہوئے تو فرمان رسالت کے بموجب چالیس اولیاء کے ساتھ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ حکم رسالت کی تعمیل میں حضرت غریب نواز ہندوستان کے لیے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ بغداد، بخارا، سبزہ وار، بلخ، سمرقند ہوتے ہوئے لاہور پہنچے، جہاں حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے مزار پر انوار پر حاضری دی، اعتکاف کیا اور روحانی فیوض سے مالا مال ہوئے۔ جب لاہور سے روانہ ہوئے تو مزار مقدس پر یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش فیض عالم، مظہر نور خدا  
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

لاہور سے سامانا ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ یہاں کھانڈے راو کے آدمیوں نے تنگ کرنا چاہا مگر آپ کے اخلاق کریمانہ سے لوگ اس قدر متاثر ہوئے کہ بہت سے راجپوت مسلمان ہو گئے اور آپ کی بزرگی اور کرامت کا چرچا سن کر لوگ جوق در جوق آنے لگے، اسلام کا نور پھیلنے لگا مسلمانوں کا ایک وسیع حلقہ بن گیا مگر آپ کی منزل مقصود اجمیر تھی، اس لیے اپنے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کا کی علیہ الرحمہ کو دہلی میں خلق خدا کی ہدایت کے لیے چھوڑ کر عازم اجمیر ہوئے۔

**ورود اجمیر:**

حضرت خواجہ کی آمد کے وقت ہندوستان میں مشرق سے لے کر مغرب تک کفر و شرک کا دور دورہ تھا، توحید و صداقت کی کرن کہیں نظر نہ آتی تھی سید محمد بن مبارک کرمانی اس وقت کے حالات کا جائزہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

ہندوستان کی مملکت میں آخری سرے تک ہر طرف کفر و کافری اور بت پرستی کا دور دورہ تھا، ہندوستان کے سرکش اور مغرور لوگ اکثر خدائی کا دعویٰ کرتے تھے اور

خدائے بزرگ و برتر کے شریک بننے، پتھروں، درختوں، جانوروں اور چوپایوں اور گائے کے گوبر تک کو پوجتے کفر کی ان تاریکیوں میں ان کے دلوں پر قفل لگے ہوتے تھے۔

ہم غافل از حکم دین و شریعت ہم بے خبر از خدا و پیغمبر  
 نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجاہ قبلہ نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر  
 ایسے پر آشوب اور پر فتن ماحول میں حضرت خواجہ نے قدیم ہندوستان کے  
 عظیم سیاسی و مذہبی مرکز اجمیر کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا۔ یہ جرأت مندانہ فیصلہ  
 مرد حق شناس کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی اور ایمانی جرأت کا ایک درختاں کا نامہ ہے۔  
 اجمیر اس زمانہ میں ہندوستان کی سب سے بڑی حکومت کا دارالسلطنت تھا جہاں  
 پرتھوی راج کی حکومت تھی۔ دہلی بھی اس کی عمل داری میں تھا۔ اس زمانے میں اجمیر  
 ہندوؤں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے شہاب الدین غوری کی فتح  
 دہلی و اجمیر سے قبل اس مرکزی شہر کو اپنی روحانی قلمرو کی راجدھانی کے لیے منتخب کیا۔  
 حضرت غریب نواز کے زمانہ ورود اجمیر کے سلسلے میں تاریخ و سیر کی روایت  
 میں اختلاف پائے جاتے ہیں، تاہم تاریخی قرائن اس امر کی توثیق کرتے ہیں کہ آپ  
 ۵۸۷ھ میں وارد اجمیر ہوئے، جہاں روز اول ہی سے آپ کی باطل شکن کرامتوں کا  
 ظہور ہونے لگا، جس نے ایک بوریا نشین درویش کی روحانی عظمت و قوت کا سکھ اہل  
 اجمیر کے دلوں پر بٹھا دیا۔

شہر اجمیر میں حضرت خواجہ کی کرامتوں کا شہرہ ہوا تو وہاں کے قدامت  
 پرست لوگوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ انہوں نے راجہ سے درخواست کی کہ یہ اجنبی  
 شخص جو ہمارے شہروں کے مندروں کے پاس سکونت گزریں ہے، یہاں اس کا قیام ہر  
 گز مناسب نہیں۔ اس کے اخراج کا حکم صادر کرنا چاہیے۔

ہزاروں سال پرانی رسومات کا خاتمہ کر کے یہ شخص اپنا دین پھیلا دے گا۔

پرتھوی راج اور اس کے ساتھیوں کا حضرت کی کرامات کے پیش نظر خیال تھا کہ یہ فقیر  
 بہت بڑا جادوگر ہے، اس کے مقابلے کے لیے جادوگروں کی بڑی جماعت اکٹھا کی  
 جائے۔ انہیں کی مدد سے اس فقیر کو نکالنا ممکن ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے سب سے بڑے  
 جادوگر بے پال کو بلایا۔ بے پال نے اپنے ڈیڑھ ہزار شاگردوں کے ساتھ جو سحر میں  
 کمال رکھتے تھے، اجمیر پہنچا۔ بے پال اور اس کے چیلوں نے حضرت خواجہ کے  
 خلاف سحر کے کرشموں کا آغاز کیا۔ پہاڑ کی بلندیوں سے ہزاروں کی تعداد میں زہریلے  
 سیاہ سانپ لہراتے ہوئے حضرت خواجہ کی جانب بڑھے۔ ماریاہ کا یہ لشکر جب حدود  
 آخر تک پہنچا، سانپوں نے لکیر پر سر رکھ دیا آگے نہ بڑھ سکے۔ جب یہ سحر ناکام ہوا،  
 بے پال نے اپنے فن کے زور سے آگ کی بارش برسانی شروع کی، ہر طرف  
 انگاروں کے ڈھیر لگ گئے، ہزاروں ہرے بھرے درخت جل کر راکھ ہو گئے مگر دائرہ  
 حصار اور اس کی فضا آگ کے ان انگاروں سے بالکل محفوظ رہی۔ جب آتش سحر سے  
 حضرت خواجہ اور ان کے ساتھیوں کو ذرہ برابر گزند نہ پہنچا تو بے پال نے اپنی دانست  
 میں اپنے ترکش کا آخری تیر چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ اس نے حضرت خواجہ سے خطاب  
 کرتے ہوئے کہا: اب میرا اور تمہارا مقابلہ باقی ہے، بہتر ہے کہ اب تم فوراً اجمیر  
 چھوڑ دو۔ ورنہ میں آسمان پر جا کر تمہارے سر پر اس قدر بلائیں برسائوں گا کہ تمہارا  
 سنبھلنا دشوار ہو جائے گا۔ حضرت خواجہ نے تعجب سے فرمایا کہ۔

تو کار زمیں را نکو ساختی کہ با آسمان نیز پر دانختی

بے پال نے ہرن کا مرگ چھالا ہوا میں پھینکا اور اچھل کر اس پر بیٹھ گیا۔  
 دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہوا میں پرواز کرنے لگا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ لوگ حیران  
 تھے، دیکھو اب کیا ہوتا ہے؟ حضرت نے بے پال کا یہ کرشمہ اور لوگوں کی حیرانی دیکھی تو  
 اپنے نعلین چوبیس (کھڑاؤں) کو حکم دیا کہ جا اور سرزنش کر، مغرور بے پال کو نیچے اتار  
 لا۔ یہ فرمان سنتے ہی دونوں کنفش پرندوں کی طرح ہوا میں اڑتے ہوئے نگاہوں سے

روپوش ہو گئے۔ چند ساعت بعد لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ حضرت کے پاؤں جے پال کے سر کو ٹٹے ہوئے خواجہ کے پاس لے آئے۔

کھڑاؤں کی ضرب نے منکر جے پال کو پارہ پارہ کر دیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ یہ درویش جادوگر نہیں بلکہ روحانیت کی غیر متزلزل طاقت کا مالک ہے۔ اس کے ادنیٰ احکم سے بے جان کھڑاؤں نہ صرف ہوا میں اڑنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہو جاتے ہیں بلکہ ہندوستان کے ماہر فن جادوگر کو بے بس کر کے ذلت و حقارت کے ساتھ زمین پر لانے کی قوت پالیتے ہیں۔ نگاہوں سے حجابات اٹھ چکے تھے۔ جے پال نے حضرت کے قدموں پر سر رکھ دیا اور خلوص دل کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔

یہ مناظر دیکھ کر پرتھوی راج خوف زدہ ہوا اور شہر کی طرف لوٹ آیا۔ حضرت خواجہ نے پرتھوی راج کو قبول اسلام کی دعوت دی مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی پر اڑا رہا اور اس نے مسلمانوں کو ایذا دینے شروع کیں۔ ایک بار آپ کے مرید کو ناقابل برداشت ایذا دیا تو اس نے حضرت خواجہ سے شکایت کی۔ حضرت نے کسی شخص کو راجہ کے پاس بھیجا اور مسلمانوں پر ظلم و تشدد سے باز رہنے کا حکم دیا۔ حضرت کی ہدایت اسے بہت ناگوار گزری۔ اس نے ناراض ہو کر کہا، کیا ہی اچھا ہو کہ یہ فقیر یہاں سے چلا جائے اور یہ بات ہر شخص سے کہتا رہتا۔ جب راجہ کی گستاخی کی خبر حضرت کو ملی، آپ نے غضبناک ہو کر ارشاد فرمایا: ”پتھوراز زندہ گرفتیم دادیم“ ہم نے راجہ پتھوراز کو زندہ گرفتار کیا اور دے دیا۔ (مولانا راج، ص ۳۷)۔

یہ پیشین گوئی ہندوستان میں سیاسی لحاظ سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ انہیں دنوں سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان کا رخ کیا اور ترائن کی دوسری جنگ میں پرتھوی راج اور اس کے عظیم لشکر کو شکست فاش دی۔ پرتھوی راج گرفتار ہوا اور مارا گیا۔ اس جنگ کے بعد شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو گیا، ہندوستان میں مسلمانوں کا عروج و اقبال کا پرچم لہرانے لگا اور تبلیغ دین کے لیے راہیں ہموار

ہونے لگیں۔

### فیض دعوت:

حضرت خواجہ خواجگان کی دینی خدمات اور ان کے روحانی فیوض و برکات سے برصغیر ہند میں اسلام کی ہمہ گیر اشاعت ہوئی۔

### وصال:

حضرت خواجہ غریب نواز نے ہند کی سرزمین پر دعوت حق اور تبلیغ و اشاعت اسلام میں تقریباً ۴۵ سال بسر فرمائے۔ آپ نے اپنی مساعی جمیلہ اور باطنی تصرفات سے ظلمت کدہ ہند پر اسلام کی روحانی و سیاسی اقتدار کی جڑیں مستحکم فرمائیں۔ معرفت و سلوک کا ایک شاداب باغ لگایا جس کی نسیم نکلتی بار سے پورا برصغیر ہند مہک اٹھا اور آج تک چمنستان چشت کی خوشبو فضا نے ہند میں رچی بسی ہوئی ہے۔ کشنگان خنجر تسلیم زندگی کی بہاروں پر موت کے ذریعہ ملنے والے وصل محبوب کو ترجیح دیتے ہیں اور زندگی کے لمحات اسی انتظار میں گزرتے ہیں۔ ان کے لیے پیغام اجل مژدہ جانفزا ہوتا ہے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی حضرت خواجہ کے ساتھ آخری مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جمہرات کا دن تھا اور یہی آخری صحبت تھی۔ اجمیر کی جامع مسجد میں قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اہل اللہ، معززین اور عقیدت مند سبھی موجود تھے، ملک الموت پر بات چلی۔ ارشاد ہوا کہ ملک الموت کے بغیر دنیا کی کیا قیمت ہے لوگوں نے دریافت کیا ایسا کیوں؟ ارشاد ہوا کہ حدیث مبارک میں ہے کہ ”الموت جسریو صل الحییب الی الحییب“ موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔

اس مجلس میں مشائخ چشت کے تبرکات اور خلافت و جانشینی کی سند حضرت قطب الدین صاحب کو عطا فرمائی اور ہندوستان کے پایہ تخت دہلی کی طرف روانہ فرمایا۔ جو مستقبل میں روحانی قلمرو کا بھی پایہ تخت بنا۔ ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ

۱۶ مارچ ۱۲۳۶ء دوشنبہ کی شب جان جان آفریں کے حوالے کی۔

### ارشادات:

☆ حضرت خواجہ غریب نواز کی مجالس رشد و ہدایت، تعلیم و تلقین، تربیت اخلاق اور تہذیب نفس کی درس گاہ ہوا کرتی تھیں۔ خاص خاص موقعوں پر حضرت خواجہ نے جو تلقینات و ہدایات فرمائیں، آپ کے خلیفہ اور جانشین خواجہ قطب الدین مختیار کار کی علیہ الرحمہ نے ”دلیل العارفین“ میں بعض مجلسوں کے ارشادات یکجا فرمادیے ہیں۔ ذیل میں آپ کے کچھ ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:

☆ جس نے کچھ پایا خدمت سے پایا۔ پس لازم ہے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ برابر تجاوز نہ کرے۔ جو کچھ اس سے نماز تسبیح اور اوراد وغیرہ کی بابت فرمائے، گوش ہوش سے سنے اور اسے بجالائے تاکہ کسی مقام پر پہنچ سکے۔ کیونکہ پیر مرید کا سنوارنے والا ہے۔ پیر جو کچھ فرمائے گا، وہ مرید کے کمال ہی کے لیے فرمائے گا۔“ (دلیل العارفین ص ۲)

☆ عارف اس شخص کو کہتے ہیں جو تمام جہان کو جانتا ہو اور عقل سے لاکھوں معنی پیدا کر سکتا ہو اور بیان کر سکتا ہو اور محبت کے تمام حقائق کا جواب دے سکتا ہو اور ہر وقت بحر وحدت میں تیز تار ہے تاکہ اسرار الہی و انوار الہی کے موتی نکالتا رہے اور دیدہ ور جوہریوں کے روبرو پیش کرتا رہے۔ (ایضاً ص ۴)

☆ عاشق کا دل محبت کی آگ کا آتش کدہ ہے (سوائے حق) جو اس کے دل میں آتا ہے وہ جل کر خاکستر و ناپید ہو جاتا ہے، کیونکہ آتش محبت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی آگ نہیں۔

☆ قبرستان میں عمدہ کھانا کھانا یا پانی پینا گناہ کبیرہ ہے۔ جو عمدہ کھائے، وہ ملعون اور منافق ہے۔ کیونکہ گورستان مقام عبرت ہے، نہ کہ جائے حرص و ہوا۔ (ایضاً ص ۱۶)

☆ کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہے۔ مرد کو چاہیے کہ احکام الہی بجالانے میں کمی نہ کرے پھر جو کچھ چاہے کامل جائے گا۔ (ایضاً ص ۲۴)

☆ حق شناس کی علامت لوگوں سے فرار کرنا اور معرفت میں خاموشی اختیار کرنا ہے۔

☆ جب اللہ تعالیٰ کا نام سنے یا کلام اللہ سنے اور اس کا دل نرم ہو اور ہیبت الہی سے اس کا اعتقاد و ایمان زیادہ نہ ہو تو گناہ کبیرہ ہے۔

☆ اہل حقیقت کے لیے دس شرطیں لازم ہیں (۱) معرفت میں کامل ہونا اور خدا رسیدہ ہونا (۲) نہ خود رنجیدہ ہو اور نہ رنجیدہ کرے، کسی کی بدی کا خیال نہ کرے (۳) حق تعالیٰ کی راہ دکھائے اور خلق کو ایسی بات بتائے جس میں دنیا و آخرت کا فائدہ ہو (۴) تواضع (۵) عزلت (۶) ہر شخص کو عزیز و محترم جانے اور اپنے کو سب سے حقیر اور کم تر شمار کرے (۷) تسلیم و رضا (۸) ہر درد و رنج میں صبر (۹) سوز و گداز، عجز و نیاز (۱۰) قناعت و توکل (ایضاً ص ۸۷-۱۸۶)

☆ نماز دین کا رکن ہے اور رکن ستون ہوتا ہے پس جب ستون قائم ہو گیا تو مکان بھی قائم ہو گیا (ایضاً ص ۹)

☆ دوستی مولا میں وہ شخص سچا ہوتا ہے کہ اگر اس کا جسم ذرہ ذرہ کر دیا جائے اور آگ میں جلا کر خاکستر کر دیا جائے تو بھی دم نہ مارے۔

☆ جب تک انسان راہ سلوک میں پہلے دنیا و مافیہا اور اپنی ذات کو ترک نہ کرے، وہ اہل سلوک میں داخل نہیں ہو سکتا۔

☆ محبت کی علامت یہ ہے کہ تو فرمانبردار ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں دوست اپنے آپ سے دور نہ کر دے۔ عارفوں کا ایک مرتبہ ہے، جب وہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں تو تمام عالم اور جو کچھ اس عالم میں ہے، اپنی دو انگلیوں کے بیچ

میں دیکھتے ہیں۔

### قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ:

قطب الاقطاب، رئیس السالکین، تاج الاصفیا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی علیہ الرحمۃ والرضوان قصبہ اوش مضافات فرغنے ولایت ”ماوراء النہر“ میں خانوادہ سادات حسینی میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی بختیار، قطب الدین لقب ہے سیر الاقطاب کے مطابق شجرہ نسب یہ ہے:

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی بن سید موسیٰ بن سید احمد بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید اسحاق حسین بن سید معروف بن سید احمد حسینی بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن سید محمد تقی جواد بن امام علی موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم۔ (ص ۱۲۲)

**تعلیم و تربیت:**

جب آپ نے زندگی کی پانچویں منزل میں قدم رکھا، والدہ مہربان نے ایک صالح پڑوسی کو کچھ شیرینی دی اور اپنے لخت جگر کو ان کے ہمراہ کرتے ہوئے کہا کہ اس بچے کو کسی نیک معلم کے حوالہ کر دیجئے۔ جب مرد صالح آپ کو لے کر چلا تو راستہ میں ایک بزرگ ملے۔ دریافت کیا، اس سعید ازلی کو کہاں لئے جارہے ہو؟ مرد صالح نے جواب دیا، میں اس بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے معلم کی تلاش میں نکلا ہوں۔ پیر روشن ضمیر نے فرمایا: تم یہ کام میرے حوالے کر دو۔ میں اسے ایسے معلم کے پاس لے جاؤں گا جس کے انفس کی برکت سے یہ لڑکا صاحب کمال بن جائے گا۔ مرد صالح اس تجویز سے متفق ہو گیا اور یہ تینوں اوش کے صاحب کمال معلم ابو حفص کی خدمت میں پہنچے۔ بزرگ نے ابو حفص سے فرمایا: یہ لڑکا اولیاء اللہ سے ہوگا۔ اس پر شفقت اور خاص تربیت مبذول فرمائیے۔

جب بزرگ وہاں سے چلے گئے تو ابو حفص نے خواجہ سے پوچھا: یہ کون بزرگوار تھے جو تم کو اس مکتب میں لائے؟ آپ نے لاعلمی کا اظہار کیا تو فرمایا وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ حضرت خواجہ نے معلم و مربی کامل کی درس گاہ فیض سے قرآن و سنت اور آداب شریعت و طریقت کی تعلیم پائی۔ اپنی مساعی جمیلہ سے اخلاق ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ حضرت ابو حفص کے فیض تعلیم و تربیت نے سلوک و معرفت کا ایسا ذوق پیدا کر دیا کہ ہمہ وقت یاد الہی میں مصروف رہنے لگے۔ (تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۶۱۳)

### بیعت و خلافت:

اوش سے نکل کر خواجہ قطب کسی مرشد کامل کی تلاش میں تھے۔ جس کے فیض روحانی سے سلوک و معرفت کے منازل و مسالک آسان ہو جائیں۔ اسی جستجو میں وہ اصفہان پہنچے جہاں شیخ محمود اصفہانی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور شیخ سے مرید ہونا چاہتے تھے۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں حضرت خواجہ غریب نواز وارد اصفہان ہوئے قطب صاحب زیارت کے لیے خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت کی نگاہ باطن نے طالب حق کی قلبی کیفیات کا مشاہدہ فرمایا اور ایک دو تائی جسے اوڑھے ہوئے تھے، قطب صاحب کو مرحمت فرمادی جس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت خواجہ غریب نواز نے قطب صاحب کو شرف مریدی سے نواز دیا۔

### سیر و سیاحت:

مرشد کامل سے وابستہ ہو جانے کے بعد قطب صاحب نے شیخ کی ہم رکابی میں بلاد و امصار کے سفر کیے۔ بغداد، حریمین شریفین کی زیارت سے مستفیض ہوئے اور خواجہ بزرگ کی توجہ خاص سے مدارج سلوک طے کرنے لگے۔ اثنائے سیر و سیاحت میں مردان حق کی زیارت اور ان کے ارشادات و تعلیمات سے بہرہ مند ہوئے۔ حضرت قطب صاحب نے دو سال کی مدت میں تمام مراحل سلوک طے کر لیے تو حضرت خواجہ غریب نواز کو باطنی اشارے ملے کہ خواجہ قطب کو خلافت سے سرفراز کر دیا

جائے۔ مرشد کامل نے شہر بغداد میں خواجہ ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں سلسلہ چشتیہ کی خلافت عطا فرمائی۔ اس مبارک و مسعود تقریب میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ داؤد کرمانی، شیخ برہان الدین محمد چشتی، شیخ تاج الدین محمد اصفہانی جیسے ائمہ تصوف بھی موجود تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز جب بغداد سے روانہ ہوئے تو آپ کے ہم رکاب رہے۔ چشت، ہرات، سبزوار، لاہور، سمانا کی سیاحت کرتے ہوئے دہلی وارد ہوئے۔

مرشد برحق نے اپنے چہیتے خلیفہ کو ارشاد و تبلیغ کے لیے دہلی ہی میں چھوڑا اور خود اجیر شریف چلے گئے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے خواجہ غریب نواز کے ورود اجیر کے بعد قطب صاحب کا دہلی آنا ذکر کیا ہے۔

### سلطان شمس الدین اتمش کی عقیدت:

حضرت خواجہ قطب الدین کی ذات دہلی میں مرجع خلائق بن گئی تھی۔ علما و صوفیا، عوام و خواص آپ کے روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کے لیے آستانہ ہوسی کیا کرتے۔ مجاہدہ و ریاضت، ذکر و فکر الہی کے ساتھ شمالی ہند کی نومولود اسلامی ریاست کی راجدھانی میں حضرت خواجہ غریب نواز کے مشن کی ترویج و اشاعت کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ جلیل القدر علما و مشائخ عقیدت کیش بنے اور حضرت کی زیارت کو اپنا معمول بنایا۔

سلطان دہلی اتمش نے آپ کی جناب سے رشتہ ارادت استوار کیا اور کاروبار سلطنت کی گونا گوں مصروفیات کے باوجود ہفتہ میں دو بار بارگاہ قطب میں حاضر ہوتا۔ جب شیخ جمال الدین محمد بستامی شیخ الاسلام نے وفات پائی تو سلطان اتمش نے خواجہ قطب کو شیخ الاسلام کا منصب پیش کیا جسے حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ سلطان نے خواجہ نجم الدین صغریٰ کو دہلی کا شیخ الاسلام بنا دیا۔

شمس الدین اتمش کی ارادت و عقیدت کے باوجود کبھی بھی شاہی دربار سے

کوئی ربط ضبط قائم نہ رکھا۔ عہدے، جاگیریں اور شاہی تحائف کبھی قبول نہ فرمائے اور اس طریقہ درویشی کو صرف اپنی زندگی کا ہی اصول نہ بنایا بلکہ اپنے سلسلہ طریقت کا قانون بنا دیا کہ فقر و استغنا کے ساتھ دربارداری اور جاہ پسندی کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اس بے نیازی کے باوجود دہلی کے اعیان و اکابر آستانہ قطب پر طالب دعا اور فیض روحانی کی بھیک مانگنے کے لیے شب و روز حاضر رہتے۔

دہلی جو نہ صرف ہندوستان کی راجدھانی تھی بلکہ عالم اسلام کی نئی طاقت اور دعوت حق کا نیا مرکز تھی، یہاں علما و مشائخ، شرفاء و امراء کی خاصی تعداد موجود تھی۔ اشاعت حق اور تربیت و تزکیہ قلوب کا کام بڑا اہم اور نازک تھا، جس کے لیے چٹانوں کی استقامت اور نسیم سحری کی سبک تازی درکار تھی جس سے کوئی دل مجروح نہ ہو اور مخالفتوں کے طوفان میں پائے استقامت کو لغزش نہ آئے۔ حضرت قطب صاحب نے اس دشوار اور مشکل کام کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔ اگرچہ اس مہتمم بالشان کام کے لیے عمر کا طویل عرصہ میسر نہ آیا، تاہم جس برگزیدہ مقصد کے لیے حضرت خواجہ غریب نواز نے ہندوستان کو اپنے پیام اور کام کے لیے مخصوص فرمایا تھا، وہ صدیوں کے لیے محفوظ رہا۔

### وفات:

قطب صاحب پوری زندگی مشعل چشت کی ضیا پاشیوں سے ہندوستان کو منور فرماتے رہے۔ سماع خواجگان چشت کے معمولات میں داخل ہے۔ قطب صاحب کو بھی سماع کا خاص ذوق تھا۔ اپنی قیام گاہ پر مجلس سماع منعقد فرماتے یا دوسرے صوفیاء کی مجالس سماع میں شریک ہوتے۔ ایک دن شیخ علی سخری کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی۔ صاحب حال درویش محفل میں موجود تھے۔ حضرت قطب بھی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ قوالوں نے احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کی عارفانہ غزل گانی شروع کی۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے۔



کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است  
تو قطب صاحب پر وجود و حال کی غیر معمولی کیفیت طاری ہوئی اور آپ بے  
ہوش ہو گئے۔ قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ بدرالدین غزنوی آپ کو اسی حال میں  
مکان پر لائے، قوال بھی ساتھ ہی آگئے جب ہوش آیا تو اسی شعر کی تکرار کا حکم دیتے  
اور سنتے ہی بے ہوش ہو جاتے، مرغ بسکل کی طرح تڑپنے لگتے۔

چار شبانہ روز یہی کیفیت رہی۔ ہاں جب نماز کا وقت آتا تو وضو کر کے فرض  
اور سنتیں ادا کرتے پھر سکر کا عالم طاری ہو جاتا۔ شیخ احمد جام کے اس شعر نے وارفتہ  
محبت ایزدی کی آتش محبت کو اس قدر مشتعل کر دیا کہ پورا وجود اس کی نذر ہو گیا۔ حکیم  
شمس الدین نے آپ کی نبض دیکھ کر کہا:  
”مرض عشق ہے۔ آتش عشق نے دل و جگر بالکل جلا دیا ہے۔ علاج کی کوئی  
گنجائش نہیں ہے۔“

وقت رحلت سر مبارک قاضی حمید الدین ناگوری کے زانو اور قدم شیخ  
بدرالدین غزنوی کی آغوش میں تھا۔ جب نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو شیخ حمید  
الدین ناگوری نے عرض کیا، خلافت کے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ قطب  
صاحب نے آنکھ کھول کر فرمایا: وہ خرقہ جو مجھے حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے ملا  
ہے اور مصلیٰ، عصا، نعلین چوبیس شیخ فرید الدین گنج شکر کو دو، یہ تبرکات خلافت کے ساتھ  
انہیں کے لیے مخصوص ہیں۔

شعر مذکور کی بار بار تکرار کی جاتی رہی، بالآخر شب دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول  
۶۳۲ھ کو کشتہ خنجر تسلیم و رضانے جان جان آفریں کے حوالہ کر دی۔ (سیر الاولیاء ص  
۶۵/فرشتہ ج ۲ ص ۲۰)

اخلاق کریمانہ و کمالات روحانی:

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:

”آپ کا شمار اکابر اولیا اور اجلہ اصفیا میں ہے۔ بارگاہ ایزدی میں بہت  
مقبول اور ترک دنیا، گوشہ نشینی، فقر و فاقہ میں کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ ہمہ وقت یاد  
الہی میں مجور تھے۔ جب کوئی شخص آپ کی زیارت کے لئے آتا تو کچھ دیر کے لیے عالم  
ہوش میں آتے اور ملاقات کرنے والے کی طرف توجہ فرماتے۔ اگر اس وقت اپنے  
ملنے والے سے کچھ ارشاد فرماتے تو پھر معذوری کا اظہار فرماتے اور یاد الہی میں  
مستغرق ہو جاتے۔ (اخبار الاولیاء ص ۳۰)

صاحب سیر الاولیاء کے الفاظ میں:

”شیخ قطب الدین بختیاراوشی عارفوں کے سلطان، اصحاب دین اور ارباب  
دین کے امام، عالم خلوت کا خزانہ، خوش بختی کی دنیا کا گنجینہ، غربا و مساکین کے بجاو  
ماویٰ تھے۔ ابدی سعادت و سرمدی دولت کے مالک، علم و تقویٰ، زہد و ورع، ترک و  
تجربہ، سوز و گداز اور رموز معرفت و اسرار حقیقت میں فرد فرید تھے۔ (ص ۶۷)

حب رسول:

ہمہ وقت حب رسول سے سرشار رہتے۔ مجلسوں میں احادیث نبوی بیان  
فرماتے۔ اطاعت رسول کا ہر وقت خیال رکھتے۔ ہر شب تیس ہزار بار درود شریف پڑھ  
کر بارگاہ رسالت میں نذر کرتے۔ محبت و اطاعت رسول ہی اصل چشمہ معرفت و  
سلوک ہے۔

رسول گرامی کی توجہ خاص کا ذکر فرماتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا: شروع میں  
مجھے قرآن شریف حفظ نہ ہوتا تھا ایک رات خواب میں زیارت سرکار دو عالم صلی اللہ  
علیہ وسلم سے مشرف ہوا۔ پائے اقدس پر سر رکھ کر رونے لگا پھر عرض کی میں کلام پاک  
حفظ کر لوں۔ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے رونے پر رحم آیا اور شفقت سے فرمایا  
سراٹھائو، میں نے سراٹھایا اور ارشاد فرمایا سورہ یوسف برابر پڑھا کرو، قرآن مجید یاد ہو  
جائے گا۔ بیدار ہونے کے بعد سورہ یوسف کی مواظبت کی، یہاں تک کہ پورا قرآن

## عبادت و ریاضت:

شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہنا آپ کا پسندیدہ معمول تھا۔ فرائض پہنچانے کی ادائیگی فرماتے اور تین سو رکعت نفل ہر روز ادا کرتے۔ ہر روز ایک ختم قرآن کرتے۔ عبادت الہی میں سخت ترین مجاہدہ و ریاضت کے عادی تھے۔ آرام اور خواب و خور سے واسطہ نہ رکھتے۔ ابتدا میں آپ کچھ دیر رات میں آرام فرماتے لیکن اخیر عمر میں رات کو سونا آپ نے ترک کر دیا۔ پوری رات بیدار رہتے۔ ذکر جلی و خفی میں مشغول رہتے، کبھی بستر سے پشت لگا کر آرام نہ کرتے، پانچ روز کے بعد روزہ افطار کرتے، خلق خدا کی دل جوئی میں کوشش فرماتے۔ تنہائی اور گوشہ نشینی محبوب تھی۔ کم کھانا، کم سونا، کم بولنا آپ کا شعار تھا۔ اللہ کی یاد میں مشغول رہتے اور گریہ و زاری میں وقت گزارتے۔ فقر و استغنا، توکل و قناعت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ خلق خدا آپ کی جانب مائل تھی، خود سلطان دہلی التمش مرید و نیاز مند تھا مگر عشق الہی نے دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا۔ گھر میں اکثر فقر و فاقہ سے بسر ہوتی۔ سلاطین و امرا سے ہرگز نذرانہ قبول نہ فرماتے۔ شب و روز استغراق میں بسر کرتے۔ اوقات نماز ہوش میں آتے تازہ وضو کر کے نماز ادا کرتے۔

## ارشادات عالیہ:

آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ”فوائد السالکین“ ہے جسے حضرت بابا فرید الدین نے مرتب فرمایا۔ ذیل میں کچھ ارشادات و تعلیمات نقل کیے جاتے ہیں:

☆ انسان کی کمالات چار چیزوں یعنی کم کھانے، کم سونے، کم بولنے اور خلقت سے کم میل جول کرنے میں ہے۔ (ص ۳)

☆ اگر درویش عمدہ لباس خلق خدا کو دکھانے کے لیے پہنے تو درویش نہیں بلکہ راہ سلوک کا راہزن ہے اور جو درویش نفس کی خواہش کے مطابق عمدہ کھانا پیٹ

بھر کر کھائے تو یقیناً جانو کہ وہ راہ سلوک میں دروغ گوجھوٹا مدعی اور خود پرست ہے۔ جو درویش نفسانی خواہش کے مطابق خوب دل کھول کر سوتا ہے، یقیناً اس میں کوئی نعمت نہیں ہے۔ (ص ۴)

☆ عارف وہ شخص ہے کہ ہر لحظہ اس کے اندر عالم اسرار سے ہزار ہا اسرار پیدا ہوں اور عالم سکر میں رہے اور اس عالم میں اس کے اندر اٹھارہ ہزار عالم اس کے سینے میں ڈالے جائیں تو بھی اس کو خبر نہ ہو۔ (ص ۱۰)

☆ مرید پر یہ لازم ہے کہ اپنے پیر کے طریقے پر ثابت قدم رہے اور اس سے ذرہ برابر نہ بڑھے تاکہ قیامت میں شرمندہ نہ ہو۔ (ص ۳۴)

☆ پیر میں اتنی قوت ہونا ضروری ہے کہ مرید کے قلب کی سیاہی کو اپنی باطنی قوت سے صاف کر دے اور اس کو حق تعالیٰ تک پہنچا دے۔

☆ جو شخص محبت کا دعویٰ کرے اور تکلیف کے وقت فریاد کرے، وہ محبت میں سچا نہیں بلکہ دروغ گو ہے۔

ان بزرگوں کے کلمات اکسیر کی خاصیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکتیں عطا فرمائے۔ آمین!

## سلطان التارکین حضرت صوفی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمۃ:

آپ کی کنیت ابواحمد، نام حمید الدین، لقب سلطان التارکین اور صوفی ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب سعید بن زید بن عمر بن قریشی سے ملتا ہے جو حضرت عمر فاروق کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ کے والد سلطان معز الدین محمد غوری کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تھے اور دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ سلطان التارکین کا بیان ہے کہ فتح دہلی کے بعد مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والا سب سے پہلا بچہ میں ہی ہوں۔ آپ نے طویل عمر پائی تھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے زمانہ سے لے کر شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کے آغاز کا عہد دیکھا ہے۔

جوانی کے ابتدائی ایام روشِ زمانہ کے مطابق لالابالی پن میں گزرے مگر حضرت غریب نواز کی نگاہِ کیمیا اثر نے زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ عیش و تنعم کی زندگی ترک کر دی، سارا مال فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیا اور شیخ طریقت کے حکم سے ناگور میں سکونت اختیار کی۔ (مرآة الاسرار ص ۶۷۷، خزینۃ الاولیا ص ۳۰۸)

تو بہ کے بعد آپ کو جبراً توبہ شکنی کی ترغیب دی گئی تو ارشاد فرمایا:

”جاؤ آرام سے بیٹھو۔ میں نے اپنے ازار بند کو اس پختگی سے باندھا ہے کہ کل قیامت کے دن حوران بہشتی کے لیے بھی ڈھیلا نہ ہوگا۔ (سیر الاولیا ص ۱۶۷)

دنیاوی جاہ و منصب اور نذر و نیاز امر سے پرہیز کرتے۔ محنت شاقہ سے قوت لایموت فراہم کرتے۔ موضع سوال مضافات ناگور میں تھوڑی سی زمین پر کاشت کرتے۔ خود ہل چلاتے اور تخم ریزی کرتے۔ حاصل شدہ غلہ سے اپنے اہل و عیال کا پیٹ بھرتے۔ ناگور کے مقطع کو آپ کی عمرت کا علم ہوا، کچھ روپے آپ کی بارگاہ میں لے گیا اور عرض کیا، اگر آپ تھوڑی سی زمین قبول کر لیں تو میں ان کی کاشت کا انتظام کر دوں تاکہ آپ فارغ البال ہو جائیں۔ شیخ نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا کہ خواجگان میں سے کسی نے ایسی چیز کو قبول نہیں کیا اور ایک بیگہ زمین جو میری ملکیت ہے۔ میرے لیے کافی ہے۔ مقطع کی کسی چیز کو بھی آپ نے قبول نہیں کیا۔

مقطع نے آپ کے حالات بادشاہِ دہلی کو لکھے تو اس نے پانچ سونقرئی تنکے اور ایک گاؤں کا فرمان شیخ کی خدمت میں بھیجا اور عجز و انکساری کے ساتھ پیش کرنے کی ہدایت کی۔ مقطع جب نقدی اور فرمان شاہی شیخ کے پاس لے کر پہنچا آپ نے اس سے کچھ نہ کہا اور اندرون خانہ تشریف لے گئے، جہاں ان کی پارسا بیوی اس حال میں تھیں کہ سر پر اوڑھنے کے لیے دوپٹہ نہ تھا، زیر جامہ بھی پرانا اور بوسیدہ ہو چکا تھا۔ شیخ نے اہلیہ محترمہ کے توکل و قناعت کو آزمانا چاہا اور ان سے کہا کہ بادشاہ نے پانچ سونقرئی تنکے اور ایک گاؤں کی جاگیر کا فرمان بھیجا ہے تم کیا کہتی ہو، لے لوں؟

حرم محترم نے جواب دیا: اے خواجہ! کیا آپ اس تحفہ کو قبول کر کے برسوں کی طاعت و عبادت اور فقر و درویشی پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں۔ آپ فکر مند نہ ہوں، میں نے دو سیر سوت کات لیا ہے جس سے آپ کے لیے تہ بند اور میرے لیے دوپٹہ تیار ہو سکتا ہے۔

صوفی صاحب اس جواب سے کافی متاثر ہوئے اور باہر آ کر شاہی فرمان اور ہدیہ پیش کرنے والے کو بڑی بے نیازی کے ساتھ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ جو کچھ تو لایا ہے مجھے اس کی بالکل ضرورت نہیں، میں اس کو قبول نہیں کروں گا۔ (سیر الاولیا ص ۱۶۸)

حضرت سلطان التارکین کی عظیم المرتبت شخصیت اور بلند پایہ ہستی کا اندازہ حضرت محدث دہلوی کے ان تعارفی کلمات سے لگایا جاسکتا ہے:

آپ خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتی کے خلفائے اعظم میں سے ہیں۔ تحریر و تقریر میں قدم راسخ رکھتے، خدائے تعالیٰ کے بندگان خاص میں سے ہیں۔ آپ کی نظر التفات ہمیشہ شخوص ثلاثہ کے ماوراء پر پڑتی تھی۔ تصوف میں عالی شان کے مالک ہیں اور فوائد طریقت کے بیان میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۴۱)

### تصانیف:

معرفت کا یہ شناور علم و فضل کی دولت سے بھی مالا مال تھا۔ تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ اصول الطریقہ مشہور تصنیف ہے، اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ کے گر انقدر مکاتیب بھی پائے جاتے ہیں، جو راہ طریقت و سلوک کے واردین کے لیے بہترین تحفہ ہیں۔

### مراتب طریقت:

- ۱- علم - تحصیل علم ناگزیر ہے کیونکہ بغیر علم درست نہیں۔
- ۲- عمل - عمل کے بغیر نیت کا وجود نہیں۔

۳- نیت - نیت کا درست ہونا ضروری ہے، کیونکہ صحیح نیت کے بغیر باطل کے سوا کوئی عمل نہیں۔

۴- صدق - صدق ضروری ہے اس کے بغیر عشق رونما نہیں ہوتا۔

۵- عشق - عشق کے بغیر توجہ درست نہیں۔

۶- توجہ - توجہ کے بغیر سلوک حاصل نہیں ہوتا۔

۷- سلوک - سلوک کے بغیر پیش گاہ کا دروازہ نہیں کھلتا۔

۸- درپیش گاہ کا کھلنا - پیش گاہ کا دروازہ کھلنا چاہیے تاکہ مقصود ظاہر ہو۔

#### ارشادات:

۱- سلوک کا مرتبہ اول یہ ہے کہ دونوں جہاں سے باہر آئے کس شے ہالک الاوجہ کو سامنے رکھے، یہی مقصود ہے۔

کاریست و رای علم رواں راباش در بند گہر مباح رَوکان راباش  
دل ہست مقام گاہ بگزار و بیا جان منزل آخر است کہ روجان راباش  
تیرے سامنے ایک راستہ رکھا گیا ہے جو تار یک بھی ہے اور دراز بھی اور تجھ کو  
ایک عمر دی گئی ہے جو تار یک بھی اور کوتاہ بھی اور کوتاہ عمر میں تجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس  
راہ دراز پر چل اور شب دنیا اگر چہ تار یک ہے کہ دنیا کسلا ظلمہ، اس تاریکی  
میں تیرے لیے مطالع عنایت سے ایک مہتاب روشن کیا گیا ہے۔

۲- آدمی کی جان جسم سے جدا ہو کر اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ زندگی  
میں اس کو حیات طبعی کہتے ہیں۔ اپنے مرجع کو پہچانے اور جبابوں کو جانے اور  
عوائق و علائق کو معلوم کرے اور اس کے اندر اس عالم کا عشق ظاہر ہو۔

۳- شریعت، طریقت کی جان ہے۔ جس طرح تم اپنے جان و تن کو ایک  
جانتے ہو، ارباب شریعت کی راہ منزل تو نفس و مال سے باہر آنا اور نعیم مقیم  
میں داخل ہونا ہے کہ ان اللہ اشتری من المومنین انفسهم و اموالهم

اور اصحاب طریقت کی راہ منزل جان و دل سے باہر آنا کہ و تبتل الیہ  
تبتیلا اور وحدت کے ذرۃ اعلیٰ پر پہنچ جانا ہے وان الی ربك المنتهی

۴- مالک الملک ہر جگہ موجود ہے اینما تولوا فثم وجه اللہ۔ مرد کو چاہیے کہ  
نعیب دنیا و آخرت کو چھوڑے پھر جہاں کہیں ہوگا، اس کے ساتھ ہو جائے  
گا اور جہاں جائے گا اس کا سامنا ہوگا۔ (اخبار الاخیار)

#### وفات:

صحیح قول کے مطابق آپ کی وفات ۲۹ ربیع الاخر ۶۷۷ھ میں ہوئی۔ مزار  
پر انوار ناگور شریف میں ہے۔

سلطان التارکین نے مدت مدید تک راجپوتانہ کو مشعل چشت کی ضیا پاشیوں  
سے پر نور رکھا اور آج تک ریگستانی خطہ میں آپ کا چشمہ فیض جاری ہے۔

#### حضرت سید محمد صغریٰ بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ:

بلگرام اتر پردیش کے ان شہرہ آفاق قصبات میں ہے جس کے چپے چپے سے  
علوم و معارف کی کرنیں پھوٹی تھیں اور اس خاک کے ذرے آسمان علم پر کہکشاں بن  
کر صوفیانی کرتے تھے۔ اس معدن علم و فضل سے ایسے بے بہا نکلے  
ہیں جن کی تابانیوں سے پورا ہندوستان مستفید ہوا، جن کے عظیم علمی ادبی، دینی روحانی  
کارنامے برصغیر ہند کی علمی تاریخ میں زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ یہاں  
کے علما و فضلاء، اصفیا و صلحا اہل ہند کے لیے باعث ناز و افتخار تھے۔ انہیں مقتدر ہستیوں  
میں حضرت سید محمد صغریٰ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی بھی ہے جو بلگرام شریف،  
مارہرہ مطہرہ اور موسوی شریف کے حسینی واسطی سادات کے جد اعلیٰ ہیں۔ آپ ۶۱۴ھ  
میں بلگرام تشریف لائے اور اسے اپنا مستقر بنایا۔

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

سید محمد صغریٰ بن سید علی بن سید حسین بن سید ابو الفرح ثانی بن سید ابو

الفراس بن سید ابوالفرح واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید بن سید علی بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن سید زید شہید بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امیر المؤمنین علی بن ابی طالب زوج فاطمۃ الزہرا بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ماثر الکرام، ص ۱۱)

آپ نے نجیب و شریف خاندان میں آنکھ کھولی۔ خاندان کی صالح روایات کے مطابق مروجہ نصاب تعلیم کی تحصیل کی۔ علوم دینیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سلطان شمس الدین التمش کے فوجی امرا میں شامل ہوئے اور بادشاہ دہلی کے مرشد برحق قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ سے رشیدیہ ارادت جوڑا اور ان کے مریدان خاص کے زمرے میں شریک ہو کر دنیاوی مشاغل کے باوجود عبادت و ریاضت اور تصوف و طریقت کے مراحل طے کرنے لگے مگر آپ نے فقر و درویشی کی شان کو خلق خدا سے ہمیشہ پوشیدہ رکھا۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی تحریر فرماتے ہیں:

”سید محمد صغریٰ مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ العزیز و مرج البحرین فضائل صوری و معنوی دراعلائے کلمہ دین و احیاسنت و امامت بدعت قدم راسخ داشت و باسلطان شمس الدین التمش بسرمدی بردو حال باکمال خود را در لباس نوکری از نظر خلق مستوری می داشت“ (ایضاً ص ۱۱)

سید محمد صغریٰ جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور فضائل صوری و معنوی کے مرج البحرین تھے، کلمہ دین کی سر بلندی اور احیائے سنت، امامت بدعت میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ سلطان شمس الدین التمش کے ساتھ رہے اور اپنے باطنی احوال باکمال کو نوکری کے لباس میں چھپا کر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتے۔

فتح بلگرام:

۶۱۳ء میں مجاہدین اسلام کی ایک فوج کے ساتھ بلگرام آئے اور یہاں کے

متعصب اور مغرور راجہ سری، جو اپنی دولت و ثروت اور قوت و طاقت کے نشہ میں مست رہتا تھا، کے مقابلے میں صف آرا ہوئے۔ گھمسان کارن پڑا۔ بالآخر لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ راجہ اور اس کے اعیان و امراء قتل کر دیئے گئے اور یہ علاقہ کفر و شرک کے بجائے شعار اسلام کا نزہت کدہ بن گیا۔ اس فتح و نصرت کی تاریخ لفظ ”خداداد“ سے نکلتی ہے۔

حضرت سید محمد نے اس فتح عظیم کے بعد شیوخ فرشوری اور ترکمانوں کے ساتھ بلگرام میں اقامت اختیار کر لی اور سلطان شمس الدین التمش سے اس علاقے کا فرمان عشر حاصل کر لیا۔ سلطان شمس الدین کے زمانے سے سلطان ابراہیم بن سکندر لودھی تک محصول عشر پر گنہ بلگرام معمول رہا، جو با بر بادشاہ کے زمانے سے ختم ہو گیا۔

لقب صغریٰ:

حضرت سید محمد کا لقب صغریٰ دراصل صاحب الدعوة الصغریٰ ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے زبانوں پر لقب کا آخری لفظ باقی رہ گیا۔ جس طرح حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رضی اللہ عنہ کا لقب کبریٰ، درحقیقت الطامۃ الکبریٰ تھا۔ کثرت استعمال کی وجہ سے الطامۃ حذف ہو گیا اور کبریٰ باقی رہا۔ علامہ مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ تفحات الانس میں رقم طراز ہیں:

”وے را کسریٰ از ان لقب کردند کہ در اوائل جوانی بہ تحصیل مشغول بود باہر کہ مناظرہ کردے غالب آمدے فلقبوہ بہذا السبب الطامۃ الکبریٰ ثم غلب علیہ ذاک اللقب فحذفوا بطامۃ فلقبوہ بالکبریٰ۔“

نجم الدین کبریٰ ایام جوانی میں جب تحصیل علم میں مصروف تھے، حالت یہ تھی کہ جس کے ساتھ مناظرہ کرتے، غالب آجاتے۔ اسی وجہ سے ان کا لقب الطامۃ الکبریٰ پڑا۔ یہ لقب خاصا مشہور ہو گیا، اس لیے کثرت استعمال کی وجہ سے لوگوں نے طامہ کو حذف کر دیا اور کبریٰ نام ہو کر باقی رہ گیا۔ (تفحات الانس)

حضرت سید محمد نے سلطان التمش کے حکم پر ۶۲۷ھ میں ایک اونچے ٹیلے پر جو وسط شہر میں واقع تھا، حاکموں کی رہائش کے لیے ایک چھوٹا قلعہ تعمیر کیا۔ مرور ایام کی وجہ سے قلعہ کی عمارت ٹوٹ پھوٹ گئی مگر اس کا کتبہ محلہ سید واڑہ کی مشہور مسجد سید میاں کی دیوار میں نصب کر دیا گیا۔ جس کی عبارت یہ ہے۔ حامی البلاد راعی العباد ذی الامان لاہل ایمان وارث ملک سلیمان صاحب الخاتم فی ملل العالم ظل اللہ فی الخافقین ابو المظفر ایلمش السلطان ناصر امیر المومنین ادام اللہ تمکینہ فی مشہور ۵۶۲۷ سب و عشرين و ستمائہ“ (ماثر الکرام ص ۱۳)

### وصال:

حضرت سید محمد ۳۱ رسال تک بلگرام میں زندگی کے لیل و نہار بسر کرتے رہے۔ انہوں نے رسمی طور پر رشد و ہدایت کی بساط آراستہ نہیں کی مگر آپ کی قدسی صفات ذات سے لوگ دین و شریعت کی روشنی حاصل کرتے رہے اور آپ کے نفس گرم کی بدولت اہل بلگرام میں تصوف و سلوک کی حرارت باقی رہی جسے بعد میں آنے والوں نے تیز کیا۔

۱۴ شعبان ۶۲۵ھ سے پہلے کے وقت عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ مزار پاک شہر بلگرام کی شمالی جانب ایک باغ میں بڑے چبوترے پر ہے۔

زبدۃ الکاملین شیخ کبیر حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ:

ہندوستان میں خانوادہ چشت کے تیسرے روحانی سربراہ کا اسم گرامی مسعود، لقب فرید الدین اور گنج شکر ہے۔ آپ کا خاندانی تعلق کابل کے بادشاہ فرخ شاہ سے تھا۔ سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

فرید الدین مسعود بن شیخ سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ محمد احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین معروف بہ فرخ شاہ کابلی بن نصیر بن فخر الدین محمود بن سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم۔ (سیر الاقطاب، ص ۱۸۶)

حضرت کی ولادت ۵۶۹ھ مطابق ۱۱۷۳ء میں ہوئی۔

### علوم ظاہر و باطن کی تحصیل:

شیخ فرید کا خاندان شرافت اور علمی وجاہت میں ممتاز تھا۔ اس لیے بچپن ہی سے ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام خاندانی روایات کے مطابق ہوا۔ کھوٹوال میں عربی و فارسی اور دینیات کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۸ برس کی عمر میں ملتان گئے جو ان دنوں علوم و معارف کا مرکز اور علم ظاہری و باطن کا سنگم تھا۔ یہاں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد کے مدرسہ میں داخل ہو کر قرآن و حدیث، فقہ و کلام اور دوسرے علوم و فنون کی تحصیل میں مصروف ہوئے۔ انہوں نے پورا قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ روزانہ ایک ختم قرآن شریف آپ کا معمول تھا۔ طلب علم میں بڑی لگن اور یکسوئی دکھائی۔ جس کی بنا پر وہ اساتذہ کی توجہ کا مرکز بن گئے اور وہ شہر میں قاضی بچہ دیوان کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ ذوق روحانی پروان چڑھنے لگا۔ ہونہار طالب علم کا علمی انہماک اور روحانی ذوق تھا، جس نے شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہ کو ان کی جانب متوجہ کیا۔ شیخ تبریزی نے ایک انارتخہ میں دیا۔ چونکہ بابا فرید روزے سے تھے، اس لیے انار کو کسی دوسرے درویش نے کھا لیا۔ افطار کے بعد آپ کو انار کے چھلکے میں دانہ ملا۔ جب انہوں نے اس دانے کو کھا یا تو ایسا محسوس ہوا کہ روحانیت کی روشنی سے ان کا وجود جگمگا اٹھا۔ بعد میں جب یہ واقعہ بابا فرید نے اپنے مرشد کو سنایا تو انہوں نے فرمایا: ساری برکت اور روحانی فیض اسی ایک دانے میں تھا باقی پھل میں کچھ نہ تھا۔ دوران تعلیم ہی حضرت خواجہ بختیار کا کی ملتان تشریف لائے۔ ایک دن مسجد منہاج الدین میں وارد ہوئے۔ تحیۃ المسجد پڑھ کر بیٹھ گئے۔ بابا فرید جو اس وقت اسی مسجد میں فقہ کی کتاب نافع کا مطالعہ کر رہے تھے، جب ان کی نظر حضرت شیخ بختیار کا کی کے چہرہ انور پر پڑی، دل بیتاب ہو گیا، فرط شوق میں سر قدموں پر رکھ دیا۔ خواجہ بختیار کا کی نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ہاتھ میں کون سی کتاب ہے؟ عرض کیا کتاب نافع

ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا انشاء اللہ یہ کتاب نافع ہوگی۔ اسی وقت حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور مرشد سے روحانی نعمتیں حاصل کرنے لگے۔

جب قطب صاحب دہلی کے لیے روانہ ہوئے تو بابا فرید تین منزلوں تک ساتھ گئے۔ شیخ طریقت سے جدا نہیں ہونا چاہتے تھے۔ قطب صاحب نے فرمایا: بابا فرید! اس ترک و تجرد کے ساتھ مشغول رہو، اس کے بعد دہلی آؤ اور میری صحبت میں رہو۔ مرشد کے حکم پر مزید تعلیم کے لیے قندھار چلے گئے، جہاں پانچ سال تک درس لیتے رہے۔

آمد دہلی:

علوم ظاہری کے بعد دہلی آئے اور مرشد برحق کی نگرانی میں ریاضات و مجاہدے میں مصروف ہو کر سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرنے لگے۔ اسی دوران حضرت خواجہ غریب نواز اجیر سے دہلی تشریف لائے اور اس وقت بابا فرید چلوں کی مشقتیں اٹھا رہے تھے۔ بارگاہ غریب نواز میں حاضر نہ ہو سکے۔ ایک دن خواجہ غریب نواز اور خواجہ قطب، بابا فرید کی چلہ گاہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت غریب نواز نے بابا فرید کا داہنا بازو اور قطب الدین بختیار کا کی نے بائیں بازو پکڑ کر کھڑا کیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ ”الہی تو فرید کو قبول فرما اور درویشان کامل کے مرتبے تک پہنچا دے۔ ندائے غیبی آئی” میں نے فرید کو قبول کیا۔ فرید فرید دہرا اور وحید عصر ہے۔“ پھر حضرت خواجہ نے اسی وقت ان کو اسم اعظم کی تعلیم دی۔ اس کے بعد آپ پر علم لدنی منکشف ہو گئے اور سارے حجابات اٹھ گئے۔ (سیر الاولیا ص ۸۱)

پھر حضرت خواجہ غریب نواز نے ارشاد فرمایا:

بابا قطب الدین شاہباز عظیم دردام آوردی کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نمی گید۔ اس فرید شمع است کہ خانوادہ درویشاں منور سازد۔

بابا قطب الدین تو نے ایک ایسا عظیم شہباز زردام کیا جس کا آشیانہ سدرۃ

المنتہیٰ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ فرید ایسی شمع ہے جو درویشوں کے خانوادے کو روشن کر دے گی۔ (سیر الاقطاب ص ۱۸۹)

یہ شرف عظیم صرف بابا فرید کو حاصل ہوا کہ بیک وقت مرشد برحق اور ان کے مرشد طریقت دونوں نے بیک وقت دعاؤں سے سرفراز فرمایا اور بلند مقام ولایت کی بشارت عظمیٰ سے نوازا۔

قیام ہانسی:

روحانی تعلیم و تربیت کے بعد آپ بیعت و ارشاد کے مجاز بن چکے تھے مگر دہلی کی ہنگامہ خیز فضاؤں میں جی نہ لگتا تھا۔ چنانچہ مرشد سے اجازت لے کر ہانسی تشریف لے گئے اور رشد و ہدایت کی بساط آراستہ کی۔ ہانسی ایک ویران جگہ تھی، جہاں وسائل معیشت بھی پورے طور پر مہیا نہ تھے مگر مرشد کا حکم تھا، جاؤ کسی ویرانے میں بستی بساؤ۔

خلافت و جانشینی:

حضرت بابا فرید فرماتے ہیں: میں مرشد کی خدمت میں تھا۔ ہانسی جانے کے ارادے سے اٹھا۔ مرشد کی نظر مجھ پر پڑی۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا: میں جانتا ہوں، مولانا فرید الدین تم چلے ہی جاؤ گے۔ میں نے عرض کیا۔ جو آپ کا حکم ہو، ویسا ہی کروں گا۔ فرمایا: جاؤ تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ وقت آخر تم میرے پاس نہ ہو گے۔ اس کے بعد حاضرین سے کہا: آؤ اس درویش کے لیے دین و دنیا اور فقر کی نعمتوں کے لیے مل کر سورۃ فاتحہ و سورۃ اخلاص پڑھیں۔ پھر میرے حق میں دعا فرمائی، اس کے بعد اپنا ذاتی مصلیٰ اور عصا عطا فرماتے ہوئے کہا: میں تمہاری امانت قاضی حمید الدین ناگوری کے حوالے کر دوں گا، پانچ روز بعد وہ تم کو پہنچا دے گا، ان کو حاصل کر لینا، تم ہمارے جانشین ہو۔ (سیر الاولیا ص ۸۲)

بابا فرید ہانسی چلے آئے۔ حضرت قطب صاحب کا وقت آخر آیا تو قاضی حمید

الدین سے فرمایا: یہ میرا خرقہ یہ عصا اور یہ لکڑی کی کھڑاؤں شیخ فرید الدین کو دیدی جائے۔

قطب صاحب کی وفات کے بعد جب بابا فرید دہلی آئے تو مرشد کے برکات انہیں تفویض کر دیئے گئے۔ اب بابا صاحب قطب صاحب کے مسند رشد و ہدایت کے جانشین تھے۔ وقت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ آپ دہلی ہی میں قیام کریں لیکن آپ نے وہاں قیام نہ کیا۔ ہانسی آگئے۔ تقریباً بارہ سال ہانسی میں قیام رہا۔ وہاں خلق خدا کے ازدحام کے سبب عبادت و ریاضت کے معمولات میں خلل پڑنے لگا تو ہانسی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور ہانسی کی خانقاہ اور سجادہ اپنے مرید و خلیفہ شیخ جمال الدین ہانسوی کے حوالے کیا اور خود خاموشی کے ساتھ اجودھن کی طرف متوجہ ہوئے۔

### اجودھن کی خانقاہ:

اجودھن دریائے ستلج کے مغرب میں اس کی ایک معاون ندی کے کنارے آباد ہے۔ اب یہ مقام پنجاب کے ضلع ساہیوال کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جسے ”پاک پٹن“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس زمانے میں بابا فرید وہاں پہنچے۔ وہ سنسان جنگلی علاقہ تھا۔ آبادی سے بہت دور چند درختوں کے سائے میں آپ نے ایک جھونپڑا بنایا اور ہمہ تن عبادت الہی میں مصروف ہو گئے۔ مگر جہاں اللہ کے ولی اپنا مستقر بناتے ہیں، وہ جگہ مقناطیسی ہو جاتی ہے۔ خود بخود لوگ اس کی طرف کھینچ کھینچ کر چلے آتے ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے ارادت مندوں کی بھیڑ جمع ہونے لگی اور صبح و شام حاجت مندوں کی آمد و رفت سے جنگل میں منگل کی کیفیت ہو گئی۔ جھونپڑے کے قریب خانقاہ اور جماعت خانہ کی عمارتیں تعمیر ہو گئیں اور اجودھن کی خانقاہ مرجع خلایق بن گئی اور پورے خطے میں حضرت گنج شکر کا روحانی فیض عام ہونے لگا۔

حضرت بابا فرید نے توکل و قناعت کو اپنا شعار حیات بنایا تھا۔ وہ بادشاہوں، امیروں، جاگیرداروں سے ربط ضبط نہ رکھتے اور نہ ان کے نذرانے قبول فرماتے۔ اگر

نذرانے لے لیتے تو فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ ایک بار سلطان ناصر الدین محمود اپنے اراکین سلطنت اور لشکر کے ساتھ اجودھن پہنچا اور بابا صاحب کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس نے اپنے وزیر بلبن کی معرفت شیخ کی خدمت میں چند گاؤں کا معافی نامہ اور کچھ نقد رقم بھی پیش کی۔ شیخ نے نقد رقم قبول کر کے غربا و مساکین میں تقسیم کر دی اور جاگیر نامہ اس شعر کے ساتھ واپس کر دیا۔

شاہ مارادہ دہد منت دہد رازق مارزق بے منت دہد

اور بادشاہ کو یہ نصیحت کہلا بھیجی کہ ”ملک خدا ترس وزیروں کے حوالہ کرو“

الغ خاں نے چند گاؤں کی جاگیر کی دستاویز اور نقد رقم شیخ کبیر کے سامنے

پیش کی تو آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ الغ خاں نے جواب دیا، یہ جاگیر کا حکم نامہ ہے اور

یہ زرنقد ہے آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ یہ نقد تو رکھ دے کہ ہم فقیروں میں تقسیم کر دیں گے

مگر جاگیر کا حکم نامہ لے جا کہ اس کے بہت سے طالب ہیں۔ (سیرالاولیا)

### اخلاق حسنہ:

شیخ کبیر حضرت بابا فرید نے علوم منقولات و معقولات کی اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔

دین کے اخلاقی اصول کا کامل درک رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے اخلاق

حسنہ سے واقف تھے۔ گھر کے دینی ماحول اور اکابر علماء و صلحا کی صحبت سے ان کی ذات

اخلاق حسنہ اور شان صفات کمالیہ کی مظہر اتم بن گئی تھی۔ توکل و قناعت، صبر و رضا، ایثار

و اخلاص، عبادت و استغراق، زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدہ، ترک دنیا، استغنا، خوش

اخلاقی، شیریں مقالی، خدمت خلق، عنف و درگزر آپ کا شیوہ بن گیا تھا۔ ولایت و مشیت

کے بڑے بڑے منکرین بھی آپ کے علمی تبحر اور اخلاق حسنہ کے گرویدہ ہو جایا کرتے

تھے۔ حضرت بابا فرید نے پوری زندگی فقر و تنگ دستی میں بسر کی۔ لباس اور غذا میں

بڑی سادگی تھی۔ اکثر جسم پر پھٹے کپڑے ہوتے۔ ایک مرتبہ پیر بن کافی بوسیدہ ہو گیا

تھا۔ کسی نے نیا پیر بن پیش کیا، اسے زیب تن تو فرمایا لیکن فوراً اتار ڈالا اور شیخ نجیب الدین



متوکل کو دے کر ارشاد فرمایا: جو ذوق مجھے اس پرانے پیراہن میں حاصل تھا، اس نئے کرتے میں نہیں ہے۔ جس کبیل پردن میں وہ بیٹھتے تھے، اسی کورات کے وقت اپنا بستر استراحت بناتے اور تکیہ کی جگہ سر کے نیچے مرشد کا عصا رکھ لیتے۔ (نوائد الفوائد ص ۸۷)

پیران چشت کی طرح اکثر روزے رکھتے۔ افطار میں ایک پیالہ شربت کا جس میں تھوڑی سی کشمش ملی ہوتی، حاضر کیا جاتا۔ تو اس میں سے آدھا بلکہ دو تہائی شربت حاضرین میں تقسیم کر دیتے اور باقی ایک تہائی خود نوش فرماتے۔ پھر اس میں سے بھی کسی طلب گار کو عنایت فرما دیتے۔ اس کے بعد دو روغنی روٹیاں لائی جاتیں۔ ان میں سے ایک ٹکڑا خود تناول فرماتے اور باقی حاضرین میں بانٹ دیتے۔ پھر طرح طرح کے کھانے دسترخوان پر چنے جاتے۔ ان کھانوں کو مہمان کھاتے لیکن خود دوسرے دن افطار تک کچھ نہ کھاتے۔ (اخبار الاخیار ص ۸۱)

تواضع اور خاکساری آپ کا شیوہ تھا۔ بے حد رحم دل تھے۔ عبادت و ریاضت کے بعد جو وقت بچتا ارادتمندوں کی تربیت احوال اور تزکیہ نفوس کے لیے وقف تھا۔ اہل حاجت اور پریشان حال لوگوں کی حاجت روائی اور نمکساری سے دریغ نہ فرماتے۔

### تعلیمات و ارشادات:

شیخ کبیر کے ارشادات ملفوظات کی شکل میں جمع کیے گئے ہیں، جن میں آپ کی روحانی و اخلاقی تعلیمات کا عطر موجود ہے۔ جو فرمودات آپ سے منسوب ہیں، وہ اعلیٰ درجہ کے صوفیوں کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں اور صوفیانہ مشرب کی بلند روایات کے حامل ہیں۔ ذیل میں کچھ ارشادات عالیہ پیش کیے جاتے ہیں۔

☆ صابر فقیر کو شاگردی پر فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ شاگردی کے لیے مزید نعمت کا وعدہ ہے لان شکر تم لا زید نکم ”اگر تم شکر بجالاؤ گے تو ہم تم پر اپنی نعمت اور زیادہ کریں گے“ اور فقیر کے لیے صبر میں بشارت ہے اپنی نعمت

رفاقت کی۔ ان اللہ مع الصابرين ”اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔“ (سیر الاولیا ص ۸۰)

☆ وہ سچ جس پر جھوٹ کا گمان گزرے، مت کہو۔ جو چیز نہ خریدو، اسے نہ بیچو۔ جاہ و مال کے لیے خطرہ مول نہ لو۔ ہر شخص کی روٹی نہ کھاؤ، مگر ہر شخص کو کھلاؤ۔ موت کو کسی حال میں فراموش نہ کرو۔

☆ بلا و مصیبت کو ہوا و ہوس کا نتیجہ سمجھو۔ گناہوں پر ڈینگ نہ مارو۔ اپنے دل کو شیطان کا محل نہ بناؤ۔ اپنے باطن کو ظاہر سے بہتر رکھو۔ زیب و زینت کی کوشش نہ کرو۔ اپنے آپ کو حصول جاہ کے لیے ذلیل نہ کرو۔

☆ جب اہل ثروت کے پاس بیٹھو تو دین کو نہ بھول جاؤ۔

☆ عزت و حشمت عدل و انصاف میں ہے۔ اگر خدا امارت بخشے تو اپنا ظرف اور ہمت وسیع کرو۔

☆ دشمن کو باہمی مشورہ سے زیر کرو۔ دوست کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

☆ ہنر کو مشقت جھیل کر بھی سیکھو۔ دشمن کی کڑوی بات پر آپے سے باہر نہ ہو جاؤ۔

☆ اگر ساری دنیا کو دشمن بنانا چاہتے ہو تو مغرور بن جاؤ۔

☆ دین کو علم دین سے تقویت دو۔

☆ اگر بلندی چاہتے ہو تو شکستہ دلوں میں بیٹھو۔

☆ آسودگی چاہتے ہو تو حسد نہ کرو۔

☆ کلاہ چارتر کی کے چار خانے ہوتے ہیں، جن میں پہلا خانہ شریعت،

دوسرا خانہ طریقت، تیسرا معرفت اور چوتھا خانہ حقیقت کا ہے۔ جس شخص

کو ان چاروں خانوں میں استقامت نصیب ہو، اسی کے لیے یہ ٹوپی

سر پر کھنا روا ہے۔

☆ زکوٰۃ تین طرح کی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت، زکوٰۃ

حقیقت۔

زکوٰۃ شریعت تو یہ ہے کہ دوسو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ دی جائے۔ زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ پانچ درہم اپنے پاس رکھ کر ۱۹۵ درہم خدا کی راہ میں دے دیے جائیں۔ زکوٰۃ حقیقی یہ ہے کہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھا جائے۔ جو کچھ ہو راہ مولیٰ میں بخش دیا جائے۔

وہی درویش کہلانے کا مستحق ہے جو آنکھوں سے اندھا ہو، یعنی جسے دوسروں کا عیب نظر نہ آتا ہو۔ جو بہرہ ہو، یعنی بیہودہ بات نہ سنے۔ جو گونگا ہو، یعنی نہ کہنے کی بات زبان سے نہ نکالے۔ جو لنگڑا ہو، یعنی لذت نفس کے لیے اقدام نہ اٹھائے۔ جس میں یہ چاروں باتیں نہ ہوں، وہ درویش نہیں۔

مقام و مرتبہ:

حضرت شیخ گنج شکر نے دہلی سے روانگی کے وقت اپنے احباب سے کہا تھا: ”جو نعمت مجھے مرشد نے بخشی ہے، وہ شہر و بیابان میں یکساں ہے۔“ یعنی خانوادہ چشت کے سربراہ کی حیثیت سے تبلیغ دین اور اصلاح باطن کا عمل جس طرح شہر میں ہو سکتا ہے، اسی طرح صحرا و بیابان میں بھی رشد و ہدایت کا مشن جاری رکھنا ممکن ہے۔ چنانچہ اجودھن جیسے غیر معروف دور افتادہ قصبہ میں حضرت بابا فرید نے ایک ایسا روحانی مرکز قائم کیا جو کسی طرح شہروں کے روحانی مراکز سے کم نہ تھا۔ شیخ فرید نے ویران مقام کو اپنا مستقر بنایا تھا، لیکن وہاں بھی حق کی جستجو کرنے والے دور دور سے کھینچ کر پروانوں کی طرح آنے لگے۔ مرشد برحق نے فرمایا تھا ”خدا کے روشن ضمیر بندے سورج کی مانند چمکتے ہیں۔ یہ لوگ نور معرفت سے سارے عالم کو روشن کرتے ہیں۔ اہل محبت کا جو مقام ہے وہ فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہے۔“ چنانچہ اس آفتاب کے گرد حق کی جستجو کرنے والے، روحانیت کے شیدائی، سعادتوں کے طالب، دنیا کے ستارے ہوئے انسان جمع ہونے لگے اور ہزاروں انسانوں نے معرفت و سلوک کی منزلیں طے کیں۔

وصال:

شیخ کبیر بابا فرید ۹۵ سال کی عمر میں ۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ کو واصل بحق ہو گئے۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیا محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۲۵ھ:

اسم گرامی سید محمد، لقب شیخ المشائخ، نظام الدین، محبوب الہی ہے۔ آپ نجیب الطرفین حسینی سید ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۷ رصفہ المظفر ۶۳۴ھ مطابق ۱۲۳۶ء بمقام بدایوں ہوئی۔ ابھی آپ پانچ ہی سال کے تھے کہ والد گرامی حضرت سید احمد علیہ الرحمہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ یتیم ہو گئے۔ مگر آپ کی والدہ ماجدہ نے سخت نا مساعد حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور فرزند دلیندگی کی تعلیم و تربیت کے لیے کمر بستہ ہو گئیں۔ قرآن شریف اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں بدایوں میں پڑھ کر دہلی کا رخ کیا۔ دہلی میں آپ نے اپنے علمی ذوق کے مطابق بعض اساتذہ فن سے بالاستیعاب علم حاصل کیا اور بعض حضرات سے جزوی تعلیم پائی۔ اپنی فطری ذہانت و جلا کے باعث رفقائے درس میں امتیازی شان پیدا کر لی۔ بحث و مباحثہ کی مجلسوں میں آپ اپنے اقران پر ہمیشہ غالب رہتے، یہی وجہ تھی کہ آپ کو نظام الدین بجاٹ اور نظام الدین محفل شکن کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ دہلی کے قابل ذکر اساتذہ مولانا شمس الدین، مولانا برہان الدین، مولانا محمد بن احمد ہیں۔

روحانی تعلیم و تربیت:

دہلی میں علوم اسلامی اور مروجہ فنون کی تحصیل سے فارغ ہو چکے تھے۔ چاہتے تو کسی درسگاہ کو زینت بخشے یا حکومت کے کسی عہدہ پر فائز ہو جاتے مگر روحانیت اور باطنی کیف کے چسکے نے حضرت شیخ الشیوخ بابا فرید گنج شکر کی بارگاہ میں پہنچا دیا۔ آپ نے حضرت بابا صاحب سے داخلہ سلسلہ ہونے کی خواہش ظاہر کی تو پیر طریقت نے انہیں بلاتامل سلسلہ چشتیہ میں داخل فرمایا۔ جب رات ہوئی تو شیخ نے مقتدر مرید کے لیے اپنے جماعت خانہ میں چار پائی بچھانے کا حکم دیا، جب کہ برسہا برس شیخ کی

خدمت میں مجاہدہ کرنے والوں کو بھی یہ اعزاز نصیب نہیں ہوا تھا۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے دہلی سے اجودھن کے تین سفر کیے۔ تیسرے سفر میں شیخ کی روحانی تربیت پایہ تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ مرشد کامل نے اسی سفر میں اپنی تمام روحانی ذمہ داریاں آپ کی طرف منتقل کر کے شاندار مستقبل کی بشارت دی اور ۱۳ رمضان المبارک ۶۶۹ھ کو بابا فرید نے شیخ بدر الدین اسحاق سے خلافت نامہ تحریر کرایا اور گراں قدر دعاؤں کے ساتھ آپ کو تفویض کیا۔ (سیر الاولیاء ص ۱۲۶)

حضرت بابا فرید علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد حضرت سلطان المشائخ ہندوستان میں خانوادہ چشت کے چوتھے سربراہ ہوئے۔ ابتدا میں آپ کا قیام دہلی کے مختلف علاقوں میں رہا مگر ایک غیبی اشارہ پر دریائے جمنہ کے کنارے غیاث پور میں سکونت گزریں ہو گئے اور وہیں خانقاہ نظامی قائم کی جو دیکھتے ہی دیکھتے خلق خدا کا مرجع بن گئی اور تیزی کے ساتھ عوام و خواص کے اصلاح باطن کی یہ تحریک ایک خوشگوار انقلاب کی صورت اختیار کر گئی۔ شیخ المشائخ کے ارشاد و ہدایت کا خوشگوار اثر دہلی اور اطراف کے مسلمانوں پر پڑا۔ اس کا اندازہ ضیاء الدین برنی کے بیان سے لگانا آسان ہوگا، جس کے بعض مندرجات نقل کیے جاتے ہیں:

شیخ الاسلام خواجہ نظام الدین نے دہلی میں بیعت عام کا دروازہ کھولا۔ گنہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے اور اپنا مرید بناتے۔ خاص و عام، عالم و جاہل، شہری و دیہاتی ہر ایک کو توبہ کراتے، جس کا یہ اثر تھا کہ جو لوگ حلقہ ارادت میں داخل ہوتے، برائیوں سے بچتے اور عبادت میں مصروف ہوتے۔ مریدوں کی اکثریت فرائض کے علاوہ نماز چاشت و اشراق کی پابند ہو گئی۔ اطراف و اکناف سے غیاث پور کی طرف آنے والے راستوں پر چبوترے اور چھپر بنا دیئے گئے تھے اور وہاں طہارت و نماز کا اہتمام کر دیا گیا تھا، تاکہ حضرت کے پاس آنے جانے والے وقت سے نماز ادا کر سکیں اور ان مقامات پر آرام کر سکیں۔ حضرت کے وعظ و تذکیر کا یہ

خوش گوار اثر پڑا کہ لوگ گفتگو میں مسائل شرعیہ دریافت کرتے، نوافل، تلاوت قرآن اور ادعیہ ماثورہ کا تذکرہ کرتے۔ (ماخوذ تاریخ فیروز شاہی)

حضرت کی خانقاہ سلاطین و امرا، علما، فضلا، عوام و خواص نوکر پیشہ اور اہل حرفہ، فقرا و مساکین سب کے لیے ایک مرکز کشش بنی ہوئی تھی۔ یہاں قلب و روح کا تزکیہ اور تجلیہ بھی ہوتا تھا۔ سیرت و اخلاق کی اصلاح بھی کی جاتی تھی۔ احکام شریعت کی پاسداری کا درس بھی دیا جاتا تھا۔ ہر آنے جانے والے کے لیے ایک عام لنگر بھی کھلا ہوا تھا۔ قدم قدم پر دستگیری و رہنمائی بھی ہو رہی تھی۔

### سلاطین سے بے تعلقی:

قیام دہلی کے ابتدائی ایام سے زندگی کے آخری دن تک دہلی کے تخت پر متعدد بادشاہ بیٹھے مگر صرف ایک بار ایک دینی ضرورت کی وجہ سے دربار شاہی میں تشریف لے گئے۔ اس کے علاوہ نہ کسی دربار میں حاضر ہوئے اور نہ ہی کسی بادشاہ کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی اور شاہی تحائف بھی قبول نہ کیے۔ ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے پچاس ہزار دینار بطور نذرانہ بھیجے مگر آپ نے اسے ہاتھ نہ لگایا اور واپس کر دیا۔

### مکارم اخلاق:

حضرت محبوب الہی کی ذات مکارم اخلاق کا پیکر جمیل تھی۔ اخلاص و ایثار، درد و سوز کی دولت سے مالا مال تھی۔ حب الہی، عشق رسول کا جذبہ فراواں آپ کا سرمایہ افتخار تھا۔ جو دو سخا کا یہ عالم کہ آپ کے خوان نعمت سے ہر روز ہزاروں بندگان خدا انواع و اقسام کے کھانوں سے آسودہ ہوتے، آپ روزہ سے ہوتے اور افطار میں روٹی کے چند لقموں سے زیادہ تناول نہ فرماتے۔ عفو و درگزر کا یہ عالم تھا کہ اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرمادیتے اور کسی سے انتقام نہ لیتے۔ فقر و تنگدستی کے دور میں بھی کسی کے سامنے حاجت پیش نہیں کی ہر حال میں رضائے الہی پر شا کرو صابر رہے۔

استغنا و بے نیازی کا یہ حال تھا کہ سلطانی نذرانے اور جاگیروں کے پروانے قبول نہ فرماتے۔

وصال:

۱۸ ربیع الآخر ۳۵ھ مطابق ۱۳۳۲ء بروز بدھ آسمان پر آفتاب طلوع ہوا اور دوسری طرف آفتاب علم و ارشاد غروب ہو گیا۔ نماز جنازہ شیخ الاسلام ابو الفتح رکن الدین نبیرہ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ نے پڑھائی۔ قبر پر سلطان محمد تغلق نے شاندار گنبد تعمیر کرایا۔

ارشادات عالیہ:

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر عضو کو عمل کے لیے بنایا گیا ہے۔ اگر اس سے وہ کام نہ لیا جائے تو وہ عضو بے کار اور بیمار ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ دل خالص محبت الہی کے لیے بنایا گیا ہے۔ محبت جھوٹے اور سچے کے فرق کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی محبت مرد اور نا مرد کے فرق کو ظاہر کرتی ہے۔ اگر یہ مرد سچا عاشق ہے تو اپنے محبوب کی جھاؤں اور اپنی وفا پر صبر کرے گا اور ساری عمر اس نہج پر بسر کرے گا کہ اپنے محبوب کی اتباع سے ذرہ برابر تجاوز نہ کرے اور سچی محبت کے ساتھ اس کے دروازے کو کھٹکھٹائے اور اس کی محبت میں مستقیم رہے۔ جو دولت محبت حاصل کرنا چاہتا ہے، جب تک وہ عزیز جان و تن کو رضائے دوست کے لیے مصیبتوں میں نہیں ڈالتا، اسے ہرگز سعادت حاصل نہیں ہوتی۔

☆ اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کے پیدا کرنے کا سب سے بڑا مقصد محبت رب العالمین ہے۔ محبت ذات وہی بخشش ہے اور محبت صفات کسی ہے۔ جو وہی ہے اس کا بندہ کے عمل اور کسب سے تعلق نہیں۔ جو کسی ہے اس محبت میں دوام کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو غیر اللہ سے خالی کر کے ذکر الہی میں مشغول کرے۔ اس لیے فراغت ضروری ہے اور فراغت سے روکنے والی چار چیزیں ہیں۔

(۱) خلق (۲) دنیا (۳) نفس (۴) شیطان  
خلق کو دور کرنے کے لیے گوشہ نشینی ہے اور دنیا کو دور کرنے کا طریقہ قناعت ہے۔ نفس اور شیطان کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر لمحہ اللہ سے التجا کی جائے۔

☆ آپ فرمایا کرتے: پیر آنچہ باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد و چون اس چہنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نہ فرماید۔ یعنی پیر ایسا ہونا چاہیے کہ احکام شریعت و طریقت و حقیقت کا علم رکھتا ہو اور اگر ایسا ہوگا تو وہ خود کسی ناجائز کام کرنے کو نہیں کہے گا۔

☆ بندہ جو بھی اطاعت کرتا ہے، چاہے مالی ہو یا بدنی یا اخلاق پاکیزہ میں سے کوئی خلق ہو تو اس میں سے اگر ایک چیز بھی قبول ہو جائے تو بندے کے سارے کام اس کی پناہ بن جاتے ہیں۔

☆ شیخ المشائخ نے ایک مرتبہ امیر حسن سخبری کو نصیحت کی کہ تمہیں چاہیے کہ ہمیشہ طاعت و عبادت میں مشغول رہو۔ اور ادو وظائف کے پڑھنے میں محنت کرو اور چاہیے کہ مشائخ کی کتاب مطالعہ میں رہے، غرض یہ کہ مشغول رہو اور بیکار نہ رہو۔

حضرت مخدوم شیخ علاء الدین علی احمد صابری کلیری رحمۃ اللہ علیہ

(ولادت ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء، وفات ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء) مقتدرائے طریقت، کشاف دقائق عرفانی مخدوم حضرت علاء الدین احمد صابری کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۱۹ ربیع الاول ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء شب پنجشنبہ بمقام ہرات ہوئی۔ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم عبدالسلام علیہ الرحمہ کی ذات صاحب ولایت تھی۔ اور والدہ ماجدہ بھی ولیہ کاملہ تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ (مرآة الاسرار، ص ۸۵۱)

کتاب حقیقت گلزار صابری سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا نسبی تعلق حضرت

غوث اعظم پیران پیر علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔

حضرت مخدوم کی عمر ابھی پانچ سال بھی نہ ہونے پائی تھی کہ والد گرامی شاہ عبدالرحیم نے ربیع الاول ۵۹۷ھ میں دارفانی سے رحلت کی۔ اس کے بعد حضرت مخدوم پر ایسا استغراق طاری ہوا کہ کامل ایک سال تک کسی سے کلام نہ کیا۔ جب عمر کی ساتویں منزل میں قدم رکھا، والدہ محترمہ شدید عسرت و تنگدستی سے دوچار ہوئیں مگر اپنی خستہ حالی کسی پر ظاہر نہ کرتیں۔ چوتھے یا پانچویں وقت نان خشک میسر آ جاتی۔ انہیں دنوں کی بات ہے، ایک دن حضرت مخدوم نے والدہ محترمہ سے فرمایا، آج بھوک برداشت نہیں ہوتی مجھے کچھ کھلا دیجئے مگر گھر میں کچھ نہیں تھا۔ مخدومہ حد درجہ پریشان ہوئیں۔ فرزند کا اصرار حد سے بڑھا تو تسلی کے لیے دیگی میں پانی ڈال کر رکھ دیا۔ جب حضرت مخدوم کھانا طلب کرتے تو فرماتیں ابھی تیار نہیں ہوا ہے۔ بالآخر بعد مغرب نہایت بے تابی کی حالت میں کہا، اب بھوک برداشت نہیں ہوتی، مجھے کچا ہی کھلا دیجئے، خود دیگی کے پاس گئے اور کہا چاول تیار ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر والدہ کو بہت حیرت ہوئی۔ پاس جا کر دیکھا تو واقعی دیگی میں خوشبودار اور خوش ذائقہ چاول تیار ہے، جسے مخدوم صاحب کو کھلایا پھر حضرت مخدوم شیخ ابوالقاسم گرگانی کو بلا کر کہا: مخدوم صابر اب تعلیم باطنی سے فیضیابی کے قابل ہو چکا ہے اگر مناسب سمجھیں تو اسے حضرت فرید الدین گنج شکر کی بارگاہ میں پہنچادیں۔

**حضرت مخدوم صابر اجودھن میں:**

چنانچہ ایک قافلہ کے ساتھ ۶۰۰ھ میں آپ اجودھن (پاک پٹن) پہنچے۔ والدہ محترمہ نے حضرت مخدوم صابر کو ان کے ماموں حضرت بابا فرید گنج شکر کی گود میں بٹھادیا اور ان پر جذب و کشف کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حضرت بابا فرید نے بلند اختر بھانجے کو سینے سے لگایا اور عالم کیفیت و وجد میں مخدوم صاحب کے لیے ان کی زبان سے یہ کلمات صادر ہوئے۔

مرحبا فرزند علی احمد صابرطن الولیطن الولیطن الولیطن الولی  
تین سال میں آپ نے ظاہری علوم حاصل کیے پھر بابا فرید نے انہیں داخل  
سلسلہ کر لیا اور روحانیت کی تلقین و تربیت کا آغاز کیا۔

**ریاضت و مجاہدہ:**

مرید کرنے کے بعد حضرت بابا صاحب نے خانقاہ عالیہ کے لنگر کی تقسیم پر  
مامور کر دیا۔ صبح و شام لنگر تقسیم کرتے اور خود کچھ نہ کھاتے۔ بقیہ اوقات اپنے حجرہ میں  
مصروف اور ادواشغال رہتے (سیرالاقطاب ص ۶۰۰)  
گلزار صابری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سات سال تک آپ  
نے کچھ نہ کھایا اور تیرہ سال سات ماہ گیارہ دن حضرت نے لنگر تقسیم فرمایا۔

**خلافت اور ولایت دہلی:**

حضرت صابر کلیری نے جب اپنے زہد و صبر اور استغنا کے ذریعہ مقام بلند  
حاصل کر لیا تو حضرت بابا گنج شکر نے اپنے سلسلہ کی خلافت اور خرقہ عطا فرمایا اور  
ولایت دہلی کی سند تحریر فرمائی۔ روانگی کے وقت حکم ہوا ہانسی میں شیخ جمال ہانسوی سے  
سند پر مہر قطبیت ثبت کرا لینا۔ جب ہانسی پہنچے، شیخ جمال نے پر تپاک استقبال کیا۔  
نماز مغرب کے بعد سند ولایت دہلی پیش کی۔ چراغ لایا گیا جو ہوا کے جھونکے سے بجھ  
گیا۔ حضرت صابر نے فوراً چراغ پر پھونکا، چراغ روشن ہو گیا۔ شیخ جمال نے یہ دیکھا  
تو سند کو ان کے ہاتھ سے لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہا ”دہلی بیچاری تمہارے دم  
آتشیں کی تاب نہ لا سکے گی، اگر آپ دہلی جائیں گے، وہ ایک پل میں جل کر خاک ہو  
جائے گی۔“ اس بات سے شیخ صابر جلال میں آگئے اور فرمایا ”تم نے میری سند چاک  
کی ہے۔ میں نے تمہارے سلسلہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔“ وہاں سے واپس کلیر آئے۔

حضرت بابا فرید نے پھر کلیر کی ولایت حضرت صابر کے حوالہ کی، اپنے  
دست مبارک سے فرمان خلافت تحریر فرمایا اور خرقہ مبارک عطا کر کے کلیر کی جانب

روانہ کیا۔ (خزینۃ الاصفیا/۱/۳۱۶ مرآة الاسرار، ص ۸۵۲)

ورود مسعود کلیر:

مرشد کے حکم پر حضرت مخدوم صابر کلیر کی جانب روانہ ہوئے ۱۵/ ذی الحجہ ۱۶۵۰ھ میں شہر کلیر پہنچے۔

قاضی اور حاکم شہر حضرت کی ولایت و امامت کے صریح منکر تھے اور ان کے اثر سے چند افراد کو چھوڑ کر تمام باشندگان شہر جن میں چار سو باون علما بھی شامل تھے، حضرت کے دشمن بن گئے مگر آپ کے رعب و جلال اور ظہور کرامت کی وجہ سے دم مارنا دشوار تھا۔ ۱۰/ محرم ۱۶۵۱ھ بروز جمعہ حضرت مخدوم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز جمعہ کے لیے سب سے پہلے جامع مسجد پہنچے اور امامت کے مصطلیٰ پر بیٹھ گئے، جب حاکم شہر ذموان اور قاضی تبرک علما و مشائخ اور رؤسا کے ساتھ آئے اور تیرہ ہزار عوام مسجد میں جمع ہوئے تو قاضی تبرک حضرت کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا اگر تم مجھے اپنا امام تسلیم کر لو تو خیر ہے۔ ورنہ قیامت تک پشیمان رہو گے اور مغفرت کی بھی کوئی صورت نہ ہوگی۔ قاضی تبرک نے کہا تم بار بار ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ مصطلیٰ چھوڑ دو اور جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ ہمارے پاس بھی تمہارے مقابلہ کے لیے ایک ماہر ساحر ہے جو ایسا سحر کرے گی کہ تم اس سے ہرگز نہ بچ سکو گے، حضرت مخدوم اور ان کے ساتھی وہاں سے اٹھ کر مسجد سے باہر آئے اور جب نماز شروع ہوئی، لوگ رکوع میں گئے حضرت کی مظہر جلال ذات نے مسجد کو حکم دیا تو بھی رکوع کر۔ آن واحد میں پوری مسجد میں بوس ہو گئی اور لوگ زمین کے اندر دھنس گئے۔ پورا شہر رفتہ رفتہ تباہ و برباد ہو گیا۔

عظمت و بزرگی:

صاحب معارج الولایت کا بیان ہے:

”ولایت حضرت صابر کی ولایت موسوی تھی اور قلب حضرت کا قلب اسرافیل پر واقع ہوا تھا۔ خیر و شر میں جو کچھ زبان معجز بیان سے صادر ہوتا، فوراً اس کا

وہیں ظہور ہوتا تھا۔ حضرت اوقات مبارک کو قلندر مشرب اور ابدال و ش گزار تے تھے۔ اول اول آراستگی باطن میں اس قدر مستغرق رہتے کہ اسم ظاہر پر کبھی التفات نہیں کرتے تھے۔ آخر میں کونین سے بالکل بے پرواہ ہو کر مستغرق بحر مشہودات ہو گئے تھے۔ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف آتے تھے۔ ہر وقت ہر لحظہ محو ذات و وحدت رہتے تھے۔ ذات مبارک مظہر جلال صمدیت تھی (بحوالہ انوار صوفیہ ص ۵۰-۴۴۹)

جنگل میں منگل:

شہر کلیر اگرچہ ویران ہو گیا مگر آپ اس خرابہ میں مقیم رہے اور ہر روز حضرت کی زیارت اور فیض باطن سے مستفیض ہونے والوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ دور دراز سے اس قدر ارادت مند حاضر ہوتے کہ یہ جنگل شہر کی آبادی سے بھی زیادہ بارونق معلوم ہوا کرتا تھا۔ یہ ہزار ہا افراد منکر ولایت یا خود غرض نہ ہوتے بلکہ عقیدت کیش اور اولیاء اللہ کی بارگاہوں میں ادب و احترام کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہوا کرتے تھے، جو کلیر کے متکبر باشندوں سے ہزار گونہ افضل و بہتر تھے۔

وصال:

حضرت مخدوم صابر ۱۳ ربیع الاول ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء میں بمقام کلیر شریف سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں رحمت حق سے پیوست ہوئے۔ چونکہ شہر کلیر ویران ہو چکا تھا اور مزار مبارک سے ہر وقت اتنا جلال ظاہر ہوتا تھا کہ کسی کا ٹھہرنا ناممکن تھا، اس لیے خدام مضافات میں جا کر مقیم ہو گئے اور گاہ بگاہ زیارت کے لیے آتے مگر وہاں ٹھہرنے کی کسی کو مجال نہ تھی۔ ہندوؤں نے مقام خالی دیکھا تو آستانہ عالیہ کے قریب دیوی کا مندر تعمیر کیا اور انہوں نے روضہ پاک منہدم کرنے کا ناپاک ارادہ کر لیا۔ ایک دن صحرا سے ایک شیر آیا اور اس نے بہت سے ہندوؤں کو ہلاک کر دیا اور باقی ہندو وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آستانہ دشمنوں سے خالی ہو گیا۔ (خزینۃ الاصفیا/۱/۳۱۸)

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ:

اسم گرامی محمود نصیر الدین، محمود گنج اور چراغ دہلی القاب۔ جد امجد سید شیخ عبداللطیف یزدی خراسان کے باشندہ تھے۔ وہ حسی سید تھے۔ زمانے کی گردش سے تنگ آکر انہوں نے ترک وطن کیا اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ یہیں شیخ نصیر الدین کے والد شیخ یحییٰ پیدا ہوئے جو جوانی میں لاہور سے اودھ آگئے جہاں پشیمینہ کی تجارت اختیار کی۔ کاروبار نے ترقی کی اور وہ شہر کے معزز اور متمول افراد میں شمار کیے جانے لگے۔ اسی شہر میں شیخ نصیر الدین کی ولادت ہوئی۔ بچپن بڑے ناز و نعم میں گزرا لیکن نو سال کے ہوئے تھے کہ والد محترم نے وصال کیا۔

تعلیم و تہذیب:

اب تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آن پڑی جو نہایت پارسا خاتون تھیں۔ صلاح و عصمت میں ان کی نظیر نہ تھی۔ انہوں نے اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی اور اس دور کے اکابر علماء سے اکتساب علم کرنے لگے۔ مولانا عبدالکریم شیروانی سے ہدایہ اور بزدوی پڑھی۔ مولانا شیروانی کے وصال کے بعد مولانا افتخار الدین گیلانی سے تمام علوم و فنون کی تعلیم پائی۔ ظاہری علوم و فنون کی تحصیل کا یہ سلسلہ ۲۵ سال کی عمر تک چلتا رہا۔ تکمیل علوم و فنون کے بعد باطنی علوم و اسرار کے اکتساب کے لیے محاسبہ نفس اور مجاہدہ و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ سات سال تک مسلسل روزے رکھے۔ آبادی سے دور گردونواح کے صحرا و بیابان میں ترک و تجرید کے عمل میں مصروف رہے۔ صرف دو درویشوں کی صحبت اختیار کی تاکہ نماز باجماعت قضا نہ ہو۔ عموماً سنبھالو (ایک قسم کا جنگلی پودا) کے پتوں سے افطار کرتے رہے۔ (سیر العارفین ص ۱۲۶، مونس الارواح ص ۸۱)

محبوب الہی کی خدمت میں:

۴۳ سال کی عمر میں اودھ سے دہلی آئے اور حضرت شیخ المشائخ کی خدمت

میں رہنے لگے۔ جوہر قابل پر شیخ کی نظر کیمیا پڑنے لگی اور ولایت و معرفت کے مدارج طے ہونے لگے۔ بیعت کے بعد مرشد کی خدمت میں رات دن مصروف رہنے لگے اور خانقاہ نظامی میں آپ نصیر الدین محمود گنج کے لقب سے یاد کیے جانے لگے۔ عوام و خواص آپ کے روحانی مراتب کے معترف ہونے لگے۔

شیخ المشائخ کی ہدایت:

شیخ نصیر الدین کے مراتب و ولایت میں جوں جوں ترقی ہوتی گئی، عوام و خواص میں مقبولیت بڑھتی گئی۔ لوگوں کی آمد و رفت اور ملاقاتیں معمولات عبادت میں خلل انداز ہونے لگیں۔ تو حضرت امیر خسرو دہلوی کی معرفت خدمت شیخ المشائخ میں عرض پرداز ہوئے: لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے پورے انہماک کی ساتھ مشغول بحق نہیں ہو سکتا، اگر اجازت ہو تو پہاڑوں یا جنگلوں میں چلا جاؤں، جہاں سکون قلب اور جمعیت خاطر سے خدا کی عبادت کروں۔ حضرت شیخ المشائخ نے خواجہ نصیر الدین کی عرض داشت امیر خسرو کی زبانی سن کر فرمایا:

ان سے کہہ دو کہ تم کو مخلوق کے درمیان ہی رہنا ہوگا اور مخلوق کی بے مروتی اور بے رخی کو برداشت کرنا ہوگا اور اس کا بدلہ سخاوت و ایثار سے دینا ہوگا۔ (سیر الاولیاء ص ۲۳۸) مزید یہ بھی فرمایا:

مختلف افراد مختلف کاموں کے لیے موزوں ہوتے ہیں اس لیے میں کسی سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے ہونٹ کو بھی بند رکھے اور اپنے دروازے کو بھی۔ کسی سے ہدایت کرتا ہوں کہ مریدوں کی تعداد بڑھائے اور کسی کو حکم دیتا ہوں کہ خلق اللہ کے درمیان ہی رہے اور ان کی جفاؤں کو برداشت کرتا رہے اور ان سے حسن سلوک کا معاملہ کرتا رہے۔ یہی مقام انبیا اور اولیا کا ہے۔ (ایضاً ص ۲۳۸)

اس ہدایت کا یہ اثر ہوا کہ شیخ نصیر الدین نے عزلت نشینی کا خیال ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔ وہ شہر دہلی میں مقیم رہے، خلق خدا کی جفائیں سہتے رہے اور ان سے

کریمانہ برتاؤ کرتے رہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے: ”اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا تو مخلوق کے درمیان رہنا، جفا و قضائے خلق گوارہ کرنا تو کہاں کہاں میں اور کہاں یہ شہر، میں کسی بیابان میں روپوش رہتا۔“ (خیر الجالس)

مرشد کی جانشینی:

دہلی میں مستقل سکونت کے دوران حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ میں آپ کا سارا وقت عبادت اور درویشوں کی خدمت میں گزرتا۔ تقویٰ، پرہیزگاری اور خاموش ریاضت کی بدولت آپ نے مرشد کے دل میں وہ جگہ پالی جو ان کے دوسرے مشہور مریدوں کو بھی میسر نہ تھی۔ صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں:

حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے خلفا اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔ دار الحکومت دہلی میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی سربراہی اور محبوب الہی کی جانشینی کے لیے جن صفات کمالیہ کی ضرورت تھی، جب شیخ المشائخ نظام الدین اولیا نے اپنے چہیتے خلیفہ شیخ نصیر الدین محمود میں بدرجہ اتم پالیں تو انہیں اپنا سجادہ نشین بنایا اور انہیں مشائخ سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملے تھے، دم واپسی یہ تبرکات ان کو عطا کر کے دہلی والوں کی جفا و قضا کو صبر و سکون سے برداشت کرنے کی تلقین فرمائی۔

۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو شیخ المشائخ نے دارفانی سے کوچ کیا اور شیخ نصیر الدین ہندوستان میں خانقاہ چشت کے پانچویں سربراہ کی حیثیت سے مسند ارشاد پر جلوہ بار ہوئے اور خانوادہ چشت کے سجادہ پر بیٹھ کر مشائخ چشت کی روحانی عظمت کے تحفظ اور ان کے اصلاحی و تبلیغی کاموں کو آگے بڑھایا۔ صحیح معنوں میں وہ اپنے مرشد کے سچے جانشین تھے۔ سید میر خور د لکھتے ہیں:

”آپ کے ظاہری و باطنی مجاہدات و مشغولیات کا یہ عالم تھا کہ قلم ان کے لکھنے سے قاصر ہے۔ جن لوگوں نے ان کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا، آپ کی شکل ہی سے جو جسم تقویٰ تھے، ان کی عظمت کو بھانپ لیتے تھے۔ اس بزرگ کی زندگی کے

آخری سالوں میں جب وہ اوج کمال پر پہنچ چکے تھے اور وہ روح مجرد بن چکے تھے، ان کی مجلس سے وہ خوشبو آتی جو سلطان المشائخ کی مجلس سے آیا کرتی تھی، جس سے راقم الحروف کے مشام جان نے بھی راحت پائی اور میری پڑمردہ روح کو کوئی تیس پینتیس سال کے لگ بھگ تروتازگی بخشی۔“ (سیر الاولیا، ص ۵۲-۲۵۱)

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ وہ صرف صبر و تحمل سے زمانے کی سختیوں پر غالب نہ آئے بلکہ سلطان محمد تغلق کی پابندیوں کے باوجود انہوں نے سلسلہ نظامیہ کا کام درہم برہم نہ ہونے دیا۔ ارشاد و ہدایت کے کاموں میں وہ اپنے مرشد سے پیچھے نہ رہے۔ حضرت سلطان المشائخ نے ملک کے اطراف و جوانب میں خلفا و مریدین و خواص کو بھیج کر تبلیغ و ہدایت کا جو سلسلہ قائم کیا تھا، آپ نے اسے کافی ترقی دی۔ اپنے خلیفہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کو دکن بھیجا۔ اپنے بھانجے شیخ الاسلام شیخ سراج الدین کو گجرات روانہ کیا۔ ان کے علاوہ دیگر خلفا نے بیعت و ارشاد کی بساط ملک کے دور دراز خطوں میں بچھائی۔

چراغ دہلی کا لقب:

شیخ نصیر الدین نے جس صبر و تحمل اور خلوص و انہماک کے ساتھ نامساعد حالات میں رشد و ہدایت کی اس شمع کو مدھم نہ ہونے دیا، جسے ان کے مرشد حضرت سلطان المشائخ نے روشن کیا تھا۔ عہد محمد تغلق کی اجڑی ہوئی دہلی میں استقامت و عزیمت کی چٹان بن کر جس عزم و راسخ کے ساتھ سلسلے کا کام انجام دیا اور خلق خدا کی رہنمائی و اصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے، اس کی شہرت ہندوستان سے نکل کر عرب تک پہنچ گئی۔ حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور عرصہ دراز تک وہاں کے مشہور و معروف عالم و صوفی شیخ امام عبداللہ یافعی سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ ایک بار امام یافعی نے سید جلال الدین سے فرمایا، اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود



کے اندر موجود ہے۔ ان کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے۔ وہ چراغِ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت جلال الدین کو شیخ نصیر الدین سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور وہ مکہ مکرمہ سے دہلی آئے اور آپ کی قدم بوسی کر کے شیخ مکہ کی گفتگو نقل کی۔ اسی وقت سے شیخ نصیر الدین محمود کا لقب چراغِ دہلی ہو گیا، جس سے انہیں شہرت دوام حاصل ہو گئی۔

### تحفظ شریعت:

حضرت شیخ نصیر الدین بڑے متحر عالم تھے۔ انہوں نے پوری زندگی خدمتِ علم، تبلیغِ دین اور پاس شریعت میں بسر کی۔ آپ طریقت کے ساتھ تحفظ شریعت میں ممتاز تھے صوفیا کی حمایت میں ایسے لوگ بکثرت پائے جاتے تھے، جن پر ذوق و شوق کا غلبہ رہتا تھا اور اس غلبہ جذب کی وجہ سے ان سے ایسے امور بھی صادر ہوتے جو بظاہر نامناسب معلوم ہوتے ہیں لیکن چراغِ دہلی نے وجدانی کیفیت کو شریعت کے دائرے سے نکلنے کا موقع نہ دیا۔ ان کا ہر قدم قانونِ شرع کی پابندی میں اٹھتا اور ہر عمل اتباعِ رسول کا مظہر ہوتا۔ شریعت کے حدود سے سرمو تجاوز برداشت نہ تھا سماع جو مشائخِ چشت کے نزدیک مباح ہے مگر اس بات میں حضرت شیخ نے شرعی نزاکتوں کا ہمیشہ خیال رکھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ:

”ایک دن آپ کے کسی پیر بھائی کے ہاں مجلس تھی۔ جب مزامیر کے ساتھ سماع شروع ہوا تو آپ اسی وقت اٹھ کر وہاں سے چل دیئے۔ دوستوں نے روکنا چاہا تو فرمایا یہ امر خلاف سنت ہے۔ سماع کے دلدادوں نے کہا، کیا سماع کے منکر ہو گئے ہو اور اپنے پیروں کا مشرب ترک کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی حجت نہیں ہے۔ دلیل کتاب و سنت سے ہونی چاہیے۔ بعض لوگوں نے یہ ماجرا حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا سے بیان کیا۔ وہ اپنے مریدین کی نیک نفسی اور صدق سے واقف تھے۔ انہوں نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں۔ اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں۔ (اخبار

الاخبار، ص ۱۵۰)۔

شیخ نظام الدین کی مجلس سماع میں مزامیر نہ ہوتے تھے اور نہ تالی بجائی جاتی تھی۔ اگر یاروں میں سے کوئی خبر کرتا کہ فلاں مزامیر سنتا ہے تو منع فرماتے کہ اچھا نہیں کرتا۔ خیر المجالس میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ کسی عزیز نے شیخ نصیر الدین کی خدمت میں عرض کیا کہ مجلس میں مزامیر، دف، نے (بانسری) اور رباب کے ساتھ صوفیوں کا رقص کرنا کس طرح روا ہے؟ شیخ نے فرمایا: مزامیر بالا جماع مباح نہیں ہے۔ اگر کوئی طریقت سے گئے شریعت میں رہے اگر شریعت سے بھی گرجائے تو کہاں رہے گا اور تو اور سماع ہی میں اختلاف ہے۔ علما کے نزدیک اہل سماع کے لیے بہت سی شرطوں کے ساتھ مباح ہے، لیکن مزامیر تو بالا جماع حرام ہے۔ (اخبار الاخبار ص ۵۱-۱۵۰)

### تر بیت روحانی:

شیخ نصیر الدین کا اندازِ تربیت بڑا موثر ہوتا تھا۔ ان کے ارشادات دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے۔ ایک دن اپنے ارادت کیشوں سے فرمایا:

اے دوستو! لباسِ درویشی کے حق کا لحاظ رکھو تا کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندہ نہ ہو۔ اس درویشی کے حق کی حفاظت یہ ہے کہ گندم نما جو فروش نہ بنو۔ جفا برداشت کرو اور وفا کرو۔ (سیر العارفین ص ۱۲۸)

ایک شخص نے عرض کیا: فقیروں کا کیا حال ہے اور کیوں ہے؟ ارشاد فرمایا:

حال نیچے صحبتِ اعمال ہے اور عمل دو قسم پر ہوتا ہے۔ عمل جو ارح معلوم ہے اور عمل قلب جسے مراقبہ کہتے ہیں۔

صاحب سیر الاولیاء میر خوردر کرمانی تحریر فرماتے ہیں: ایک دن میں بادشاہ دین (نصیر الدین) کی بارگاہ میں حاضر تھا اور مشاہدہ جمالِ شیخ میں مشغول تھا۔ اسی اثنا میں آپ نے مجھے تربیت کرتے ہوئے کہا کہ آدمی کا نفس ایک درخت کی مانند ہے جو نفسیاتی خواہشات کی مدد سے آپ کی ذات میں جڑ پکڑ جاتا ہے اور مضبوط ہوتا جاتا

ہے۔ اگر انسان بتدریج مسلسل عبادت و تقویٰ اور عشق و محبت کی طاقت سے ہر روز اس درخت کو ہلاتا رہے تو اس کی جڑیں کھوکھلی ہوتی جاتی ہیں پھر اس کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔ ان کی یہ دلنشین تقریر میرے دل میں موثر ثابت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اولیائے کرام جو نصیحت کرتے ہیں، وہ حق پر مبنی ہوتی ہے۔ چونکہ وہ شیطان اور نفس امارہ کو مسخر کر لیتے ہیں اور اپنے باطن سے دشمنوں کو بالکل باہر نکال دیتے ہیں وہ خدا کے ہو جاتے ہیں اور ماسوا اللہ سے بیزار ہوتے ہیں۔ اسی بلند مقام سے نصیحت کرتے ہیں، لہذا اس میں تاثیر ہوتی ہے۔ (سیرالاولیاء ص ۲۵۲)

### ارشادات:

☆ سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے تاکہ مرشد طریقت ذکر و فکر کی تعلیم دے سکیں۔ جہاں ایک سالک کو وقفہ عارضہ ہو، وہاں مرشد دستگیری کرے۔

☆ محبت کی دو قسمیں ہیں: محبت ذات، محبت صفات۔ محبت ذات وہی ہے اور محبت صفات کسبی ہے۔ ابتدا میں سالک کو خلق، دنیا، نفس، شیطان، جادہ محبت سے گمراہ کرتے ہیں۔ خلق سے پرہیز کے لیے عزت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لیے قناعت پسندی اور نفس و شیطان سے بچنے کے لیے عبادت ضروری ہے۔ خاص محبت یہ ہے کہ دوست کے لیے دنیا کی ہر چیز ایثار کر دے اور محبت میں صادق وہی ہے کہ اسے کاٹ کر اگر ریزہ ریزہ کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم رہے گا۔ (مفتاح العاشقین)

### وصال:

۱۸ رمضان المبارک ۱۵۷۷ھ شب جمعہ علم و فضل زہد و تقویٰ کے اس پیکر نورانی نے رحلت فرمائی۔

امام العارفین قدوة السالکین حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ:

اسم گرامی سید محمد، کنیت ابو الفتح، القاب صدر الدین، الولی الاکبر، الصادق ہیں۔

سلسلہ نسب یہ ہے: سید محمد حسینی بن سید یوسف بن سید علی بن سید محمد بن سید یوسف بن سید حسن بن سید محمد بن سید علی بن سید حمزہ بن سید داؤد بن سید زید بن سید ابوالحسن جنیدی بن سید حسین بن سید ابو عبد اللہ بن سید محمد بن سید عمر بن سید یحییٰ بن سید حسین بن سید زید شہید بن امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین شہید کربلا بن سیدنا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (سید محمد ص ۱۲)

آپ کے جد اعلیٰ ابوالحسن جنیدی رحمۃ اللہ علیہ ہرات سے دہلی تشریف لائے۔ یہیں قیام فرمایا، جہاد میں شرکت فرمائی اور شہید ہوئے۔ والد گرامی سید یوسف حسین عرف راجہ، سلطان المشائخ کے مرید اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے عقیدت مندوں میں تھے۔ آپ کا شمار شرفائے دہلی میں ہوتا تھا۔ خواجہ بندہ نواز کی ولادت ۳۲۱ھ کو دہلی میں ہوئی۔ سلطان محمد تغلق نے دیوگری دولت آباد کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور تمام عمائدین شہر، عوام و خواص کو دہلی چھوڑ کر دولت آباد منتقل ہونے کا جبری فرمان جاری کیا تو سید یوسف حسین بھی دہلی سے دولت آباد آگئے اور چند سال بعد وہیں ۵۳۱ھ میں وفات پائی، مزار خلد آباد میں ہے۔ والد کے وصال کے وقت حضرت بندہ نواز کی عمر دس سال تین ماہ، ایک روز کی تھی۔ تعلیم و تربیت کا بوجھ والدہ ماجدہ بی بی رانی کے سر پر آیا۔ انہوں نے درپتیم کی تعلیم و تربیت پر جی لگا کر کوشش کی۔ آپ نے قرآن مجید حفظ کیا پھر مروجہ نصاب کے مطابق صرف و نحو، تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول فقہ کی کتابیں پڑھیں۔

بچپن ہی سے گھر میں نانا اور والد کی زبانی حضرت شیخ المشائخ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے روحانی کمالات سے آپ کے کان آشنا ہونے لگے تھے اور ان بزرگوں سے عقیدت و محبت کا چراغ دل میں روشن ہو گیا تھا۔

نہ تھا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

جب عمر پندرہ سال کی ہوئی، آپ کے ماموں ملک الامراء سید ابراہیم،

بادشاہ کے ایک جلیل القدر مقرب خاص تھے۔ ان سے آپ کی والدہ کا سخت اختلاف ہو گیا۔ بہن نے دولت آباد چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اپنے دو بیٹوں سید حسن اور سید محمد کو ساتھ لے کر دہلی آ گئیں۔

**بیعت:**

دہلی پہنچ کر حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ کی خانقاہ مرجع خاص و عام بنی ہوئی تھی۔ آپ کا آستانہ طالبان حق کے لیے بجا و ماوا تھا اور دہلی آپ کے رشد و ہدایت کا مرکز تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن نماز کے لیے اپنے بھائی کے ساتھ گئے۔ حضرت چراغ دہلی بھی وہاں موجود تھے۔ نظر پڑتے ہی دل چیخ اٹھا کہ ۔

تو محبوب جانی و جان جہانی فدائے تو صد عمر و صد زندگانی

نماز جمعہ کے بعد دونوں بھائی حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس طرح برسوں کی خواہش پوری ہوئی اور مرشد کامل کی تعلیم و تربیت سے مستفید ہونے کا موقع میسر آیا۔ بڑے بھائی سید حسین نے دنیاوی کاروبار سے علاقہ رکھا مگر آپ ہمہ تن تصوف و سلوک کی طرف مائل ہو کر چراغ دہلوی کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے اور سلوک و معرفت کا آغاز فرمایا۔ مرشد نے حکم دیا: اشراق اور چاشت کی نمازوں کی پابندی کی جائے اور جب و شعبان کے روزے پورے کیے جائیں۔ سلسلہ درس علوم ظاہری جاری رہے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں مولانا شرف الدین کتلی، مولانا تاج الدین بہادر اور قاضی رکن الدین الشریجی اور بعض دوسرے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ درمیان میں معرفت کا شوق غالب آتا تو تعلیم چھوڑنے کا ارادہ کرتے مگر مرشد برحق کی سخت تاکید تھی کہ علوم ظاہری کی تکمیل ناگزیر ہے۔ چنانچہ آپ پورے انہماک کے ساتھ طلب علم میں لگ گئے اور ۱۹ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔

آپ کے فیض علم سے دنیا و دین کے کام آراستہ ہوئے و کان امر اللہ قدراً مقدوراً پھر تمام تر ریاضت و مجاہدات و اشغال باطنہ میں مصروف و منہمک ہو گئے۔ اس راہ میں انہوں نے کونین کو پس پشت کر ڈال کر جو مجاہدے کیے، وہ بس انہیں کا حق تھا۔

حضرت شیخ سے اپنی کیفیات باطنہ کا ذکر کیا تو فرمایا ”بعد از ہفتاد سال کودے مرا از سر شورانیدہ است و واقعات سابق مرایا دہاندہ۔“ جذب و سکر کی حالت میں بستی چھوڑ کر جنگل کی راہ لی اور کئی دن صحرا نوردی میں گزرے۔ زبان پر تھا ۔ مصلحت نیست مرا سیری ازیں آب حیات ضاعف اللہ بہ گل زمان عطشی شیخ نصیر الدین کی تربیت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت بندہ نواز ارشاد فرماتے ہیں:

”حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے مجھ سے پوچھا: صبح کی نماز کے لیے جو وضو کرتے ہو، وہ بعد طلوع آفتاب باقی رہتا ہے؟ میں نے عرض کیا صدقہً خواجہ باقی رہتا ہے۔ فرمایا اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ اشراق پڑھ لیا کرو۔ میں عرض کی جی بہت خوب۔ پھر فرمایا کہ دوگانہ شکر النہار و استخارہ و استعاذہ بھی پڑھ لیا کرو۔ جب ۱۵ روز اس کی پابندی رہی تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس میں نماز چاشت کی چار رکعتیں ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔ میں نہیں کہتا کہ دوسرے کسی وقت پڑھو، بعد اشراق اسی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جائے گی۔ میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا۔ آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو۔ میں عرض کیا جی ہاں۔ استفسار فرمایا کہ شعبان میں بھی؟ میں نے گزارش کی کہ شعبان میں نوروزے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو تمہارے پورے تین ماہ کے روزے پورے ہو جایا کریں گے۔ میں رمضان کے بعد شش عید کے روزے بھی رکھا کرتا تھا۔ انہیں ایام میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ ہمارے خواجگان صوم داؤدی نہیں رکھا کرتے تھے بلکہ صوم دوام رکھا

کرتے تھے تم بھی صوم دوام رکھا کرو۔ (جوامع الکلم ۳۰ رجب ۸۰۲ھ)  
مرشد برحق کی تجریدی ہدایتوں پر عمل کر کے حضرت بندہ نواز نے سلوک و معرفت کی منزلیں طے کر لیں اور عشق الہی آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گیا اور ہمیشہ جام وحدت سے سرشار رہنے لگے۔

من مست مئے عشقم ہشیار نہ خواہم شد  
من خفتہ بمعشوقم بیدار نہ خواہم شد  
خود مرشد برحق کو آپ کے علوم مرتبت کا اعتراف تھا اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ وہ اپنے چند خاص مریدوں کو لے کر حظیرہ شیر خاں تشریف لے گئے، جہاں بندہ نواز مقیم تھے اور حاضرین کی موجودگی میں چند روپے خواجہ کے سامنے رکھ کر ارشاد فرمایا ”ایں نذر ماست برائے سید محمد“۔ خود شیخ طریقت مرید کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور نذرانہ پیش کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرشد برحق کے دل میں اپنے مرید صادق کی جو عظمت تھی اسے لوگوں پر واضح فرمایا اور یہ واقعہ اس امر کی غمازی بھی کر رہا ہے کہ شیخ کی نظر میں ان کی جانشینی کی اہلیت بندہ نواز کے اندر موجود ہے۔

### مرشد کی جانشینی:

حضرت شیخ نصیر الدین نے مرض الموت میں حضرت بندہ نواز کو اپنی گلیم خاص عطا کی اور فرمایا: سید محمد اسے قبول کرو۔ آپ نے قبول فرمایا تو دو وصیتیں فرمائیں (۱) اپنے ظاہری اور ادوکر ترک نہ کرنا (۲) میرے متعلقین کے ساتھ رعایت ملحوظ رکھنا۔

حضرت چراغ دہلی کی عمر شریف بیاسی برس ہو چکی تھی۔ ۱۵/۱۵ رمضان المبارک ۵۷۷ھ کو مزاج ناساز ہوا۔ مرض نے شدت اختیار کی تو یاران طریقت میں سے کسی نے عرض کی کہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت شیخ کے بعض تربیت یافتہ مقامات عالیہ پر فائز ہیں اور صاحب کشف و تجلی ہیں، مناسب ہے کہ ان میں سے کسی کو جانشینی کے لیے نامزد فرمایا جائے۔ چنانچہ حضرت کے حکم سے مولانا زین الدین

نے چند منتخب اور سربر آوردہ متوسلین کے ناموں کی فہرست ملاحظہ عالیہ میں پیش کی۔ اس فہرست کو دیکھ کر فرمایا ”چہ سنگے و کلوئے بستہ آوردید، ایشان را بگوئید کہ غم ایمان خود بخورند“۔

مولانا زین الدین نے تمام نام بدل کر دوسری فہرست پیش کی۔ دونوں فہرستوں میں خواجہ بندہ نواز کا نام شامل نہ تھا۔ دوسری فہرست دیکھ کر فرمایا ”نام سید نہ نبشتید؟“ یہ عتاب آمیز جملہ سن کر حاضرین کانپ اٹھے اور فوراً حضرت خواجہ کا نام شامل کر کے تیسری مرتبہ فہرست پیش کی۔ فہرست لے کر خود اپنے دست مبارک سے ہمارے خواجہ کے اسم گرامی پر حکم صادر فرمایا (سیر محمدی، ص ۲۰)

۱۸/۱۵ رمضان ۷۵۷ھ کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے رحلت فرمائی۔ حضرت خواجہ نے غسل دیا اور اس طرح اپنے شیخ کی آخری خدمت انجام دی۔ زیارت سوم کے بعد آپ سجادہ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے اور حضرت شیخ چراغ دہلی کے خلیفہ راست کی حیثیت سے خلق خدا کی رشد و ہدایت کے عظیم الشان کام کا آغاز فرمایا۔ (ایضاً)

### قیام گلبرگہ:

ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں چوالیس سال تک حضرت بندہ نواز نے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مشائخ چشت کے طریقہ ارشاد و تبلیغ اور تزکیہ نفوس کا مہتمم بالشان کارنامہ انجام دیتے رہے، پھر ۸۰۱ھ میں آپ نے دکن کا رخ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تیمور لنگ تاخت و تاراج کرنے کے لیے دہلی میں داخل ہو رہا تھا اور پورا نظام درہم برہم ہو رہا تھا۔ آپ تمام اہل خانہ کو ساتھ لے کر گوالیار پہنچے، جہاں شیخ علاء الدین کے مکان پر ٹھہرے۔ وہاں سے بھاندر آئے۔ بھاندر میں بہت سے عوام و خواص آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ وہاں سے ایلچہ آئے تو عوام و خواص علماء و امراء نے پرتیاک خیر مقدم

کیا۔ وہاں سے چھترہ تشریف لائے، جہاں بہت سے لوگ مرید ہوئے۔ پھر آپ چندیری پہنچے۔ مفتی چندیری کے صاحبزادے قاضی خواجگی اور دوسرے لوگ بیعت ہوئے۔ وہاں سے بڑودہ ہمبات ہوتے ہوئے دولت آباد پہنچے، وہاں سے دکن کے پایہ تخت احسن آباد گلبرگہ کا قصد فرمایا۔ سلطان فیروز شاہ استقبال کے لیے شہر سے باہر آیا اور قدم بوسی کی اور عرض کی حضور گلبرگہ ہی میں مستقل قیام فرمائیے۔ درخواست قبول ہوئی اور آپ نے گلبرگہ میں قیام فرمایا۔ گلبرگہ میں تقریباً بائیس سال تک رشد و ہدایت، بیعت و تلقین، خدمت خلق اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی شخصیت کے اثرات پورے دکن پر پڑے اور یہاں تصوف و روحانیت کا ذوق عام ہوا۔ مولانا سامانی تحریر فرماتے ہیں:

”بیشتر علما و صلحا و ملوک و خواتین و اصناف خلق برایشاں پیوستند“

امام دین کے ازوتازہ شد سامانی زامروئی وے آفاق شد نورانی (سیر محمدی)  
شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

آپ سیادت اور علم و ولایت کے جامع اور بڑے رفیع الدرجہ، عظیم البرکت اور قادر الکلام بزرگ تھے۔ آپ مشائخ چشت کا طریقہ رکھتے تھے اور اسرار طریقت میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ (اخبار الاخیار، ص ۲۸۵)

وصال:

حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی عمر شریف جب ۱۰۵ سال ۴ ماہ ۱۲ روز کی ہوئی تو بتاریخ ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ بروز دوشنبہ اشراق و چاشت کے وقت کے درمیان وصال فرمایا۔ مزار پاک گلبرگہ شریف میں مرجع خلایق ہے۔

جوامع الکلم آپ کے ارشادات عالیہ کا مجموعہ ہے جو طالبان طریقت کے لیے نسخہ کیمیا کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

جوامع الکلم:

جس طرح اللہ کا ذکر اللہ کا حکم اور فرمودات کا بجالانا فرض ہے، اسی طرح پیر کے احکام اور ہدایت کو بھی سمجھنا چاہیے۔ جیسے اللہ کا فریضہ کسی عذر اور سبب کے بنا پر فوت نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح پیر کی ہدایات اور احکام نظر انداز نہیں کیے جاسکتے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے بندے کو کسی نبی کے واسطے کے بغیر ہدایت فرمائے لیکن اس کا طریقہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ ہر قوم کے لیے انہیں میں سے کسی کو نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے تاکہ وہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچادیں۔ یہی حال مشائخ، صوفیا اور پیروں کا ہے کہ وہ اللہ و رسول کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلا تے ہیں اور اس کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ (جوامع الکلم ۱۸/رمضان المبارک ۸۰۲ھ)

قدوة الکبریٰ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ:

(ولادت ۷۰۹ھ - وفات ۸۰۸ھ)

آپ کا اسم گرامی اشرف، لقب جہانگیر ہے۔ آپ کے والد سلطان ابراہیم کے یہاں مسلسل دو تین پچیاں ہی پیدا ہوئیں، کوئی اولاد زینہ نہ ہوئی جس کی وجہ سے آپ متفکر رہنے لگے۔ ایک دن سلطان کے محل میں اچانک مشہور مجذوب ابراہیم داخل ہوئے اور فرمایا بیٹے کی خواہش رکھتے ہو؟ سلطان نے عرض کیا جو عنایت ہو تو مہربانی ہوگی۔ مجذوب نے کہا تیرے یہاں عجوبہ روزگار لڑکا ہوگا مگر اس کی قیمت ہزار اشرفی ہے۔ سلطان نے اسی وقت ایک ہزار اشرفیاں آپ کے قدموں میں ڈال دیں۔ مجذوب خوش ہوئے اور واپس لوٹے۔

اس پیش گوئی کے بعد آپ کی ولادت ایک اندازہ کے مطابق ۷۰۹ھ اور ۱۲ھ کے درمیان سمنان کے قصر شاہی میں ہوئی۔ اسی دن مجذوب قصر شاہی میں تشریف لائے، فرمایا: اس لڑکے کی اچھی تربیت کرنا، یہ ایک امانت ہے جو پروردگار عالم نے تمہیں عطا فرمائی ہے۔

## تخت نشینی:

سلطان ابراہیم کی وفات کے بعد ۱۵ سال کی عمر میں آپ کو سلطنت سمنان کا تاجدار بنا دیا گیا۔ آپ نے اپنے زمانے اقتدار میں عدل و انصاف کی درخشاں یادگاریں قائم کیں۔

ترک حکومت اور سفر ہند:

ماہ رمضان کی ۲۷ ویں شب کو آپ بیدار تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا سلطنت الہی چاہتے ہو تو یہ دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ، تمہارے پیرومرشد شیخ علاء الدین وہاں ہیں۔ (مرآة الاسرار ص ۱۰۴)

۲۳ سال کی عمر میں ولایت سمنان کے تاجدار نے دنیاوی اقتدار کو ترک کر کے اقلیم روحانیت کی خسروی کے لیے شہر سمنان سے غربت کے دیار کی طرف قدم بڑھایا۔ روانگی سمنان سے لے کر منزل مقصود پر پہنچنے تک خضر علیہ السلام نے سترہ بار شیخ علاء الحق والدین کو خبر کی اور بتایا کہ شہر سمنان سے ایک شہباز پرواز کر چکا ہے اور تمام مشائخ وقت نے اپنے جال بچھا دیے لیکن میں اسے تمہارے پاس لا رہا ہوں۔ حضرت سید اشرف جب پنڈوہ پہنچے تو شیخ علاء الدین قیلوہ فرما رہے تھے۔ اٹھ بیٹھے اور فرمایا بوائے یاری آید۔ آپ استقبال کے لیے ایک کوس باہر گئے۔ حضرت سید اشرف کی نظر شیخ علاء الدین کے رخ زیا پر پڑی تو دوڑ پڑے اور قدموں پر گر پڑے۔ شیخ نے والہانہ انداز سے اٹھا کر سینے سے لگایا اور فرمایا۔

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے بہ امیدے رسد امیدارے

مرشد برحق نے اپنے خلیفہ خاص کی ہر طرح روحانی تربیت فرمادی اور سلوک کے مدارج طے کرادیے تو جون پور کی ولایت تفویض فرمائی اور مکان سکونت کچھوچھو شریف میں متعین فرمایا۔

## تبلیغ دین اور اشاعت حق:

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر نے کچھوچھو شریف میں قیام کے دوران گردونواح بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں دور دور تک دین حق کی اشاعت اور مسلمانوں میں تزکیہ باطن کے لیے سفر کئے۔ آپ کے یہ اسفار محض اشاعت حق اور تبلیغ دین کے لیے تھے، جس کے خوشگوار اثرات ہر طرف قائم ہوئے۔ آپ نے اجودھیا کا سفر کیا تو وہاں کے امرا اور ارباب ثروت داخل سلسلہ ہوئے۔ اودھ میں نواب سیف خاں کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ وہ تربیت پا کر صوری و معنوی اوصاف سے متصف ہوئے۔ حضرت نے ان کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ ردولی تشریف لے گئے تو صفی الدین سیفی اور شیخ سماء الدین صحبت خاص سے فیض یاب ہوئے۔

صاحب مرآة الاسرار کے مطابق بنارس کے چند ہندو علمائے آپ سے مباحثہ کیا تو آپ نے ایک بت کو زندہ کر دیا اور بت نے فوراً کلمہ توحید پڑھا۔ یہ دیکھ کر ایک لاکھ ہندو مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت مخدوم اشرف نے سلاطین و امرا کی تربیت و اصلاح کے لیے بھی سعی بلوغ فرمائی۔ گلبرگہ، بہرائچ، اوج، گجرات کے سفر کیے۔ حضرت مخدوم اشرف نے متعدد بار بیرون ہند کے سفر بھی کیے۔ حرین شریفین، شام، روم، مصر، ایران گئے اور ان اسفار میں علما، صوفیا اور مشائخ عظام سے کسب فیض فرمایا اور طالبان حق کی رہنمائی کے فرائض بھی انجام دیے۔

## وصال:

۲۷ محرم الحرام ۸۰۸ھ یا ۸۰۹ھ تاریخ وصال ہے۔ مزار مقدس روح آباد کچھوچھو شریف میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

## علم و فضل:

حضرت مخدوم اشرف علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے۔ معقولات و منقولات

کے بھر عالم تھے۔ جب علمی مسائل پر گفتگو فرماتے تو اس میں بڑی گہرائی ہوتی۔ صوفیانہ رموز و نکات بیان کرنے میں عالمانہ انداز و اسلوب اختیار فرماتے تھے۔ علم شریعت کو خاص اہمیت دیتے اور طریقت کے ساتھ شریعت کی مطابقت بھی ضروری سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے اولیاء فانی اللہ اور بقا باللہ کے مرتبہ پر نہیں پہنچتے، جب تک کہ وہ پیشوائے قوافل اصفیاء، مقتدائے طوائف اولیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا ظاہراً باطناً قولاً وفعلاً اعتقاداً کامل اتباع و پیروی نہ کریں۔

پروفیسر حامد حسن قادری نے حضرت مخدوم اشرف کو اردو کا سب سے پہلا مصنف قرار دیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اردو میں ایک رسالہ اخلاق و تصوف ۱۳۰۸ء میں تصنیف کیا۔ نثر اردو میں اس سے پہلے کوئی کتاب ثابت نہیں۔ اب تک ارباب تحقیق متفق الرائے تھے کہ شمالی ہند میں اٹھارھویں صدی عیسوی سے قبل تصنیف و تالیف اردو نثر کا کوئی وجود نہ تھا۔ یہ فخر دکن کو حاصل ہے کہ وہاں شمالی ہند سے چار سو برس پہلے اردو تصانیف کا آغاز ہوا۔ اب سید اشرف جہانگیر کے رسالہ تصوف کی دریافت سے، وہ نظریہ باطل ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ دکن میں اردو زبان کی بنیاد پڑنے سے پہلے شمالی ہند میں امیر خسرو اور سید اشرف جہانگیر نے نظم و نثر دونوں کی بنیاد ڈال دی تھی۔

### تعلیمات و ارشادات:

حضرت مخدوم اشرف کی زندگی کا مقصد تبلیغ دین، تزکیہ نفوس اور اصلاح حال تھا۔ ان کا دائرہ کار صرف عوام علما صوفیا اور طالبان حق تک محدود نہ تھا بلکہ اپنا مشن امر و سلاطین اور ارباب ثروت کے روبرو بھی بیان فرماتے۔ وہ اس حقیقت سے خوب واقف تھے کہ امر و سلاطین کی اصلاح پورے سماج پر اثر انداز ہوتی ہے۔

وہ سلاطین و امرا سے تعلقات کے مخالف نہیں لیکن فرمایا ہے کہ کوئی درویش سلاطین و امرا سے حظ نفسانی اور شہوت نفسانی کی غرض سے جاتا ہے تو وہ درویش

نہیں۔ درویش کو بہر حال متوکل علی اللہ ہونا چاہیے۔ وہ حکمراں طبقہ کے ظاہری و باطنی اخلاق سنوارنے میں مسلسل جدوجہد فرماتے رہے۔

☆ ایک بار فرمایا: جہاں داری اور شہریاری کو چار چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے: سلاطین کا لذائذ دنیا میں مستغرق ہو جانا، اپنے مقررین کے ساتھ بد خلقی سے پیش آنا، سزا دینے میں زیادتی کرنا، رعیت پر ظلم کرنا۔

☆ بادشاہ اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اشراق تک وظیفہ پڑھیں پھر علما و صلحا کے ساتھ صحبت رکھیں اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل و انصاف کے متعلق قرآن کی آیتوں کے مطالب پوچھیں۔ اسی جگہ وزیروں کو بلا لیں۔ یہ لوگ فوجیوں کی معروضات پیش کریں، ان کا مناسب جواب دیں، ہر شخص کے مدعا کو پورا کریں، اس کے بعد دربار عام ہو جس میں رعایا اور مسلمانوں کے مقدمات پیش ہوں اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو۔

☆ کسب روزی کے ساتھ ضروری ہے کہ سالک میں سخاوت، جود و ایثار ہو۔ وہ اپنے مال میں سے تھوڑا سا کسی کو دے دیتا ہو اور تھوڑا سا رکھ لیتا ہو تو وہ سخی ہے لیکن اگر کچھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ جواد ہے اور سب کچھ دے کر اپنے اوپر تکلیف اٹھاتا ہو تو وہ صاحب ایثار ہے۔

☆ زندہ رہنے کے لیے کھانا فرض ہے۔ خداوند تعالیٰ کی عبادت اور کسب معاش کے لیے کھانا سنت ہے۔ سیر ہو کر کھانا مباح ہے لیکن سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۸۶)

## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ سلسلہ

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی

سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلا ہندوستانی مجدد اسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ملک ہندوستان میں آپ کے قدم رنجہ فرمانے کے بعد اسلام بہت تیزی سے پھیلا بڑھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیدنا غریب نواز نور اللہ مرقدہ کا ”شجرہ طریقت“ اس طرح تحریر فرمایا ہے:

”خواجہ معین الدین حسن السنجری عن خواجہ عثمان الہارونی عن الحاج شریف الزندی عن خواجہ قطب الدین مودود چشتی عن ابیہ خواجہ ابی احمد چشتی عن ابی اسحق الشامی عن الشیخ علوالدنیوری عن خواجہ ہبیرۃ البصری عن خواجہ حذیفۃ المرعشی عن السلطان ابراہیم بن ادہم اللخمی عن الشیخ فضیل بن عیاض عن الشیخ عبدالواحد بن زید عن الحسن البصری عن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ“ [شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: انتباہ فی سلاسل اولیا اللہ مطبع مجتہائی دہلی ص ۸۷]

اس شجرہ طریقت میں حضرت خواجہ غریب نواز کے بعد سیدنا مولانا علی کرم اللہ وجہہ تک ۱۳ واسطے ہیں۔ سلسلہ چشتیہ بہشتیہ میں حضرت عثمان ہارونی قدس سرہ سے سرکار مولانا علی رضی اللہ عنہ تک ۱۲ واسطے ہیں اور اس میں حضرت حاجی شریف زندی قدس سرہ کا نام نہیں شامل ہے اور بھی چند ناموں میں اختلاف ہے۔

حضرت شیخ المشائخ اشرفی میاں علیہ الرحمہ والرضوان کے سلسلہ ”اشرفیہ چشتیہ“ میں حضرت ابی اسحق الشامی، حضرت الشیخ علوالدنیوری وغیرہ کے اسماء نہیں شامل ہیں اور سیدنا ہارونی نور اللہ مرقدہ سے لے کر سرکار علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک ۱۳ واسطے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) خواجہ عثمان ہارونی (۲) خواجہ حاجی شریف زندی (۳) خواجہ قطب الدین مودود چشتی (۴) خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی (۵) خواجہ ابو محمد چشتی (۶) خواجہ ابو احمد ابدال چشتی (۷) خواجہ امین الدین ہبیرۃ البصری (۸) خواجہ حذیفۃ المرعشی (۹) خواجہ سلطان ابراہیم بن ادہم (۱۰) خواجہ فضیل بن عیاض (۱۱) خواجہ عبدالواحد بن زید (۱۲) خواجہ حسن بصری (۱۳) سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم:

مولائے کائنات باب العلم سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ذات گرامی ان گنت کمالات و اوصاف کی جامع ہے۔ آپ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد، خاتون جنت سیدہ فاطمہ کے شوہر نامدار، حسنین کریمین کے والد بزرگوار ہیں۔ آپ فاتح خیبر، شیر خدا، علم و فضل، فصاحت و بلاغت، دانائی و حکمت اور سخاوت و شجاعت میں یکتا تھے۔

آپ کا اسم مبارک علی، کنیت ابوالحسن اور ابو تراب ہے۔ کعبۃ اللہ میں آپ کی ولادت عام الفیل سنہ ۳۰ میں ہوئی۔ آپ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے صاحبزادے ہیں۔ نو عمر لوگوں میں سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ شب ہجرت سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثنا کے بستر مبارک پر آپ ہی کو لیٹنے کا شرف حاصل ہوا۔ [مشکوٰۃ شریف]

سرکار مولانا علی نے خیبر کی جنگ میں بے مثال شجاعت و طاقت کا مظاہرہ فرمایا اور دروازہ خیبر کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ آپ چوتھے اسلامی خلیفہ ہیں۔ آپ سے بیٹا کرکرامتوں کا صدور ہوا ہے اور حق یہ ہے کہ ولایت و کرامت آپ ہی کے در اقدس سے تقسیم ہوتی ہیں۔ سلسلہ قادریہ و سلسلہ چشتیہ کے آپ سرخیل ہیں۔

شہادت:

۱۷/رمضان المبارک کو ابن ملجم خبیث نے آپ پر وار کر کے شدید زخمی کیا۔



تین روز تک آپ زخمی حالت میں بقید حیات رہے اور ۲۱ رمضان المبارک شب یکشنبہ پردہ فرمایا۔

مزار مبارک:

آپ کے مزار اقدس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ اکثریت کے مطابق ”نجف اشرف“ ملک عراق میں آپ کا مزار پاک ہے۔

حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

مصنف تذکرۃ الاولیاء کے مطابق آپ کا نام ”حسن“ سیدنا امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے رکھا تھا کیونکہ آپ بہت ہی خوبصورت تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیت تھیں اور آپ نے ان کا بھی دودھ پیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دن آپ نے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے پانی پی لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر سیدہ ام المؤمنین نے بتایا کہ حسن نے پانی پیا فرمایا: جس قدر پانی اس نے پیا ہے، اس قدر میرا علم اس میں اثر کر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے دعا بھی فرمائی تھی۔ آپ نے ۱۲۰ صحابہ کرام کی زیارت کی تھی۔ آپ کو سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے بیعت و خلافت تھی۔ آپ علم و فضل میں یکتا تھے اور آپ کو خود مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ”وعظ“ کی اجازت دی تھی۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے اور آپ کا شمار مشاہیر اولیائے اسلام میں ہوتا ہے۔ آپ کی تاریخ وصال ۷۱ھ محرم یا غرہ رجب ۱۱۰ھ ہے۔ مزار مبارک بصرہ (عراق) میں ہے۔

خواجہ عبدالواحد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت نہیں ملتی۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا مزار پاک بغداد شریف میں اور دوسری روایت کے مطابق بصرہ میں ہے۔ آپ کا وصال پاک ۲۷ صفر المظفر ۷۷ھ کو ہوا۔ تذکرے کے طور

پر آپ کا ایک واقع بیان کیا جا رہا ہے:

”آپ نے تین شب متواتر رب عظیم کے حضور دعا کی کہ مولا مجھے اس شخص کا دیدار کرادے جو جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ جواب ملا: میمونہ سودا تیری رفیق جنت ہوگی۔ آپ نے جب اسے تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک دیوانی عورت ہے۔ آپ جب ان کے نزدیک جنگل میں پہنچے تو دیکھا وہ مصروف نماز ہے اور جسم پر ایک اونٹنی جبہ ہے جس پر لکھا ہوا ہے کہ یہ خریدی اور بیچی نہیں جاسکتی۔ سامنے جب بکریوں کے ریوڑ پر نظر دوڑائی تو دیکھا بکریاں اور بھیڑیے ایک ساتھ چر رہے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر میمونہ نے آپ کا نام لے کر پکارا تو آپ کو حیرت ہوئی، نیز اس پر بھی حیرت ہوئی کہ بھیڑیے اور بکریاں ایک ساتھ چر رہی ہیں۔ میمونہ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے کہا: جاؤ میں نے اپنے رب سے معاملہ درست کر لیا ہے، اس لیے مولا نے دونوں میں صلح کرادی ہے۔ [ملخصاً۔ روض الریاحین۔ اردو ترجمہ ص ۱۳۸]

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ:

حضرت فضیل بن عیاض نور اللہ مرقدہ ابتدائی دور میں لوٹ مار کرتے تھے لیکن اس عالم میں بھی صوم و صلوة کے پابند تھے۔

ایک مرتبہ رات میں ایک قافلہ آکر ٹھہرا اور اس میں ایک شخص قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کر رہا تھا جس کا ترجمہ ہے: ”کیا اہل ایمان کے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب اللہ کے ذکر سے خوف زدہ ہو جائیں۔“ اس کا ایسا اثر آپ پر ہوا کہ تائب ہو کر سب فعل چھوڑ دیا۔ آپ نے جن جن کو اذیتیں پہنچائیں تھیں، ان سے معافی طلب کر لی لیکن ایک یہودی نے معافی کی یہ شرط لگائی کہ سامنے والی پہاڑی کو یہاں سے ہٹا دو تو معاف کر دوں گا۔ آپ نے پہاڑی کی مٹی اٹھانی شروع کر دی۔ اتفاق سے ایسی تیز آندھی آئی کہ وہ پوری پہاڑی اپنی جگہ سے ختم ہو گئی۔ اس کے بعد اسی یہودی نے پھر کہا آپ جب تک میرا مال واپس نہیں کریں گے، معاف نہیں کروں

گا۔ میرے تکیہ کے نیچے اشرفیوں کی تھیلی رکھی ہوئی آپ اسے اٹھا کر مجھے دیدیں تاکہ میری قسم کا کفارہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے تھیلی اٹھا کر یہودی کو دے دی۔ اب اس نے کہا کہ پہلے مجھے مسلمان کر لو پھر معاف کروں گا۔ آپ نے اسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اب اس نے بتایا کہ میں نے توریت میں پڑھا تھا۔ اگر صدق دل سے تائب ہونے والا خاک کو ہاتھ لگا دے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ اب میری تھیلی جس میں مٹی بھری تھی، آپ کے ہاتھ لگانے سے سونا بن گئی تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کی توبہ قبول ہوگئی اور آپ کا مذہب سچا ہے۔ [ملخصاً تذکرہ الاولیاء]

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض نے امام اعظم ابوحنیفہ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا۔ آپ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں یکتائے زمانہ تھے۔ عمر بھر دنیا اور دنیا داروں سے دور و نفور رہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے آپ سے ملنا چاہا مگر آپ نے اجازت نہ دی اور وہ اور ان کا وزیر جعفر برکی آپ کے حجرہ میں بے اجازت داخل ہوئے تو آپ نے شمع بجھا دی۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید سے خلافت و اجازت تھی۔ ۳ رجب الاول ۲۸۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار پاک مکہ معظمہ میں ہے۔

### حضرت خواجہ سلطان ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ:

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم بن سلیمان بن منصور بن ناصر بن عبداللہ بن حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہم۔ آپ سلطان بلخ کے ولی عہد تھے لیکن سلطنت کو ٹھکرا کر درویشی اختیار کر لی اور تارک الدنیا ہو گئے۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ، ولایت و کرامت میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ صحرا میں حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام سے آپ کی ملاقات بھی ہوئی ہے۔ آپ سے بہت سی کرامتوں کا صدور ہوا ہے۔

۲۱ جمادی الثانی ۲۷۶ھ میں پردہ فرمایا۔ وصال کا مادہ تاریخ ہے ”امام اصفیاء بود (۲۷۶ھ) [روض الریاحین۔ تذکرہ الاولیاء وغیرہ]

### خواجہ حذیفہ معشی قدس سرہ العزیز:

آپ حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم کے مرید و خلیفہ تھے۔ مدتوں ان کی خدمت میں رہے۔ ولایت و روحانیت میں آپ کا مقام بہت ہی بلند و بالا ہے۔ مرعش بلا دشام آپ کا وطن عزیز ہے۔

حضرت مدتوں گوشہ خلوت میں معتکف رہے لیکن کثیر خلق خدا نے آپ کو کعبہ شریف میں مصروف طواف اور بیت المقدس میں معتکف پایا۔ آپ نے ۱۴ شوال ۲۷۶ھ کو اس جہان فانی کو الوداع کیا۔

### خواجہ امین الدین ہمیرہ بصری:

(م ۷ شوال ۲۸۷ھ ہمیرہ قریب بصرہ ملک عراق) آپ نے سترہ سال کی عمر میں علوم قرآن و حدیث و فقہ پر عبور حاصل کر لیا۔ چند سال میں حفظ قرآن کی دولت بھی حاصل کر لی۔ تیس برس تک مسلسل ریاضت و مجاہدے کئے۔ ہر دن دو ختم قرآن حکیم کے مکمل فرماتے۔ لیکن تیس سالہ ریاضت کے باوجود عقده دل نہ کھلا۔ باشارہ غیبی حضرت حذیفہ معشی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے۔ پھر ایک ہفتے کے مجاہدے نے ہی آپ کو قرب الہی کی منزل پر فائز کر دیا۔ آپ اہل دنیا سے دور و نفور رہتے اور ان کے تحائف قبول نہ کرتے۔ فرماتے، درویش کو درہم و دینار سے کیا واسطہ، درویش کو تو فقر و فاقہ اور شکستگی چاہیے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ ہرگز درویشی کے لائق نہیں..... آپ عابد شب بیدار اور صاحب گریہ و جذب و حال تھے۔ آپ کا وصال ۷ شوال ۲۸۷ھ کو ہوا۔ بصرہ میں مدفون ہیں۔

### حضرت خواجہ ممشاد علود بینوری قدس سرہ [م ۱۴ محرم ۲۹۹ھ / ۲۹۸ھ] بغداد:

خواجہ، ہمیرہ بصری کے ممتاز مرید و خلیفہ، صائم الدہر تھے۔ ابتدا میں بڑے مالدار تھے لیکن عشق الہی کی کشش نے دنیا سے بے نیاز کر دیا اور سب کچھ راہ خدا میں لٹا دیا اور اہل و عیال کو خدا کے سپرد کر دیا۔ سات دن کے بعد ایک کھجور سے افطار کرتے اور

چند گھنٹ پانی پی لیتے۔ حضرت خضر علیہ السلام سے اکثر و بیشتر ملاقات رہتی۔ انہیں کی رہنمائی میں حضرت خواجہ ہمیرہ بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت و ارادت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کے دست مبارک پر کثیر خلق خدا ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئی۔ آپ فرماتے تھے کہ تصوف یہ ہے کہ باطن کو صاف کرے اور خدا کے پسندیدہ اعمال کا عامل رہے اور خلق خدا سے صحبت نہ رکھے مگر بضرورت۔ ۲۹۸ھ یا ۲۹۹ھ میں وفات پائی اور بغداد شریف میں امام احمد بن حنبل کے جوار میں آسودہ خواب ہوئے۔

**حضرت خواجہ ابواسحاق شامی چشتی [۴م ربيع الثانی ۳۲۹ھ] عکہ بلاد شام:**

مقتدرائے اہل چشت اور حضرت خواجہ ممشاد کے مرید مراد تھے۔ سلسلہ چشتیہ آپ سے ہی منسوب ہے۔ بہت سخت ریاضات و مجاہدات کئے۔ اکیس دن کے بعد افطار کیا کرتے تھے۔ سماع سے خاص ذوق تھا۔ سلب امراض باطن میں ید طولی حاصل تھا۔ آپ کی محفل میں شرکت کرنے والوں کا دل دنیا سے سرد ہو جاتا۔ ۴م ربيع الثانی ۳۲۹ھ کو واصل بحق ہوئے۔ مزار مبارک قصبہ عکہ میں ہے جو ملک شام کا ایک قصبہ ہے۔

**خواجہ ابواحمد ابدال چشتی قدس سرہ [۴م ۳۵۵ھ] چشت مضافات ہرات:**

قدوة الدین لقب، حسنی سادات سے ہیں۔ آپ قطب الابدال تھے اور خواجہ ابوالخ شامی کے ممتاز مرید و خلیفہ۔ سات سال کی عمر میں ہی جذب الہی سے سرشار رہتے اور علم لدنی کے اسرار آپ کی زبان مبارک سے بیان ہوتے۔ ریاضت و مجاہدے کا یہ عالم کہ سات دن کے بعد تجرید وضو و افطار فرماتے۔ تین لقموں سے افطار اور تھوڑے سے پانی پر اکتفا فرماتے۔ آپ کے روئے تاباں پر خداداد ہیبت و جلال طاری رہتا۔ پیشانی مبارک ایسی روشن تھی کہ تاریکی میں اس کی روشنی میں تلاوت قرآن کر لیتے۔ سماع کا بے حد ذوق تھا۔ ایک مرتبہ سفر کے دوران آپ ایسے مقام سے گذرے جہاں کے کفار بے حد ظالم تھے اور مسلمانوں کو سخت اذیت پہنچاتے بلکہ زندہ جلادیا کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنا چاہا۔ آپ نے کلمہ طیبہ پڑھ کر آگ کے بھڑکتے شعلوں میں قدم رکھا

اور وہیں مصلی بچھا کر مشغول نماز ہوئے۔ ایسی واضح کرامت دیکھ دس ہزار کفار کا تماشائی ہجوم آپ کے دست اقدس پر فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ یکم جمادی الثانی ۳۵۵ھ کو وصال محبوب سے شاد کام ہوئے اور قصبہ چشت میں آسودہ خواب ہوئے۔

**خواجہ ابو محمد چشتی [۴م ربيع الآخر ۴۱۱ھ] چشت مضافات ہرات:**

والد ماجد خواجہ سید ابواحمد ابدال چشتی سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ شکم مادر میں ہی آپ کی زبان مبارک سے کلمہ طیبہ کی آواز آتی تھی۔ ولادت کے فوراً بعد آپ نے سات بار کلمہ طیبہ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ کثیر کرامات آپ سے عہد طفولیت سے ہی صادر ہونے لگیں۔ روئے زیبا ایسا روشن تھا کہ پورا گھر آپ کے وجود سے روشن ہو جاتا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو علوم ظاہر و باطن تعلیم فرمائے۔ لیکن ظاہری طور سے بھی آپ نے علوم شریعت کی مدرسے میں تکمیل فرمائی۔ مشائخ کی طرح آپ کو بھی سماع سے خاص ذوق تھا۔ زبان مبارک سے جو فرمادیتے فوراً ہو جاتا۔ جسے ایک محبت بھری نگاہ سے دیکھ لیتے، وہ ولی کامل ہو جاتا۔ سات دن پر افطار کرتے۔ سلطان محمود غزنوی نے معرکہ سومنات میں آپ کو مدد کی خاطر پکارا، آپ کی غیبی مدد سے اسے فتح نصیب ہوئی۔ آپ کا وصال ۴م ربيع الآخر کو ہوا۔ چشت میں آرام فرما ہیں۔

**حضرت خواجہ ابویوسف چشتی قدس سرہ [۳م رجب ۴۵۹ھ] چشت، ہرات:**

حسینی سادات سے ہیں اور حضرت خواجہ ابو محمد چشتی کے ہم شیر زادہ مرید اور خلیفہ۔ آپ کے مرشد اور ماموں نے آپ کو ناصر الدین کا لقب عطا کیا۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ اپنے ماموں کی خدمت میں مرید ہونے اور علوم باطن حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تو مرشد گرامی نے فرمایا: اے ناصر الدین! علم الہی محنت اور کسب سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ محض فضل الہی سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر حضرت خواجہ ابو محمد چشتی نے انہیں اپنی تربیت میں لے لیا اور اسم اعظم تعلیم فرمایا۔ نگاہ کیمیا اثر پائی تھی، جس سمت اٹھ گئی انقلاب برپا کر دیا۔ حالت سماع میں آپ کی پیشانی اقدس

سے ایسا نور بلند ہوتا کے فضائے آسمانی تک منور ہو جاتی۔ اس عالم میں جس پر نگاہ پڑ جاتی، وہ تارک الدنیا اور صاحب ولایت بن جاتا۔ آپ قائم اللیل اور صائم الدہر تھے۔ نذر قبول نہ کرتے، ساری فتوحات درویشوں اور فقرا میں تقسیم فرمادیتے۔ آپ کو قرآن حکیم حفظ نہ ہوتا تھا۔ آپ متردد رہتے۔ ایک رات مرشد گرامی کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اے ابو یوسف پریشان کیوں ہوتا ہے۔ سو بار سورہ فاتحہ پڑھا کر، قرآن مجید حفظ ہو جائے گا۔ پھر آپ کو قرآن حکیم ایسا حفظ ہوا کہ شب و روز میں پانچ ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ اجنہ اور رجال غیب آپ سے کثرت سے مرید ہوئے۔ آپ سے بے شمار کرامات سرزد ہوئیں۔ ۳ رجب ۴۵۹ھ کو واصل بخدا ہوئے۔ مزار اقدس قصبہ چشت میں ہے۔

**حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی [م ۱۰۴۷ھ] قصبہ چشت:**

والد ماجد خواجہ ابو یوسف چشتی کے مرید و خلیفہ، جانشین اور عکس جمیل۔ مادر زاد ولی اور قطب الاقطاب تھے۔ شیع صوفیاں اور چراغ چشتیاں کہے جاتے تھے۔ بچپن سے ہی کرامات آثار تھے۔ سات سال کی عمر مبارک میں قرآن حکیم حفظ کیا۔ اس کے بعد علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی۔ ۲۴ سال کی عمر میں والد ماجد کی رحلت کے بعد مسند سجادگی کو رونق بخشی۔ علم لدنی کے اسرار آپ پر منکشف تھے۔ علمی مباحث میں ہمیشہ آپ غالب رہتے۔ علم و فضل اور کرامات و وجاہت کی ان رونقوں کے باوجود درجہ متواضع اور خلیق تھے۔ ہر ایک سے سلام میں پہل کرتے اور آنے والے کو اٹھ کر تعظیم دیتے۔ تیس برس تک آپ نے بستر سے پیٹھ نہ لگائی۔ سماع کے شائق تھے اور ضیافت دینے کے عادی۔ مہمانوں کو نفیس و لذیذ کھانا تیار کرا کے حاضر کرتے۔ آپ سے سلسلہ چشتیہ کو بہت فروغ ہوا۔ ۱۰ رجب ۵۲۷ھ کو وصال محبوب سے شاد کام ہوئے اور چشت میں آسودہ خواب۔

**حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی [م ۱۰۴۷ھ] قصبہ زندان یا زندنہ، بخارا:**  
بخارا کا ایک قصبہ زندنہ آپ کا مولد و مسکن تھا۔ حضرت خواجہ مودود چشتی کے

مرید و خلیفہ اور جانشین تھے اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرشد گرامی۔ آپ دائم الوضو تھے۔ چودہ برس کی عمر سے اخیر وقت تک آپ کبھی بے وضو نہ رہے۔ دنیا اور اہل دنیا سے بالکل کنارہ کش رہے۔ فقر و فاقہ کو دوست رکھتے اور پیوند لگا لباس زیب تن فرماتے۔ جس دن فاقہ رہتا، اس روز سو رکعت نماز شکرانے کی ادا کرتے۔ فرماتے فقر و فاقہ انبیائے عظام اور اولیائے کرام کا طریقہ ہے۔ جب یہ نعمت مجھے حاصل ہو تو میں اپنے رب کا شکر کیوں نہ ادا کروں۔ سماع سے عشق تھا۔ حالت وجد میں خوب روتے، نعرے لگاتے اور اکثر بے ہوش ہو جاتے۔ نماز میں ایسی محویت طاری ہوتی تھی کہ خود سے بیگانہ ہو جاتے۔ سیدنا خواجہ عثمان ہارونی مرشد گرامی سیدنا خواجہ غریب نواز، جیسا شاہباز لا مکانی آپ کا اسیر تھا۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں ۶ رجب ۵۸۴ھ کو اس جہان فانی کو الوداع کہا اور زندنہ میں آسودہ خواب ہوئے۔

**حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:**

حضرت سیدنا خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلطان الہند سیدنا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کے مرشد کامل ہیں۔ آپ شریعت و طریقت کے جامع اور مقتدائے اوتاد و ابدال تھے۔ نیشاپور کے مضافات میں ایک موضع ہے ”ہارون“، آپ وہیں کے رہنے والے تھے۔ لہذا اسی نسبت سے ”ہارونی“ مشہور ہوئے۔ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ برسہا برس آپ کی خدمت میں رہے۔ [ملخصاً سیر الاولیاء]

آپ کے دست حق پرست پر ہزار ہا کفار و مشرکین مسلمان ہوئے اور دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ آپ کی خدمت و صحبت و معیت میں رہنے والے سب کے سب ولی کامل ہوئے۔ آپ سیدنا حاجی شریف زندانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید اور خلیفہ اکبر تھے۔ آپ کا وصال مبارک ۶۱۷ھ میں ہوا۔ مزار مبارک قصبہ زندان بخارا میں ہے۔ آپ سے بے شمار کرامتوں کا صدور ہوا ہے اور لاریب سب سے بڑی کرامت خود سیدنا خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ ہیں۔

## حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات گرامی

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی

اے ایم. یو علی گڑھ

اولیاء اللہ، خاصان خدا اور بزرگان دین کے احوال و کوائف، سیرت و سوانح اور ارشادات و ملفوظات جمع و مرتب کرنا اور افادہ عام کے لئے ان کی نشر و اشاعت معتقدین و مریدین کا معمول اور دلچسپ مشغلہ رہا ہے۔ سبھی سلاسل طریقت کے اہم بزرگوں کے ملفوظات کی اشاعت قدیم زمانہ سے ہی معمولات ابرار ہے۔ فارسی اور اردو میں اس صنف کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

ان احوال و کوائف سے، بزرگان طریقت کی سیرت و سوانح سے، ان کے ارشادات و فرمودات سے استفادہ کر کے ان کی پیروی کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا جوش و جذبہ ان کے مریدین و معتقدین میں ہمیشہ جوان اور سدا بہار رہتا ہے۔ اس لئے ان کی جمع و ترتیب کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان کی زبان فیض ترجمان سے نکلنے والے الفاظ کے معانی و مفاہیم کی تشریح کی جاتی رہی ہے، کیونکہ بزرگان دین 'قلت کلام' پر عمل کرتے ہوئے بہت کم بولتے ہیں لیکن جو کچھ بولتے ہیں، اس میں جہان معانی پوشیدہ ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں، سوچ سمجھ کر کہتے ہیں، تول کر بولتے ہیں۔ بلکہ دیکھ کر بولتے ہیں "قلندر ہر چہ گوید، دیدہ گوید"۔ (قلندر جو کچھ کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے)

یہاں قلندر سے مراد وہ اصحاب نہیں ہیں جو کالے پیلے کپڑے پہنے، چاربرو کا صفایا کئے یا پھر بڑے بڑے زولیدہ بال لئے پھرتے ہیں۔ ہاتھ پیروں میں جہنیوں کے زیور یعنی لوہے کے کڑے، طوق، بیڑی پہنتے رہتے ہیں۔ بڑا سا چٹا بجا کر لایعنی باتیں کرتے ہیں، بلکہ وہ خاصان خدا اور مقربین بارگاہ الہی مراد ہیں کہ جو اس منزل و مقام ارفع پر فائز ہوتے ہیں جن کے متعلق بجا طور یہ کہا گیا ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

لیکن یہ مقام رفیع سخت ریاضت و مجاہدہ اور تقرب الی اللہ کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے، بلکہ بڑی حد تک عطیہ الہی ہوتا ہے۔ اس لئے محدودے چند ہی اس مقام عالی تک پہنچ پاتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عالم اسلام کی تقریباً نصف آبادی برصغیر کے تین ممالک ہندو پاک اور بنگلہ دیش میں آباد ہے۔ ان تین ممالک کے ہزاروں شہروں اور لاکھوں دیہات میں آج اسلام کا جو غلغلہ بلند ہے، وہ مرہون منت ہے ان اولیائے کالمیلین کا جو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے برصغیر کے کونے کونے میں پہنچے اور آج وہیں کی خاک میں جو خواب، صور اسرافیل کے منتظر اور اپنی حسن کارکردگی کے صلے و ثواب کے متمنی ہیں۔ ان مبلغین کرام میں سب سے بڑا حصہ بزرگان چشت اہل بہشت کا ہے جن کے سرخیل و سرتاج خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سبزی اجیری علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں، جو اسی مقصد کے لئے ہندوستان آئے اور اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ یہی نہیں ان کا قائم کردہ نیٹ ورک تقریباً آٹھ صدیوں سے اپنے کام میں مشغول و مصروف ہے اور اپنی تجلیات سے ہزاروں قلوب کو منور اور صد ہا تشنگان معرفت کو سیراب کر رہا ہے۔

اگر اس سلسلہ کی خدمات کا آغاز حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ

والرضوان سے ہوتا ہے تو اسے بام عروج پر پہنچانے والے حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجرى اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔ اس عروج کو برقرار رکھنے والے آپ کے جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی علیہ الرحمۃ ہیں۔ اس سلسلہ اور کام کو اسی نچ پر چلانے والے ان کے جانشین حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ ہیں۔ ان کے علم کو سنبھالنے والے اور ان کی فتوحات میں اضافہ کرنے والے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ ہیں، حضرت کے نام و کام کو برقرار رکھنے والے ان کے خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمہ اللہ ہیں اور پھر ان کے خزینے کی حفاظت کرنے والے ان کے جانشین و خلیفہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ ہیں۔

ان کے بعد یوں تو سلسلہ اور اس کی خدمات آج تک باقی ہیں لیکن عروج اور آپ و تاب ان کے ساتھ ہی رخصت ہو گئے۔ ان کے بعد کوئی ایسی قد آور شخصیت منصہ شہود پر نہ آسکی جسے قصر چشتیت کے مذکورہ ستونوں میں جگہ دی جاسکے اور یہ کوئی تعجب انگیز یا محیر العقول بات بھی نہیں ہے۔ دوام تو صرف باری تعالیٰ کے لئے ہی مخصوص ہے۔ تغیر پذیری قدرت کا اٹل اصول ہے۔ ”کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والإکرام“۔

خانوادہ چشتیہ کے مذکورہ بالا معماروں کی یہ بھی ایک اہم خصوصیت ہے کہ ان میں سے سبھی نے اپنے مرشد گرامی کے کچھ ملفوظات کو ضرور قلم بند کیا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات کو ”انیس الارواح“ کے نام سے مرتب کیا۔ خود حضرت والا کے ملفوظات کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی نے ”دلیل العارفين“ کے نام سے مرتب و شائع کیا۔ حضرت بختیار کا کی کے ملفوظات حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے ”نوائد السالکین“ کے نام سے ترتیب دیے۔ خود حضرت بابا فرید کے ملفوظات ”راحت القلوب“ کے نام سے

حضرت نظام الدین محبوب الہی کے قلم گہر بار کا نتیجہ ہیں۔ حضرت خواجہ بدرالسخنی نے بھی ان کے ملفوظات کو ”اسرار الاولیا“ کے نام سے مرتب کیا ہے۔ اسی طرح حضرت محبوب الہی کے ملفوظات کو حضرت امیر خسرو نے ”افضل الفوائد“ اور ”راحت الخبیین“ کے نام سے مرتب کیا، نیز حضرت خواجہ امیر حسن سنجرى نے پانچ جلدوں میں ”نوائد الفوائد“ کے نام سے پیش کیا۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے ارشادات و فرمودات مختصراً حضرت محب اللہ نے ”مفتاح العاشقین“ کے نام سے مرتب کئے ہیں۔

اس طرح اس سلسلۃ الذہب کے سبھی اہم بزرگوں کے ارشادات و فرمودات تحریری شکل میں موجود ہیں۔ ان سبھی کو مجموعی حیثیت سے ”ہشت بہشت“ کے نام سے بھی یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں صرف حضرت خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان سے براہ راست تعلق رکھنے والے یعنی آپ کے مرتب کردہ ملفوظات سوم بہ ”انیس الارواح“ اور خود آپ کے ارشادات و فرمودات پر مشتمل ملفوظات یعنی ”دلیل العارفين“ کا ایک جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

”انیس الارواح“ حضرت خواجہ خواجگان چشت کا مرتبہ تقریباً ۱۴۵۱ صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں ایک مختصر تمہید کے بعد اٹھائیس مجلسوں میں بیان کئے گئے حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ والرحوان کے ارشادات عالیہ کو قلم بند کیا گیا ہے۔ ابتدا میں حضرت نے حمد الہی اور صلوة و سلام بحضور رسول الانام کے بعد یہ بتایا ہے کہ اس رسالہ میں انھوں نے اپنے پیر و مرشد کے ارشادات جمع کئے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ انھیں پہلی بار حضرت پیر و مرشد کی زیارت و شرف ملاقات بغداد میں حضرت خواجہ جنید بغدادی کی مسجد میں حاصل ہوا۔ اس وقت دیگر مشائخ کرام بھی موجود تھے۔ انھوں نے پہلی ملاقات، داخل سلسلہ ہونے اور پیر و مرشد کی معیت میں رہنے کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا ہے۔

فرماتے ہیں: ”پیر و مرشد نے دو گانہ ادا کرا کے قبلہ رخ بٹھایا پھر سورہ بقرہ

کی تلاوت کرائی پھر اکیس بار سبحان اللہ کا ورد کرا کے ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا، پھر اپنے دست مبارک سے بال تراش کر چارتر کی کلاہ زیب سر کی، پھر فرمایا ہمارے خانوادے میں آٹھ پہر کا مجاہدہ ہوتا ہے، آج کا دن اور رات مجاہدے میں مشغول رہو۔ دوسرے دن آپ نے ایک ہزار بار سورہ اخلاص کا ورد کرایا پھر فرمایا کہ اوپر کی طرف دیکھئے اور بتائیے کہ کیا نظر آتا ہے۔ میں نے دیکھا اور عرض کیا کہ عرش عظیم تک سب کچھ نظر آتا ہے پھر فرمایا کہ زمین کی طرف دیکھئے اور بتائیے، میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ حجاب عظمت تک سب کچھ نظر آتا ہے۔ پھر آنکھیں بند کرا کے فرمایا، کھولنے پھر دو انگلیاں دکھا کر فرمایا کہ ان کے درمیان کیا نظر آتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اٹھارہ ہزار قسم کی مخلوقات، اس پر فرمایا، جاتیرا کام سنور گیا۔ حکم ہوا کہ پاس پڑی ہوئی اینٹ کو الٹ کر دیکھو۔ میں نے دیکھا تو اس کے نیچے ایک مٹھی سونے کے دینار تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ انھیں لے جا کر فقرا میں صدقہ کر دو۔ پھر حکم ہوا کہ چند روز ہماری خدمت میں رہو، اس کے بعد پیرومرشد نے خانہ کعبہ کی طرف سفر اختیار کیا اور میں بھی ہم رکاب رہا۔

خانہ کعبہ میں ایک بار پھر حضرت پیرومرشد نے خدا کے سپرد کیا اور خاص میزاب رحمت کے نیچے میرے لئے مناجات کی تو آواز آئی کہ ”ہم نے معین الدین کو قبول کیا“۔ وہاں سے مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ میرے سلام پیش کرنے پر آواز آئی ”اے مشائخاں بحر و بر کے قطب و علیکم السلام“ اس پر حضرت پیرومرشد نے فرمایا کہ ”اب تیرا کام مکمل ہو گیا۔“

مختلف دیار و امصار کی دس سالہ سیاحت کے بعد حضرت خواجہ صاحب، پیرومرشد کی معیت میں بغداد واپس آئے۔ وہاں پیرومرشد نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں: میرے لئے حکم ہوا کہ چاشت کے وقت آؤ، میں تمہیں فقر کی ترغیب دوں گا تا کہ وہ میرے مریدوں اور فرزندوں کے لئے یادگار رہے۔ میں حکم

بجالایا اور اسی طرح ہر روز حاضر ہوتا رہا۔ ان صحبتوں میں آپ کی زبان گوہر فشاں سے جو کچھ سنتا، اس کو لکھ لیتا۔

چونکہ بزرگان دین کا طریقہ قلت کلام ہوتا ہے اور ”خیر الکلام ماقلاً و دلاً“ (اچھا کلام وہ ہے جو مختصر اور مدلل ہو) میں ان کا یقین ہوتا ہے، اس لئے یہ تقاریر بہت طویل نہیں ہیں بلکہ مختصر و جامع ہیں، دریا کو کوزے میں بھرنے کا عمل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر تشنگان معرفت کی ایک جماعت بھی سامع ہوتی تھی نیز حضرت پیرومرشد اوقات عبادت و ریاضت میں سے چند منٹ نکال کر وعظ اور شاد کا یہ سلسلہ شروع فرماتے تھے اور مختصر تقریر کے بعد پھر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے تھے، اس لئے حضرت مرتب نے تقریباً ہر مجلس کے آخر میں یہ جملے لکھے ہیں۔ ’جوں ہی کہ خواجہ صاحب نے ان فوائد کو ختم کیا آپ یاد الہی میں مشغول ہو گئے اور خلقت و دعا گو واپس چلے آئے۔ الحمد لله علی ذالک۔‘

یہ ارشادات اٹھائیس مجلسوں کے ہیں۔ ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

☆ پہلی مجلس میں ایمان اور اس کی کیفیت و کمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سعید اور خبیث روحوں کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

☆ دوسرے دن قصہ آدم کے متعلق گفتگو فرمائی، نیز سورج گرہن اور چاند گرہن کی وجوہات اور مختلف مہینوں میں ہونے والے گرہن کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی۔

☆ تیسری مجلس میں مختلف دیار و امصار کی تباہی و بربادی اور ان کی وجوہات پر روشنی ڈالی گئی۔ قرب قیامت کی نشانیوں کی نشان دہی کے ساتھ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ کے ظہور کا حال بیان کیا گیا۔

☆ چوتھی مجلس میں عورتوں کے فرائض و فرمانبرداری پر گفتگو ہوئی۔ اس اثنا میں

غلاموں کی آزادی کی اہمیت اور اس کے اجر و ثواب کا بیان ہوا۔ اس سلسلہ میں صحابہ کرام کا طرز عمل بتایا گیا کہ وہ کس طرح مختلف بہانوں سے غلاموں کو آزاد کرتے رہتے تھے۔

☆ پانچویں صحبت میں صدقہ، اس کی ضرورت و اہمیت اور اس کے اجر و ثواب پر روشنی ڈالی گئی۔ صحابہ کرام کا طرز عمل بتایا گیا۔ ارشاد ہوا کہ زمین بھی سخی پر فخر کرتی ہے اور اس کے ہر قدم پر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

☆ چھٹی مجلس میں شراب اور اس کی خباثوں پر گفتگو ہوئی، نیز یہ بتایا گیا کہ مقربان الہی نے کس کس طرح کے مجاہدے اور نفس کشی کی ہے۔

☆ ساتویں محفل میں مومن کو تکلیف پہنچانے کے مضر اثرات بیان کئے گئے، نیز نماز اور خاصان خدا کی نماز کی کیفیت پر روشنی ڈالی گئی۔

☆ آٹھویں مجلس میں گالی دینے اور اس کی نحوستوں پر گفتگو ہوئی۔ پھر کھانے کے طریقے پر روشنی ڈالی گئی، نیز یہ بتایا گیا کہ بعض مشائخ و بزرگان دین جو کسی خاص لقب یا وصف سے متصف ہیں تو وہ انہیں کیسے حاصل ہوا؟

☆ نویں صحبت میں رزق حلال حاصل کرنے کے لئے محنت و مشقت کی اہمیت نیز مختلف پیشوں کی ضرورت و اہمیت بیان کی گئی۔ ارشاد ہوا کہ روزی کمانے والا خدا کا دوست ہوتا ہے۔ (الکاسب حبیب اللہ)

☆ دسویں محفل میں مصائب و ابتلا میں صبر کی ضرورت اور اجر و ثواب پر گفتگو ہوئی، نیز بھوکے پیاسے کی ضرورت پوری کرنے والے کو اجر و ثواب کی بشارت دی گئی۔ اسی ضمن میں لڑکیوں کی پرورش اور ان سے حسن سلوک کی ضرورت و اہمیت پر اظہار خیال کیا گیا اور اسے اللہ و رسول کی خوشنودی کا ذریعہ بتایا گیا۔

☆ گیارہویں مجلس میں بے وجہ جانوروں کو مارنے پر ملامت کی گئی خصوصاً جانوروں کو جلا ڈالنے والوں کے عذاب بتائے گئے۔

☆ بارہویں محفل میں سلام کو عام کرنے کے فوائد اور اجر و ثواب بیان ہوئے، نیز اس کا سنت طریقہ بتایا گیا۔

☆ تیرہویں مجلس میں نماز کے کفارے کا ذکر ہوا نیز قیام اللیل کی اہمیت بتائی گئی اور اس سلسلے میں بزرگان دین کے طرز عمل پر روشنی ڈالی گئی۔

☆ چودھویں صحبت میں سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کے متعلق گفتگو ہوئی اور ان سورتوں کو پابندی سے پڑھنے کی تاکید کی گئی اور ان کے اجر و ثواب بھی بتائے گئے۔

☆ پندرہویں مجلس میں بہشت اور اہل بہشت کے متعلق گفتگو ہوئی اور وہاں کی نعمتوں پر روشنی ڈالی گئی۔

☆ سولہویں مجلس میں مسجد کی اہمیت اور اس کے آداب بیان کئے گئے نیز مسجد میں پابندی سے آنے والوں کے اجر و ثواب بتائے گئے۔

☆ سترہویں صحبت میں دنیا اور دولت دنیا جمع کرنے کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ اس کے مضر اثرات بتائے گئے نیز حسد سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی۔

☆ اٹھارویں مجلس میں چھینک آنے پر الحمد للہ اور جو اباً یرحمک اللہ کہنے پر حاصل ہونے والے اجر و ثواب پر گفتگو فرمائی گئی۔

☆ انیسویں محفل میں اذان کی خیر و برکت اور موذن کو حاصل ہونے والے اجر و ثواب بتائے گئے۔ اسی مجلس میں آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ قسم کے لوگوں سے سخت ناراض ہوتے ہیں، اول وہ جو نماز قضا کرتے ہیں، دوسرے وہ جو آزاد کردہ غلام کو پھر غلام بنا کر بیچتے ہیں،



تیسرے وہ جو ہمسائے کو ستاتے ہیں، چوتھے وہ لوگ جو ناحق کسی سے کوئی چیز چھین لیتے ہیں اور پانچویں وہ جو اپنے عیال پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں آپ نے تاکید فرمائی کہ لباس و خوراک ہمیشہ رزق حلال کا ہونا چاہئے۔ اسی کے ساتھ توبہ کرتے رہنے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہنے کی بھی تلقین فرمائی۔ آپ نے قرآن پڑھنے اور پڑھانے والوں، سیکھنے اور سکھانے والوں کو مقرب بارگاہ الہی قرار دیا۔

☆ بیسیویں صحبت میں آپ نے مومن کی شناخت بتاتے ہوئے فرمایا کہ مومن وہ ہے جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے۔ موت، درویشی اور فاتحہ۔ آپ نے مومنین کو صدیق اللہ قرار دیا۔ اسی موقع پر آپ نے حضرت خواجہ مودود چشتی علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین گروہوں کی طرف نظر رحمت سے دیکھتا ہے، ایسے لوگ عرش الہی کے سائے میں ہوں گے۔ اول وہ جو ہمیشہ ہمت بلند رکھتے ہیں، دوسرے وہ جو ہمسایوں اور عورتوں کو خوش رکھتے ہیں، تیسرے وہ جو عاجزوں اور درویشوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ آپ نے اسی موقع پر یہ حدیث بھی بیان فرمائی کہ سب سے افضل نماز ہے، دوسرے درجے پر صدقہ ہے اور تیسرے درجے پر تلاوت قرآن ہے۔ آپ نے ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کی بارہا تاکید فرمائی اور ایسے شخص کو اپنے ساتھ جنت میں لے جانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

☆ اکیسویں مجلس میں دوسروں کی حاجت روائی کی ضرورت و اہمیت بتائی گئی اور اس کے صلے و ثواب بیان کئے گئے۔

☆ بائیسویں صحبت میں آخری زمانے کے حالات پر روشنی ڈالی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ قرب قیامت میں عالموں کو چوروں کی طرح پیٹا جائے گا اور منافقوں کو عالم سمجھا جائے گا۔ اسی مجلس میں آپ نے کفر، ایمان اسلام،

نفاق اور علم و عمل کی دو دو قسمیں بیان فرمائیں۔

☆ تیسویں مجلس میں موت کو یاد کرنے کی اہمیت اجاگر کی گئی۔ اسی کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو عزت و عظمت کے ساتھ یاد کرنے کی ضرورت اور اس کے اجر بیان کئے گئے۔

☆ چوبیسویں مجلس میں مسجد میں چراغ بجھنے، روشنی کا انتظام کرنے کی ضرورت اور اس کا صلہ و ثواب بیان کیا گیا۔

☆ پچیسویں بابرکت محفل میں درویشوں کے متعلق گفتگو ہوئی۔ انھیں کھانا کھلانے کی اہمیت بتائی گئی۔ مزید ارشاد ہوا کہ تین قسم کے لوگ بہشت سے دور رکھے جائیں گے جھوٹا درویش، بخیل دولت مند اور خائن سوداگر۔ اسی مجلس میں ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور سورۃ یسین ایک ایک بار، سورہ اخلاص تین بار پڑھنے کی تاکید کی گئی اور اس کے اجر و ثواب بتائے گئے۔

☆ چھبیسویں مجلس میں پاجامے کے پائینچے دراز اور لٹکے ہوئے رکھنے نیز آستینوں کو لمبا رکھنے کی کراہت اور اس پر ہونے والے عذاب بیان کئے گئے۔ ایسے لوگوں کو لعنتی، دوزخی اور منافق قرار دیا گیا۔

☆ ستائیسویں مجلس میں آپ نے قرب قیامت میں عالموں کی ارزانی و پریشانی بیان فرمائی اور اس کے نتیجے میں ہونے والے فتنہ و فساد اور تباہی و بربادی پر روشنی ڈالی پھر صدقے کی اہمیت و ضرورت اور اس کا اجر بیان فرمایا۔

☆ اٹھائیسویں اور آخری مجلس میں آپ نے توبہ کا ذکر فرمایا۔ توبہ کی تاکید فرمائی اور اس کے نتیجے میں ہونے والے فوائد بیان فرمائے اسی آخری مجلس میں آپ نے حضرت خواجہ معین الدین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”میں تیری

کمالیت کے لئے مذکورہ باتوں کی تلقین کی ہے اور ترغیب دی ہے۔ پس چاہئے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے، دل و جان سے اسے پورا کرو تا کہ قیامت میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ پھر ارشاد ہوا کہ ”لا لاق فرزندوہ ہے کہ جو کچھ اپنے پیر کی زبان سے سنے، اسے اپنے شجرے میں لکھ لے تا کہ شرمندہ نہ ہو۔“

انہیں ہدایات کے ساتھ بزرگوں سے حاصل تبرکات عصا، خرقد، مصلیٰ اور لکڑی کی کھڑاؤں عنایت فرمائیں اور کہا کہ یہ ایشیا ہمارے پیروں کی یادگار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچتی ہیں، اب ہم نے تمہیں دیں۔ مناسب یہ ہے کہ جیسا ہم نے ان چیزوں کو بحفاظت رکھا ہے، اب تم رکھو اور جس شخص کو خلافت و جانشینی کا اہل سمجھو، یہ بابرکت ایشیا و تبرکات اس کے سپرد کیجیو۔

یہ فرما کر بغل گیر ہوتے ہوئے سپرد خدا کیا اور خود عالم تیر میں چلے گئے۔

حضرت پیر و مرشد کو الوداع کہہ کر حضرت خواجہ صاحب اپنے ہم راہوں کے ساتھ سوئے ہندوستان روانہ ہوئے اور یہاں پہنچ کر اس خدمت میں مشغول ہو گئے جو ان کے لئے مقدر کر دی گئی تھی اور جو بالآخر انہیں برصغیر کا سب سے بڑا ولی اور مبلغ بنانے والی تھی۔ اس خدمت کا صلہ و ثواب اور مقام ارفع اُس دنیا میں جو ملے گا وہ اپنی جگہ، اس دنیا میں بھی وہ آٹھ صدیوں سے عوام و خواص کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ سلطان الہند کے لقب سے ملقب ہیں۔

حضرت خواجہ خواجگان چشت کے یوں تو ہزار ہا مرید اور درجنوں خلیفہ و صاحب اجازت درویش تھے لیکن انہوں نے شرف جانشینی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی علیہ الرحمۃ کو بخشا تھا اور تبرکات سلسلہ انہیں کی تحویل میں دیئے تھے۔ انہوں نے آپ کی چند تقاریر، وعظ و ارشادات اور ملفوظات کو قلم بند کیا ہے اور ان کا نام ”دلیل العارفین“ رکھا ہے۔

حضرت بختیار کا کی علیہ الرحمۃ نے ”دلیل العارفین“ کی ابتدا میں اپنی پہلی حاضری اور شرف بیعت کا واقعہ مختصراً بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ۵ رجب ۵۱۴ھ کو بغداد میں امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حاضر خدمت اقدس ہوا۔ اسی وقت شرف بیعت سے مشرف فرمایا اور چہارتر کی کلاہ میرے سر پر رکھی۔ اس دن شیخ شہاب الدین محمد سہروردی، شیخ داؤد کرمانی، شیخ برہان الدین محمد چشتی اور شیخ تاج الدین محمد صفہانی جیسے اکابر اور بزرگ درویش ایک ہی جگہ موجود تھے اور نماز کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے۔ حضرت خواجہ نے نو وارد مرید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب شیخ الاسلام سلطان المشائخ، خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ کا مرید ہوا تو آٹھ سال تک آپ کے حضور ایک دم بھی آرام نہ کیا، نہ دن دیکھتا تھا نہ رات، جہاں آپ سفر کو جاتے، سونے کے کپڑے اور توشہ اٹھا کر ہمراہ ہوتا۔ جب میری خدمت دیکھی تو ایسی نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی انتہا نہیں، پھر فرمایا: جس نے جو کچھ پایا، خدمت سے پایا۔ پس مرید کو لازم ہے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ بھر بھی تجاوز نہ کرے اور جو کچھ اسے نماز تسبیح اوراد وغیرہ کی بابت فرمائے، گوش ہوش سے سنے اور اسے بجالائے تا کہ کسی مقام پر پہنچ سکے کیونکہ پیر و مرید کا سنوارنے والا ہوتا ہے، پیر جو کچھ فرمائے گا وہ مرید کے کمال کے لئے ہی فرمائے گا۔ (مجلس اول، دلیل العارفین۔ ص: ۲)

ان ملفوظات سے حضرت خواجہ صاحب کے حقیقی خیالات و نظریات اور رجحان طبع کا پتہ چلتا ہے، یہ ملفوظات صرف بارہ مجالس کے ہیں اور صرف انسٹھ صفحات میں محیط ہیں۔ ان ملفوظات کو حضرت خواجہ قطب الدین نور اللہ مرقدہ نے چار حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ قسم اول فقر و ثواب میں، قسم دوم مکتوبات و تسبیح میں، قسم سوم اوراد وغیرہ میں، قسم چہارم سلوک اور اس کے فائدوں کے بیان میں۔ آئیے اب حضرت خواجہ خواجگان کے پند و نصائح سے استفادہ کرتے ہیں اور ان مجالس میں بیان کردہ ارشادات و فرمودات کا خلاصہ پیش نظر رکھتے ہیں۔

☆ مجلس اول میں پابندی نماز کی تاکید اور اس کے فوائد کا ذکر کیا گیا ہے، اتباع سنت پر زور دیا گیا ہے۔ بعض بزرگوں کے واقعات بیان کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کس طرح سنت کے پابند تھے اور خلافت سنت کام سرزد ہو جانے پر کس طرح پشیمان ہوتے تھے۔

اسی اثنا میں عارف اور اس کے مقام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بعد فجر مصلے پر بیٹھ کر نماز اشراق کے انتظار کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

☆ مجلس دوم میں غسل جنابت اور اس کے اجر و ثواب پر گفتگو ہوئی ہے۔ اسی مجلس میں ایک بار پھر نماز، اس کی صحیح ادائیگی، بزرگوں کے طریق نماز اور اتباع سنت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز عارف کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

☆ مجلس سوم میں بھی گفتگو نماز پر ہی محیط رہی۔ وقت پر ادائیگی اور وقت کی پابندی پر بھی زور رہا۔ تاخیر سے اجتناب کی تاکید کی گئی اور نماز قضا کرنے والوں یا چھوڑنے والوں پر ہونے والے عذاب کا دردناک تذکرہ رہا۔

اسی مجلس میں صدقے کی اہمیت اور چھوٹی قسم کے ادبار پر روشنی ڈالی گئی۔ اس کے ساتھ ہی مجلس برخواست ہوئی، حاضرین آداب بجالا کر رخصت ہوئے اور حضرت خواجہ صاحب یاد الہی میں مشغول ہو گئے۔

☆ مجلس چہارم قدرے طویل رہی اور اس میں مختلف موضوعات پر ارشادات عالی ظہور میں آئے۔ اس میں مختلف اکابر بھی تشریف فرما رہے اور سب نے اپنے اپنے طور پر محبت صادق کی تعریف بیان کی، پھر ہنسی کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ ان لوگوں کے واقعات بیان ہوئے جنہوں نے ہنسنے اور تمہقہ لگانے سے سخت پرہیز کیا اور خشیت الہی کے سبب ہر وقت رونے کو ترجیح دی۔ اسی طرح قبرستان میں کھانے پینے اور ہنسنے بولنے کی ممانعت بیان ہوئی۔ حضرت خواجہ اجمیری نے فرمایا کہ مشائخ اولیائے صفات طریقت،

امان دین، خواجگان معرفت دنیا و ما فیہا سے بیزار ہیں کیوں کہ انہیں ہیبت و حیرت کا عذاب دکھائی دیتا ہے۔ اسی دوران آپ نے کسی مسلمان کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کو گناہ کبیرہ قرار دیا اور اسے موجب ناراضگی خدا اور رسول بتایا۔ ایسے لوگوں کے واقعات بیان کئے جنہوں نے مخلوق کو ستایا اور پھر اس کی پاداش میں حال تباہ کو پہنچے۔

ارشاد گرامی ہوا کہ سلوک میں یہ بھی گناہ کبیرہ ہے کہ کسی کے سامنے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے یا کلام اللہ پڑھا جائے اور اس کا دل نرم نہ ہو، اس پر ہیبت الہی طاری نہ ہو۔ ایسے لوگوں کو منافق قرار دیا گیا اور ان لوگوں کے واقعات بیان کئے گئے جو نام الہی سن کر بے خود و بے ہوش ہو جاتے تھے۔

بالآخر یہ مجلس برخواست ہوئی اور حضرت والا تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

☆ پانچویں محفل کا انعقاد ہوا جس میں متعدد بزرگ ہستیاں موجود تھیں۔ ارشاد فرمایا: پانچ چیزوں کو دیکھنا عبادت میں داخل ہے۔ ان میں سب سے اول والدین کے چہرے پر محبت سے نظر کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کے واقعات بیان کئے گئے جنہوں نے حقوق والدین ادا کرنے میں ایک معیار قائم کیا۔ دوسری چیز کلام اللہ ہے جسے دیکھنا اور پڑھنا بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ ایسے لوگوں کا تذکرہ کیا گیا جنہوں نے کلام اللہ کے ادب و احترام میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا تھا۔ اس عمل کے فوائد بیان کئے گئے۔ تیسرے درجے میں علماء و مشائخ کو دیکھنا اور ان سے محبت کرنا باعث اجر و ثواب اور داخل حسنات ہے۔ اس کے مزید فوائد پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ چوتھا مقام خانہ کعبہ کا ہے۔ اس کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس میں عبادت کرنا نور علی نور ہے۔ پانچواں درجہ پیر و مرشد کا ہے۔ اس کی زیارت کرنا، اس کی خدمت بجالانا، اس کے ارشادات و ہدایات پر صدق دل سے عمل

کرنا عین عبادت ہے۔ ایسے لوگوں کی حکایات بیان کی گئیں جنہوں نے اس ضمن میں ایک اعلیٰ معیار قائم کیا۔

☆ چھٹی مجلس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر گفتگو ہوئی۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسی ایسی چیزیں پیدا فرمائی ہیں کہ اگر انسان غور کرے تو ایک پل میں دیوانہ ہو جائے۔ فرمایا کہ کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں، مرد کو چاہئے کہ اس کے احکام بجالانے میں کوئی کمی نہ کرے۔

حضرت والا نے ایسے لوگوں کا بھی ذکر کیا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے کچھ کاموں کی قدرت عطا فرمادی ہے اور وہ اس کی عطا سے عجائبات دکھاتے ہیں۔ پھر عالم سکر میں فرمایا کہ اس راہ میں اللہ تعالیٰ کے ایسے مرد بھی ہیں جو معاملہ جہان میں گزرتا ہے اور عجائبات قدرت سے جو وقوع میں آتا ہے، وہ سب ان کے پیش نظر رہتا ہے، اسے دیکھتے ہیں اور بندگان خدا کے روبرو وہ معاملہ پیش کرتے ہیں۔

آخر میں آپ نے فرمایا کہ اگر عذاب سے بچنا ہے تو اللہ کی طاعت کرو۔ مخلوق میں عاجزوں کی فریادری، حاجت مندوں کی حاجت روائی اور بھوکوں کو کھانا کھلانے سے بڑھ کر کوئی طاعت نہیں۔

☆ ساتویں محفل میں سورہ فاتحہ، اس کے خواص اور فوائد پر روشنی ڈالی گئی۔ حاجت برآری کے لئے سورہ فاتحہ بکثرت پڑھنے کی تاکید کی گئی اور تسبیہ میں رحیم کی میم کو الحمد سے ملا کر پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا، ساتھ ہی آخر میں آمین کو تین بار کہنے کی تاکید کی گئی۔ آپ نے سورہ فاتحہ کو تمام درد و تکالیف کی دوا قرار دیا اور اس کے حروف و الفاظ سے متعلق دقیق و لطیف نکات بیان فرمائے۔

☆ آٹھویں بابرکت مجلس میں ورد اور تسبیح کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ ارشاد

ہوا کہ جو بھی ورد اپنے لئے مقرر کرو، اسے دن رات میں ضرور پڑھ لو۔ اس ضمن میں شب و روز کے بہت سے اور ادو وظائف کی تلقین فرمائی، ان کے اجر و ثواب اور فوائد بیان فرمائے۔

☆ نویں مجلس میں بہت سے بزرگوں کی موجودگی میں سلوک کے متعلق اظہار خیال فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ مشائخ کرام نے سلوک کے سو درجے مقرر کئے ہیں، سالک کو چاہئے کہ جب تک سوئیں مرتبہ پر نہ پہنچ جائے، خود کو غلطی نہ کرے۔

بعد ازاں عشق کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی، اس کے رموز و اسرار بیان کئے گئے۔ خاصان خدا کے عشق، اس کی حقیقت اور اس کے احوال پر روشنی ڈالی گئی، عاشقان صادق کی حکایات بیان کی گئیں اور عارفوں کے مرتبے و مقام بتائے گئے۔

پھر ارشاد فرمایا: گناہ اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا جتنا مسلمان بھائی کو ذلیل و خوار کرنا، اس کی بے عزتی کرنا۔ آپ نے اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے حوالے سے فرمایا کہ اگر کسی شخص میں تین خصلتیں پائی جاتی ہیں تو سمجھ لو کہ اللہ اسے دوست رکھتا ہے۔ سخاوت، شفقت اور تواضع۔ سخاوت دریا کی سی، شفقت آفتاب کی سی اور تواضع زمین کی سی۔

غرض اس مجلس میں متعدد موضوعات پر فیوض و برکات کا سلسلہ جاری رہا لیکن دائرہ گفتگو عشق الہی اور اس کے لوازمات نیز عارف اور اس کے مقام و مراتب ہی رہے۔

☆ دسویں مجلس میں صحبت اور اس کے اثرات پر اظہار خیال کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ صحبت کا اثر ضرور اور گہرا ہوتا ہے۔ جو کچھ حاصل ہوتا ہے، وہ صحبت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اسی اثنا میں گفتگو کا رخ ایک بار پھر عشق و محبت اور عارف کی طرف ہو گیا۔ عارفوں کی پہچان یہ بتائی گئی کہ وہ ہمیشہ خاموش اور

غم و اندوہ میں رہتے ہیں۔ اسی سے انھیں فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ پھر آپ نے حضرت ذوالنون مصری کے حوالے سے بتایا کہ عارف وہ ہیں کہ جن کے دل کدورت بشریت سے پاک اور دنیا و حب دنیا سے صاف ہوتے ہیں۔ جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں تو وہ اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں اولیائے کاملین کی متعدد روایتیں بیان کی گئیں۔

☆ گیارہویں مجلس میں عارفوں کے توکل کی کیفیت بیان کی گئی۔ ارشاد فرمایا کہ حقیقی متوکل وہ ہے جو خلقت کی ہر طرح مدد کرے اور تکلیف کی حکایت و شکایت نہ کرے، مزید ارشاد فرمایا کہ اہل توکل پر تجلیات شوق میں ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اگر اس وقت انھیں ذرہ ذرہ کر دیا جائے یا تلوار سے زخمی کر دیا جائے یا کسی اور طرح رنج و الم پہنچایا جائے تو بھی انھیں مطلق خبر نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں عارفوں کے احوال بھی بیان کئے گئے۔ اسی طرح اہل محبت کے مختلف احوال و کوائف پر روشنی ڈالی گئی اور مختلف بزرگان دین کے فرمودہ ارشادات و خیالات بیان کئے گئے۔ فنا و بقا کے متعلق ارشاد ہوا کہ بقا بقائے حق ہے اور فنا فنائے نفس، تجرید کی تعریف یہ بتائی گئی کہ صفات محبوب کو اس طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ محبوب و محبت میں فرق و امتیاز باقی نہ رہے، محبت میں محبوب کا جلوہ نظر آئے۔

اہل محبت کی توبہ بھی مخصوص ہوتی ہے۔ حضرت والا کے مطابق اہل محبت کی توبہ تین قسم کی ہوتی ہے۔ اول ندامت، دوم گناہوں کو مطلق چھوڑ دینا، سوم اپنے تئیں ظلم و جھگڑے سے پاک رکھنا۔

☆ بارہویں اور آخری مجلس میں متعدد درویش اور اہل صفا کی موجودگی میں ملک الموت کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ملک الموت کے بغیر دنیا کی قیمت جو بھر بھی نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا

ہے 'الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب'، یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔ اس موقع پر بھی عارف کے احوال و مقام پر روشنی ڈالی گئی۔ ارشاد فرمایا: عارف آفتاب کی مانند ہوتا ہے جو سارے جہان کو روشنی عطا کرتا ہے جس کی روشنی سے کوئی چیز خالی نہیں رہتی۔

اسی مجلس میں آپ نے اس دنیا کو چھوڑ دینے کی خبر دی، نیز بزرگوں کا ورثہ اور تبرکات اپنے خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے سپرد کئے، ان کے سر پر دستار و کلاہ رکھی، حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ کا عصائے مبارک مرحمت فرمایا، زرہ پہنائی اور قرآن شریف و مصلیٰ عنایت کیا۔ فرمایا کہ یہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے خواجگان چشت کو بطور امانت ملا ہے۔ ہم نے تجھ کو دے کر روانہ کیا، جس طرح انھوں نے ہم تک یہ امانت پہنچائی تم آگے پہنچا دینا، نیز اس کا حق ادا کرنا تاکہ قیامت کے دن ہم خواجگان کے روبرو شرمندہ نہ ہوں۔

اسی موقع پر ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں نفیس گو ہر ہیں: اول وہ درویش جو خود کو دولت مند ظاہر کرے، دوسرے وہ بھوکا جو خود کو سیر ظاہر کرے تیسرے وہ غم زدہ جو خود کو خوش و خرم ظاہر کرے، چوتھے وہ شخص جو دشمن کو بھی دوست نظر آئے۔ مراد یہ ہے کہ اپنی داخلی کیفیت کو کسی حال میں مخلوق پر ظاہر نہ ہونے دو۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اپنے پیرومرشد کے ساتھ سفر و حضر میں برسہا برس ساتھ رہے لیکن انھوں نے یہ چند روزہ حکایات اور ارشادات و فرمودات ہی نقل فرمائے ہیں۔ ظاہر ہے یہ مشتمل نمونہ از خروارے (ڈھیر میں سے ایک مٹھی بھر بطور نمونہ) کے مصداق ہے۔ اسی سے باقی تمام حیات پاک کے احوال و کوائف، ارشادات و تعلیمات، پند و نصائح کا اندازہ و قیاس لگایا جاسکتا ہے۔

بلاشبہ بزرگوں کے ملفوظات اعلیٰ و سبق آموز تعلیمات، پند و نصائح سے مملو اور معیاری طرز زندگی کا نمونہ پیش کرتے ہیں لیکن ان میں بعض محل نظر اور ایسی باتیں

بھی شامل ہیں جن کی تصدیق و تائید دوسرے ذرائع سے نہیں ہوتی، جو نہ عقل و دانش کی کسوٹی پر کھری اترتی ہیں اور نہ حدیث و سیر و تاریخ کے پیمانوں پر۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرات صوفیائے کرام نے ترغیب و ترہیب کے لئے جیسی اور جہاں سے بھی ملی، روایت و حکایت کو بیان کر دیا یا قلم بند کر دیا، اس کی تحقیق کی طرف توجہ نہ فرمائی اور روایت کو درایت پر ترجیح دی۔ دوسرے دانا دشمنوں اور نادان دوستوں نے بھی ان کی تحریروں میں حذف و اضافہ کا عمل بھرپور انداز سے کیا۔ دانا دشمنوں نے ان سے ایسی باتیں منسوب کر کے ان کے اعتماد و اعتبار کو مجروح اور کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے برعکس نادان دوستوں اور افسانہ پسند طبقوں نے ان سے اس طرح کی باتیں منسوب کر کے اپنے ذوق افسانہ پسندی کی تسکین کی اور بزعم خود یہ سمجھا کہ اس طرح ان سے منسوب ہو کر ان باتوں کو اعتماد و اعتبار حاصل ہو جائے گا، معتقدین بہر حال انہیں معتبر سمجھیں گے۔ حالانکہ دونوں صورتوں میں انہوں نے اہل صفا کے مقام و مرتبہ کو مجروح کیا اور ان کے علم و فضل پر حرف گیری کا موقع فراہم کیا۔

یہاں ایسی تمام باتوں کا احاطہ اور ان کی نشان دہی ممکن نہیں ہے۔ یہ ایک الگ اور طویل موضوع ہے جس کا یہ مقالہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ البتہ بطور نمونہ ایک حکایت پیش کرنے پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔

”مجلس ۶ میں درج ہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے کوہ قاف پیدا کیا ہے جو اتنا بڑا ہے کہ تمام دنیا کے گرد پھیلا ہوا ہے اور دنیا و ما فیہا اس کے اندر ہے، قرآن شریف میں لکھا ہے۔

اسرار العارفین میں یوں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کو دنیا سے کٹی گنا بڑا بنایا ہے۔ چنانچہ اس پہاڑ کے پیچھے چوالیس اور جہان ہیں۔ ہر جہان میں اس کے چار سو حصے ہیں۔ ہر ایک حصہ اس دنیا سے چار گنا ہے۔ اس پہاڑ کے پیچھے کوئی

تاریکی نہیں اور نہ ہی وہاں رات ہوتی ہے۔ وہاں کی زمین سونے کی ہے اور وہاں کے رہنے والے فرشتے ہیں..... یہ پہاڑ ایک گائے کے سر پر رکھا ہے.....“

اب ظاہر ہے اس دنیا کا موجودہ کوہ قاف جو ترکستان میں واقع ہے، ان مجرا المعقول باتوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور اس بیان سے یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ کسی اور دنیا کے کوہ قاف کا ذکر ہے۔

اس قسم کے عجائب و غرائب اور بھی ہیں جن سے صرف نظر ہی بہتر ہے۔ بہر حال اس موقع پر دو بنیادی اصول ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ ”خطائے بزرگاں گرفتن خطاست“ ایک بلند پایہ اخلاقی اصول ہے اور ذومعنی ہے۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ بزرگوں کی غلطیوں کی نشان دہی کرنا اور ان پر تنقید کرنا بجائے خود خطا اور خلاف ادب ہے، دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بزرگوں سے جو غلطیاں سرزد ہو گئی ہیں، ان کی تقلید اور پیروی غلط ہے، ان سے بچنا چاہئے۔

دوسرا عمدہ اسلامی اصول وہ ہے جو ہر موقع محل کے لئے انتہائی مفید و کارآمد ہے۔ ”خذ ما صفا و دَع مَّا کَدَرَ“ یعنی خوبیوں کو اختیار کرو اور خامیوں سے صرف نظر کر لو۔ بہر حال ملفوظات اولیائے کرام کا غالب ترین حصہ انتہائی مفید و رہنما اصولوں، پند و نصائح اور وعظ و نصیحت سے بھر پور ہے، اس لئے ان کا مطالعہ گوش ہوش سے کرنا چاہئے، ان سے رہنمائی اور بصیرت حاصل کرنی چاہئے اور ان کو حرز جان بنانا چاہئے۔

”وما علینا الا البلاغ و ماتو فیقی الابالہ“

## ملفوظات مشائخ چشت

مولانا صدرالوری مصباحی

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور شجر اسلام کی آبیاری کے لیے اللہ تعالیٰ نے جن پاک باز ہستیوں کو پیدا فرمایا، ان میں حضرات اولیائے کرام و صوفیائے عظام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اسمائے گرامی صفحات تاریخ میں بہت نمایاں طور پر نظر آتے ہیں جو عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ، صبر و شکر، عزیمت و استقامت اور خشیت الہی کے ایسے پیکر جمیل تھے جنہوں نے دنیا کی زیب و آرائش سے کنارہ کش ہو کر اپنی پوری زندگی فقر و درویشی، عشق و عرفان اور دعوت و ارشاد میں گزاری اور ان کے ناصحانہ فرمودات اور پاکیزہ کردار و عمل سے خلق خدا فیض یاب ہوتی رہی اور بڑے بڑے سلاطین زمانہ ان کی بارگاہوں میں حاضر ہو کر دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوئے۔ ان بوریائیں درویشوں کی صالح تربیت اور ان کی نگاہ کیمیا اثر سے نامعلوم کتنے چور، ابدال ہوئے اور گداگروں نے اپنے سروں پر تاج شاہی سجایا۔ ان کی تعلیمات و فرمودات سے لاکھوں لاکھ کی تعداد میں اسلام حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور معصیت میں ڈوبے ہوئے خطا کاروں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے دلوں کا زنگ دور کیا اور طاعت و فرماں برداری کو اپنا نصب العین بنایا اور تصوف و سلوک کی راہ اپنا کر مقام وصل سے ہمکنار ہوئے۔

یوں تو قوم کی رشد و ہدایت کے لیے بہت سے سلاسل معرض وجود میں آئے جن میں سب سے افضل و اعلیٰ، سلسلہ عالیہ قادریہ ہے مگر اس وقت ہمارا مختصر نظر برصغیر سلسلہ چشتیہ ہے۔ جس کا فروغ ہندوستان کے مشہور شہر اجیر مقدس سے ہوا۔

اس سلسلہ کے رئیس و مقتدا خواجہ شریف الحق والدین ابواسحاق دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ جس وقت اپنے پیرومرشد خواجہ کریم الحق والدین علوی دینوری قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پیرومرشد نے نام دریافت کیا جس پر عرض کی۔ ابوالسحق شامی۔ پیرومرشد نے فرمایا۔ آج کے بعد تمہیں چشتی کہا جائے گا اور یہ نسبت قیامت تک جاری رہے گی۔

خواجہ ابوالسحق دمشقی کئی سال تک حضرت مرشد کی خدمت میں رہے اور منازل مجاہدہ سے گزر کر بڑے اعلیٰ منصب پر پہنچے۔ آخر کار مرشد برحق نے آپ کو اپنے سامنے بٹھا کر ارشاد فرمایا کہ آج سے تم ہمارے موروثی اور خاندانی نعمتوں سے مالا مال ہوئے ہو۔ تم صبح دیار چشت کی طرف روانہ ہو جانا اور وہاں گناہ گار لوگوں کی دست گیری کرنا۔ جو لوگ آپ کی اولاد سے نسبت قائم کریں گے، چشتی کہلائیں گے۔ چنانچہ پیرومرشد کے حکم پر آپ چشت تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہ ابوالسحق دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ۳۶۰ھ میں خلیفہ معتصم باللہ کے دور خلافت میں چشت تشریف لائے۔

چشت خراسان میں ایک شہر ہے جو در الخلافہ ہرات کے نزدیک ہی ایک پہاڑ کے درہ کے پاس واقع ہے، اس مقام کو شافلان پیراں بھی کہا جاتا ہے۔

سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کی تعداد بڑی لمبی ہے۔ اس بنا پر ان تمام مشائخ کے ملفوظات جمع کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور یہ مختصر سا مضمون اپنی کوتاہ دامنی کی وجہ سے بہر حال تنگ ہوگا، اس لیے اس مقالے میں محض چند ہی مشائخ چشت کے ملفوظات جمع کیے جاسکتے ہیں۔

ملفوظات مشائخ چشت کو پڑھنے سے یہ امر عیاں ہے کہ ان مشائخ کرام

نے اپنی پاکیزہ تعلیمات اور زریں اقوال سے جہاں اعتقادات میں گمراہ و بد عقیدہ قوموں کی اصلاح فرمائی ہے، وہیں میدان عمل میں بھی ہرزوئیے سے قوم مسلم کی رہنمائی کر کے کشتی امت کو ساحل سے ہمکنار کیا ہے اور قرآن و احادیث، اقوال صحابہ اور اولیائے کبار کے واقعات کی روشنی میں وعظ و تذکیر، انذار و تحذیر اور وعد و تبشیر کا فریضہ انجام دیا ہے۔ عبادات، معاملات، حقوق اللہ، حقوق العباد سے بندگان خدا کو آگاہ کر کے ہر ایک کو محاسبہ نفس پر آمادہ کیا ہے۔

### خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن سنجری قدس سرہ:

خواجہ غریب نواز قدس کی آمد سے پہلے سرزمین ہند کا حال نہایت تاریک تھا۔ ہر طرف کفر و شرک کا دور دورہ تھا، بت پرستی عام تھی، رائے پتھورا کی حکومت تھی، اس کے ظلم و استبداد کے آگے رعایا میں سراٹھانے کی تاب نہ تھی۔ دنیاوی اعتبار سے بڑی مضبوط طاقت کا مالک تھا۔ شاہی خزانے سے اس نے بڑے بڑے بت خانے تعمیر کر رکھے تھے۔ عیش و عشرت میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ کبھی اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی ہوگی کہ اس کی حکومت کبھی زوال پذیر ہوگی اور کسی روحانی قوت کے ذریعہ اس کی مادی قوت نیست و نابود ہو جائے گی۔

بالآخر اہل ہند پر خاتم پیغمبران پیشوائے رسل حضور پر نور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ رحمت پڑی اور غیر منقسم ہندوستان کی سرزمین سے کفر و شرک کی تاریکی مٹانے اور خورشید اسلام سے اسے روشن و تاب ناک بنانے کے لئے خواجہ غریب نواز قدس سرہ کو ہندوستان کی ولایت عطا فرمائی۔ چنانچہ کتب تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ میں روضہ اقدس کے پاس مقیم تھے کہ ایک دن روضۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آواز آئی ”اے معین الدین حسن تم ہمارے دین کے معین ہو، ہندوستان کی ولایت تمہارے حوالے ہوئی۔ تم وہاں جاؤ اور اجیر میں اقامت اختیار کرو کہ وہاں کفر پھیلا ہوا ہے اور تمہارے جانے

سے اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا“۔

اس آواز کو سننے کے بعد خواجہ غریب نواز حیرت میں پڑ گئے کہ مقام اجیر کس جگہ واقع ہے۔ اسی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ نیند آگئی اور خواب میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت باسعادت نصیب ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہی لمحے میں مشرق سے لے کر مغرب تک سارے عالم کا مشاہدہ کر دیا۔ کس جگہ کون سا شہر کون مقام اور کون قلعہ و پہاڑ ہے، سب کچھ ملاحظہ فرمایا۔ اسی درمیان اجیر کو بھی خوب اچھی طرح سے پہچان لیا اور ایک جنتی انار بھی خواجہ غریب نواز کو عطا فرمایا اور مزید ارشاد فرمایا: ہم نے تمہیں خدا کے سپرد کیا۔ ”جب خواب سے بیدار ہوئے تو پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ ہندوستان کے لیے رخت سفر باندھ لیا اور اپنے رفقاء کے ساتھ اجیر کے لیے روانہ ہو گئے۔

ادھر رائے پتھورا کی ماں جو علم بخوم میں بڑی ماہر تھی، اس نے خواجہ غریب نواز کی ہندوستان آمد سے بارہ سال پیشتر ہی یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ایک شخص پیدا ہوگا جو تمہارے حکومت کے زوال کا سبب بنے گا اور اس نے حضرت کا پورا حلیہ لکھ کر اپنے بیٹے کے حوالے کر دیا۔ اس پیشین گوئی کو سن کر رائے پتھورا کے دل پر خوف طاری ہو گیا۔ اس نے وہ حلیہ لکھ کر ہر طرف بھیج دیا کہ اس حلیہ کا جو بھی شخص ملے اسے گرفتار کر کے میرے پاس لایا جائے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کی حفاظت فرمانا چاہتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی اور ایسا ہی ہوا۔ خواجہ غریب نواز اجیر تشریف لائے اور آپ کی آمد کی برکت سے یہاں کی فضا بڑی تیزی سے بدلنے لگی۔ آپ کی کرامات اور تعلیمات سے متاثر ہو کر بڑے بڑے بت پرست کفر و شرک سے توبہ کر کے کلمہ اسلام کو اپنے سینوں سے لگانے لگے۔ انسان تو انسان، وہ جن جس کی خود رائے پتھورا اور اس کے آبا و اجداد پرستش کرتے تھے، اس نے بھی حضرت کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر لیا اور حضرت نے اس جن کا نام شادی رکھا۔



## خواجہ غریب نواز کے ملفوظات:

خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز کے ملفوظات، علم و معرفت کے ایسے جواہر پارے ہیں جن سے زندگی کے ہر گوشے میں روشنی ملتی ہے۔ عقائد و اعمال ہوں یا آداب پیری و مریدی سب کا واضح بیان ملتا ہے۔ اہم العبادات نماز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”نماز ہی میں سرنگاہ عزت سے لوگ نزدیک ہو سکتے ہیں، اس واسطے کہ نماز مومن کی معراج ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: الصلوٰۃ معراج المومنین۔ تمام مقاموں سے بڑھ کر یہی نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ملنا پہلے نماز ہی سے شروع ہوتا ہے کہ نماز ایک راز ہے جو بندہ اپنے پروردگار سے بیان کرتا ہے“ نماز میں وقت کی پابندی لازم و ضروری ہے۔ کسی بھی نماز میں اتنی تاخیر کرنا جائز و حرام ہے کہ نماز کا وقت نکل جائے اور وقت سے پہلے کوئی نماز ادا بھی نہیں کی جاسکتی۔ عرفات اور مزدلفہ کے سوا جمع بین الصلا تین کی اجازت نہیں ہے۔ اس مسئلے کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وہ کیسے مسلمان ہیں جو نماز وقت پر ادا نہیں کرتے اور اس قدر دیر کرتے ہیں کہ وقت گزر جاتا ہے۔ ان کی مسلمانی پر بیش ہزار افسوس جو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ فرمایا ”میرا گزرا ایسے شہر سے ہوا جہاں پر یہ رسم تھی کہ لوگ وقت سے پہلے نماز کے لئے تیار ہو جاتے تھے، میں نے پوچھا کہ اس میں حکمت کیا ہے تم سب وقت سے پہلے نماز کے لئے تیار ہو؟ کہا سبب یہ ہے کہ جب وقت ہو فوراً نماز ادا کر لیں۔ جب تیار نہ ہوں گے تو شاید وقت گزر جائے پھر یہ منہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح دکھائیں گے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے: عجلوا بالتوبة قبل

الموت و عجلوا بالصلوة قبل الفوت

مرنے سے پہلے توبہ کے لئے جلدی کرو اور موت ہو جانے سے پیشتر نماز

## کے لئے جلدی کرو۔

امام یحییٰ زندی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ مولانا حسام الدین محمد بخاری سے جو میرے استاذ تھے، سنا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: من اکبر الكبائر الجمع بین الصلا تین۔ سب سے بڑے گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ نماز میں اس قدر تاخیر کی جائے کہ وقت گزر جائے اور پھر دو نمازیں اکٹھی ادا کی جائیں۔

خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں میں حاضر تھا۔ آپ سے میں نے یہ حدیث سنی جس کی روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں منافقوں کی نماز بتاؤں۔ عرض کی: فرمائیے۔ فرمایا جو شخص نماز میں اس قدر تاخیر کرے کہ سورج کی روشنی میں فرق آجائے اور اس کا رنگ زردی مائل ہو جائے پھر عرض کی کہ وقت مقرر فرمائیں۔ فرمایا اس کا ٹھیک وقت یہ ہے کہ آفتاب نے اپنا اصلی رنگ نہ بدلا ہو یعنی زرد نہ پڑ گیا ہو۔ بعد ازاں فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کی نماز نہیں اس کا ایمان نہیں۔ تفسیر محبوب قریش میں ہے کہ جو شخص پانچوں نمازیں با وقت ادا کرتا ہے، وہ قیامت کے دن اس کی رہنمائی بنتی ہیں۔

اسی موقع پر فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ امام زاہد کی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھا ہے: فویل للمصلین الذین ہم عن صلاتہم ساهون۔ ان نمازیوں کے لئے ویل ہے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں۔

ویل دوزخ میں ایک کنواں ہے، بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کی ایک وادی ہے جس میں سخت سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو نماز میں غفلت کرتے ہیں۔

پھر ویل کی تفسیر یوں فرمائی کہ ویل نے ستر ہزار مرتبہ اللہ تعالیٰ سے روکر

پوچھا کہ ایسا سخت عذاب کن لوگوں کو ہوگا؟ حکم ہوا ان کے لئے جو نماز کو وقت پر ادا نہیں کرتے اور قضا کرتے ہیں۔

اپنے تجربات کی روشنی میں آداب مریدی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:  
میں جب خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوا تو آٹھ سال تک آپ کی خدمت میں ایک دم بھی آرام نہ کیا۔ نہ دن دیکھتا نہ رات، جہاں آپ سفر کو جاتے سونے کے کپڑے اور توشہ اٹھا کر ہمراہ ہوتا۔ جب میری خدمت دیکھی تو ایسی نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی انتہا نہیں۔

پھر فرمایا جس نے کچھ پایا، خدمت سے پایا۔ پس مرید کو لازم ہے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ بھر بھی تجاؤ نہ کرے اور جو کچھ اسے نماز و تسبیح اور ادو وغیرہ کی بابت فرمائے، گوش ہوش سے سنے اور اسے بجالائے تاکہ کسی مقام پر پہنچ سکے، کیونکہ پیر مرید کا سنوارنے والا ہے، پیر جو کچھ فرمائے گا وہ مرید کے کمال کے لئے ہی فرمائے گا۔“

سلوک اور مراتب سلوک کے بارے میں فرمایا ”مشائخ نے سلوک کے سو درج مقرر کئے ہیں ان میں ستر ہواں مرتبہ کشف و کرامت کا ہے پس جو شخص اس ستر ہویں درجے میں اپنے تئیں ظاہر کر دے، وہ باقی کے ترسی کس طرح حاصل کرے گا۔ سالک کو چاہئے کہ جب تک سوئیں مرتبہ پر نہ پہنچ جائے اپنے تئیں ظاہر نہ کرے۔ خواجگانِ چشت کے خاندان میں بعض نے پندرہ درج مقرر کئے ہیں کہ جب تک پندرہویں درج تک نہ پہنچ جائے، اپنے تئیں ظاہر نہ کرے پھر کامل ہوگا۔“

سلوک کی بابت لکھا ہے کہ ”ایک مرتبہ خواجہ جنید بغدادی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ آپ دیدار کیوں نہیں چاہتے؟ اگر چاہیں تو ضرور مل جائے۔ فرمایا میں ایک چیز نہیں چاہتا وہ یہ ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام نے مانگی اور انھیں نصیب نہ ہوئی لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے مانگے ملی۔ پس بندے کو خواہش سے کیا واسطہ۔ اگر وہ اسی لائق ہوگا تو خود ہی حجاب اٹھ جائے گا اور تجلی ہو جائے گی پس کیا

ضرورت ہے کہ ہم خواہش کریں۔“

بعد ازاں عشق کے بارے میں فرمایا کہ ”عاشق کا دل محبت کا آتش کدہ ہوتا ہے جو اس میں جائے اسے جلا دیتا ہے اور نا چیز کر دیتا ہے کیونکہ عشق کی آگ سے بڑھ کر کوئی آگ تیز نہیں ہے۔“

اسی موقعہ کے مناسب یہ حکایت بیان فرمائی کہ ”رابعہ بصریہ ایک رات عشق کے شوق و اشتیاق کی وجہ سے الحریق الحریق پکارتی تھیں۔ اہل بصرہ یہ فریاد سن کر باہر نکلے تاکہ آگ بجھائیں۔ ان میں ایک شخص واصل خدا تھا، اس نے کہا کیسے بیوقوف ہیں جو رابعہ کی آگ بجھانے آئے ہیں۔ اس کے سینے میں تو عشق کی آگ بھڑکی ہوئی ہے، یہ وصال دوست کے سوا نہیں بجھے گی۔“

اس کے بعد فرمایا کہ ”جب تک آدمی راہ سلوک میں پہلے دنیا و مافیہا اور پھر اپنے تئیں نہ چھوڑے وہ اہل سلوک میں داخل نہیں ہو سکتا۔“

### خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ ۵۸۲ھ میں بمقام اوش پیدا ہوئے۔ اوش نواحی فرغانہ کا ایک بڑا شہر ہے۔ جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں بادشاہ لکھتی ہیں: کہ یہ ولایت ماوراء النہر کا ایک قصبہ ہے۔ والد بزرگوار سید کمال الدین احمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا سایہ عافیت بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ جو نہایت عقیفہ صالحہ عابدہ تھیں، انھوں نے تربیت کی۔ جب حضرت قطب کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو والدہ ماجدہ نے پڑوس کے ایک صالح آدمی کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم کی غرض سے کسی معلم کے پاس بھیج دیا۔ راستے میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ اس بچے کو میرے ہمراہ کر دو، میں اسے کسی اچھے معلم کے ساتھ بٹھا دوں گا، ہمسایہ نے بچے کو اس بزرگ کے حوالے کر دیا۔ وہ بزرگ بچے کو

لے کر خواجہ ابو حفص اوشی قدس سرہ کے پاس کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ احکم الحاکمین کا حکم ہے کہ اس بچے کو توجہ سے پڑھاؤ اور یہ فرما کر چلے گئے، خواجہ ابو حفص نے دست شفقت پھیر کر شاگرد سے فرمایا۔ بڑے صاحب نصیب ہو کہ حضرت خضر علیہ السلام تمہیں میرے حوالے فرما گئے ہیں: چنانچہ انہیں بزرگ سے آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔

بلوغ کے قریب ہی علوم باطنیہ کا شوق ہوا اور خواجہ غریب نواز معین الدین حسن سنجری قدس سرہ سے بیعت ہوئے بعض لوگوں نے پانچ رجب کو مسجد ابوللیث میں آپ کا بیعت ہونا تحریر کیا ہے۔ اور کچھ ہی مدت کے بعد خرقة اجازت و خلافت حاصل کر لیا اور اس کے بعد مختلف شہروں میں پھرے اور اولیائے کبار کی زیارت کرتے ہوئے ہندستان تشریف لائے۔ سب سے پہلے ملتان میں شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور شیخ جلال الدین تبریزی کے پاس قیام کیا۔ تینوں بزرگوں میں بہت دوستی اور خاص محبت ہو گئی۔ اس کے بعد آپ دہلی تشریف لائے، سلطان التمش نے باہر نکل کر استقبال کیا اور بہت عزت و تکریم کے ساتھ ٹھہرایا۔ آپ دہلی کے قیام میں ایک مرتبہ اجمیر حاضر ہوئے تو دہلی والوں کو آپ کی مفارقت سخت گراں گزری، حضرت شیخ خواجہ غریب نواز کی خدمت میں التجا کی تو حضرت شیخ نے جلد ہی دہلی واپس کر دیا۔

### کا کی لقب پڑنے کے وجہ:

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا لقب کا کی کیوں پڑا، اس کی متعدد وجہیں بیان کی گئی ہیں جن میں زیادہ مشہور یہ ہے کہ حضرت پراکثر فقر و فاقہ کا غلبہ رہا کرتا تھا۔ جب دو تین فاقے ہو جاتے تو اہلیہ محترمہ پڑوس کے ایک بقال کی بیوی سے بقدر کفاف قرض لے لیا کرتیں، کسی دن بقال کی عورت نے کوئی نامناسب بات کہہ دی، حضرت کو جب خبر ہوئی تو آئندہ قرض لینے سے منع فرما دیا اور فرمایا کہ ہمارے حجرہ میں جو طاق ہے، اس میں سے جب ضرورت ہو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کاک

(روٹی کا ٹکڑا) لے لیا کرو اور خود بھی کھاؤ اور دیگر وابستگان کو بھی کھلاؤ، چنانچہ حضرت کی یہ کھلی ہوئی کرامت تھی کہ جب بھی اس طاق میں ہاتھ ڈالا جاتا تو اس میں سے بقدرت الہی روٹی کے گرم گرم کاک نکلتے اور وہ اہل و عیال اور دیگر لوگوں کے لئے کافی ہوتا۔

### خواجہ قطب الدین بختیار کا کی کے ملفوظات:

خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کے ساتھ آداب تصوف و سلوک کو بھی بڑے اچھوتے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ایک درویش کو کس طرح زندگی گزارنی چاہئے اس کی شان کیا ہونی چاہئے، اسے بڑی تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے، شان درویش پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اگر درویش عمدہ لباس پہنے یعنی خلقت کے دکھاوے کے لئے تو ٹھیک جانو کہ وہ درویش نہیں بلکہ راہ سلوک کا راہزن ہے اور جو درویش نفس کی خواہش کے مطابق عمدہ کھانا پیٹ بھر کھائے تو یقیناً جانو کہ وہ بھی راہ سلوک میں دروغ گوار جھوٹا مدعی اور خود پرست ہے اور جو درویش کہ دولت مند کی ہم نشینی کرتا ہے، اسے درویش نہ خیال کرو بلکہ وہ طریقت کا مرتد ہے اور جو درویش نفسانی خواہش کے مطابق خوب دل کھول کر سوتا ہے یقیناً جانو کہ اس میں کوئی نعمت نہیں۔“

اس ارشاد سے یہ مستفاد ہوا کہ ریا کاری، خواہشات نفس کی پیروی اور امر کی ہم نشینی شان درویشی کے خلاف ہے۔ اگر کوئی درویشی کا دعویٰ محض دکھاوے کے لئے عمدہ کپڑا زیب تن کرے اور اس کے پیچھے اخلاص کا فرمانہ ہو یا کوئی صرف پیٹ بھرنے اور حصول لذت کے لئے کھانا کھائے اور یہ مقصد نہ ہو کہ کھانا کھانے سے جسم میں اتنی توانائی آئے گی کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی پر قدرت ہوگی، ورنہ اس کے بغیر عبادت میں خلل پیدا ہوگا کہ لاغری کی وجہ سے عمدہ طور پر فرائض کی ادائیگی نہیں

ہوسکتی، تو وہ حقیقت میں درویش نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص صرف راحت طلبی و تنعم کے لے سوائے اور یہ مقصد نہ ہو کہ سویلنے سے طبیعت پر سکون ہوگی اور اوامر کی ادائیگی میں نشاط حاصل ہوگا تو وہ بھی سچا درویش نہیں ہوسکتا بلکہ دعویٰ درویش میں جھوٹا ہوگا۔

پھر ایک درویش کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میں ایک دفعہ ایک دریائی سیر کر رہا تھا۔ ایک بزرگ اور مالدار درویش کو دیکھا لیکن ساتھ ہی اسے مجاہدہ میں یہاں تک پایا کہ اس کے وجود مبارک پر ہڈیاں اور چمڑہ بھی نہ رہا تھا۔ الغرض اس درویش کی یہ رسم تھی کہ جب نماز چاشت ادا کرتا اور سجادے پر بیٹھتا تو اس کے دسترخوان پر تقریباً ڈھائی من طعام ہوتا، چاشت سے ظہر کی نماز تک جو شخص آتا کھانا کھا کر چلا جاتا، اگر کوئی ننگا ہوتا تو اسے حجرے میں لے جا کر کپڑ پہناتا اور جب طعام ختم ہو جاتا اور کوئی مسکین اور عاجز آجاتا تو مصلیٰ کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو کچھ اس کا نصیب ہوتا اسے دے دیتا۔ الغرض دعا گو چند روز اس بزرگوار کی خدمت میں رہا، جوں ہی افطار کا وقت ہوتا۔ چار کھجوریں عالم غیب سے پہنچ جاتیں، ان میں سے دو مجھے دیتا اور دو خود کھا لیتا۔ اس کے بعد کہتا کہ جب تک درویش کم نہ کھائے اور کم نہ سوائے اور کم نہ بولے اور لوگوں کے میل جول کو ترک نہ کرے کسی مرتبے کو نہیں پہنچتا۔“

ترک دنیا پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ساک کے لئے دنیا سے بڑھ کر کوئی حجاب نہیں، اس واسطے کہ کوئی شخص اس وقت تک خدا رسیدہ نہیں ہوتا جب تک وہ دنیا میں مشغول ہوتا ہے اور اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان دنیا سے بڑھ کر اور کوئی حجاب نہیں۔ پس جو شخص دنیا میں مشغول ہو جائے وہ خدا سے باز رہتا ہے۔ لوگ جس قدر دنیا میں مشغول رہتے ہیں، اسی قدر خدا کی طرف سے رہ جاتے ہیں اور اس سے جدا ہوتے ہیں۔

جب دنیا میں دنیا کی محبت رکھی گئی تو تمام فرشتوں نے اس بات پر زور دیا، لیکن ابلیس لعین خوش ہوا اور کہا کہ آدم (علیہ السلام) کے فرزندوں میں فساد کی بنیاد ڈالی گئی، اس واسطے کہ اس مردار کی خاطر بھائی بھائی کو ہلاک کر دے گا اور رشتہ دار قطع تعلق کر لیں گے اور کئی شہر خراب ہو جائیں گے اور آدمی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے اور ایک دوسرے سے عداوت رکھیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے اور دنیا برقرار رہے گی۔ اس دنیا کی محبت کو لعنتی شیطان نے بڑی تعظیم و تکریم سے سر آنکھوں پر رکھا حکم ہوا: اے عزازیل! تو نے یہ کیا کیا کہ تو نے دنیا کی محبت کو بڑے ادب کے ساتھ سر آنکھوں پر رکھا۔ اس نے کہا: اے پروردگار! دنیا کو سر آنکھوں پر رکھا ہے کہ جو شخص اسے دوست رکھے گا اور اس میں مشغول رہے گا، وہ میرا پیرو ہوگا اور میں اسے اور بھی اس میں مشغول رکھوں گا، یہاں تک کہ اسے تمام طاعتوں اور عبادتوں اور نیکیوں سے باز رکھوں گا، پس وہ گنہگار میرا بن جائے گا اور میں اسے ہلاک کر دوں گا اور اس کا مال دوسرے لوگ کھائیں گے اور وہ درمیان سے اٹھ جائے گا۔“

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ یقیناً دنیا ایک مردار جانور کی طرح ہے جس کی اللہ رب العزت کے نزدیک پسو کے برابر بھی حیثیت نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ماسقى كافرا شربة -  
اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیکی پسو کے برابر بھی وقعت رکھتی تو کسی کافر کو ایک قطرہ پینے کو نہ ملتا (مشکوٰۃ الصالح کتاب الرقاق)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو دنیا کی آلائش سے اسے دور رکھتا ہے۔ اسی بنا پر حضرات صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے ملفوظات میں ترک دنیا کی تعلیم دی اور سلوک کے لئے دنیا کو ایک حجاب قرار

دیا کہ کوئی دنیا دار حقیقت میں وہ درویش نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب و محبوب ہوتا ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے: قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إذا أحب الله عبدًا حماه الدنيا كما يظل أحدكم تحمي سقيمہ الماء۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے دنیا سے ایسے ہی محفوظ رکھتا ہے جیسے تم میں کوئی اپنے بیمار آدمی کو پانی سے بچاتا ہے۔

**خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ:**

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ سرزمین ہند کے کبار اولیا میں سے ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اسم گرامی مسعود اور لقب فرید الدین تھا۔ آپ کے والد ماجد شیخ جمال الدین، سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے، والدہ ماجدہ مولانا وچہ الدین خندی کی صاحبزادی تھیں۔ بڑی صاحب ولایت خاتون تھیں۔ سلطان الاولیا شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ ایک چور چوری کے ارادے سے گھر میں داخل ہوا۔ اس وقت والدہ ماجدہ نماز پڑھ رہی تھیں، چور کا گھر میں داخل ہونا تھا کہ اندھا ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ کسی بزرگ کا مکان ہے، اس نے فوراً دل میں عہد کیا کہ اگر دوبارہ میری بینائی لوٹ آئی تو آئندہ چوری نہیں کروں گا اور مسلمان ہو جاؤں گا۔ والدہ ماجدہ جب اس کے ارادے سے واقف ہوئیں تو دعا فرمائی، دعا کی برکت سے اس کی بینائی لوٹ آئی۔ دوسرے دن اپنے اہل و عیال کے ساتھ آکر مشرف باسلام ہوا۔ عبداللہ اس کا نام تجویز ہوا، بعد میں واصلان طریقت میں سے ہو گیا۔

حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر کے دادا قاضی شعیب ہلاکو کے

زمانے میں اپنے وطن عزیز کابل کو چھوڑ کر لاہور تشریف لے آئے تھے، وہاں کے قاضی منصور نے شاہ دہلی کو خبر دی، وہاں سے درخواست منصب آئی مگر آپ نے اسے نامنظور فرما دیا اور ملتان تشریف لے گئے۔ اسی علاقہ میں کہوٹوال کی جاگیر آپ کی خدمت میں پیش ہوئی جسے منظور فرما کر وہیں اقامت فرمائی، اور وہیں حضرت شیخ کی ولادت ۵۲۸ھ یا ۵۲۹ھ میں کہوٹوال مضافات ملتان میں ہوئی۔

ملتان ہی میں نشوونما ہوئی اور علوم ظاہری کی تکمیل بھی فرمائی۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ آپ ملتان میں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں علوم دینیہ کی تعلیم میں مشغول تھے، سولہ سال کی عمر تھی۔ انھیں ایام میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف لائے، پورے اخلاص کے ساتھ ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، حضرت نے فرمایا تمہارے ہاتھ میں کون سی کتاب ہے؟ عرض کیا۔ کتاب نافع جو علم فقہ میں ہے، فرمایا۔ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے لئے نافع ہوگی، عرض کیا۔ میرے لیے حضرت کی خدمت نافع ہوگی، اسی مجلس میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔

بزرگوں کی صحبت اور ان کے فیض سے آپ ولایت و عرفان کے بلند مراتب پر فائز ہوئے، مرشد گرامی کی ہدایت پر ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے۔

**گنج شکر سے مشہور ہونے کی وجہ:**

اس کی بہت سی وجہیں بیان کی گئی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ آپ نے مجاہدہ کا ارادہ فرمایا، شیخ نے بھوکا رہنا بتایا۔ آپ نے روزے رکھنے شروع کر دیے، تین دن کے بعد ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضر ہوا، آپ نے اسے تناول فرمایا مگر قے ہو گئی اور سب کچھ باہر نکل گیا۔ شیخ سے یہ قصہ بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ تین دن کے بعد تو نے کھایا پھر بھی شرابی کے کھانے سے کھایا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ کھانا

پیٹ میں نہ رہ سکا، اب تین دن اور بھوکے رہو اور جو غیب سے آئے اسے کھاؤ۔ تین دن گزرنے کے بعد ضعف بہت زیادہ آ گیا۔ شدت بھوک کی وجہ سے کچھ کنکریاں زمین سے اٹھا کر منہ میں ڈال لی اور بقدرت الہی وہ کنکریاں شکر ہو گئیں۔ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ بیان کیا تو حضرت شیخ نے فرمایا۔ اے فرید الدین جو کنکریاں تمہارے منہ میں گئیں وہ شکر ہو گئیں، کیا عجیب ہے کہ حق تعالیٰ تیرا وجود کج شکر بنا دے۔ اسی وقت سے آپ ہر طرف اس لقب سے مشہور ہو گئے،

### ملفوظات:

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ بندگان خدا کی اصلاح ظاہر کے ساتھ اصلاح باطن بھی فرمائی ہے۔ معاشرہ میں پائی جانے والی عام برائیاں تکبر، دروغ گوئی، نفس پرستی کے نقصانات سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے اور آداب درویشی پر گفتگو فرمائی ہے، ملفوظات کا ایک نمونہ نذر قارئین کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست رکھنا چاہئے وہ جب دیتا ہے، اسے کوئی نہیں چھین سکتا۔ جو شخص تمام دنیا کو دشمن بنانا چاہے تکبر اختیار کرے۔ جو اپنی عزت و اعتبار گنونا چاہے وہ بے نمازی و دروغ گوئی اختیار کرے۔ درویش کو چاہیے کہ ظاہری تزیین و آرائش میں کوشش نہ کرے اور دنیوی عزت کے لئے خود کو بے قدر نہ بنائے۔ سائل کو ہرگز نہ جھڑکے، جو میسر ہو دیدے، نہ ہو تو نرمی سے منع کر دے، برا بھلا نہ کہے۔ دشمن کے ساتھ دوست ہو، دوستی میں اس سے بے خوف نہ رہنا چاہیے، جیسا کہ نفس و شیطان ہے، جو تجھ سے ڈرے تو بھی اس سے ڈرتا رہ۔ اہل اللہ کی صحبت کو غنیمت سمجھ اور ان کے ملفوظات اور سیرتوں کا مطالعہ کرتا رہ۔“

معبدوں اور درویشوں کو اصلاح ظاہر کے ساتھ اصلاح باطن کی تعلیم دیتے

ہوئے فرماتے ہیں:

”متعبد اں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کا ظاہر و باطن حق سے آراستہ ہو اور کسی قسم کا ریا، حسد، بغض اور کھوٹ ان کے ظاہر و باطن میں نہ ہو۔ جو طاعت کریں خالص اللہ تعالیٰ کی خاطر کریں، نہ کہ خلقت کو دکھانے کے لئے کیوں کہ جو متعبد ظاہر میں عبادت کرے اور باطن اس کا خراب ہو، اس کی ہر ایک عبادت لپیٹ کر اس کے منہ پر ماری جاتی ہے بلکہ راہ سلوک میں تو اس بات کا بھی ڈر ہے کہ کہیں اس کے ایمان میں خلل نہ آجائے۔ نعوذ باللہ منھا۔“

پھر فرمایا کہ ”اے درویش! بعض متعبد ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا ظاہر آراستہ ہوتا ہے اور ظاہر میں خلقت کو دکھانے کے لئے بہت عبادت کرتے ہیں لیکن باطن میں اس یار کی طرف نہیں ہوتے۔“

”اے درویش! سنو جن کا ظاہر طاعت سے آراستہ ہے لیکن باطن خراب ہے، وہ ایسے لوگ ہیں جو لوگوں کے دکھاوے کی خاطر بہت عبادت کرتے ہیں اور وہ انھیں عزیز جانتے ہیں اور ان کا دل دنیا میں مشغول ہوتا ہے۔“

ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں ایک زاہد نے پانچ سو سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ جب وہ مر گیا تو اسے خواب میں دیکھا گیا کہ آگ کے طوق اس کے گلے میں ڈالے ہوئے ہیں اور آگ کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں پہنائی ہوئی ہیں اور اس کے ارد گرد اگرد تمام آگ ہی آگ جل رہی ہے اور فرشتے گریز کرتے ہیں اور وہ توبہ توبہ پکار رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تو زاہد تھا اور پانچ سو سال تو نے عبادت بھی کی ہے پھر تیری یہ حالت کیوں ہے؟ اس نے کہا اے مسلمانو! جو عبادت میں کرتا تھا سب دکھاوے کی تھی، محض خلقت کو دکھانے کی خاطر کیا کرتا تھا۔ باطن میں دنیا میں مشغول تھا، اس لیے وہ ساری طاعت میرے منہ پر ماری گئی اور حکم ہوا کہ زاہد سخت عذاب کے لائق ہے، اسے عذاب کرو۔

دوسرا اگر وہ جن کا باطن آراستہ اور ظاہر خراب ہوتا ہے، وہ مجاہدین یعنی دیوانے ہیں۔ جو باطن میں حق تعالیٰ میں مشغول ہوتے ہیں اور ظاہر میں ان کے پاس کوئی سرو سامان نہیں ہوتا۔

فرمایا: ”ایک مرتبہ میں نے ایک ایسے دیوانے کو دیکھا جو ساٹھ سال سے جنون کی حالت میں تھا اور اس طرح یا حق میں مشغول تھا کہ نور چمکتا تھا مگر اسے اس نور کی روشنی کی خبر نہ تھی۔ چنانچہ ایک رات اسے خلوت میں میں نے تلاوت میں مشغول دیکھا۔ اس وقت اس سے ایسا نور نکل رہا تھا جس کی روشنی عرش سے لے کر حجابِ عظمت تک جاتی تھی۔ میں آگے بڑھا تا کہ اس نعمت سے مجھے بھی کچھ مل جائے، جوں ہی میرے پاؤں کی آہٹ سنی مڑ کر دیکھا اور کہا اے درویش! چونکہ تو نے ہمارا بھید لے لیا ہے اب بہتر یہی ہے کہ اسے فاش نہ کرے یہ کہا، اور آسمان کی طرف منھ کر کے کہا۔ اے پروردگار! چونکہ میرا بھید تو نے ظاہر کر دیا ہے، اب میرے لیے یہاں رہنے کی جگہ نہیں، ابھی یہ بات پورے طور پر کہنے نہ پایا تھا کہ جان خدا کے حوالے کی“۔

بعد ازاں فرمایا: ”اے درویش! جن لوگوں کا ظاہر و باطن خراب ہے، وہ عوام الناس ہیں جنہیں اطاعت وغیرہ کی کچھ خبر نہیں۔ لیکن جن کا ظاہر و باطن آراستہ ہے، وہ مشائخ ہیں اگر اتفاق سے ان سے کچھ طاعت ریا کے طور پر ظاہر ہو جائے تو اپنے تئیں اس وقت تک مجاہدہ میں رہتے ہیں جب تک کہ اس ریا سے بری نہ ہو جائیں“۔

خوف الہی اور توکل کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اے درویش! خوف حق تعالیٰ کی طرف سے بے ادب بندوں کے لیے تازیانہ ہے تاکہ وہ اللہ سے ڈر کر گناہ سے باز آجائیں اور سیدھی راہ چلیں، کلام مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ألم یأمن اللذین آمنوا أن تحشع قلوبہم - اے میرے بندو! کیا اب

بھی وہ وقت نہیں آیا کہ میرے ڈر کے مارے تمہارے دل نرم ہوں“۔

پھر فرمایا کہ ”خوف اس کے عدل اور امید اس کے فضل کی وجہ سے ہے۔ پس اس کی درگاہ کا معزز بندہ وہ ہے جس میں دونوں باتیں ہوں“۔

پھر موقعہ کی مناسبت سے اس واقعہ کو بیان فرمایا کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے چالیس سال روتا رہا۔ جب اسے موت یاد آئی تو بید کے پتے کی طرح کا نپتا اور ہزار مرتبہ بیہوش ہو کر گرتا، جب ہوش میں آتا تو یہ آیت پڑھتا إن الأبرار لفی نعیم و إن الفجار لفی ححیم یعنی نیک لوگ بہشت میں اور بدکارنا فرمان دوزخ میں جائیں گے۔ پھر نعرہ مار کر بیہوش ہو کر گرتا اور کہتا مجھے معلوم نہیں کہ قیامت کے دن ان دونوں میں سے میں کسی گروہ میں ہوں گا۔ جب فوت ہو گیا تو اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ فرمایا: جیسا دوستوں سے کرتا ہے، جب مجھے عرش کے نیچے لے گئے تو پوچھا گیا کہ اے درویش! تو اس قدر کیوں رویا کرتا تھا کیا مجھے غفار نہیں جانتا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ میں تیری قہاری کے سبب سے ڈرتا تھا کہ کہیں میری ساری عبادت اکارت نہ جائے، اس ڈر سے روتا تھا۔ جب یہ عرض کی تو حکم ہوا کہ جاؤ تجھے ہم نے بخش دیا“۔

طلب معاش میں توکل واستغنا کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اے درویش! شریعت اور طریقت میں صادق بندہ وہ ہے جو روزی سے دل نہ لگائے بلکہ فراخ دلی سے اپنے مولیٰ کی طاعت میں مشغول رہے اور درحقیقت جان لے لے کہ جو کچھ میرے مقدر میں ہے مجھے مل کر رہے گا، اس سے کچھ ذرہ بھر بھی کم نہ ہوگا۔ پس اے درویش! اگر سا لہا سال تو مارا مارا پھرے تو جو رزق تیری قسمت میں لکھا جا چکا ہے وہ بغیر تیری کوشش اور طلب کے تجھے مل جائے گا اور اگر تو زیادہ چاہے تو ایک ذرہ بھر بھی نہیں ملے گا۔ اے درویش! بے غم رہ کیونکہ تیرا رزق تیرے کندھے پر لکھا ہے۔ تو فراخ دلی سے اللہ تعالیٰ کے کام میں مشغول ہو کیونکہ جو تیرا مقسوم ہے وہ ضرور

بالضرورت تجھے مل کر رہے گا، پھر فرمایا کہ جتنے متوکل ہیں انھیں رزق وغیرہ کا نہ غم ہے، نہ اندیشہ، اس واسطے کہ جو کچھ مقسوم میں ہے وہ مل کر ہی رہے گا پھر اندیشہ کرنے کا فائدہ ہی کیا۔

یہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات طیبات کا ایک مختصر نمونہ ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان ملفوظات پر کوئی پورے طور پر اگر عمل کرے اور انھیں اپنے لئے مشعل راہ بنا لے تو دنیا و آخرت دونوں کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوگا۔

### حضرت خواجہ محبوب الہی نظام الدین اولیا قدس سرہ:

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الہی قدس سرہ اولیائے عالم کے سردار، صوفیائے نسل آدم کے پیشوا تھے، آپ کے آباء کرام بخارا کے سادات سے تھے، ’خالد‘ بخارا کے ایک محلے کا نام ہے، آپ کا گھر اسی محلہ میں واقع تھا۔ آپ کے دادا اور نانا دونوں نے ایک ساتھ ہندوستان کے لیے رخت سفر باندھا۔ پہلے لاہور قیام کیا پھر بدایوں آکر سکونت اختیار کی جو اس وقت ایک مشہور مرکز اسلام تھا، دونوں بزرگ علوم و فنون میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کے والد خواجہ احمد بخاری بڑے باکمال صالح بزرگ تھے، فرماں روا نے وقت نے انھیں منتخب کر کے بدایوں کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ والدہ ماجدہ حضرت بی بی زلیخا علیہا الرحمۃ صالحات وقت، عارفات عصر، مستجاب الدعوات اور صاحب تصرفات خواتین سے تھیں۔

۲۷ صفر ۶۳۰ھ کو آپ پیدا ہوئے۔ ابھی کل پانچ سال کی عمر تھی کہ آپ کے والد مکرم سخت علیل ہوئے اور اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ والدہ ماجدہ نے پوری توجہ سے تعلیم دلائی۔ بارہ سال کی عمر میں آپ نے فقہ کی ابتدائی کتابیں مختصر القدروری تک پڑھ لیں، مختصر القدروری، حضرت مولانا علاء الدین اصولی اور مولانا علی سے مکمل کی جو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے شاگرد تھے، اسی زمانہ میں حضرت

خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کی محبت و عقیدت کا جذبہ دل میں بیدار ہوا، آئے دن محبت بڑھتی گئی۔ چنانچہ اٹھارہ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کو لے کر دہلی پہنچے، اتفاق سے حضرت شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہ العزیز کے قرب و جوار میں رہائش ملی۔ اس پیر طریقت کے فیضان صحبت کا اثر تھا کہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کی قربت کی راہیں کھلتی گئیں۔

حضرت محبوب الہی چار سال تک مولانا شمس الملک شمس الدین خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ٹھہرے، حضرت مولانا خوارزمی وقت کے مایہ ناز عالم تھے، فضل و کمال میں انفرادی حیثیت کے مالک تھے، اس طرح بیس سال کی عمر میں حضرت شیخ گنج شکر رحمۃ اللہ کی زیارت و ارادت کے مقصد سے پاک پٹن روانہ ہوئے، بابا صاحب نے دیکھتے ہی فرمایا:

اے آتش فراقت دل ہا کباب کردہ سیلاب اشتیاق جاں ہا خراب کردہ

پندرہ رجب بروز بدھ حضرت گنج شکر سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ چند ماہ قیام کیا، پھر اکتساب فیوض و برکات کے بعد دوبارہ دہلی تشریف لائے، پیر و مرشد کے حکم پر دہلی میں اقامت اختیار فرمائی اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا۔

### محبوب الہی کے ملفوظات:

حضرت خواجہ محبوب الہی کے ملفوظات میں بھی اصلاح اعمال کے ساتھ اصلاح عقائد کی بھرپور روشنی ملتی ہے۔ اگر کسی مسئلے میں کسی باطل فرقے کا اختلاف ہے تو اختلاف واضح فرمانے کے ساتھ اس فرقے کا رد بھی فرمایا اور مذہب حق کی صحیح ترجمانی کر کے امت مسلمہ کی بروقت رہنمائی فرمائی ہے، چنانچہ علم کلام کا ایک بڑا مشہور مسئلہ یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے سبب مومن ایمان سے خارج نہیں ہوتا، بلکہ وہ مومن ہی رہتا ہے۔ البتہ ارتکاب کبیرہ کے سبب فاسق ہو جاتا ہے جس کی



وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے مگر ہمیشہ عذاب میں نہیں رہے گا بلکہ وہ عذاب سے نجات پائے گا، یہ اہل حق کا مذہب ہے۔ شرح عقائد میں ہے الکبیرۃ لاتخرج العبد المؤمن من الايمان ولا تدخله فی الکفر (ص ۱۱۷) گناہ کبیرہ مومن بندے کو ایمان سے خارج نہیں کرتا اور نہ اسے کفر میں داخل کرتا۔

اس مسئلے میں معتزلہ کہتے ہیں کہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہے نہ کافر، اور خوارج کا یہ کہنا ہے کہ وہ کافر ہے، اس لئے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، حضرت محبوب الہی قدس سرہ نے اس بارے میں بڑی بصیرت افروز گفتگو فرمائی ہے، ذیل میں فوائد الفواد سے حضرت کے مفلوطات کا ایک نمونہ اس تعلق سے نذر قارئین کیا جاتا ہے، فوائد الفواد کے مرتب حضرت امیر حسن علی سبیری فرماتے ہیں:

”پھر معتزلہ کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی کہ وہ کہتے ہیں کہ اہل کفر اور اہل کبائر ہمیشہ عذاب میں رہیں گے، فرمایا یہ ان کی غلطی ہے۔ اصل یوں ہے کہ کافر ہمیشہ عذاب میں رہیں گے، اس واسطے کہ وہ بتوں کی پرستش پر اعتقاد رکھتے ہیں اور وہی ان کے معبود ہیں، چونکہ یہ ان کا دائمی اعتقاد ہے اور ہمیشہ کفر پر جمے رہتے ہیں، اس لیے ان کا عذاب بھی دائمی ہوگا۔ لیکن جو لوگ کبیرہ گناہ کرتے ہیں وہ ہمیشہ نہیں کرتے، کبھی گناہ کے ارتکاب سے فارغ بھی ہوتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے کیا ہے، برا کیا ہے، برا کیا ہے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ پس چونکہ ہمیشہ کے لئے کبیرہ گناہوں پر راسخ نہیں ہوتے، اس لئے انھیں عذاب بھی ہمیشہ نہیں ہوگا۔ بعد ازاں فرمایا کہ گنہگار کسی حالت میں تین باتوں کا مطیع ہوتا ہے، اول یہ کہ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ ٹھیک نہیں ہے، دوسرے وہ یہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور دیکھتا ہے، تیسرے اسے بخشش اور معافی کی امید ہوتی ہے، اور یہ تینوں کام فرماں برداروں کے ہیں، اشعر یہ مذہب میں بھی یوں ہی ہے کہ جس کافر کا خاتمہ ایمان پر ہوگا وہ مومن ہے اور جس مومن کا خاتمہ کفر پر ہوگا وہ کافر ہے۔“

حق تعالیٰ کی یاد اور اطاعت و بندگی اور انسان کے مقصد حیات پر گفتگو کرتے ہوئے ناصحانہ انداز میں فرمایا:

”جو موجود ہے وہ دو عدموں کے مابین ہے اور جو وجود عدموں کے مابین ہو اسے بھی معدوم ہی جانا چاہئے، جیسا کہ حیض کے دنوں میں کوئی عورت پہلے روز خون کا نشان دیکھے، دوسرے روز کوئی نشان نہ ہو اور تیسرے روز پھر نشان ظاہر ہو تو بیچ کے دن کو بھی پاک خیال نہ کرنا چاہئے۔ بعد ازاں فرمایا: الوجود بین العدمین کا لظہر المتخلل بین الدمین۔“

خلاصہ یہ کہ جو عمر بمنزلہ عدم ہے اس پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے اور ایسے کم عرصے کو کیوں غفلت اور بیکاری میں برباد کرنا چاہئے۔ بعد ازاں ایک بزرگ کی بابت فرمایا کہ ”وہ ہمیشہ یاد الہی میں مشغول رہتے اور خلقت سے بالکل میل جول نہ کرتے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی، جواب دیا کہ اس سے پیشتر کئی ہزار سال میں معدوم رہا، اس کے بعد بھی معدوم ہو جاؤں گا، سو جو عمر مجھے ملی ہے وہ کیوں ضائع کروں، اسے یاد حق میں ہی کیوں نہ بسر کروں۔“

تو کل کے درجات و مراتب پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

”تو کل کے تین مرتبے ہیں“ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کو اپنے دعویٰ کے لیے وکیل کرے اور وہ وکیل اس شخص کا دوست بھی ہو اور عالم بھی تو وہ موکل بالکل بے کھٹکے ہوگا کہ میں ایسا وکیل رکھتا ہوں جو دعویٰ کے کاموں میں بھی دانا ہے اور میرا دوست بھی ہے، اس صورت میں تو کل بھی ہوگا اور سوال بھی، وہ کبھی کبھی خود وکیل سے کہے گا کہ اس دعویٰ کا جواب اس طرح دینا اور یہ کام اس طرح سرانجام دینا۔ یہ تو کل کا پہلا درجہ ہے کہ تو کل بھی ہو اور سوال بھی، دوسرا مرتبہ تو کل کا یہ ہے کہ ایک شیر خوار بچہ ہو جس کی ماں اسے دودھ پلاتی ہو، اسے تو کل ہی ہوگا، سوال نہ ہوگا۔ بچہ یہ نہیں کہتا ہے کہ مجھے فلاں وقت دودھ دینا، صرف روتا ہے لیکن تقاضا نہیں کرتا اور نہ ہی

کہتا ہے، مجھے دودھ دے دو، اس کے دل میں شفقت مادری پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ تو کل کا تیسرا درجہ ہے کہ جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ، کہ مردہ نہ حرکت کرتا ہے، نہ سوال۔ جس طرح نہلانے والا چاہے اسے حرکت دے اور دھوئے۔ یہ درجہ بہت بلند اور اعلیٰ ہے۔“

اہل تصوف نے دنیا کو ایک مردار کی طرح سے قرار دیا ہے جس کے طلب گار درحقیقت کتے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک و مقرب بندے اس کے لئے کوشاں نہیں ہوتے بلکہ اللہ رب العزت اپنے صالح بندوں کو دنیا کی آلائش سے محفوظ رکھتا ہے، کہ کوئی دنیا دار آدمی اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر ارباب سلوک و معرفت نے اپنے ملفوظات میں جا بجا ترک دنیا کی تعلیم دی ہے اور خود بھی دنیا سے کنارہ کش رہے۔ خواجہ محبوب الہی قدس سرہ بھی ترک دنیا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اصل دانائی یہ ہے کہ دنیا کو ترک کیا جائے، عرض کیا گیا۔ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کا تیسرا حصہ ایسے مرد کو دینا جو سب سے عقل مند ہو تو اس کا فیصلہ کس طرح کرنا چاہئے؟ فرمایا کہ یہ مال ایسے شخص کو دینا چاہئے جو تارک الدنیا ہو، حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ جب وہ تارک الدنیا ہوگا تو مال کیسے لے گا؟ فرمایا کہ بات تو خرچ کرنے کی ہے، سو خرچ کرنا ایسا ہی ہے۔ پھر فرمایا کہ دنیا سے مراد سونا، چاندی اور اسباب وغیرہ نہیں ہیں، بلکہ ایک بزرگ کے قول کے موافق پیٹ میں درد ہے جو تھوڑا کھاتا ہے وہ بھی تارک الدنیا ہے، اور جو پیٹ بھر کھاتا ہے وہ تارک الدنیا نہیں، پھر فرمایا: شیطان کہتا ہے کہ جو آدمی پیٹ بھر کر نماز ادا کرتا ہے میں اس کے گلے ملتا ہوں، چنانچہ جب وہ نماز پڑھ کر باہر نکلتا ہے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس پر میرا غلبہ ہے، اور جو بھوکا سویا ہو اس سے میں دور بھاگتا ہوں۔ پس جب یہ بھوکا نماز میں مشغول ہوگا تو تم اندازہ کر سکتے ہو کہ مجھے اس سے کس قدر نفرت ہے۔“

یہ محض چند مشائخ چشتیہ کے مختصر ملفوظات ہیں جو اس مضمون میں جمع کیے گئے، سارے ملفوظات جو کتابوں میں ملتے ہیں ان کا احاطہ یہاں کیا بھی نہیں جا سکتا۔ بہر حال ان مشائخ کے ارشادات اور ان کی تعلیمات سے آج بھی خلق خدا فیض پارہی ہے، اور انھیں اپنا کر کامیابی کی منزلوں سے ہمکنار ہو رہی ہے۔ وہ ملفوظات اور ان میں درج شدہ بزرگوں کے واقعات بندگان خدا کے لئے نمونہ عمل اور درس عبرت ہیں۔ وہ اقوال اتنے قیمتی ہیں کہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

### مآخذ و مراجع

- (۱) مشکوٰۃ المصابیح۔ از۔ خطیب تبریزی شیخ ولی الدین رحمۃ اللہ علیہ
- (۲) دلیل العارفين۔ مرتب۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ
- (۳) فوائد السالکین۔ مرتب۔ حضرت مسعود اجدھنی
- (۴) اسرار الاولیاء۔ مرتب۔ خواجہ بدراستحق
- (۵) فوائد الفواد۔ مرتب۔ خواجہ امیر حسن سنجرى
- (۶) قصر عارفاں۔ از۔ شیخ مولوی احمد علی چشتی حیدرآبادی / مترجم، پیرزادہ اقبال احمد فارقی۔
- (۷) سیرالاخیر، محفل اولیاء۔ از۔ علامہ شاہ مراد سہروردی
- (۸) مونس الارواح۔ از۔ جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں صاحب قرآن ثانی
- (۹) شرح عقائد۔ از۔ علامہ سعد الدین تفتازانی

## انوار سورہ فاتحہ

### ارشادات خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی روشنی میں

علامہ سید شاہد علی رضوی حسنی برکاتی

الجامعۃ الاسلامیہ، گنج قدیم رامپور

سیدنا سلطان الہند، عطاءے رسول، قدوۃ العارفین، خواجہ خواجگان، معین المملکت والدین، غریب نواز حضرت خواجہ سید معین الدین حسن سنجرى چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات و ملفوظات اور کلمات جان پرور زبان فیض ترجمان سے سن کر سیدنا قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی علیہ الرحمۃ الرضوان نے جمع کئے ہیں۔ اس مجموعہ اور صحیفہ مبارکہ کا نام ”دلیل العارفین“ ہے۔ اس میں حسب ذیل چار اقسام ہیں:

۱- فقر و صواب کے بیان میں۔

۲- مکتوبات و تسبیحات کے بیان میں۔

۳- اوراد و غیرہ کے بیان میں۔

۴- سلوک اور اس کے فوائد کے بیان میں۔

فقیر نوری نے اس صحیفہ مبارکہ سے صرف قرآن کریم اور سورہ فاتحہ کے سلسلہ میں تفسیری افادات (اسرار و نکات) اور فضائل و فوائد کو سلک تحریر میں لانے اور جواہر عالیہ وغالیہ کو چننے کی کوشش کی ہے۔ نیز حسب ضرورت تشریح و توضیح کی غرض

سے کچھ اضافے بھی شامل تحریر کئے ہیں۔ اللہ رب العزت اپنے فضل خاص اور اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ، حضرات خواجگان چشت خصوصاً حضرت خواجہ غریب نواز کے فیضان، خاندان برکات کے تصدق و طفیل اور سیدی و سندی حضور مفتی اعظم قطب عالم نور اللہ مرقدہ کی عنایت سے اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے۔ اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ (آمین)

سورہ فاتحہ کے نام:

سورت کا کثیر الاسماء ہونا، اس کی شرافت و فضیلت کی دلیل ہے۔ کیوں کہ اسماء کی کثرت مسمیٰ کے شرف پر دلالت ہے۔

جلال المملکت والدین حضرت علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ نے ”اتقان“ میں سورہ فاتحہ کے پچیس (۲۵) نام ذکر کئے ہیں اور ہر ایک کے اسباب بھی بیان کئے ہیں۔ جس سے اس کی فضیلت و اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ ذیل میں اُن کا خلاصہ تحریر کیا جاتا ہے۔

۱- فاتحہ الکتاب: حدیث شریف میں یہی نام بتایا گیا ہے۔ اس سورت کو فاتحہ الکتاب اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے کتاب و تعلیم اور نماز کا آغاز کیا جاتا ہے اور اس لئے کہ بعض روایات کی رو سے سب سے پہلے یہی اُتری۔

۲- فاتحہ القرآن: قرآن حکیم کا آغاز اسی سے ہے۔

۳- اُم الکتاب: ایسا ہی حدیث شریف میں آیا ہے۔ اس سورت کو اُم الکتاب اس لئے کہتے ہیں کہ ساری آسمانی کتابوں کے تقریباً سارے مضامین اس میں آگئے ہیں، کیوں کہ عقائد اعمال وغیرہ سب اس میں موجود ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی معبودیت، اس کی بے نیازی، بندے کی عبدیت، نیاز مندی وغیرہ تمام اس میں

موجود ہیں۔

۴- اُم القرآن: ایسے ہی حدیث شریف میں آیا ہے۔ اس سورت کو اُم القرآن اس لئے کہتے ہیں کہ ام کے معنی اصل اور یہ سورہ مبارکہ سارے قرآن کی اصل ہے، اس لئے کہ جس قدر مضامین سارے قرآن حکیم میں تفصیل سے وارد ہیں وہ اجمالاً یہاں آگئے ہیں۔ اس کو قرآن سے وہی نسبت ہے جو بیج کو درخت سے ہوتی ہے کیوں کہ بیج میں سارا درخت (یعنی پتے، شاخیں، پھلی، پھول وغیرہ) ہوتا ہے۔

۵- القرآن العظیم: ایسے ہی حدیث شریف میں آیا ہے۔

۶- السبع المثانی: اس سورت کو سبع مثانی اس لئے کہتے ہیں کہ اس لفظ کے معنی ہیں سات مکرر آیتیں۔ چونکہ اس میں سات آیتیں ہیں اور دو بار یہ نازل ہوئیں، اس لئے اس کا یہ نام ہوا۔ نیز نماز کی ہر رکعت میں اس سورت کی تکرار ہوتی ہے۔ نیز آدھی سورت میں رب کی حمد و ثنا ہے اور باقی آدھی میں بندے کی عرض و معروض تو گویا آدھی خالق کے لئے ہے اور آدھی مخلوق کے لئے، لہذا اس کو سبع مثانی کہا جاتا ہے، نیز اس طرح کی سورت کسی اور آسمانی کتاب میں نہ آئی، نیز سورہ فاتحہ کا ثواب قرآن حکیم کے ساتویں حصہ کے برابر ہے، لہذا جو شخص اسے سات بار پڑھے، وہ پورے قرآن شریف پڑھنے کا ثواب پائے گا۔ نیز اس کی آیتیں بھی سات ہیں اور دوزخ کے دروازے بھی سات جو شخص کہ ان سات آیتوں کے پڑھنے کا پابند ہوگا، انشاء اللہ اس پر دوزخ کے سات دروازے بند ہو جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار جبرئیل امین علیہ السلام نے بارگاہ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ میں آپ کی امت پر دوزخ کے عذاب کا خوف کرتا تھا۔ جب سورہ فاتحہ

نازل ہوئی تو مجھے اطمینان ہو گیا کیوں کہ یہ سات آیتیں جہنم کے سات طباقوں کا قفل ہیں۔ (تفسیر کبیر)

۷- الوافیہ: وافیہ کے معنی پوری ہونے والی۔ اس سورت میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ ہر رکعت میں پوری پڑھی جاتی ہے دوسری سورتیں اگر دو رکعت میں آدھی آدھی یا کم و بیش پڑھ دی جائیں تو جائز ہوتا ہے نیز اس لئے کہ جملہ قرآنی مضامین کو پورا کرتی ہے۔

۸- الکوثر: ایسے ہی حدیث شریف میں آیا ہے۔

۹- الکافیہ: اس کو کافیہ اس لئے کہتے ہیں کہ دوسری سورتوں کے بدلہ میں کافی ہوتی ہے لیکن اور کوئی سورت اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔

۱۰- الاساس: اس لئے کہ یہ اصل قرآن ہے اور قرآن کی پہلی سورت ہے۔

۱۱- النور: نام سے ظاہر ہے۔

۱۲- الحمد: نام سے ظاہر ہے۔

۱۳- الشکر: نام سے ظاہر ہے۔

۱۴- الحمد الاول: نام سے ظاہر ہے۔

۱۵- الحمد القصیر: نام سے ظاہر ہے۔

اسی طرح احادیث میں ہے کہ اس کے خواص سے ظاہر ہے کہ یہ سورت شفا ہی شفا ہے۔ روحانی علاج ہے، جسمانی بھی۔ عافیہ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جسمانی اور روحانی بیماریوں کا علاج تریاق ہے۔ زہر اور صد ہا قسم کی بیماریوں کا علاج ہے۔ ایک صحابی رسول نے دیکھا کہ ایک آدمی مرگی کے دورے میں گرفتار ہے تو اس کے کان میں یہ سورہ پڑھ دی اور اس کو آرام ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا تو فرمایا یہ سورت ہر بیماری کی دوا ہے۔

- ۱۶- الشافیہ: // ایضاً  
 ۱۷- الصلوٰۃ: اس لئے کہ نماز کی ادائیگی اس پر موقوف ہے۔ عمداً چھوڑے تو نماز ناجائز۔ بھول کر ترک کرے تو سجدہ سہو کرے۔
- ۱۸- سورۃ الصلوٰۃ: // ایضاً  
 ۱۹- الدعاء: اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بندوں کو رب تعالیٰ کا شکر کرنے اور دُعا مانگنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔
- ۲۰- السؤال: اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بندوں کو اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنے کا طریقہ اور ادب سکھایا گیا ہے کہ جب دُعا کرنا ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔ اپنی محتاجی اور بندگی کا ذکر کرے۔ پھر اپنی حاجت عرض کرے اور دنیوی حاجت کے مقابلہ میں آخرت کی حاجتیں زیادہ مانگے۔
- ۲۱- تعلیم المسئلہ: // ایضاً  
 ۲۲- المناجاة: اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بندہ اپنے آقا سے مناجات کرتا ہے مثلاً کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔
- ۲۳- التفویض: اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بندہ اپنا معاملہ اپنے مولیٰ کے سپرد کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے کہ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ [الاتقان، ۱/۲۱-۲۲، علامہ جلال الدین سیوطی]
- اس سورت میں سات آیتیں ستائیس کلمے اور ایک سو چوبیس حروف ہیں۔ کوئی آیت نسخ یا منسوخ نہیں۔

### شان نزول:

یہ سورت مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں یادوں میں نازل ہوئی۔ عمر بن شریبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا میں ایک ندا سنا کرتا ہوں جس میں

اِقْرَاءُ کہا جاتا ہے۔ ورقہ بن نوفل کو خبر دی گئی۔ عرض کیا جب یہ ندا آئے آپ باطمینان سنیں، اس کے بعد جبرئیل نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا فرمائیے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول میں یہ پہلی سورت ہے مگر دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سورۃ اِقْرَاءُ نازل ہوئی۔ اس سورت میں تعلیماً بندوں کی زبان میں کلام کیا گیا ہے۔ [خزائن العرفان، ص ۲]

### سورت:

لفظ سورت سور سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں گھیرنے والی چیز، اسی لئے شہر کے آس پاس کی دیوار (شہر پناہ) کو سُورُ البَلَدِ کہتے ہیں، کیونکہ وہ شہر کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں سورت قرآن کریم کی وہ عبارت کہلاتی ہے جس میں مضمون پورا ہو گیا ہو اور اس کا کچھ نام بھی رکھ دیا ہو جیسے سورۃ فلق، سورۃ بقرہ وغیرہ۔ قرآن مجید میں سب سے چھوٹی سورۃ کوثر ہے اور سب سے بڑی سورۃ بقرہ۔

### سورتوں کے نام:

قرآن حکیم کی سورتوں کے نام اس کے مضامین یا بعض مقاصد یا بعض الفاظ سے رکھ دیئے جاتے ہیں مثلاً اس سورۃ کا نام الحمد بھی ہے، اس لئے کہ اس میں لفظ الحمد آ گیا ہے۔ سورۃ بقرہ کا نام سورۃ بقرہ ہے، اس لئے کہ اس میں کئی جگہ گائے کا ذکر آیا ہے اور قل ہو اللہ کا نام سورۃ اخلاص ہے، اس لئے کہ اس کا مقصود ہے اپنے دین کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے بنانا۔ سورت کے نام کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس میں اول سے آخر تک وہی مضمون ہو۔ سورۃ بقرہ میں صدہا مضامین بیان ہوئے مگر اس کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا۔

آیت:

قرآن حکیم کی اس عبارت کو کہتے ہیں جس میں بات پوری تو ہو جائے مگر اس کا کوئی نام علیحدہ نہ رکھا گیا ہو جیسے ہم لوگ جملے اور کلام بولتے ہیں۔ اس کو آیت اس لئے کہتے ہیں کہ آیت کے معنی ہیں نشانی اور قرآن حکیم کا ہر جملہ قرآن پاک کی حقانیت، لانے والے کی حقانیت اور بھیجنے والے کی حقانیت کی نشانی ہے۔ سب سے چھوٹی آیت مُدْهَاهَا مَتَّان ہے اور سب سے بڑی آیت بقرہ کے آخری رکوع میں ہے۔ آیات اور سورت دو قسم کی ہیں۔ مکی۔ مدنی

مکی: مکی وہ ہیں جو ہجرت سے پہلے اُتریں۔ خواہ کہیں اُتری ہوں۔  
مدنی: مدنی وہ ہیں جو ہجرت کے بعد اُتریں خواہ کہیں اُتری ہوں۔

لہذا ہجرت کے بعد جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لاتے اور وہیں کوئی آیت نازل ہوتی تو اگرچہ وہ اُتری ہے مکہ مکرمہ میں لیکن یہ مدنی کہلائے گی کیونکہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ لہذا سورہ فاتحہ مکی بھی ہے، مدنی بھی۔ خیال رہے کہ پچھلے رسول طالب تھے۔ کلام الہی مطلوب۔ اس لئے وہ کتاب لینے خاص جگہ جایا کرتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ریت لینے طور پر تشریف لے گئے۔ مگر ہمارے حضور مکی ہیں تو آیات مکی۔ جب حضور مدنی ہو گئے تو آیتیں بھی مدنی ہو گئیں۔ بہت سی آیتیں حضور کی مرضی کے مطابق اُتریں جیسے تبدیلی قبلہ وغیرہ کی آیات۔

سورہ فاتحہ کی آیات:

یہ سب مانتے ہیں کہ سورہ فاتحہ میں سات آیتیں ہیں، اس کا نام ”سبع مثانی“ ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ سات آیتیں کون سی ہیں۔ حضرت امام شافعی قدس سرہ کے نزدیک بسم اللہ پہلی آیت ہے اور صِرَاطَ الَّذِينَ سَاءَ وَالضَّالِّينَ تک ایک آیت یعنی عَلَیْهِمْ پَرُوقِفْ نہیں۔ بلکہ ان کے یہاں بسم اللہ ہر صورت کی

پہلی آیت ہے۔ اسی لیے ان کے مذہب میں امام بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھتا ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کے نزدیک بسم اللہ کسی سورت کا جز نہیں پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلَّهِ ہے اور عَلَیْهِمْ پَرُوقِفْ ہے۔ [تفسیر نعیمی ۲۳/۱]

سات آیات کی حکمت:

ایک روایت میں ہے کہ اس میں سات آیتیں ہیں۔ اور ہر آیت قرآن کے ساتویں حصہ کے برابر ہے۔ اور پوری سورت پورے قرآن کے برابر ہے۔ اس لئے جس نے ایک بار اس کو پڑھا گویا اس نے پورا قرآن پڑھا۔ [فضائل قرآن، مولانا افتخار احمد قادری، ص ۱۴۱]

حضرت امام ناصر بستی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:  
اس سورت میں سات آیتیں ہیں اور خدا نے انسان کے جسم میں ہفت اندام (حصے) پیدا کئے ہیں۔ جو شخص ان کو پڑھتا ہے وہ ساتوں دوزخوں سے محفوظ رہتا ہے۔ [دلیل العارفین، ص ۲۹]

سورہ فاتحہ کے حروف:

سورہ فاتحہ میں ایک سو چوبیس ۱۲۴ حروف ہیں۔ سیدنا سلطان الہند، عطائے رسول، خواجہ خواجگاں، حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری قدس سرہ ان حروف کی حکمت و فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:  
”مشائخ طبقات اور اہل سلوک لکھتے ہیں کہ: اس سورت میں ایک سو چوبیس (۱۲۴) حرف ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پینچسیر (کم و بیش) گزرے ہیں۔ اس سورت کے ہر حرف کے بدلے ہزار پینچسیر کا ثواب ہے، جو ملتا ہے۔  
پھر ایک سو چوبیس (۱۲۴) حروف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ: کے پانچ حرف ہیں۔ حق تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز

(فرض) فرمائی ہے۔ جو شخص اسے پڑھتا ہے، تو جو نقص (نقصان) اس نے پانچ نمازوں میں کیا ہے، اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما کر اس کی پانچوں نمازوں کو قبول کر لیتا ہے۔

پھر فرمایا:

اللہ: میں تین حرف ہیں۔ اگر پانچ الحمد کے ملاؤ تو کل آٹھ ہو جاتے ہیں۔ اس کے پڑھنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیتا ہے، تاکہ جس دروازے سے اس کی مرضی ہو داخل ہو سکے۔

رَبِّ الْعَالَمِينَ: میں دس حرف ہوتے ہیں۔ دس اور آٹھ مل کر اٹھارہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ جو شخص یہ اٹھارہ حرف پڑھتا ہے، اسے اٹھارہ ہزار عالم (کی عبادت) کا ثواب ملتا ہے۔

الرَّحْمَنِ: میں چھ حرف ہیں۔ چھ اور اٹھارہ مل کر چوبیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن رات کے چوبیس گھنٹے بنائے ہیں۔ جو بندہ ان چوبیس حروف کو پڑھتا ہے، وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے۔ گویا کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

الرَّحِيمِ: کے چھ حرف ہیں۔ چھ اور چوبیس مل کر تیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پل صراط بمقدار تیس ہزار سالہ راہ بنایا ہے۔ جو بندہ ان تیس حرفوں کو پڑھتا ہے۔ وہ پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جاتا ہے۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ: میں بارہ حرف ہیں۔ بارہ اور تیس ملا کر بیالیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینے کئے۔ جو شخص ان بارہ حرفوں کو پڑھتا ہے اس کے بارہ مہینے کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ: میں آٹھ حرف ہیں۔ آٹھ اور بیالیس پچاس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روز قیامت جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا پیدا کیا ہے۔ جو بندہ ان پچاس حروف کو پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے صدیقیوں کا معاملہ

کرتا ہے۔

وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ: میں گیارہ حرف ہیں۔ گیارہ اور پچاس مل کر اکٹھے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں اکٹھے دریا پیدا کئے ہیں۔ جو شخص ان اکٹھے حروف کو پڑھتا ہے۔ تو اکٹھے دریاؤں کے قطروں کے موافق نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ اور اسی قدر بدیاں (برائیاں) اس کے نامہ اعمال سے مٹائی جاتی ہیں۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ: میں انیس حرف ہیں۔ انیس اور اکٹھے اسی ہوتے ہیں۔ جو دنیا میں شراب پیتا ہے اسے درے لگانے کا حکم ہے۔ (اللہ تعالیٰ) اس کے پڑھنے والے کو اسی درے معاف کرتا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ: آمین۔ میں چوالیس حروف ہیں۔ چوالیس اور اسی ملا کر ایک سو چوبیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر پیدا کئے ہیں۔ جو ان ایک سو چوبیس حروف کو پڑھتا ہے۔ اسے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر کا ثواب ملتا ہے۔ [دلیل العارفین، ص ۲۹-۳۰]

سورہ فاتحہ میں سات حروف نہیں:

سورہ فاتحہ بالکل رحمت کی سورت ہے۔ اس لئے اس میں اللہ تعالیٰ کے قہر، جبر اور عذاب وغیرہ کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس میں وہ حروف بھی نہیں آئے جو جہنم وغیرہ کے اول میں آتے ہیں چنانچہ اس سورت میں سات حرف نہیں۔

۱- نث: اس میں نہیں ہے۔ ثبور کا پہلا حرف ہے، جس کے معنی ہیں ہلاکت۔ اس کا پڑھنے والا ہلاکت سے محفوظ رہے گا۔

۲- ج: اس میں نہیں ہے۔ جہنم کا پہلا حرف ہے، جس کے معنی ہیں دوزخ۔ اس کے پڑھنے والے کو جہنم سے نجات ہے۔

- ۳- خ:- اس میں نہیں ہے۔ خزی کا پہلا حرف ہے، جس کے معنی ہیں خواری اس کے پڑھنے والے کو کبھی خواری نہ ہوگی۔ ہمیشہ مامون رہے گا۔
- ۴- ز:- اس میں نہیں ہے۔ ز فی اور ز قوم کا پہلا حرف ہے۔ ز فی کے معنی ہیں دوزخیوں کی آواز اور ز قوم کے معنی ہیں جہنمیوں کی غذا۔ اس کا پڑھنے والا دونوں سے مامون و محفوظ رہے گا۔
- ۵- نش:- اس میں نہیں ہے۔ شہیق اور شتی کا پہلا حرف ہے۔ شہیق کے معنی ہیں جہنمیوں کی آواز اور شتی کے معنی ہیں بد بخت۔ اس کا پڑھنے والا جہنمیوں کی آواز سے محفوظ رہے گا۔ نیز اس کا پڑھنے والا شتی نہیں ہو سکتا۔
- ۶- ظ:- اس میں نہیں ہے۔ ظلم و ظلمت کا پہلا حرف ہے۔ اس کا پڑھنے والا ظلم و ظلمت سے محفوظ رہے گا۔
- ۷- ف:- اس میں نہیں ہے۔ فراق و فرقت کا پہلا حرف ہے۔ اس کے پڑھنے والے کو فراق و فرقت کی مصیبت سے نجات ہے۔ [دلیل العارفین، ص ۲۸-۲۹]

### سورہ فاتحہ کے فضائل:

سورہ فاتحہ کہنے کو تو یہ قرآن مجید کی سورتوں میں سے ایک سورت ہے اور کل سورتیں ایک سو چودہ ہیں۔ بڑی ضخیم، بڑی ادق، بڑی دل آویز، لیکن اس سورت کی شان ہی نرالی ہے۔ یہ وہ مختصر لیکن حقائق و معانی سے لبریز، دل نشیں و دل آویز جلیل القدر سورت ہے جس سے قرآن مقدس کا آغاز ہوتا ہے، جس نے تاریخ انسانی کا رخ موڑ دیا، جس نے فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا، جس نے قلب و روح کو نئی زندگی بخش دی، قرآن کریم کی سورتوں میں سب سے زیادہ فضیلت و عظمت اسی کو حاصل ہے۔ یہ قرآن مجید کا خلاصہ ہے۔ قرآن تفصیل ہے اور سورہ فاتحہ اس کا اجمال ہے۔ یہ

حکمت و دانش کا خزانہ اور حقیقت و معرفت کا گنجینہ ہے۔ یہ سات قطرے ہیں جس میں سات سمندر سمودئیے گئے ہیں۔ اس سورہ مبارکہ کے ہر لفظ، ہر حرف، ہر زیر و زبر اور ہر نقطہ میں معرفت کا نور ہے، کوثر کا رنگ ہے، بہشت کے پھولوں کی مہک ہے، مہر و ماہ کی تابانیاں ہیں اور عشق و وجدان کی جنوں خیزیاں ہیں۔

حضور رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورہ فاتحہ کی مثل تورات و انجیل و زبور میں کوئی سورت نہ اتری۔ [ترمذی شریف]

ایک مرتبہ ایک فرشتہ نے آسمان سے نازل ہو کر بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ مبارک ہو! آپ کو دو نورا ایسے ملے کہ جو کسی کو نہ ملے۔ ایک سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ بقرہ کی آخری آیتیں۔ [مسلم شریف ۱/۲۷۱، نسائی شریف ۱/۱۴۵]۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے۔ آپ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ آپ کے پہلو میں ایک شخص اترا۔ اس کی طرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متوجہ ہوئے اور فرمایا، کیا میں تمہیں قرآن کی سب سے افضل سورت نہ بتا دوں؟ اس نے کہا: کیوں نہیں؟ حضور نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ [ترغیب: ج ۲، ص ۶۱۶، حاکم، ج ۱، ص ۵۶۰]

ایک روایت میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر کیا میں تم کو قرآن کی نازل شدہ سب سے اچھی سورت نہ بتا دوں۔ یہ سورہ فاتحہ ہے۔ یہ ہر مرض کے لئے شفا ہے۔ [کنز العمال: ج ۱، ص ۴۹۶]

رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: سورہ فاتحہ خزانہ عرش کے نیچے سے نازل ہوئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے آسمان سے ایک سو چار کتابیں اور صحیفے اتارے مگر سو کتابوں کے علوم چار میں رکھے۔ یعنی تورات، زبور، انجیل اور فرقان۔



پھر ان چار کے علوم سورہ فاتحہ میں رکھے گئے۔ لہذا جس نے سورہ فاتحہ سیکھ لی اس نے ساری آسمانی کتابیں سیکھ لیں۔ اور جس نے سورہ فاتحہ پڑھ لی اس نے تمام آسمانی کتابیں پڑھ لیں۔ [تفسیر کبیر، ج ۱، ص ۷۸]

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں قرآن کی سب سے عظیم سورت نہ بتا دوں؟ وہ یہ ہے کہ الحمد لله رب العالمین یعنی سورہ فاتحہ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا ہوئی۔ [بخاری، ج ۲، ص ۶۶۹، ابوداؤد/۲۰۵]

ایک روایت میں ہے کہ جس وقت یہ سورت اتری اس وقت حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے آئے تھے۔ [تفسیر روح البیان] مفسرین کرام نے فرمایا:

سورہ فاتحہ قرآن کریم کا دیباچہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پارے کے نام کا آغاز آئمہ سے ہوتا ہے۔ امام فخر الدین، امام جلال الدین سیوطی، امام اسماعیل حقی حنفی علیہم الرحمۃ والرضوان اور دیگر مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ جمیع علوم کتب اربع، تورات، زبور، انجیل اور فرقان میں ہیں۔ ان کے علوم قرآن کریم میں اور قرآن کریم کے تمام علوم سورہ فاتحہ میں۔ اور صاحب روح البیان نے لکھا ہے کہ جملہ علوم بسم اللہ کی باء کے نقطہ میں ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: وہی نقطہ ”میں“ ہوں۔ یعنی اس کے علوم میرے سینے میں محفوظ ہیں۔ اس کی تائید ان کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: لو شئت ان اوقر سبعین بعیرا من تفسیر ام القرآن لفعلت۔ اگر میں چاہوں تو فاتحہ کی تفسیر کے ستر اونٹ کا بوجھ لکھ دوں۔ [تفسیر کبیر]

سلطان الہند، عطائے رسول خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین

حسن چشتی اجمیری سنجری قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھے تھے اور یار آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرد اگر د بیٹھے تھے، فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت سی کرامتیں عنایت فرمائی ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ حکم الہی ہے کہ میں نے تیرے پاس جو کتاب بھیجی ہے، اس میں ایک ایسی سورت ہے کہ اگر وہ تورات میں ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کی امت سے کوئی شخص یہودی نہ ہوتا، اگر انجیل میں ہوتی تو کوئی عیسائی بت پرست نہ ہوتا۔ اگر زبور میں ہوتی تو کوئی شخص داؤد علیہ السلام کی امت سے معنی نہ بنتا۔ اس واسطے یہ بھیجی گئی ہے تاکہ اس کی برکت کے بعد تیری امت اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرے اور قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے خلاصی پاوے۔ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا وہ کون سی سورت ہے؟ فرمایا کہ وہ سورہ فاتحہ ہے۔ پھر جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا: مجھے اس خدا کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا، اگر روئے زمین کے دریا سیاہی اور تمام درخت قلم بن جاویں اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کا غد ہو جائیں اور ابتدائے عالم سے لے کر سب فرشتے اور آدمی اس کے فضائل لکھتے رہیں۔ تو اس کی ایک فضیلت بھی نہ لکھ سکیں۔ [دلیل العارفین، ص ۲۷، ۲۸]

## ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی قدامت

پروفیسر غلام یحییٰ انجم

ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی

احسان جسے عہد حاضر میں تصوف سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس طریقہ عبادت کا نام ہے جس میں عابد تصور کرے کہ وہ معبود کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ ممکن نہیں تو کم از کم یہ تصور ہو کہ معبود اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ طریقہ عبادت کسی بندے میں پایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس بندے کے دل سے دنیا و مافیہا کے خیالات محو ہیں۔ عبادت کا یہ انداز یا تو صحابہ و تابعین میں تھا یا پھر اولیا و بزرگان دین میں۔ چوں کہ یہ کیفیت انتہائی مجاہدہ و ریاضت کے بعد پیدا ہوتی ہے، اس لئے ہر عابد میں یہ کیفیت پیدا ہونا ممکن نہیں۔ خیر القرون میں جو شخصیات ان کیفیات سے وابستہ تھیں، وہ صحابہ و تابعین تھے۔ بعد کے ادوار میں ان کیفیات سے وابستہ ہونے والوں کو نساک و عبادت کہا گیا لیکن جب انسان نے پوری طرح تصوف کا لبادہ اوڑھ لیا تو دوسری صدی ہجری میں انہیں صوفی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ دوسری صدی ہجری میں سب سے پہلے یہ لقب حضرت ابو ہاشم کوفی کے لئے استعمال ہوا پھر بعد میں تمام مشائخ و بزرگان دین اسی لقب سے مخاطب کئے جاتے رہے اور ان حضرات نے بھی مجاہدہ و ریاضت کے ذریعہ جس طرح تزکیہ نفس کا فریضہ انجام دیا اور دلوں میں خوف الہی پیدا کرنے کی جس طرح جدوجہد فرمائی، وہ بلاشبہ ان مشائخ و بزرگان دین کا اہم کارنامہ ہے۔ جن صوفیاء و مشائخ نے اس اہم کام کو آگے بڑھایا، ان میں تمام سلاسل، سلسلہ قادریہ،

چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے مشائخ کرام شامل ہیں۔ برصغیر میں یکے بعد دیگرے یہ سلاسل آئے اور انہوں نے جس تندہی کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا، وہ آج ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے۔ تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول میں ہے:

”سلاسل قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ نے ہندوستان میں زیادہ شہرت حاصل کی۔ ہر ایک نے اپنی جامع تعلیمات سے ایک خلقت کو اپنے سے قریب کیا۔ اپنی کچھ انفرادی خصوصیات کی بنا پر سلسلہ چشتیہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی عوام الناس کا اکثر طبقہ اسی سلسلہ سے وابستہ ہے۔ سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ سے اہل علم وابستہ ہوئے۔ علما کی بھاری اکثریت سلسلہ قادریہ سے متعلق ہے اور آج بھی علما و فضلا کے طبقہ میں جو مقبولیت سلسلہ قادریہ کو حاصل ہے اور کسی سلسلہ کو نہیں۔ (۱)

ہندوستان میں سب سے پہلے چشتیہ، اس کے بعد سلسلہ قادریہ اور راقم کی تحقیق کے مطابق سلسلہ قادریہ اور چشتیہ دونوں ساتھ ساتھ ہندوستان آئے۔ سلسلہ سہروردیہ اور پھر سلسلہ نقشبندیہ علی الترتیب ہندوستان میں وارد ہوئے۔ مگر اس سلسلے میں بعض مصنفین نے اپنا جداگانہ نقطہ پیش کیا ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

پندرہویں صدی کے وسط میں قادریہ اور شطاریہ سلسلے ہندوستان میں قائم ہوئے۔ قادریہ سلسلہ کو شاہ نعمت اللہ قادری نے ہندوستان میں قائم کیا۔ سید محمد غوث گیلانی، مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی، سید موسیٰ، شیخ محدث عبدالحق دہلوی نے اس سلسلہ کو عہد مغلیہ میں فروغ دیا۔ (۲)

پروفیسر نثار احمد فاروقی نے سلسلہ قادریہ کے تعلق سے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ سلسلہ تمام سلاسل کے بعد ہندوستان آیا۔ وہ اپنی کتاب نقد ملفوظات میں فرماتے ہیں:

”سلسلے کی باقاعدہ تنظیم اور خلفاء و جانشین نامزد کرنے کا طریقہ تقریباً چھٹی صدی ہجری سے ملتا ہے۔ سلسلوں کی تنظیم کے بعد پہلے چشتی اور سہروردی سلسلے

ہندوستان آئے پھر نقشبندی آئے یہی تین بڑے سلسلے ہیں۔ دوسرے سلسلے یہاں دیر میں پہنچے اور زیادہ فروغ بھی نہیں پاسکے، اس لئے ہم انہیں نہیں گنارہے ہیں“ (۳) یہ دونوں حضرات چشتی مصنفین تھے۔ انہوں نے اپنے سلسلے کی عظمت کا پاس رکھتے ہوئے واضح طور پر لکھا مگر ساتھ ہی ساتھ فاروقی صاحب نے سلسلہ قادریہ کے تعلق سے جو اظہار خیال کیا وہ رغبت سلسلہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ فاروقی صاحب کی یہی وہ عبارت تھی جس نے ہمیں تاریخ مشائخ قادریہ پر لکھنے کے لئے قلم اٹھانے پر مجبور کیا اور ہم نے جدید قدیم کتب و مجلات اور شاہی دستاویزات و فرامین سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ دونوں اہم سلسلے ایک ساتھ ہی ہندوستان آئے اور اپنی شانہ روز مساعی سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔

سلسلہ چشتیہ کے بانی کی حیثیت سے حضرت ابواسحاق شامی علیہ الرحمہ [م ۳۲۹ھ] کا نام آتا ہے۔ انہوں نے ہی اس سلسلہ کی داغ بیل ڈالی اور یہ سلسلہ ”چشت“ کے نام سے انہی کی ذات سے مشہور ہوا۔ اس سلسلہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے صاحب سیرالقطاب لکھتے ہیں:

”حضرت خواجہ (ممشاد علو دینوری) خرقہ بدو عنایت فرمود و خلیفہ خود ساخت ہمدراں ساعت آواز آمد کہ اے ابواسحاق تو مقبول حضرت ماشد پس ہچماں شدو بسیار از دولت وے بمنزل رسید و ذات بابر کالتش مبدای چشتیاں گردید و ایں سلسلہ بعد ش پچشت مشہور و مخاطب گردید“ (۴)

صاحب سیرالقطاب کے اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے معین الارواح کے مصنف لکھتے ہیں:

”شرف بیعت و اردات سے مشرف ہوئے تو خواجہ ممشاد علی دینوری نے دریافت فرمایا کہ تیرا نام کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس عاجز کو ابواسحاق شامی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: آج سے ہم تجھے ابواسحاق چشتی کہیں گے اور جو بھی تیرے سلسلے میں تاقیام

قیامت داخل ہوگا وہ بھی چشتی کہلائے گا پس خواجہ ابواسحاق شامی حسب فرمان مرشد چشت (جوہرات سے تیس کوس کے فاصلے پر ہے) تشریف لائے اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے سلسلہ کے مشائخ میں حضرت خواجہ ابواحمد چشتی، حضرت خواجہ محمد چشتی، خواجہ ابویوسف چشتی، اور حضرت قطب الدین مودود چشتی بھی چشت میں قیام پذیر ہوئے، بایں وجہ سے یہ سلسلہ چشتیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ چونکہ مذکورہ بالا حضرات خواجہ غریب نواز کے پیران عظام ہیں، اس لئے غریب نواز بھی چشتی کہلائے۔ (۵) صاحب سیرالقطاب دوسری جگہ اس سلسلے کی توضیح کرتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں:

”بدیں جہت چوں آں شمس الاولیا بخد مت پیر خود شتافت و در بغداد دولت پای بوسی مشرف شد و فی الفور فرمود کہ چہ نام داری؟ گفت بندہ را مردم ابواسحاق چشتی می گویند۔ آں حضرت بعنایت بے عنایت فرمود کہ شما خواجہ چشت ہستید و اسلام چشت ز برکت قدم شما بعد از آنکہ چوں خلافت یافت و برخصت پیر خود در چشت تشریف آورد و خواجہ چشت مشہور گردید“ (۶)

(اس طرح شمس الاولیا نے جب اپنے مرشد کی خدمت میں قدم بوسی کا شرف حاصل کیا تو انہوں نے فوراً آپ کا نام دریافت کیا، آپ نے فرمایا مجھے لوگ ابواسحاق چشتی کہتے ہیں۔ حضرت نے ازراہ عنایت بے عنایت مجھ سے فرمایا کہ تم خواجہ چشت ہو، چشت میں اسلام آپ کی قدم کی برکت سے فروغ پائے گا پھر آپ کو خلافت نصیب ہوئی اور اپنے پیر سے رخصت ہو کر آپ چشت تشریف لائے اور خواجہ چشت کے نام سے شہرت حاصل کی)

چشتی مورخین نے ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے بانی حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ و الرضوان کی آمد کے بارے میں مختلف الخیال ہیں مگر اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ سلسلہ چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان آیا۔ مگر خواجہ صاحب چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان کب آئے، یہ بحث محل نظر ہے۔ سلسلہ چشتیہ کی مستند

کتاب معین الارواح کے مصنف کی تحقیق کے بموجب خواجہ صاحب نے ہندوستان کے متعدد اسفار کئے:

- ۱- خواجہ غریب نواز نے ہندوستان کا پہلا سفر بغداد سے ۵۵۷ھ سے ۵۶۲ھ کے درمیان کیا۔ اس سفر میں خواجہ صاحب کا اجمیر آنا نہیں ہوا۔ ہندوستان میں کن مقامات کا آپ نے دورہ کیا اس کی بھی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔
  - ۲- دوسرا سفر خواجہ غریب نواز نے مدینہ منورہ سے کیا۔ مدینہ منورہ سے پہلے بغداد گئے اور پھر بغداد سے ہندوستان تشریف لائے۔ آپ کا یہ سفر ۵۸۵ھ اور ۵۸۶ھ کے درمیان ہوا تھا۔ اس سفر میں آپ اجمیر شریف بھی تشریف لائے۔ (راقم نے اسی سفر میں آپ کی معیت میں سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی علیہ الرحمۃ الرضوان کی آمد کو مناسب سمجھا ہے۔)
  - ۳- خواجہ غریب نواز نے ہندوستان کا تیسرا سفر ۵۸۷ھ یا ۵۸۸ھ میں کیا۔ اس سفر میں بھی آپ اجمیر شریف تشریف لائے۔
  - ۴- چوتھا سفر بغداد شریف سے ہندوستان کا ۵۹۸ھ سے ۶۰۲ھ کے درمیان ہوا۔ اس سفر میں آپ اجمیر شریف اور دہلی بھی تشریف لائے۔
- خواجہ صاحب جب سفر دوم میں اجمیر شریف تشریف لائے تو اس وقت وہاں راجہ رائے پتھوار کی حکومت تھی۔ اس کا اعتراف بیشتر مورخین نے کیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخبار جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں نے رسالہ مونس الارواح، بابولال نے واقع شاہ معین چشتی اور صاحب مفتاح التواریخ نے اکبر نام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سلطان معز الدین سام کے غزنی سے اجمیر آنے سے پہلے (خواجہ معین الدین چشتی) اپنے پیر سے اجازت لے کر ہندوستان آئے تھے اور اجمیر میں کہ وہاں فرمانروائے ہندوستان رائے پتھوار ہتا تھا اقامت اختیار کی۔ (۷)
- یہ بات اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ ہندوستان اس زمانے میں کفرستان تھا

اور آج بھی ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ جو تعصب اس دور میں برتا جاتا تھا، آج اس میں کافی حد تک کمی آگئی ہے۔ پہلے تو حال یہ تھا کہ تقریباً تمام ہی آبادی اہل ہنود کی تھی جو مسلمانوں کا چہرہ دکھنا گوارا نہیں کرتے تھے، سماج سے اس منافرت کو دور کرنے کے لئے مبلغ بھیجنا ضروری تھا۔ دربار رسالت سے اسی عظیم مقصد کے تحت خواجہ صاحب ہندوستان آئے اور اجمیر پہنچ کر اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز فرمایا۔ اجمیر کی سرزمین پر آپ نے کس جگہ نزول اجلال فرمایا اس میں بھی اختلاف ہے۔ صاحب احسن السیر کے بقول اس جگہ قیام فرمایا جہاں اس وقت اولیا مسجد ہے۔ سیر الاقطاب میں یہ روایت بھی درج ہے کہ:

”جب آپ نے لب انا سا گر قیام فرمایا تو کسی نے آپ سے کہا، یہ وہی مقام ہے جہاں میر سید حسین خٹک سوار نے اس وقت قیام کیا تھا، جب وہ اجمیر نسخیر کرنے آئے تھے“ (۸)

جب خواجہ صاحب نے ہندوستان کا رخ کیا تو ادائے حج کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر ایک عرصہ تک بقول بعض مسجد قبا میں مشغول عبادت رہے۔ انہی ایام میں ایک دن آپ کو دربار رسالت سے بشارت ہوئی کہ اے معین الدین تو میرے دین کا معین ہے۔ میں نے ولایت ہندوستان تجھ کو عطا کی۔ وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے تو اجمیر جا۔ تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا۔ آپ اس بشارت سے بہت خوش ہوئے مگر حیران تھے کہ الہی اجمیر کہاں ہے؟ اور کون سا مقام ہے؟ اتنے میں آپ کی آنکھ لگ گئی اور سرور عالم ﷺ نے آپ کو عالم رویا میں اپنی زیارت سے مشرف فرما کر طرفۃ العین میں آپ کو تمام شہر و قلعہ کو ہستان و اجمیر کا دکھایا اور ایک انار بہشتی عطا فرما کر رخصت کیا۔ صاحب سیر الاقطاب نے اس میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: میرے فرزندوں میں سے سید حسین بہ نیت جہاد اجمیر گیا تھا، وہاں وہ شہید ہو گیا۔ تمہارے جانے سے وہاں اسلام آشکار ہوگا۔ مصنف کی اصل عبارت یہ ہے:

’نقل است کہ وقتے آں حضرت برکاب سعادت پیر خود بمکہ معظمہ رفت، حضرت پیر دستگیر زیر تا وادان ایستادہ در باب آنحضرت دعا ہا نمود۔ آواز آمد کہ معین الدین دوست ماست اور قبول کردم برگزیدم باز از انجا بر وضہ منورہ مقدسہ حضرت سرور کائنات ﷺ رفتند فرمودند معین الدین سلام کن سلام کرد آواز آمد علیک السلام یا قطب المشائخ بعد از اں بہ بغداد آمد حضرت پیر معتکف شدند پس ایشان را بمسافر ت نمودند و نعمتی کہ از خواجگان رسیدہ بود مرحمت فرمودند پیر روشن ضمیر ایشان اکثر اوقات می فرمودند کہ معین الدین ما محبوب الہی است۔ مرا از مریدان و از مریدانش فخر تمام است‘ (۹) صاحب معین الدین الارواح نے اس بیان کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ: ’مخدوم جہانیاں گشت علیہ الرحمہ نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کے مزار کے پائیں ایک درخت انار کا میری حاضری کے وقت تھا۔ روزانہ سات پھل اس سے اترتے تھے۔ جو شخص اس انار کو اپنے یہاں فرزند ہونے کی نیت سے کھا لیتا، بحکم ربی وہ صاحب اولاد ہو جاتا‘ (۱۰)

خواجہ غریب نواز کی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے قربت بھی تھی۔ یہ قربت کس طرح کی تھی؟ صاحب معین الارواح لکھتے ہیں:

’غریب نواز کی والدہ محترمہ غوث پاک کی پچا زاد بہن ہیں۔ اس رشتے سے غوث پاک حضرت خواجہ غریب نواز کے ماموں ہوتے ہیں۔ (۱۱) مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز بغداد شریف تشریف لائے اور مرجع ولایت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملاقات کی۔ حضرت خواجہ غریب نواز کا غوث اعظم حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے دو بار ملاقات ہونا ثابت ہے۔ ایک بار ملاقات بغداد میں مدینہ شریف سے واپسی پر ہوئی اور دوسری مرتبہ ملاقات اس وقت ہوئی جب غوث اعظم جیلان میں جو دی پہاڑ کے دامن میں معتکف تھے۔ اس ملاقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چشتی مصنف صاحب سیر الاقطاب لکھتے ہیں:

’حضرت خواجہ ہما نجا نزول اجلال فرمود با حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملاقات کردہ با ہم نشستند و بکلمہ و کلام مشغول بودند‘ (۱۲)

خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کی غوث اعظم سے نہ صرف ملاقات ثابت ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہے خواجہ غریب نواز نے اپنے ماموں غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے خرقہ خلافت بھی پہنا تھا۔

صاحب اقتباس الانوار نے زبدۃ الحقائق ملفوظات خواجہ غریب نواز مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ایک روایت نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

’خواجہ بزرگ بہ اجازت سید کائنات ﷺ خرقہ خلافت حضرت غوث اعظم و خال وے رضی اللہ عنہ پوشیدہ است و در اں وقت عمر خواجہ بزرگ پنجاہ ساگی رسیدہ بود و عمر غوث اعظم رضی اللہ عنہ بہ نو و نہ سال بود‘ (۱۳)

(خواجہ بزرگ نے بہ اجازت (باطنی) سید کائنات ﷺ اپنے ماموں غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے خرقہ خلافت پہنا ہے۔ اس وقت حضرت خواجہ کی عمر پچاس سال کی تھی اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی عمر ننانوے سال کی تھی)

ہندستان کی ولایت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے بغداد جانا اور غوث پاک سے ملاقات کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ دفتر ولایت بغداد میں ہے تاکہ وہاں ریکارڈ میں اس کی خانہ پری ہو سکے۔ ہمارے اس موقف کی تائید میں مسالک السالکین کے مصنف مرزا عبدالستار بیگ شہسرا می لکھتے ہیں:

’جب کوئی شخص منصب ولایت پر فائز ہوتا ہے تو پہلے بحکم ایزدی حضرت خواجہ عالم کی خدمت میں حاضر کیا جاتا ہے۔ آں حضرت اس کو آپ کی خدمت میں بھیجتے ہیں۔ آپ اگر اس کو اس لائق پاتے ہیں تو اس کا نام دفتر ولایت میں درج کرتے ہیں اور یہ دستور غوثیت مہد سے جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا‘ (۱۴)

اس روحانی نظام کے تحت حضرت خواجہ غریب نواز بغداد آئے اور حضرت غوث اعظم سے ملاقات کی اور کئی ماہ آپ کی خدمت میں رہ کر استفادہ و استفاضہ کیا۔

ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ ہندوستان جا کر اشاعت دین حق کا فریضہ انجام دینے کا الہام بغداد شریف میں ہی ہوا تھا۔ ہندوستان کی ولایت کے منصب سے سرفراز ہونے کے بعد ازراہ تشکر آپ مدینہ شریف تشریف لے گئے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضری دی۔ اس حقیقت کا انکشاف ایک چشتی مصنف نے حقیقت گلزار صابری نامی کتاب میں کیا ہے۔ یہ کتاب ساتویں بار ۱۹۹۸ء میں علامہ ارشد القادری کے مقدمہ کے ساتھ جام نور سے شائع ہوئی ہے۔

”حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ جس وقت بغداد شریف آئے اس وقت آپ کو الہام ہوا کہ اشاعت اسلام کی خاطر ہندوستان تشریف لے جائیں مگر وہاں جانے سے پہلے مدینہ منورہ ضرور حاضری دیجئے، خواجہ صاحب نے بہو جب حکم باطن بغداد شریف سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور راستے میں اسم اعظم چشتیہ تلاوت فرماتے رہے۔ دوسری محرم ۵۷۰ھ کو بروز شنبہ کے وقت مغرب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ تیسری محرم کو آدھی رات کے وقت عالم ارواح میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے آپ کو ایک شیریں انار عنایت کیا اور فرمایا معین الدین! تو اس انار کو کھالے، اس کے کھانے کی برکت سے از روئے باطن ہفت اقلیم تیرے مطیع و فرمانبردار ہو جائیں گے اور ولایت ہند تو جا کر اس کو ترقی دے گا اور دین محمدی کی مدد کرے گا اور میری طریقت کو جاری رکھے گا“ (۱۵)۔

اس واقعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب بغداد شریف تشریف لے گئے۔ جن مورخین نے اس کا اعتراف کیا ہے، ان میں قادری مصنفین کے علاوہ سلسلہ چشتیہ کے بھی اہم مصنفین شامل ہیں۔ خواجہ صاحب نے جب دوسری مرتبہ ہندوستان کا سفر کیا تو فرزندِ غوث اعظم سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی بھی آپ کے ہمراہ ہو گئے۔ اگر خواجہ صاحب کا یہی ایک سفر ہندوستان کا مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ دونوں ایک ساتھ ہندوستان آئے اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ خواجہ صاحب نے ہندوستان کے متعدد اسفار کئے ہیں اور

دوسرے سفر ہند میں فرزندِ غوث اعظم سیدنا سیف الدین الوہاب جیلانی ہمراہ آئے۔ لہذا پہلے سفر ہند کی مناسبت سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ مبلغ اسلام اور سلسلہ چشتیہ کے ایک مرشد کی حیثیت سے خواجہ صاحب موجودہ تمام سلاسل میں سب سے پہلے ہندوستان آئے۔ اس طرح سلسلہ چشتیہ کی قدامت واضح ہو جاتی ہے۔ مگر یہ فاصلہ صرف سالوں کا ہے، صدیوں کا نہیں جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے۔

بہر حال ہندوستان آنے کے بعد خواجہ صاحب نے جس طرح اسلام کی ترویج و اشاعت فرمائی اور کفر کی تاریکی دور فرما کر اسلام کا اجالا فرمایا۔ اس کا ذکر پیشتر سوانح نگاروں نے کیا ہے۔ صاحب سیر الاقطاب لکھتے ہیں:

”وہند وستان بمن قدم مہمنت لزوم طریقہ اسلام ظاہر گشت و سیاہی کفرو شرک از عرصہ روزگار بزود و دو براہین ظاہرہ دلائل باہرہ آشکار نمود بدیں وجہ آں حضرت را ہندالنبی می خوانند“ (۱۶)

ہندوستان میں اشاعتی سرگرمیوں کے حوالے سے عین الولایت کے مصنف عزیز اللہ شاہ لکھتے ہیں:

”حضرت خواجہ، رسول خدا کے حکم سے ہند تشریف لائے اور اپنی قوت باطنی سے تاریکی کفر کو دور کر کے سارے ہندوستان کو نور اسلام سے روشن فرمایا۔ سترہ برس کبھی بے وضو نہیں رہے مگر حوائج ضروریہ کے اوقات میں۔ ہمیشہ آنکھیں بند کئے ہوئے مستغرق رہتے تھے۔ نمازوں کے وقت آنکھیں کھولتے اور جس کی طرف دیکھتے ولی ہو جاتا اور جو شخص تین دن آپ کے پاس رہتا، صاحب کشف و کرامت ہو جاتا اور اگر کوئی فاسق آتا، تائب ہوتا۔ کلام مجید کے حافظ تھے، دن رات میں دو ختم کرتے اور جب ختم کر چکتے آواز آتی: اے معین الدین! ہم نے تیرے ختم کو قبول کیا“ (۱۷)

ہندوستان میں اشاعت اسلام کے تعلق سے معین الارواح میں ہے:

”ہندوستان ہی وہ ملک ہے جہاں دنیا کی توہم پرستی ختم ہو جانے کے سیکڑوں برسوں بعد بھی اب تک یہ پرستش جاری ہے۔ آپ نے ہی سب سے پہلے

شمالی ہندوستان میں آ کے علم اسلام و روحانیت بے تیغ و تفلنگ بلند فرمایا۔ بلا خوف تیر و شمشیر دشمنان اسلام کے نرغہ میں حضرت امام حسین کی طرح تشریف لائے اور امام حسن کی طرح سلوک و صلح کا رویہ اختیار کر کے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کی خدمات بہ حسن و خوبی انجام دیں اور اقتدار اسلام قائم فرمایا۔“ (۱۸)

خواجہ صاحب کی ہندوستان میں آمد کے سبب ہندوستان کا نقشہ ہی بدل گیا۔ ہندوستان میں خواجہ صاحب کی آمد کے وقت اور آمد سے پہلے ہندوستان کا حال کیا تھا، اس کا صحیح نقشہ صاحب سیر الاولیاء نے ان لفظوں میں کھینچا ہے:

”ہندوستان تاحد برآمدن آفتاب ہمہ دیار کفر و کافر و بت و بت پرستی بود متمدان ہند ہر یکے دعویٰ انا ربکم الاعلیٰ می کردند و خدائے راجل و علا شریک می گفتند و سنگ و کلوخ و دار درخت و ستور و گا وہ سرگین ایشان را سجدہ می کردند بظلمت کفر قفل دل ایشان و مظلم و محکم بود۔“

ہمہ غافل از حکم دین شریعت ہمہ بے خبر از خدا و پیہبر نہ ہر گز کسے دیدہ نہجار قبلہ نہ ہر گز شنیدہ کس اللہ اکبر لیکن جب خواجہ صاحب ہندوستان آئے اور اشاعت اسلام کے تعلق سے جو جدوجہد فرمائی اور لوگوں نے لاکھوں کی تعداد میں اسلام قبول کیا تو ہندوستان کا نقشہ ہی بدل گیا صاحب سیر اولیاء پھر فرماتے ہیں۔

”بوصول قدم مبارک آں اہل یقین کہ بحقیقت معین الدین بود، ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن و منور گشت۔“

از تیغ او بجائے صلیب و کلیسا دردار کفر مسجد و محراب و منبر است آنجا کہ بود نعرہ فریاد مشرکاں اکنوں خروش نعرہ اللہ اکبر است (۱۹)

### مصادر و مآخذ

- ۱- تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول، غلام یحییٰ انجم ص ۳۸ کتب خانہ امجدیہ دہلی ۲۰۰۳ء
- ۲- تاریخ مشائخ چشتیہ، خلیق احمد نظامی، ص ۳۲ دہلی ۱۹۵۳ء
- ۳- نقد ملفوظات، نثار احمد فاروقی، ص ۲۰۱ لاہور ۱۹۸۹ء
- ۴- سیر الاقطاب شیخ محمد الہدیہ چشتی، ص ۵۶ مطبع نامی نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۳ء
- ۵- معین الارواح محمد خادم حسن زبیری، ص ۲۸ آگرہ اخبار برقی پریس آگرہ ۱۹۵۳ء
- ۶- سیر الاقطاب، ص ۵۶
- ۷- معین الارواح، ص ۹۲
- ۸- سیر الاقطاب شیخ محمد الہدیہ چشتی، ص ۱۲۵ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۳ء
- ۹- سیر الاقطاب، ص ۱۰۳
- ۱۰- معین الارواح، ص ۷۹
- ۱۱- معین الارواح، ص ۲۲
- ۱۲- سیر الاقطاب، ص ۱۰۶
- ۱۳- معین الارواح، ص ۵۸
- ۱۴- مسالک السالکین، دفتر اول، عبدالستار شہسرامی، ص ۳۵۰ آگرہ ب، ت
- ۱۵- حقیقت گلزار صابری، محمد حسن صابری، ص ۳۸۰ مطبوعہ ۱۵۳۷ھ
- ۱۶- سیر الاقطاب، ص ۱۰۱
- ۱۷- عین الولاہیت، ص ۱۰۲ عزیز اللہ شاہ نول کشور لکھنؤ ۱۹۵۳ء
- ۱۸- معین الارواح، ص ۱۰
- ۱۹- سیر الاولیاء، محمد بن مبارک کرمانی، ص ۵۷ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان لاہور ۱۹۷۸ء

## کیا خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی؟

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن بجزی امجیری قدس سرہ کی ملاقات سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی ہے یا نہیں؟ ایک بہت مستند عالم نے اپنی تقریر میں بیان کیا ہے کہ وہ کاسہ مبارک جس میں انا ساگر کاسا راپانی آ گیا تھا، غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عطیہ تھا اور بعض چشتی حضرات بیان کرتے ہیں کہ حضرت غریب نواز بغداد سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ضیافت روحانی کے لئے سماع کا انتظام فرمایا اور جب حضرت غریب نواز کو وجد طاری ہوا تو حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر اپنے عصا مبارک سے زمین بقوت دبائے رہے۔ لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا کہ میرے بھائی معین الدین کو وجد طاری ہوا ہے اور اتنا قوی ہے کہ اگر میں زمین کو دبائے نہ رکھوں تو زمین بھی وجد کرنے لگے گی اور زلزلہ آ جائے گا اور مخلوق تباہ و برباد ہو جائے گی۔ کیا یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں؟

الجواب:

پہلی گزارش یہ کہ کسی بھی مقرر سے کوئی بات سنیں اور اس پر آپ کو کچھ خلجان ہو تو خود اس مقرر سے دریافت کر لیں اور ان کی بیان کی ہوئی کسی روایت پر آپ کو کوئی شبہ ہو تو انھیں سے دریافت کر لیں کہ یہ روایت کس کتاب میں ہے۔ کیونکہ جب انھیں یاد ہوگا

آسانی سے بتادیں گے اور میرے لئے دشواری یہ ہے کہ نہ تو یہاں ساری دنیا کی سب کتابیں ہی ہیں اور جو ہیں بھی ان سب کو میں نے پڑھا نہیں، اس لئے ایک مجہول روایت کو کسی کتاب میں ہے یا نہیں ہے، بتانا میرے لئے مشکل ہے۔ میں نے ان دونوں حضرات کے حالات پر جتنی معتبر کتابیں پڑھی ہیں کسی میں مجھے نہ تو یہ ملا کہ ان دونوں حضرات کی آپس میں ملاقات ہوئی ہے اور نہ ہی ان دونوں روایتوں میں سے کوئی روایت ملی، ان دونوں روایتوں کا حال یہ ہے کہ کسی معتبر تو معتبر غیر معتبر کتاب میں بھی نہیں ملی۔ ہاں بعض غیر معتبر کتابوں میں ملاقات کا ذکر ہے مگر وہ بھی بغداد شریف میں نہیں بلکہ سرکار غوث اعظم کے مولد شریف جیلان میں، لیکن میں نے اب تک جو سمجھا ہے، وہ یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ اس پر سارے مورخین کا اتفاق ہے کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوا ہے۔ ”کمال عشق“ مادہ تاریخ وصال ہے اور اس پر مورخین کا قریب قریب اتفاق ہے۔ حضرت غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۵۳۷ھ ہے اور اس پر بھی سب مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت غریب نواز کا ۱۵ سال کی عمر میں حضرت ابراہیم قندوزی مجذوب کے تبرک کھا لینے کے بعد دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا اور طلب مولیٰ کی آگ بھڑک اٹھی اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اپنے والد ماجد سے جو ترکہ ملا تھا، باغ مکان وغیرہ اس کو فروخت کر کے ایک مدت تک سمرقند و بخارا وغیرہ میں جا کر قرآن مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری میں کمال حاصل کیا۔ علم ظاہری کی تکمیل کے بعد مرشد کی تلاش میں نکلے اور قصبہ ہارون میں جا کر حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ سے مرید ہوئے اور بیس سال تک مرشد کی خدمت میں حاضر رہے۔ بیس سال کے بعد خلافت سے سرفراز فرمائے گئے پھر مدینہ منورہ سرکار اعظم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ سرکار نے ہندستان کی ولایت عطا فرمائی اور ہندستان روانہ فرمایا۔

اب آپ لوگ خود حساب لگائیں ۱۵ سال کی عمر تک سجز اپنے مولد پاک میں رہے۔ وقائع معین الدین میں ہے کہ بیس سال تک علم ظاہر طلب فرماتے رہے تو یہ ۳۵ سال ہو گئے۔ ۵۳۷ھ میں ولادت ۱۳۷۷ اور ۲۷۳۵ اس سے ثابت ہوا کہ ۵۷۲ھ میں غریب نواز نے عراق کا



رخ کیا، جب کہ اس سال پہلے سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو چکا تھا۔ پھر ملاقات کیسے ہوئی اور جب ظاہری ملاقات نہیں ہوئی تو کاسہ مبارک عطا فرمانے اور محفلِ سماع سے ضیافت کرنے کا سوال ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے واعظین پر رحم فرمائے۔ ان کا مقصود عوامِ سامعین سے داد و تحسین ہوتا ہے۔ ان کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ بات کیسی ہے اور یہ بات آج ہی سے نہیں بلکہ متقدمین کے زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعاتِ کبیر میں ایک حکایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت امامِ شعی جو اجلہ تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گیا تو دیکھا کہ ایک لمبی داڑھی والے شیخ وعظ بیان کر رہے ہیں، انھیں لوگ گھیرے ہوئے ہیں، اس نے بیان کیا کہ مجھ سے فلاں نے حدیث بیان کی، ان سے فلاں نے حدیث بیان کی، یہاں تک کہ کہا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو صورتیں پیدا فرمائی ہیں۔ ہر صورت میں دو بار پھونکا جائے گا۔ ایک بیہوشی کے لئے، ایک قیامت کے لئے۔ امامِ شعی نے فرمایا کہ میں ان واعظ صاحب کے پاس گیا اور کہا اللہ سے ڈر، اور جھوٹی حدیث مت بیان کر، اللہ تعالیٰ نے صرف ایک صورت پیدا کیا ہے جس میں دو بار پھونکا جائے گا تو اس نے کہا کہ اے بد کردار! تو میرا در کرتا ہے اور اپنا جوتا اٹھا کر مجھے مارنا شروع کیا پھر پورے مجمع نے میری پٹائی شروع کی اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک میں نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دو صورتیں پیدا کیا ہے تو ان لوگوں نے میری جان بخشی۔

خود میرے ساتھ اس حد تک تو نہیں مگر اس کے قریب قریب کئی حادثے ہو چکے ہیں۔ ایک بہت مشہور معروف مقرر نے بیان کیا کہ جو یہ کہے کہ قبر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ پیش کی جائے گی وہ کافر ہے۔ بعد تقریر میں نے ان کو ٹوکا تو وہ لڑ پڑے۔ سامعین اور اراکین بھی انھیں کے ہمنوا رہے اور وہ میرے مستقل مخالف بن گئے اور اب بھی ہیں۔ ادرا ب تو مقررین نے آپس میں یہ معاہدہ کر لیا ہے کہ اگر منبر پر شریف الحق رہے گا تو ہم لوگ تقریر نہیں کریں گے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جو شخص بھی غائر نظر سے حضرت غریب نواز قدس سرہ کی سوانح کا مطالعہ کرے گا، اسے ماننا پڑے گا کہ حضرت غریب نواز قدس سرہ اور حضور غوثِ اعظم قدس سرہ کی باہمی ظاہری ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ بعض میاں بابا لوگ اپنی نجی مجلسوں میں فرماتے ہیں کہ میاں ان لوگوں کو کیا خبر؟ سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت کے لئے

ایک بار جیلان گئے تھے اور حضرت غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں تشریف رکھتے تھے، ملاقات ہوئی تھی۔ اب اس کا تجزیہ کیجئے والدہ ماجدہ کی عمر مبارک جب ساٹھ سال ہو گئی تو سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۱۷۷۰ھ میں ہوئی۔ سرکار کا مادہ ولادت عشق ہے اور حضرت غریب نواز قدس سرہ کی ولادت کے وقت سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ اگر باحیات رہی ہوں گی تو ان کی عمر مبارک ایک سو ستائیس سال کی ہوئی ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ اگر سرکارِ غریب نواز قدس سرہ کسی حاجت سے تہا یا والدین کریمین کے ساتھ جیلان گئے ہوں گے تو ۱۷۷۲ھ کے بعد ہی گئے ہوں گے، عقلاً تو ممکن ہے کہ اس وقت تک سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ باحیات رہی ہوں مگر عادتاً مستبعد ہے۔ پھر میاں بابا لوگ یہ نہیں کہتے کہ دودھ پیتے بچے تھے، جب گئے تھے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ ماجدہ سے ملاقات کے لئے گئے تھے تو حضرت غریب نواز وہاں چلہ کر رہے تھے۔ اب آپ لوگ خود ہی سوچ لیجئے کہ ۱۷۷۲ھ میں پیدائش، ۱۵ سال گھر رہے، ۲۰ سال علم ظاہر حاصل کرتے رہے۔ چلہ کشی کی ابتدا مرید ہونے کے بعد کی ہوگی لیکن تمام مورخین متفق ہیں کہ ۲۰ سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں شب و روز رہے۔ یعنی سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے ۳۲ سال بعد غرض کہ چول کسی طرح نہیں بیٹھتی۔ ہاں یہ روایت صحیح ہے کہ جب سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ، تو حضور غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا: بل علی عینی وراسی، بلکہ میری آنکھ پر اور میرے سر پر۔ لیکن یہ بغداد میں موجود ہوتے ہوئے نہیں فرمایا تھا، جہاں کہیں بھی تھے وہیں سے سنا اور وہ عرض کیا۔ اب جبکہ ملاقات ہی ثابت نہیں تو کاسہ عطا کرنے اور سماع سے ضیافت کرنے کا سوال ہی ساقط۔

ان عقلی شواہد سے ہٹ کر صحیح یہی ہے کہ سرکارِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغداد آنے کے بعد ان کی والدہ ماجدہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ بختہ الاسرار شریف ص ۸۷ پر ہے کہ والدہ ماجدہ نے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا۔ اذہب قد خرجت عنک للہ فہذا وجہ لا اراہ الی یوم القیمة۔ جاؤ اللہ عزوجل کے لئے، میں اپنے حق سے دست بردار ہوئی، اس چہرے کو میں قیامت تک نہیں دیکھوں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## آستانہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخی عمارتیں

علامہ مشتاق احمد نظامی

دور ہو کر بھی پاس ہے کوئی

اہتمام نظر کو کیا کیجئے

دارالخیر شہراجمیر کے گوشہ مغرب و جنوب میں لب جھالہ سیدی سرکار سلطان الہند معین الدین حسن سنجری اجمیری رضی اللہ عنہ کی درگاہ معلیٰ زیارت گاہ خلائق ہے، جو نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی مرکز عقیدت ہے۔

آستانہ کی اندرونی عمارت ایک وسیع رقبہ میں تین بڑے احاطوں پر مشتمل ہیں۔ احاطہ سولہ کھمبہ بھی انہیں سے ملحق ہے۔

(۱) احاطہ نقارخانہ:

یہ احاطہ، عثمانی دروازہ، شاہجہانی دروازہ، بلند دروازہ، اور اکبری مسجد وغیرہ پر مشتمل ہے۔

(۲) احاطہ صحن چراغ:

اس احاطہ میں سماع خانہ، وسیع صحن، لنگر خانہ اور حجرے وغیرہ ہیں۔

(۳) احاطہ آستانہ:

اس احاطہ میں روضہ منورہ، شاہجہانی مسجد، صندلی مسجد، اولیا مسجد، قبور اور حجرے وغیرہ ہیں۔ جھالہ اور احاطہ چاریاری کا بھی اسی احاطہ سے الحاق ہے۔

(۴) احاطہ عمارت سولہ کھمبہ:

اس قطعہ میں شیخ حسین اجمیری اور غریب نواز کے دیگر حضرات آسودہ خواب ہیں۔

(۵) حدود اربعہ، چوحدی:

درگاہ کے شمال میں درگاہ بازار، جنوب میں جھالہ مغرب میں سڑک ترپولیہ دروازہ اور مشرق میں گلی لنگر خانہ ہے۔

درگاہ شریف کے بارہ دروازے ہیں۔ یہ شہر کے مختلف حصوں کو درگاہ سے ملاتے ہیں۔

### احاطہ اول نقارخانہ

عثمانی دروازہ یا نظام گیٹ:

بیرونی زائرین عموماً اس دروازہ سے داخل ہوتے ہیں۔ درگاہ شریف کا یہ فلک بوس شمال رویہ دروازہ بجانب درگاہ بازار واقع ہے۔ میر عثمان علی خاں سابق وائی دکن نے ۱۳۳۰ھ میں حاضر دربار ہو کر یہ شاہانہ گیٹ تعمیر کرانے کی سعادت حاصل کی۔ تقریباً ہزار روپے اس کی تعمیر میں صرف ہو گئے۔ محراب دروازہ کی چوڑائی ۱۶ فٹ، لمبائی ۱۲ فٹ، بلندی تقریباً ۷ فٹ ہے۔ دروازے کے اوپر نقارخانہ ہے۔ یہاں شیخ وقتہ نوبت مع شہنائی بجائی جاتی ہے اور ہر گھنٹہ گھڑیال بھی بجتا ہے۔

منجانب نظام حیدر آباد دکن ایک منتظم، دو چپراسی، دو گھڑیالی، چھ شہنائی نواز اور آٹھ نقارچی وغیرہ مامور ہیں جس کا صرفہ تقریباً پانچ سو روپیہ ماہوار ہے۔

کلمہ دروازہ:

شاہجہاں نے ۱۰۴۷ھ میں بطور نذرانہ عقیدت اس کی تعمیر کرائی تھی۔ اسی لئے اس کو شاہجہانی دروازہ کہا جاتا ہے۔ محراب دروازہ کی پیشانی پر بخط جلی سنہری حرفوں میں کلمہ شریف لکھا ہے لہذا اس کو کلمہ دروازہ بھی کہتے ہیں۔ دروازہ پر آب زر

سے یہ شعر مرقوم ہے

بعہد شاہجہاں بادشاہ دیں پرور  
زدود ظلمت کفر آفتاب دیں یکسر

اکبر بادشاہ نے رمضان ۹۸۳ھ میں بنگال فتح کرنے کے بعد دونقارے وادی درگاہ شریف میں پیش کئے تھے جو اب اس دروازہ پر رکھے ہوئے ہیں اور ایک بڑا نقارہ قلعہ چتوڑ میں تھا۔ آٹھ یا دس فٹ اس کا قطر ہے۔ کوسوں تک اس کی یہ آواز پہنچتی تھی۔ جب چتوڑ کا راجہ سوار ہوتا تھا یا قلعہ میں داخل ہوتا تھا اس وقت یہ بجتا تھا تاکہ دور دور تک خبر ہو جائے۔

اکبری مسجد:

یونانی شفاخانہ کے متصل ایک بلند زینہ پر اکبری مسجد کا رفیع الشان دروازہ ہے۔ اکبر نے اس مسجد کی تعمیر کا حکم اس وقت دیا تھا، جب وہ جہانگیر کی ولادت کے چھ ماہ بعد اظہار شکر و نیاز کے لئے شعبان ۹۷۷ھ میں حاضر دربار خواجہ ہوا تھا۔  
محراب مسجد ۵۶ فٹ بلند ہے۔ گنبد کے گوشوں پر مرمریں مینار ہیں۔ صحن مسجد میں ایک ہشت پہل حوض تھا، جو اب مٹی سے پر کر دیا گیا ہے۔

بلند دروازہ:

یہ دروازہ سنگ سرخ سے تعمیر ہوا ہے لیکن اب اس کی سرخی پر چونا کاری کے باعث سفیدی آگئی ہے۔ اس کی بلندی ۸۵ فٹ ہے، اس کا فرش سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کا ہے۔ محراب میں تین گولے طلائی زنجیروں میں آویزاں ہیں۔ برجیوں میں ڈھائی فٹ لمبی سنہری کلس ہیں۔ دروازہ میں شمال جانب تین مین درجہ کی دو چھتیاں ہیں۔ اوپر چڑھنے کے لئے دو طرفہ زینے ہیں۔ چونکہ یہ درگاہ شریف کی تمام عمارات سے بلند ہے، اس لئے اس کو بلند دروازہ کہتے ہیں۔ مورخین کا عام رجحان یہ ہے کہ اس کی تعمیر سلطان غیاث الدین کے عہد (۱۴۶۹ء-۱۵۰۰ء) میں ہوئی۔

احاطہ دوم صحن چراغ

بڑی دیگ:

یہ دیگ اکبر بادشاہ نے ۹۷۴ھ میں پیش کی تھی۔ چتوڑ پر فوج کشی کے وقت اس نے منت مانی تھی کہ بعد فتح پایادہ اجیر حاضر ہو کر ایک بڑی دیگ دربار خواجہ میں پیش کروں گا۔ چنانچہ فنیابی کے بعد اکبر نے پایادہ سفر کر کے بتاریخ ۷ رمضان ۹۷۴ھ بروز یکشنبہ خواجہ بزرگ کے آستانہ پر نذر و نیاز کے لئے دیگ تیار کرائی۔ بقول ”احسن السیر“ اس میں سومن چاول پکتے ہیں اور بقول کرنل براٹن اس میں ستر من چاول پک سکتے ہیں۔

چھوٹی دیگ:

سلطان نور الدین جہانگیر نے یہ دیگ آگرہ میں تیار کرائی۔ آستانہ غریب نواز پر حاضر ہو کر اس میں کھانا پکوا یا اور پانچ ہزار فقراء و مساکین کو اپنے سامنے کھانا کھلوا یا۔ دیگ کی تیاری کی تاریخ حسب ذیل ہے  
ع بدنیاباد دائم نعمت دیگ جہانگیری۔  
۸۲ یا ۸۰ من چاول اس میں پک سکتے ہیں۔

صحن چراغ:

بلند دروازے سے گزر کر ایک وسیع صحن آتا ہے۔ اس میں پیش بلند دروازہ ایک گنبد نما ہشت پہل خوبصورت چھتری بنی ہوئی ہے۔ اس میں متعدد چراغوں کا حامل ایک چراغ دان ہے، اس لئے یہ صحن چراغ کہلاتا ہے۔ مشہور ہے کہ اس کو اکبر بادشاہ نے پیش کیا تھا۔

محفل خانہ:

نواب بشیر الدولہ مدار الہام دولت آصفیہ نے اپنے فرزند معین الدولہ کی

ولادت پر اسے تعمیر کرایا۔ موصف نے دربار خواجہ میں فرزند ہونے کی منت مانگی تھی۔ خدا نے انہیں اسی سال کی عمر میں بیٹا دیا۔ مراد پوری ہونے پر بطور اظہار تشکر اسی ہزار روپے کے صرفہ سے یہ رفیع الشان مجلس خانہ تعمیر کرایا۔ یہ عمارت ۴۶ فٹ مربع ہے۔

**خانقاہ:**

یہ عمارت محفل خانہ کی جانب مغرب ہے۔ محفل خانہ کی مغربی دیوار میں ایک دروازہ ہے جس سے خانقاہ کا راستہ ملتا ہے۔ بعد وصال سیدی سرکار غریب نواز کو یہیں غسل دیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر کے متعلق اکبر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۴ پر ابوالفضل نے لکھا ہے:

عمارت عالی بنا از مسجد و خانقاہ در اں حواشی لمع انداختہ۔  
ترجمہ: (اکبر) نے ایک مسجد اور اس متصل خانقاہ تعمیر کرائی۔

خانقاہ میں رجب کی پانچ تاریخ سہ پہر کے وقت سالانہ محفل ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں سرکار غریب نواز کے اہل خانہ رہتے تھے۔

**حوض و ہمال خانہ:**

محفل خانہ کے سامنے گوشہ مشرق و جنوب میں ایک حوض اور ایک سبیل ہے، اس حوض کی چھتری ”ملکہ مری“ (اہلیہ جارج پنجم) کی جانب سے تعمیر ہوئی ۱۹۱۱ء میں ملکہ نے دربار خواجہ میں حاضری دی اور اس موقع پر درگاہ میں کوئی یادگار قائم کرنے کے لئے پانچ سو روپے دئے تھے۔ درگاہ کے خزانے سے مزید روپیہ ملا کر یہ چھتری تیار کرائی گئی۔

**لنگر خانہ:**

صحیح چراغ کے مشرق میں ٹین کے سائبان کے نیچے لنگر خانہ کا پھاٹک ہے۔ اس پھاٹک سے گزر کر ایک مختصر صحن اور دالان ہے۔ دالان میں ایک لوہے کا بہت بڑا کڑھاؤ ایک بڑے چولھے پر رکھا ہے۔ اس میں روزانہ جو کی دلیا پکتی ہے اور غربا پر تقسیم کی جاتی ہے۔ اس لنگر خانہ کو اکبر بادشاہ نے غربا و مساکین کی آسائش کے لئے تعمیر کرایا تھا۔

### تاریخی چھتری:

صحیح لنگر خانہ میں پرانے زمانے کی ایک خوبصورت چھتری ہے۔ یہ اس واقعہ کی یادگار ہے جب اکبر بادشاہ اس مقام پر لنگر لینے آیا تھا اور اس کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا۔ اسی سال اس تاریخی یادگار کو مسخ کر کے حجرہ بنا دیا گیا۔

### احاطہ سوم درگاہ شریف

#### احاطہ جمیلی:

احاطہ صحیح چراغ کی جنوبی دیوار میں احاطہ درگاہ شریف میں جانے کے لئے دروازے ہیں۔ ایک دروازہ سماع خانہ کی دیوار سے ملا ہوا ہے۔ اس دروازے سے احاطہ درگاہ میں داخل ہونے کے بعد وہی طرف سولہ کھمبہ میں جانے کا راستہ ہے اور بائیں ہاتھ پر مختصر سا احاطہ جمیلی پتھر کی جالیوں میں گھرا ہوا ہے۔ احاطہ کے اندر چند متبرک مزارات ہیں اور حال کے بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے۔ یہ مزارات خواجہ بزرگ کی ازدواج کے ہیں، اور یہ جمیلی والی بیوی کے نام سے مشہور ہیں۔

لیکن صاحب احسن السیر کا کہنا ہے کہ مسجد صندل خانہ کی شمالی دیوار کے متصل (احاطہ جمیلی میں) حضرت رفیع الدین بایزید خوردا کا مزار ہے۔ ان مزارات پر جمیلی کی بیل چھائی رہتی ہے۔

#### شاہجہانی مسجد:

یہ مسجد روضہ مبارکہ کے مغرب میں شاہجہاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ شاہجہاں بعد شہزادگی اودے پور فتح کر کے جب زیارت کے لئے اجمیر حاضر ہوا، اس وقت اس نے ایک وسیع مسجد بنوانے کا خیال کیا تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا جس پر دو لاکھ چالیس ہزار روپے خرچ ہوئے۔ مسجد کا طول ۷۹ گز شرعی

اور عرض ۲۷ گز شرعی ہے۔ تاریخ حسب ذیل ہے:

قبلہ اہل زماں شد مسجد شاہجہاں

عہد شاہجہانی کے ملک الشعراء ابوطالب حکیم ہمدانی نے حسب ذیل مصرع

سے تاریخ تعمیر نکالی ہے ع

کعبہ حاجات دنیا مسجد شاہجہاں

مسجد نفیس سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اندرون وسط محراب میں سنہری

حروف میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ ۱۲۶۱ھ میں جب تبرکات نبوی دہلی سے لا کر یہاں

رکھے گئے، اس وقت کلمہ اور محراب سے آب خنک رسنے لگا تھا۔ بعض لوگ اسے اشک

افشانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

جب اس مسجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے تو چار توپیں (توپ نما نال) داغی جاتی

ہیں۔ ایک بوقت ادائیگی سنت، دوسری خطبہ کے وقت، تیسری بوقت اقامت، چوتھی

سلام کے بعد۔

**چلہ بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ والرضوان:**

اس مقام پر بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے چلہ کشی کی تھی۔ صندلی

مسجد کے پیچھے اس کا دروازہ ہے۔ کہا جاتا ہے، پہلے سرکار غریب نواز کے خام مزار کا

یہی راستہ تھا، جو اب مدت دراز سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔ چلہ

کا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے مگر ہر سال ماہ محرم کی پانچ تاریخ کو کھلتا ہے۔ پانچویں

محرم کو بھی لوگ دور دراز سے بغرض زیارت حاضر ہوتے ہیں۔

**جنتی دروازہ:**

اس دروازہ کو ”کئی“ دروازہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے کواڑوں پر چاندی کا پتر

چڑھا ہوا ہے۔ یہ دروازہ عیدین اور حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت خواجہ عثمان

بارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عرس کے موقع پر کھلتا ہے۔ [ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت

خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی خاص نیاز مند کو اس دروازے سے آتے

ہوئے جنت کی بشارت دی تھی۔ یاد آتا ہے کہ غالباً وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار

کا کی قدس سرہ تھے۔ ۱۲ سال [

**چار یاری احاطہ:**

شاہجہانی مسجد کی جنوبی دیوار سے ملحق حوض کے متصل احاطہ چار یاری میں

جانے کا ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس احاطہ میں ایک وسیع قبرستان ہے جس میں

مولانا حسین الہ آبادی اور بعض دوسرے بزرگوں کے مزارات ہیں۔

**حوض جامع مسجد:**

جامع مسجد کے متصل ایک خوشنما حوض ہے۔ یہ ہمیشہ پانی سے بھرا رہتا ہے۔

اس حوض کے پانی پر سائبان نہیں ہے۔ اس حوض کے متصل اکثر بہشتی بھری مشکیں لئے

موجود رہتے ہیں۔ زائرین انہیں پیسے دے کر حوض میں پانی ڈلواتے ہیں۔

**جھالہ:**

درگاہ شریف کے جنوب میں ایک گہرا چشمہ جھالہ کے نام سے مشہور ہے۔

درگاہ شریف اور شہر کے بعض محلے اس سے پانی لیتے ہیں۔ درگاہ سے ایک وسیع زینہ

اس میں جانے کا ہے، بہشتی اسی زینہ سے پانی بھر کر لاتے ہیں، دوسرا زینہ اس میں

سولہ گھبے کی طرف سے بھی ہے۔ تیسرا زینہ مقبرے کے قریب سے ہے۔ جھالہ کی

مضبوط چہار دیواری شاہجہاں کی بنوائی ہوئی ہے۔

**شاہی گھاٹ:**

لب جھالہ ارکاٹی دالان اور حوض کے درمیانی صحن کا نام شاہی گھاٹ یا سایہ

گھاٹ ہے۔ اس صحن میں سنگ مرمر کی چھتری میں غریب نواز کے صاحبزادے

حضرت خواجہ ابوسعید کا مزار ہے۔ اس چھتری کے بائیں میں ایک دوسری مرمریں

چھتری کے اندر حضرت خواجہ کے برادر نسبتی آرام فرما ہیں (سیرۃ الاولیاء، ص ۲۷۷) مگر بقول احسن السیر یہ مزار حضرت خواجہ کے خلف خور خواجہ ابوصالح (خواجہ حسام الدین) کا ہے۔

### ارکائی دالان:

سایہ گھاٹ کے متصل روضہ منورہ کے پائیں جانب ارکائی یا کرناگی دالان ہے۔ اس میں تین درجہ بجانب روضہ منورہ ہیں۔ سنگ سپید کی خوبصورت عمارت ہے۔

### پردہ نشین مستورات کے عبادت خانے:

روضہ منورہ کے پائیں دروازے ہر دو جانب کرناگی دالان کے سامنے سنگ مرمر کے دو چھوٹے سے احاطے ہیں۔ بقول سیر الاولیاء صفحہ ۲۷۶، ان میں سے جو مزار بی بی حافظہ جمال کے پائیں میں ہیں، اس میں خواجہ معین الدین خور خواجہ قیام الدین باہریال کے مزارات ہیں لیکن صاحب ”احسن السیر“ نے ان مزارات میں شیخ بدہ مخاطب بہ سید الملک مزار کا اضافہ کیا ہے اور ان حضرات کو نبیرہ گان خواجہ بزرگ میں شمار کیا ہے۔

### دالان حاجی وزیر علی خادم درگاہ:

ارکائی دالان اور سبیل سے ملحق یہ دو دالان حاجی وزیر علی خادم درگاہ نے بنوائے ہیں، ان پر مندرجہ ذیل کتبے آویزاں ہیں۔

نقل کتبہ دالان متصل ارکائی دالان

یہ عمارت بغرض آسائش زائرین حضرت خواجہ غریب نواز بیادگار قبلہ حاجی سید مردان علی مرحوم مغفور بصرہ بصرہ خاص خاک نشین آستانہ علیہ حاجی سید وزیر علی خادم حضرت خواجہ تعمیر ہوئی۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ

نقل کتبہ دالان متصل سبیل

”یہ عمارت بغرض آسائش زائرین حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ بیاد

گار قبلہ و کعبہ سید حافظ فتح محمد صاحب و محترمہ و محترمہ والدہ صاحبہ بصرہ بصرہ خاص خاک نشین آستانہ عالیہ حاجی سید وزیر علی ربیع الاول ۱۳۶۰ھ میں تعمیر ہوئی۔

### مقبرہ شاہ قلی خاں:

یہ مقبرہ جھالرہ کے مشرق میں ہے۔ محرم کی تاریخ کو یہاں تعزیہ رکھا جاتا ہے، اس لئے اس کو امام باڑہ بھی کہتے ہیں۔

### سبیل خواجہ سنجری:

یہ سبیل حاجی وزیر علی صاحب مرحوم خادم درگاہ شریف نے تعمیر کرائی تھی۔ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ میں تعمیر ہوئی۔

### چھتری دروازہ:

سبیل کے قریب درگاہ شریف کی جنوبی سمت بیرونی زائرین کی زیادہ آمد و رفت اسی دروازہ سے رہتی ہے ایام عرس میں یہ دروازہ شب بھر کھلا رہتا ہے۔ خدام صاحبان میں جب کسی کی موت ہو جاتی ہے تو مرنے والے کے رشتہ دار یہاں آ کر بیٹھتے ہیں۔

### کھڑکی دروازہ:

جانب مشرق ہے، اس کے ہر دو جانب حجرے اور سہ دریاں وغیرہ بنی ہوئی ہیں، اسی دروازے کے بائیں ہاتھ پر مخدومی سید نور محمد، نذر محمد صاحب کا حجرہ ہے، یہ آستانہ کے خادم اور کلید بردار ہیں۔ انتہائی مخلص، علم دوست، دیندار، مہمان نواز اور غریب پرور ہیں۔ یہی حجرہ مولانا سید عبدالحق صاحب، ان کے متوسلین اور ہم لوگوں کی قیام گاہ ہے۔ لوگوں کی حاضری محترمی سید نور محمد، نذر محمد صاحب کی معرفت ہوتی ہے۔

### حمید یہ دالان:

بنگی دالان اور کھڑکی دروازے کے درمیان یہ دالان سید عبدالحمید صاحب

خادم درگاہ نے زائرین کی آسائش کے لئے تعمیر کرایا ہے جس کا صرفہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ ہے۔ محفل پنجشنبہ کے موقع پر یہاں مستورات بیٹھتی ہیں۔ حسب ذیل تاریخ تعمیر اس پر کندہ ہے:

### سلام باقی غنی مجید

#### نظام سقہ کی قبر:

یہ قبر حمید یہ دالان کے قریب ہے۔ سنگ مرمر کے چبوترے کے گرد و جالی دار کٹہرا ہے۔ شاہان مغلیہ کے عہد میں اس مزار پر زریں شامیانہ نقرئی اسنادوں پر کھنچا رہتا تھا۔ جب عالم گیر حاضر دربار خواجہ ہوئے تو اس قبر پر دھوکا ہوا، لوگوں نے عرض کیا یہ قبر تو نظام سقہ کی ہے۔ یہ سن کر عالم گیر نے کہا۔ ”شمع پیش آفتاب پر تو ندارد“۔ جتنی بھی آرائش اس قبر پر تھی اسے لٹوا دیا۔

#### اولیا مسجد:

پہلے یہ قلندری مسجد تھی۔ بقول ”احسن السیر“ چونکہ سرکارِ غریب نواز اس مقام پر نماز پڑھا کرتے تھے، اس لئے اہل دل و عقیدت کیش اس میں نماز پڑھنے کو زیادہ بہتر تصور کرتے ہیں۔

#### احاطہ کو چک سنگ سفید:

پیش صحن صندل خانہ درمیانی صحن کے بالمقابل بجانب شرق سنگ سفید کا احاطہ ہے۔ اس میں شیخ تاج الدین بایزید بزرگ، ان کے اقربا اور ازدواج کے مزارات ہیں اور بعض تذکرہ میں یہ ہے کہ یہ مزارات یا گار محمد اور ان کی زوجہ کے ہیں۔

#### بیگی دالان:

گنبد شریف کے شرقی دروازے کے آگے یہ دالان جہاں آراء بنت شاہ جہاں نے ۱۰۵۳ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کی چھت سنگ مرمر کے ستون کی ہے اور

فرش سنگ افشاں ابری اور طلائی کا ہے۔ ۱۸۸۵ء میں اس کی دیواروں اور کھمبوں پر نواب مشتاق علی خاں والئی رام پور نے سنہری کام کرایا اور چھت میں بمبئی کے ایک مسلمان سوداگر نے نقش و نگار بنوائے۔ دالان کی چھت میں بلویریں جھاڑ فانوس آویزاں ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں چھت کی ایک پٹی چٹ گئی تھی، اس کے ٹوٹ کر جانے کا اندیشہ تھا۔ ۱۹۴۲ء میں نواب غلام کبریائیس جل پائی گوڑی (بنگال) نے اس پٹی کو بدلوادیا۔ بیگی دالان کے صحن میں کھرنی کا ایک پرانا درخت ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ درخت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سمنانی رضی اللہ عنہ نے اجیر حاضر ہونے کے وقت نصب کیا تھا۔ کہا جاتا ہے اس کی چھال پانی میں پیس کر اگر مار گزیدہ کو پلائیں تو اچھا ہو جاتا ہے۔

#### توشہ:

بیگی دالان سے گنبد شریف میں داخل ہوتے ہوئے پہلے ایک خوبصورت شاندار دروازہ آتا ہے۔ اس دروازے سے گزر کر دائیں بائیں سمت دو حجرے ہیں۔ اس میں روضہ مبارکہ کی ضروریات کی چیزیں رکھی رہتی ہیں۔ شمالی توشہ خانہ میں روزانہ کے استعمال کی چادریں، اگر دانی، چوبیس اور دیگر سامان متعلقہ رہتا ہے۔ اس میں سات قفل لگے رہتے ہیں۔ ان ساتوں کی کنجیاں سات خدام صاحبان کے پاس رہتی ہیں۔

#### روضہ منورہ:

خواجہ حسین ناگوری نے برسوں حضرت خواجہ غریب نواز کی مجاورت کی ہے۔ یہ حضرت شیخ حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اس زمانے میں مزار مبارک خام تھا اور مزار شریف پر عمارت نہیں تھی۔

سلطان غیاث الدین خواجہ حسین ناگوری کو ازراہ عقیدت مدعو کرتا، مگر آپ شاہانہ صحبت سے گریز کرتے۔ لیکن سرور عالم ﷺ کے موئے مبارک کی زیارت کرنے کے لئے آپ سلطان کے پاس تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے تحائف پیش

کے مگر آپ نے قبول نہ کئے، البتہ صاحبزادے کے دل میں لینے کا خیال گزرا۔ جس پر آپ نے صاحبزادے سے فرمایا: اگر اس کو لیتے ہو تو خواجہ غریب نواز اور اپنے جد محترم صوفی حمید الدین ناگوری کے مزارات مبارکہ کی تعمیر کراؤ۔ چنانچہ اس رقم سے خواجہ غریب نواز کے کچے مزار پر گنبد و عمارت روضہ تیار کرائی گئیں۔

گنبد شریف کا اندرونی حصہ سنگ بستہ کا ہے۔ اس میں چونے سے رتخ بندی کی گئی ہے۔ بالائی حصہ اینٹوں سے تیار کیا گیا ہے۔ لداؤ کی ڈاٹ پر چونے کا صندلہ ہے، اس پر گھٹائی کا کام ہے۔ گنبد پنچوانس میں ہے۔ کوئی دوسرا گنبد اس ڈول کا ہندوستان میں موجود نہیں۔ اس سفید گنبد پر سنہری تاجدار کلس آویزاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کو دھولی اور سنہری کلس والا خواجہ بھی کہتے ہیں۔ یہ کلس نواب حیدر علی خان والئی برادر کلب علی خان والی راجپور نے نصب کرایا تھا۔ کہا جاتا ہے۔ پہلے عالم نام کے بنجارے نے بھی گنبد شریف پر سوامن سونے کا کلس چڑھایا تھا۔ گنبد شریف کی دیواروں پر سنہری کلسیاں ہیں۔

گنبد کے اندرونی حصہ میں لاجوردی کام ہے۔ یہ نواب مشتاق علی خان والئی راجپور نے کرایا تھا۔ چھت میں کاشانی مٹھل کی زریں چھت گیری لگی ہوئی ہے۔ اس میں طلائی زنجیروں میں سنہری گولے لٹک رہے ہیں۔ ان کی قیمت بحساب گولہ تقریباً پانچ ہزار روپیہ ہے۔ اس کا سونا عہد شاہجہانی کا عمدہ سونا ہے۔ قبہ شریف کی دیواروں پر طلائی نقش و نگار خواجہ حسین ناگوری کی عقیدت کا نتیجہ ہیں۔ غربی دیوار میں سنگ مرمر کی جالی پر ذیل کی تاریخ مرقوم ہے۔

ازپے تاریخ نقش گنبد خواجہ معین

گفت ہا تقم معظم قبہ عرش بریں

گنبد شریف کے اندر آب زر سے ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

خواجہ خواجگاں معین الدین اشرف اولیاء روئے زمیں

آفتاب سپہر کون و مکاں بادشاہ سریر ملک یقین  
در جمال و کمال اوچہ سخن ایں مبین بود بحسن و حصین  
مطلع در صفات او گفتم در عبادت بود چودہ بیمن  
اے درت قبلہ گاہ اہل یقین بردرت مہر و ماہ سود جبیں  
روئے بردر گہت ہمیں سانید صد ہزاراں ملک چو خسرو چین  
خادمان درت ہمہ رضواں در صفات روضہ ات چو خلد بریں  
ذره خاک او عبیر سرشت قطرہ آب او چو ماء معین  
جانشین معین خواجہ حسین بہر نقاشیش بگفت چینیں  
کئے شود رنگ تازہ کہنہ ز نو قبلہ خواجہ معین الدین  
الہی تابود خورشید و ماہی  
چراغ چشتیاں را روشنائی

مزار شریف پر سیپ کا کام چھپر کھٹ صندلی بنا ہوا تھا مگر کلکتہ کے سوداگر شکر سیٹھ میمن حاجی محمد صاحب نے پچاس ہزار کے صرفہ سے گنگا جمنی طلائی نقری پتھر چڑھوایا ہے۔ اس کے چاروں گوشوں پر برجیاں مع کلس کے ہیں مسہری میں رنگین محفل کی چھت گیری لگی رہتی ہے۔ اس پر سنگ طلائی، فیروزہ، ابری یشہب، اور لہسنیہ وغیرہ کی پچکاری ہے، مزار اقدس کے تعویذ میں یا قوت رمانی جڑا ہوا ہے۔ مزار پر انوار ہمیشہ زربفت و کخواب وغیرہ کی قیمتی قبر پوشوں سے ڈھکا رہتا ہے۔ قبر پوش پر پھولوں کی تیج اور بکثرت پھول رہتے ہیں۔ چھپر کھٹ کے تیج میں سنہری کٹہرہ نصب تھا۔ یہ شہنشاہ جہانگیر نے بنا کر نذر کیا تھا۔ جہانگیر نے اس کے متعلق تو زک جہانگیری میں لکھا ہے کہ ”بعض مرادیں بر آنے پر ۱۰۵۲ھ میں میں نے حجر طلائی جالیدار مرقد خواجہ بزرگ پر نذر کیا۔ یہ حجر ایک لاکھ دس ہزار روپے کی لاگت سے بتاریخ ۲۷ رجب المر جب تیار ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ اسے لے جا کر روضہ اقدس پر نصب کر دیں۔ مگر وہ



کٹہر اب موجود نہیں ہے۔ اس کی مرمت راجہ جے سنگھ سوائی دوبائی جے پور نے کرائی تھی۔ ان کا وزن بیالیس ہزار نو سو اکتھ تو لہ تین ماشہ ہے مگر موجودہ دونوں کٹہرے نواب جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں کے بنوائے ہوئے ہیں۔

اندرون گنبد مبارک زردوزی کے شامیانے ہیں، ان میں سے ایک نواب کلب علی خاں والئی راہپور اور دوسرا نواب ابراہیم خاں والئی ریاست ٹونک کا نذر کردہ ہے۔ مزار شریف کے مغربی حصہ میں محراب کے اندر زمانہ قدیم کا خوشخط قلمی کلام مجید سفید نقرئی صندوق اور نقرئی چوکی نظام کی نذر کردہ ہیں۔ قرآن شریف کے اوپر کعبہ شریف کا سیاہ جمل کا پردہ لٹکا ہوا ہے۔

### مجر بی بی حافظہ جمال:

روضہ منورہ کی جنوبی دیوار میں پائیں رخ تین دروازے ہیں۔ درمیانی دروازہ دن بھر کھلا رہتا ہے ادھر ادھر کے دروازے بعض خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں۔

درمیانی دروازے کے آگے سنگ مرمر کے ستونوں پر چھتری بنی ہوئی ہے۔ چھتری کے متصل روضہ منورہ کے جنوبی دیوار سے ملحق حضرت خواجہ کی صاحبزادی بی بی حافظہ جمال آسودہ ہیں۔ مزار مبارک سے متصل دو چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں۔ یہ دونوں بی بی صاحبہ کے صاحبزادوں کے مزارات ہیں۔ ان کا انتقال صغر سنی میں ہو گیا تھا۔

### مجر حور النساء عرف چینی بیگم بنت شاہجہاں بادشاہ:

یہ روضہ شریف کے غرب میں واقع ہے۔ صاحب احسن السیر نے بحوالہ تزک جہانگیری و شاہجہاں نامہ لکھا ہے کہ بروز چہار شنبہ بتاریخ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۰۲۵ھ حور النساء بنت شاہجہاں نے وفات پائی اور روضہ شریف کی دیوار سے ملحق دفن کی گئی۔

### احاطہ نور:

قبہ مبارک کے جنوب و مغرب میں سنگ مرمر کا خوشنما احاطہ ہے۔ اس کے کچھ حصے پر چھت بھی ہے۔ اس احاطہ سے صحن میں آنے کے لئے دو دروازے ہیں، ایک قبہ شریف کے جنوب میں، یہ پائیں دروازہ کہلاتا ہے۔ دوسرا جنتی دروازہ ہے۔ ان دو دروازوں پر سنہری کلسیاں ہیں۔ اس احاطہ میں لوگ قرآن خوانی کیا کرتے ہیں۔

### مسجد صندل خانہ:

سلطان محمود خلجی نے جب قلعہ دار گجا دھر کو قتل کر کے اجیر فتح کر لیا، اس وقت بطور اظہار تشکر سلطان موصوف نے روضہ منورہ کے سرہانے کی طرف یہ مسجد تعمیر کرائی تھی۔ پھر جہانگیر اور عالمگیر نے اپنے اپنے عہد میں اضافے اور مرمت کی خدمات انجام دیں، اسی لئے اس مسجد کو تینوں بادشاہوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ چونکہ مزار شریف کے اترے پھول یہاں رکھے جاتے ہیں، اس لئے اسے مسجد پھول خانہ کہتے ہیں، اور سرکار غریب نواز کے مزار اقدس کے لئے یہاں صندل گھسا جاتا ہے، اس لئے اسے مسجد صندل خانہ یا صندلی مسجد بھی کہتے ہیں۔ اب آنکھوں کے سامنے روضہ غریب نواز ہے، جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب و جگر کا قرار ہے۔

پس پردہ گماں ہوتا ہے کوئی جلوہ آرا ہے  
شعاع حسن پھوٹی پڑھ رہی ہے دیکھو چلمن سے  
(نظامی)



## عرسِ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی اہمیت اور فائدے

خواجہ حسن نظامی ثانی، دہلی

خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کا عرس شریف دراصل ایک دینی اجتماع ہے۔ جس طرح مسجد میں اعتکاف کرنے والے کچھ وقت کے لئے اپنے آپ کو بالکل خدا کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور سارے دنیوی تعلقات سے منہ موڑ لیتے ہیں، اسی طرح عرس میں آنے والے بھی چند دن ایسے گزارتے ہیں کہ ایک لمحہ اللہ اور اللہ والوں کی یاد اور ان کے حضور میں بسر ہوتا ہے۔

۱۹۱۳ء میں حضرت خواجہ حسن نظامی نے مولانا ابوالکلام آزاد کو ایک خط لکھا تھا اور ان سے پوچھا تھا کہ کیا آپ اجمیری خواجہ صاحب کی درگاہ اور عرس کو کسی حیثیت سے آج کل مفید سمجھتے ہیں؟ جواب دوسطری اور جلد چاہئے۔ مولانا نے اپنے دوسطری جواب میں لکھا تھا۔

”ایک اتنا بڑا مذہبی اجتماع کیوں نہ مفید ہو؟ البتہ ضرور ہے کہ اصلاح کی جائے۔ نیز ضرور ہے کہ تبدیلیاں ہوں!“ مولانا کو جواب کے لیے دوسطروں کا پابند کر دیا گیا تھا، اس لیے وہ یہ نہ بتا سکے کہ عرس میں انھیں کون سی اصلاحیں مطلوب تھیں اور کن تبدیلیوں کے وہ خواہش مند تھے؟ البتہ ان کے جواب سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عرس کو کوئی غیر مذہبی چیز نہیں سمجھتے تھے اور انھوں نے عرس کے اجتماع کو ایک

مذہبی اور دینی اجتماع ہی قرار دیا تھا۔

عرس کے لغوی معنی ”شادی کی دعوت“ اور قافلے کے بڑاؤ کے ہیں۔ مومن کے لئے موت کوئی ڈراؤنی اور ہیبتناک چیز نہیں ہوتی، وہ اس کا مٹمنی رہتا ہے۔ اس کو خوش آمدید کہتا ہے اور اہل اللہ رحلت کے دن اور وقت کو بڑا مبارک دن اور بڑی خوشی کا وقت سمجھتے ہیں، اسی لیے ان کی تاریخ وفات، عرس اور شادی کی دعوت سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اس دن وہ دنیا کا سفر طے کر کے آخرت کی منزل پر اترتے ہیں اور محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متمنی ہوتے ہیں۔

خواجہ خواجگان کا پہلا عرس یا ابتدائی زمانے کے اعراس کس طرح ہوئے؟ کون کون سی رسمیں اس وقت ادا کی گئیں؟ اس کا تفصیلی اور معتبر تاریخی ریکارڈ تو اترا کی سند کے علاوہ شاید اور کوئی موجود نہ ہو۔ تاہم قدیم تاریخوں اور تذکروں سے فاتحہ، ایصالِ ثواب، ننگر اور عام اجتماع کا ثبوت یقیناً ملتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی خانقاہ اور درگاہ کے علاوہ بھی عرس کے اجتماع جگہ جگہ ہوتے تھے۔ چنانچہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الہی کو ان کے کسی ہم عصر پیر نے حضور بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کی فاتحہ میں شرکت کا بلاوا بھیجا، تو حضرت نے ان الفاظ کے ساتھ معذرت فرمائی تھی کہ میرے یہاں بھی پیر و مرشد حضرت بابا فرید گنج شکر کی فاتحہ ہے۔ حضرت محبوب الہی کے مرید و خلیفہ حضرت خواجہ برہان الدین غریب عرس کے طعام تبرک کو سکھا کر رکھ لیتے تھے اور پورے سال ضرورت مندوں کو یہ تبرک تقسیم فرماتے رہتے تھے اور لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اس کی برکت سے صحت و شفا اور دوسری مرادیں حاصل ہوتی ہیں۔

دہلی میں اجمیر شریف کے عرس سے پہلے درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحب میں چھٹروں کا میلہ لگتا ہے اور اس میلے اور اجتماع سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسم بعد کے زمانے میں کسی بزرگ کی شروع کی ہوئی نہیں ہے، بلکہ حضور خواجہ صاحب اجمیری کے

ابتدائی اعراس کے دور ہی میں غالباً قائم ہوگئی ہوگی، ورنہ یہ میلہ خواجہ قطب صاحب کے بجائے رسم شروع کرنے والے بزرگ کے مزار پر لگا کرتا۔ ہندوستان میں قدیم زمانے سے جب کہ سفر دشوار تھا اور راستے غیر محفوظ تھے، یہ رواج تھا کہ کوئی شخص تیرتھ یا تراکا ارادہ کرتا تو ایک چھڑی لے کر اور ایک جھنڈی اس میں باندھ کر اپنے گاؤں سے نکل کھڑا ہوتا اور اس چھڑی کو دیکھ کر گاؤں گاؤں اور بستی بستی کے لوگ جو یا تراکا ارادہ رکھتے، اس شخص کے ساتھ ہو لیتے اور ایک قافلہ بن جاتا۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری کی محبوبیت اور مقبولیت کے ڈنکے ان کے ظاہری حیات پاک ہی میں بجنے لگے تھے، اس لیے ان کے عرس میں شرکت کے لئے عقیدت مندوں نے وہی طریقہ اپنایا جو زمانہ قدیم سے ہندوستان میں رائج تھا۔

مذہبی اور روحانی پہلو سے قطع نظر عرسوں کے یہ اجتماع اور قافلوں کے یہ سفر ایک دوسرے کو جاننے پہچاننے، سمجھنے اور ساتھ رہنے سہنے کے ایسے مواقع فراہم کرتے تھے کہ اور کہیں بھی اس طرح کامل بیٹھنا شاید ممکن نہ تھا۔ ہمارے اس دیس، اس برصغیر کا کونا کونا اپنی جگہ ایک جہان دیگر ہے۔ بولیاں الگ، رسم و رواج الگ، کھان پان جدا، لباس مختلف۔ اس کثرت کو وحدت، سچ پوچھیے تو عرسوں جیسے مذہبی اجتماعات ہی نے عطا کی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں خواجہ کی بارگاہ کو میدان عرفات کی یادگار کہوں کہ یہاں بھی ہندوستان پاکستان ہی کا نہیں، ساری دنیا کا آدمی آتا ہے، اور اپنی بولیوں، اپنے رسم و رواج، اپنے کھان پان، اپنے لباس کے فرق کو بھول کر ایک خدا اور ایک انسانیت کے تصور میں غرق ہو جاتا ہے۔ عرس ہر جگہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب سے بڑی بارگاہ اور سب سے بڑا عرس ہے۔ قدیم زمانے سے یہ عرس وہ کام اور وہ فرض انجام دے رہا ہے جو نئی دنیا میں اخبار اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن انجام دیتے ہیں۔

یہاں جنوب کو شمال کی، شمال کو جنوب کی، مشرق کو مغرب کی، مغرب کو مشرق

کی، ادنیٰ کو اعلیٰ کی اور اعلیٰ کو ادنیٰ کی خبر ہی نہیں ملتی۔ اپنے اصلی روپ میں دیکھنے برتنے اور برداشت کرنے کا موقع بھی فراہم ہوتا ہے اور جیو اور جینے دو کے اصول کو اپنانے کی ضرورت بھی آشکار ہوتی ہے۔ یہاں دو گھڑی کا ملنا، ایک مستقل مفاہمت، ایک دیرپا شناسائی، ایک ازلی اور ابدی یگانگت کے احساس کو جنم دیتا ہے۔

مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ یہ بارگاہ وہ پہلی اور آج تک کی سب سے بڑی بارگاہ ہے، جہاں غیر مسلموں کو معلوم ہوا کہ اسلام کیا ہے اور مسلمان کیسے ہیں؟ اور صرف یہی نہیں خود مسلمانوں کو بھی پتہ چلا کہ ان کے ہم وطن، ان کے ساتھ رہنے بسنے والے جو دوسرے عقائد، دوسرے رسم و رواج، دوسری معاشرت رکھتے ہیں، کس کس طرح ان کے ساتھ ہیں؟ کون سی باتیں باہم مشترک ہیں۔ کن کن اچھی باتوں کا آپس میں تبادلہ ہو سکتا ہے اور کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ خواجہ کا عرس آئینہ ہے اپنے آپ کو دیکھنے کا، اپنے آپ کو بنانے سنوارنے کا۔ اور آئینہ بھی ایسا آئینہ جس میں صرف ظاہری روپ ہی نظر نہیں آتا، اندر کے پردے بھی اٹھتے ہیں۔ باطن بھی نظر آتا ہے۔ وہاں کی جھاڑو بہار کی خبر بھی لگتی ہے، وہاں کے میل کچیل سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ وہاں کی اگنی، وہاں کی جوت، وہاں کی تجلی کو بھی موقع ملتا ہے کہ باہر آئے، جلوے دکھائے، دل پکھلیں، آنکھوں کے چشمے رواں ہوں۔

لوگ عرس کو صرف روٹی بیٹا مانگنے کی جگہ سمجھتے ہیں۔ اس پر طرح طرح کے الزام دھرتے ہیں۔ روٹی، بیٹا مانگنے کے جذبے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایک ماورائی روحانیت کے متلاشی ایک موہوم تصور کے جو یارہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ روٹی، بیٹا ہی اصلی روحانیت اور خدا رسیدگی کی پہلی سیڑھی ہے۔ یہ پہلا تعلق اور پہلا رشتہ ہے جو پالن ہار اور پلنے والوں کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ یہ وہ ڈور ہے جو خالق اور مخلوق کو ملاتی ہے اور پریم بندھن تک جا پہنچتی ہے۔ یہ کچا دھاگہ کہنے کو کچا دھاگہ ہے

لیکن جو اس کے تقدس سے واقف ہے، جو اس کو سنبھالنے، اس کو قائم رکھنے کا راز جانتا ہے، اس کا جذبہ یقین، اس کا ایمان اس کو دنیا کے سب سے مضبوط رشتہ سے پکی ڈور بنا دیتا ہے۔ وہ خود بڑھتا ہے خود جھکتا ہے اور اس پر چم بندھن کو ٹوٹنے نہیں دیتا۔ جس کا سب سے بڑا نشان، سب سے بڑا ثبوت خود خواجہ کی ذات پاک ہے۔ ان کا عرس ہے۔ ان کے عرس کا یہ اجتماع ہے۔

خواجہ کی دیگ لٹی ہے تو نئے زمانے کے لوگوں کو اس میں صفائی نظر نہیں آتی۔ یہ لوگ اتنا نہیں سوچتے کہ آخر اتنی بڑی دیگ بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہی کھانا چھوٹی چھوٹی دیگوں میں کیوں نہیں پکا دیا جاتا، لوگوں کو بٹھا کر کیوں نہیں کھلایا جاتا۔ یہاں کی دونوں دیگیں اکبر اور جہاں گیر دو بادشاہوں کی یادگار ہیں، لیکن ان کے بنوانے اور ایک رسم قائم کرنے کے پیچھے مجھے تو کسی اللہ والے کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ عجوبہ پسند ذہن اسی بہانے رب العالمین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لکھ لٹ داتا کا دھیان ان کو آتا ہے۔ مولانا آزاد کے ذہن میں بھی عرسوں کی اصلاح کی رائے دیتے وقت غالباً اسی طرح کی اصلاحیں ہوں گی کہ دیگوں کی لوٹ اور تقسیم تبرک کا طریقہ بدلا جائے۔ چند سال پہلے ایک صاحب نے اس کی کوشش بھی کی تھی مگر نتیجہ آپ سب کو معلوم ہے کہ لوٹ میں دیگ چند منٹ میں خالی ہو جاتی ہے۔ لیکن تقسیم میں دن بھر میں بھی خالی نہ ہو سکی اور کھانا خراب ہو گیا۔

قوالی اور سماع چشتی عرسوں کی خصوصیت ہے اور اس پہاڑی ندی کی مانند ہے جو کٹاؤ کرتی ہوئی دوسرے مذاہب اور عقائد تک جا پہنچتی ہے اور بظاہر غیر کہلانے والوں نے بھی جسے اپنا لیا ہے۔ یہ اپنی بات پہنچانے کا ایسا ذریعہ ہے جس کے اثر اور نفوذ کے سلسلے میں دورائیں نہیں ہو سکتیں۔ یہ ضرور ہے کہ رائج الوقت قوالی بہت کچھ اصلاح طلب ہو گئی ہے۔ اور ہم کو بڑی خوشی ہے کہ جہاں سے یہ چیز نکلی تھی، وہیں سے اصلاح بھی شروع ہو گئی ہے اور قوالی کے قدیم اصولوں کی طرف زور و شور سے متوجہ

کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف نئے زمانے کے تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا جا رہا ہے۔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی کے اشارے پر ان کے مرید اور خلیفہ اور جگت استاد حضرت مولانا فخر الدین زرا دی نے ”اصول السماع“ کے نام سے سماع کے جواز اور شرائط پر جو رسالہ لکھا تھا، اس کا پہلا جملہ یہی تھا کہ صوفی جگڑ بندی کا قائل نہیں ہوتا، اصول کے ساتھ آزادی اس کا طرہ امتیاز ہے۔ عرس اور خا ص کر حضرت خواجہ غریب نواز کا سالانہ عرس مسلمانوں کا وہ واحد اجتماع ہے جہاں خود شناسی اور خدا شناسی کو دروازے بند کر کے محض گھر کی، محض پرائیوٹ بات نہیں رکھا جاتا، بلکہ سب کو دعوت دی جاتی ہے، سب کو بلایا جاتا ہے اور سب لوگ بلا لحاظ مذہب و ملت اور عقیدہ و خیال یہاں بلیک پکارتے ہوئے آتے ہیں۔ یہ عرس وہ زلیخا ہے جو حسن یوسف کی جھلک دکھا کر سب سکھیوں کی انگلیاں کٹوا دیتی ہے۔ سب کو خدا رسیدہ بنا دیتی ہے۔

## چند ممتاز چشتی اوراد

ڈاکٹر محمد افضال برکاتی

میڈیکل چیمبر، ریلوے روڈ، اٹاوا

کسی سلسلہ طریقت کی دعائیں و وظائف، اذکار اور اشغال کو اوراد کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ تصوف کے چند ارکان کا مجموعہ ہے جس کا مقصد عبادت میں مصروف و منہمک فرد کو تربیت کے ذریعہ مقام احسان سے روشناس کرانا ہے۔

یوں تو لفظ تصوف دوسری صدی ہجری میں ہی جماعت صوفیہ کے وہاں علمی اصطلاح میں بولا اور سمجھا جانے لگا تھا، مگر اس کا بنیادی ماخذ (Original Source) مشہور حدیث جبریل کا تیسرا حصہ تھا جو پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انسانی شکل میں بھیجے گئے فرشتہ وحی حضرت جبریل علیہ السلام کے درمیان ہوئے مبارک مکالمہ میں لفظ احسان کے نام سے بولا اور سمجھا گیا تھا۔ اسی دور میں علم تصوف کی طرح دیگر علوم مثلاً علم تفسیر اور علم حدیث وغیرہ بھی معرض وجود میں آئے اور کسی نے بھی ان کے بدعت ہونے پر کلام نہیں کیا۔ کیوں کہ آج کی طرح اس وقت بھی یہ امر مسلم تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے جامع ترین (Exceptionally Most Comprehensive) کی مراد کو بغیر تفسیر و حدیث براہ راست سمجھنا ممکن نہیں کہ جس طرح قلب کو مقام احسان کے لائق بنانا اہل تصوف کی تربیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ابھی سلسلہ وحی جاری تھا۔ قرآن و حدیث کے بحر بیکراں کی عمیق تہہ میں موجود وافر علوم کو نظم و ترتیب (Systematize) دینے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ یہاں تک کہ خود قرآن کو بھی ایک جگہ جمع نہیں کیا جاسکا تھا۔ خیر القرون گزرنے کے بعد جب یہ عظیم کار خیر شروع ہوا تو نئے نئے اسلامی علوم معرض وجود میں آئے۔ مگر اب ملت اسلامیہ میں ملک گیری (Territorial Aggrandizement) کی بازور پکڑنے لگی تھی اور عجم و بغداد میں فسق و فجور اور خون آشامی (Tyranny) کا دور شروع ہو چکا تھا جس کے نتیجہ میں سب سے زیادہ زوال پذیر ہونے والی جو چیز سامنے آئی وہ تھی: خدا اور بندے کے درمیان کا روحانی تعلق، علم بڑھ رہا تھا مگر یہ روحانی تعلق گھٹ رہا تھا۔ تب اللہ کے چند نیک بندے آگے آئے اور اس کے لئے اپنی سماجی زندگیاں وقف کر دیں۔ اور احسان کی حقیقت صادقہ پر عمل اور اس کی تبلیغ کو اپنا مقصد حیات بنا لیا اور پھر کتاب و سنت میں گہری تحقیق و تجزیہ کر کے ایک نئے علم کی بنیاد ڈالی جس کو علم تصوف کے نام سے جانا گیا اور اس پر عامل اسلاف کو صوفی کہا جانے لگا۔ اور یہ نومولود علم طریقت، حدیث مبارکہ میں مذکورہ لفظ احسان کی شرح قرار پایا۔ علم تصوف کے عامل چار مشہور سلاسل قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں معمولی فرق کے ساتھ کئے جانے والے الگ الگ اوراد کو ان کے سلاسل کے نام سے جانا گیا۔ شیخ محمد صدیق محدث غماری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے معنی کی تشریح زیادہ واضح طور پر کی ہے: ”بلاشبہ تصوف وہی ہے جسے (حدیث شریف میں) احسان کہا گیا ہے۔ احسان دین کے تین ارکان میں سے ایک رکن ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کر کے بیان کیا اور انہیں دین قرار دیا، بایں طور پر فرمایا: ”یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے“۔ یہ تینوں ارکان اسلام، ایمان اور احسان ہیں۔ اسلام اطاعت و عبادت ہے، ایمان نور و عقیدہ ہے اور احسان مقام مراقبہ

و مشاہدہ ہے۔ (۱) دین کے دیگر تمام شعبوں کی مصداق منبع تصوف و شفاعت بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور بیعت و ارادت آپ ہی کی ذات گرامی سے تاریخی اور روحانی اتصال کا دوسرا نام ہے۔

### بیعت و ارادت کب اور کیسے شروع ہوئے؟

خاندان برکات کے بانی حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی کے بزرگ اعلیٰ سید میر عبدالواحد بلگرامی اپنی مشہور تصنیف 'سبع سنابل شریف' میں رقم طراز ہیں: "یاد رکھو کہ پیری اور مریدی، بیعت یعنی ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے اور عہد باندھنے کا نام ہے جیسا کہ پیران طریقت نے اپنے ہاتھ سچے مریدوں کے ہاتھوں پر رکھے اور رکھتے ہیں اور کلمہ استغفار اور توبہ کی تلقین کی اور کرتے ہیں اور مریدوں سے یہ عہد لیتے ہیں کہ 'ماتاکم الرسول فخذوه وما نہکم عنہ فانتہوا، جو رسول اللہ تمہیں دیں اسے لو اور جس سے تمہیں منع کریں اس سے باز رہو۔ اس بیعت کی اصل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخت کے نیچے بیعت کی تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: "لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ"، کہ بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوا مسلمانوں سے جب اے رسول! وہ تمہارے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کرتے ہیں۔" نیز خدائے قدوس نے ارشاد فرمایا کہ اے رسول! تمہارے صحابہ نے جو بیعت تم سے کی ہے، وہ مجھ سے کی ہے اور تمہارا وہ پیارا ہاتھ جو اصحاب کے ہاتھوں پر تھا، وہ میرا دست قدرت تھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: "ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ، ید اللہ فوق ایدیہم"، کہ بے شک وہ لوگ جو تم سے بیعت کرتے ہیں اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔" روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیعت کے وقت موجود نہ تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک مبارک ہاتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے قائم مقام کیا اور دوسرے

مبارک ہاتھ کو دست قدرت کا نائب بنایا اور فرمایا: "یہ اللہ کا دست قدرت ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ہے" تو آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور بیعت کی۔ یہیں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ صادق طالب اگر حاضر نہ ہو تو اس کی غیر حاضری میں اُسے بیعت کرنا جائز ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے اور مکان کے اندر تشریف لے گئے تو تمام عورتیں بھی بیعت کے لئے حاضر ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ توقف فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی "یا ایہا النبی اذا جاءک المؤمنات الایۃ" یعنی "اے نبی جب مسلمان عورتیں تمہارے پاس حاضر آئیں اور اس چیز پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی، نہ وہ چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد قتل کریں گی، نہ ایسا بہتان لائیں گی جسے وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان کسب کریں اور نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت کر لیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے بموجب عورتوں کو بھی بیعت کر لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کی بیعت صرف کلام سے ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہ ہوا۔" پیری مریدی کے اثبات میں یہ ایک مستحکم اور قطعی اصل اور وہ بنیاد ہے جسے مضبوط اور سیسہ پگھلائی ہوئی کہا جاتا ہے۔ اس میں کسی منکر کو انکار کی گنجائش نہیں۔ (۲)

حضرت میر بلگرامی آگے لکھتے ہیں: "ذکر و مراقبہ خواجگان چشت قدس اسرارہم کا اس پر اجماع ہے کہ طالب صادق کے لئے ایک ذکر اور ایک فکر کافی ہے اور وہ ذکر کلمہ لا الہ الا اللہ ہے کہ تمام ذکر اس کلمہ میں داخل ہیں اور مراقبہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانے اور اعضا کی حرکتوں اور دل کی باتوں پر مطلع رہے۔ ائمہ

طریقت اور سادات حقیقت کے نزدیک یہ چیز ثابت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ کے راستوں میں سے سب سے قریب کا راستہ دکھا دیجئے، ارشاد فرمایا علی! ہمیشہ ذکر خدا کرتے رہو۔ عرض کیا کس طرح؟ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کرو اور مجھ سے سنو۔ اس کے بعد حضور نے تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر فرمایا اور علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سنا۔ اس کے بعد مولیٰ علی نے تین بار ذکر کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنا۔

پھر علی مرتضیٰ نے تعلیم فرمایا یہ ذکر، حضرت خواجہ حسن بصری<sup>۲</sup> رحمۃ اللہ کو، اور ان سے حضرت خواجہ عبدالواحد<sup>۳</sup> زید کو پہنچا، اور ان سے خواجہ فضیل کو، ان سے خواجہ<sup>۴</sup> ابراہیم ادھم<sup>۵</sup> بلخی کو، ان سے خواجہ حذیفہ<sup>۶</sup> عرشی کو، ان سے خواجہ مہیرہ<sup>۷</sup> بصری کو، ان سے خواجہ علود بینوری کو، ان سے خواجہ ابوالحق<sup>۹</sup> شامی کو، ان سے خواجہ قدوة الدین<sup>۱۰</sup> ابو احمد فرشانہ کو، ان سے خواجہ ناصر الدین محمد<sup>۱۱</sup> ابو اسحق چشتی کو، ان سے خواجہ ناصر الدین<sup>۱۲</sup> ابو یوسف چشتی کو، ان سے خواجہ قطب الدین مودود<sup>۱۳</sup> یوسف چشتی کو، ان سے خواجہ حاجی<sup>۱۴</sup> شریف زندی کو، ان سے خواجہ عثمان<sup>۱۵</sup> ہارونی کو، ان سے حضرت خواجہ معین الحق والدین<sup>۱۶</sup> احسن سجری کو، ان سے خواجہ قطب الحق والدین<sup>۱۷</sup> بختیار اوشی کو، ان سے خواجہ فرید الحق والدین<sup>۱۸</sup> مسعود سلیمان اجودھنی کو اور ان سے حضرت خواجہ نظام الحق<sup>۱۹</sup> والدین محمد بن احمد بدایونی کو، (۲۰) ان سے خواجہ نصیر الحق محمود بن یوسف<sup>۲۰</sup> رشید اودہی کو، اور ان سے مخدوم<sup>۲۱</sup> جہانیاں کو پہنچا، جب کہ حضرت مخدوم جہانیاں کو دوسری جگہوں سے بھی پہنچا تھا، پھر ان سے میر سید راجو<sup>۲۲</sup> قتال کو اور ان سے مخدوم شیخ سارنگ<sup>۲۳</sup> کو پہنچا، جب کہ مخدوم شیخ سارنگ کو تلقین ذکر مخدوم شیخ یوسف ابرجہی سے بھی پہنچا تھا اور مخدوم شیخ یوسف نے بندگی مخدوم جہانیاں سید جلال سے حاصل کیا تھا، نیز مخدوم شیخ سارنگ نے تلقین ذکر مخدوم شیخ قیام الدین سے بھی

پایا تھا اور مخدوم شیخ قیام الدین مخدوم شیخ مینا کے چچا اور مخدوم شیخ نصیر الدین محمود اودھی کے مرید تھے اور مخدوم جہانیاں سے<sup>۲۵</sup> انہیں خلافت حاصل تھی، مخدوم شیخ سارنگ سے یہ ذکر مخدوم شیخ مینا<sup>۲۴</sup> کو پہنچا اور ان سے مخدوم شیخ سعد بدھن کو ان سے مخدوم شیخ عبدالصمد<sup>۲۶</sup> کو جو شیخ صفی سے مشہور ہیں اور ان سے مخدوم شیخ حسین<sup>۲۷</sup> محمد بن اسرائیل کو اور ان سے فقیر مؤلف<sup>۲۸</sup> کو پہنچا۔ (۳) میر سید عبدالجلیل<sup>۲۹</sup> مارہروی کو اپنے والد ماجد میر سید عبدالواحد بگلرامی سے، ان سے میر سید اویس بگلرامی<sup>۳۰</sup> اور ان سے سید شاہ برکت اللہ مارہروی<sup>۳۱</sup> کو پہنچا۔ (۴)

### پیری اور مریدی کی شرائط کیا کیا ہیں؟

پیری کی شرطوں میں سے پہلی شرط ہے سلسلہ کی صحت اور دوسری شرط یہ ہے کہ پیر عالم و عامل ہو جملہ عبادات کا، فرائض اور واجبات اور سنتوں اور نفلوں اور مستحبات کا۔ اور ان احکام کی پابندی میں کوتاہ اور سست نہ ہو۔ ہر وضو کے لئے مسواک کرے۔ داڑھی میں کنگھا کرے کہ یہ دونوں سنتیں ہیں۔ پانچوں نمازیں اذان اقامت اور جماعت کے ساتھ ادا کرے، تعدیل ارکان کا خیال رکھے اور اسی قسم کی دوسری باتیں نگاہ میں رکھے اور اگر وہ ان باتوں کا عالم نہ ہوگا تو ان پر عمل نہ کر سکے گا تو حد شرع سے گرجائے گا۔ لہذا پیر نہیں بن سکتا، اس لئے کہ جو شخص حقیقت کے مقام سے گرجاتا ہے وہ طریقت پر آکر رک جاتا ہے اور جو طریقت سے گرتا ہے، شریعت پر ٹھہر جاتا ہے اور جو شریعت سے گرا، گمراہ ہوا اور گمراہ شخص پیر بننے کے لائق نہیں۔ اور وہ درویش جس کی جانب مخلوق جھکی پڑتی ہو مثلاً اکثر مخلوق اس کی بیعت اور ارادت پر رجوع رکھتی ہے اس پر تو شریعت کے جزئیات میں بھی احتیاط فرض اور لازم ہے۔ اسے چاہیے کہ شریعت کے دقائق میں سے ایک شتمہ بھی فوت نہ ہونے دے کہ یہ چیز اس کے مریدوں کی گمراہی کا ذریعہ بنے گی۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسے فعل سے حجت لاتے اور اور کہتے ہیں کہ ہمارے پیر نے ایسا کام کیا ہے لہذا وہ گمراہ اور گمراہ کن ہو جاتے ہیں۔

پیر کی تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کے عقیدے درست ہوں۔ مذہب اہل سنت و جماعت کے موافق اور وہ متصلب پکاسنی ہو، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہتر فرقوں میں سے ایک کو ناجی فرمایا ہے اور بہتر فرقوں سے دُوری اور پرہیز کا حکم فرمایا ہے اور نجات پانے والا گروہ وہی ہے جو قرآن حدیث اور صحابہ کرام کے طریقوں پر کار بند ہے۔ تو مرید جب پیر میں تینوں شرطیں پائے، اس کا مرید ہو جائے کہ جائز اور مستحسن ہے اور اگر پیر میں ان تینوں شرطوں میں سے ایک بھی کم ہو تو اس سے بیعت جائز نہیں۔ اور اگر کسی نے غلطی سے اس سے بیعت کر لی ہے تو اس پر ضروری ہے کہ اس بیعت کو توڑ دے۔

(اور طریقت کی طرف آئیں تو) طریقت میں پیری کی شرطیں بہت زیادہ ہیں، ان میں سے بعض ہم لکھتے ہیں: پہلی شرط اکل حلال ہے۔ پیر کو اکل حلال میں احتیاط کلی برتنا چاہیے۔ ہرگز ہرگز کوئی ایسا لقمہ جو غیر حلال طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو یا مشتبہ ہو، اس کے پاس نہ پھٹکے اس لئے کل لحم نبت من الحرام فالنار اولیٰ بہ ”ہر وہ گوشت جو حرام سے پیدا ہو اور دوزخ ہی کے لئے مناسب ہے“۔ دوسری شرط صدق مقال سچا بول ہے۔ پیر کو چاہیے کہ ہرگز جھوٹ، غیبت اور فحش زبان پر نہ لائے کہ سچائی نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔ تیسری شرط دنیا کی حرص، اس کی لذتیں اس کی خواہش ترک کر دینا اور مخلوق کے اس کی جانب رجوع اور قبولیت پر کوئی توجہ نہ دینا ہے۔ چوتھی شرط مال کا نہ جمع کرنا ہے۔ اگر اسے کثرت سے فتوحات اور نذرانے میسر ہو تو چاہیے کہ راہ خدا میں خرچ کر دے، انہیں سمیٹ کر نہ رکھے۔ پانچویں شرط اچھی خصلتیں اور مخلوق کی خیر خواہی ہے۔ پیر کو چاہیے کہ مخلوق کو ایذا رسانی اور رنج دہی سے دور رہے اور ترش رُو اور بداخلاق نہ بنے، اس لئے کہ جو شخص لوگوں کو آزار پہنچاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بیزار رہتا ہے۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو عزت کی نظر سے کبھی نہ دیکھے۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ مرید بنانے پر حریص نہ ہو۔ اگر کوئی

شخص سچے دل سے اس کی طرف رجوع لائے اسے بیعت کرے، ورنہ فراغ خاطر سے خدائے برتر کی عبادت میں مشغول رہے اور اپنے عزیز وقت کو کہ عمر کی پونجی ہے، برباد نہ کرے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام جن کو صرف خدا کی طرف بلانے اور ہدایت کے لیے مبعوث کیا گیا، اس میں بعض کی امت میں صرف ایک ہی شخص تھا اور بعض کی امت میں ایک بھی نہیں تھا۔ آٹھویں شرط مخلوق کی زیادتیوں کو برداشت کرنا اور لوگوں سے جو تکلیف پہنچے، اس پر صابر رہنا ہے۔ اس لئے کہ درویشوں کا خرقة رضائے الہی کا جامہ ہے تو جو شخص اس خرقة کو پا کر اپنی نامرادیوں کو برداشت نہ کرے، وہ محض فقر کا مدعی ہے اور خرقة اس پر حرام۔ نویں شرط گناہوں اور نافرمانیوں کو یکسر چھوڑ دینا ہے۔ دسویں شرط یہ ہے کہ کشف اور کرامتوں کا متوالانہ ہو بلکہ استقامت کا شیدائی ہو، اس لئے کہ خلاف عادت امور اور کشف تو بے دینوں سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے الاستقامة فوق الكرامة۔ حق پر ثبات رہنا کرامت سے بڑھ کر ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ پہلی تین شرطیں ان دس شرطوں میں داخل ہیں۔ البتہ پیری کی شرطیں بے شمار ہیں۔ صرف وہی شرطیں جن کو ہم نے بیان کیا، ان میں انحصار نہیں ہے۔

تو اب طالب صادق پیر کو جب ان شرطوں سے موصوف پائے تو اس کے ساتھ اپنی انابت کا پوند، اس کے ساتھ سچی عقیدت اور حسن اعتقاد سے ملا دے۔ مرید کی سچی عقیدت اور حسن اعتقاد جس قدر زیادہ ہوتا ہے، اس کے کام دنیا اور دین میں اتنے ہی بنتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ پیر پرست خدا پرست ہوتا ہے۔ پیران طریقت نے ثبوت بیعت اور اس دینی اخوت کے لئے دونشانیاں مقرر کی ہیں۔ ایک تو کاغذی جس پر وہ اپنے پیروں کے نام لکھتے ہیں اور اس کو شجرہ کہتے ہیں، اس لئے کہ شاخ درشاخ ہونے میں درخت سے مناسبت رکھتا ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے بیعت واقع ہوئی تھی۔ اذیبا یعونک تحت



الشجرۃ۔ اسی طرح مریدوں کی اپنے پیروں کے ساتھ بیعت اس درخت کے نیچے واقع ہوتی ہے۔ اس کو لکھ کر مریدوں کو دے دیتے ہیں۔ دوسری علامت ٹوپی ہے۔ مخدوم شیخ فرید گنج شکر قدس اللہ روحہ کے ملفوظات میں ہے کہ کلاہ اصل میں حضرت حق جل و علا کی جانب سے ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام بہشت سے چار ٹوپیاں لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یک ترکی، دو ترکی، سہ ترکی، چہار ترکی (ایک گوشہ، دو گوشہ، تین گوشہ اور چار گوشہ والی) اور عرض کیا کہ فرمان باری ہے کہ آپ یہ چاروں ٹوپیاں سر مبارک پر رکھیں، پھر جسے چاہیں عطا فرمادیں۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے وہ چاروں ٹوپیاں سر اقدس پر رکھیں۔ اس کے بعد کلاہ یک ترکی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی اور ارشاد کیا کہ یہ تمہاری ٹوپی ہے، جسے چاہو دو۔ اور کلاہ دو ترکی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے چاہو بخش دو اور کلاہ سہ ترکی حضرت عثمان کے سر پر رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے، جسے چاہو سو نپ دو اور کلاہ چہار ترکی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر مبارک پر رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے اس کے لائق دیکھو اور جو اس کا حق ادا کر سکے اسے عطا کر دو۔ مجھے یہ فرمان تھا کہ کلاہ چار ترکی تمہیں پہناؤں۔“

کلاہ کو انابت اور بیعت کی علامت اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ یہ سر کا لباس ہے اور سر تمام اعضاء اور جوارح سے افضل اور اشرف، عقل کا مسکن اور حواسِ خمسہ باطنی کا مقام ہے۔ علاوہ ازیں حواس ظاہری میں سے زبان کہ کلام کی جگہ ہے اور منہ کو کہ پینے اور کھانے کی جگہ اور چہرہ کو خواص اور عوام کی نظریں اس پر پڑتی ہیں، سب سر میں داخل ہیں، گویا کہ تہا سر ہی تمام انسان ہے۔ پھر اس کا لباس بھی مختصر ہے اس لئے کہ ایک گز کپڑے میں متعدد ٹوپیاں تیار ہو سکتی ہیں، اسی وجہ سے کلاہ کو بیعت کی علامت قرار دیا ہے اور بیعت کے وقت اپنے سر سے اتار کر مرید کے سر پر رکھ دیتے ہیں تاکہ یہ دلیل ہو اس پر کہ مرید اس برادری میں پیر سے بالکل مل گیا اور اس نے بیعت

بسر و چشم قبول کر لی اور سرتابی سے توبہ کر لی اور روگردانی سے پناہ پائی۔ مریدی کیا ہے اپنے گناہوں سے توبہ اور اپنی کوتاہیوں کی عذرخواہی کرنا۔ مریدی ایک معاملہ ہے توبہ کرنے اور بری باتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا۔ چونکہ بغیر توبہ کے دین بھی نقصان میں اور بے رونق رہتا ہے، لہذا مریدی بے حد ضروری اور ہر شخص پر لازم ہے۔ مریدی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عہد و پیمانہ کی بیعت ہے، نہ کہ ان جاہلوں اور فضول لوگوں کی تراشی ہوئی باتیں۔ حضور سے سب سے پہلے چار اصحاب نے بیعت کی، اس کے بعد آپ کے اور اصحاب نے۔ عورتوں نے بھی حضور سے دل سے بیعت کی اس لئے کہ آیت بایعہن نازل ہوئی۔ اس وقت سے لے کر ہمارے زمانے تک برابر جاری اور دنیا کے ہر گوشے میں پہنچی ہوئی ہے۔ اس کی ضرورت اوّل آخر میں ہے اور اس کی فرضیت ہر خاص و عام پر۔ اس راستہ میں استغفار اور توبہ فرض ہے کہ آیت شریفہ تو بوا الی اللہ کا حکم ہے۔ اس آیت کریمہ میں جمیعاً بھی فرمایا گیا ہے، اس لئے ہر شخص پر گناہوں سے توبہ کرنا لازم ہے۔ تو اگر کوئی یوں اٹکلے دوڑائے کہ یہ فرض یقینی میرے اوپر لازم نہیں ہے تو اس پر سب سے زیادہ یہ کام ضروری ہے اور اس گمان سے توبہ اور استغفار کرنا بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ استغفار کرتے اور دن میں ستر مرتبہ اس کی تکرار فرماتے۔ توبہ کا وجوب تو ہر خاص اور عام پر ہے لیکن اپنے مقام کے اعتبار سے فرق ہے۔ اے دوست! تو خود توبہ نہیں کر سکتا، اپنے نفس کو کسی صاحب توبہ کے سپرد کر دے جو توبہ کی سند رکھتا ہو اور توبہ کے راستے میں ترقی کرتا جا رہا ہو۔ جو خاص و عام کا مقام بھی پہچانتا ہو اور ہر مقام پر توبہ کی ایک بنیاد بھی رکھتا جاتا ہو۔ توبہ کرنا ہر شخص کے ہاتھ پر زبیا نہیں ہے کہ کھوٹے سکے سوائے نعم بڑھانے کے کسی کام نہیں آتے۔ اے جوان! تو کب تک چاہے گا کہ بغیر پیر کے رہے، اس لئے کہ مہلت دینے اور ٹالتے رہنے میں مصیبت ہی مصیبت ہے۔ اگر تیرا کوئی پیر نہیں ہے تو شیطان تیرا پیر ہے، جو دین کے راستوں میں

دھوکے اور چالوں سے ڈاکہ ڈالتا ہے۔ شیطان نے اگرچہ تیرے لئے جال لگا دیئے ہیں لیکن تو اس کے دانہ اور پانی میں سے ذرہ برابر نہ لے اور بہت جلد کسی پیر کا ہاتھ پکڑ لے۔ بغیر پیر کے مرجانا مردار موت کے مانند ہے۔ اپنا وسیلہ آئیہ وابتغوا کے ماتحت تلاش کرو اور جاننے والوں سے پوچھو اور فاسئلوا (الآیہ) کو پڑھو۔ ہمارا سرتاپا وجود گناہ ہے اور مرید ہو جانا ہر گناہ کے لئے پناہ گاہ۔ مریدی دین ایمان کی چار دیواری ہے اور ہر مرد مسلمان کو اپنے دین کی فکر رہتی ہے۔

الغرض پیری اور مریدی کے حقوق اور شرائط آج کل بہت خراب اور پراگندہ حالت میں ہیں۔ نہ پیروں کو پیری کے حقائق اور آثار کی کچھ خبر ہے اور نہ مریدوں میں مریدی کے آداب اور لطیف باتوں کا کچھ اثر ہے۔ آج کل کوئی شخص مریدی ہی کے لائق نہیں، پیری کے قابل کہاں سے ملے گا۔ اگر پیری اور مریدی کا تھوڑا سا حال بھی مفصل لکھوں تو تمام دنیا جو پیروں اور مریدوں سے بھری ہے، یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم سب خطا پر، غلطی اور باطل پر ہیں، حالاں کہ ایسا نہیں۔ بات یہ ہے کہ صفائی قلب باقی نہیں رہی تلچھٹ رہ گئی ہے۔ تو جس کو عیسیٰ علیہ السلام میسر نہ ہوں اگر جڑی بوٹیاں استعمال نہ کرے تو پھر کیا کرے اور جسے سورج کی روشنی نہ پہنچے اسے چراغ جلانا ضروری ہے۔ ہائے افسوس وہ پیری مریدی کہاں غائب ہو گئی۔ (۵)

### کیا قرآن کریم میں اوراد کا حکم آیا ہے؟

جیسا کہ سطور میں گزر چکا ہے اوراد سے مراد ذکر، دعا اور خلوت گزینی (مراقبہ) لئے جاتے ہیں۔ پہلے ذکر کی تعریف اور پھر آیات مبارکہ پیش کی جاتی ہیں:

ذکر: دینی اصطلاح میں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ ذکر غفلت کی ضد ہے (۶) قرآن کریم میں یہ لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کبھی یہ کتاب اللہ کے معنی میں آیا ہے، کبھی نماز جمعہ کے لئے استعمال ہوا ہے تو کبھی علم کے معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن بایں ہمہ کتاب اللہ میں اس لفظ کا غالب استعمال اسی معنی میں

ہوا ہے جس معنی میں اہل تصوف کے یہاں یہ لفظ رائج ہے یعنی تسبیح و تہلیل و تکبیر و حمد و ثنا اور درود و سلام وغیرہ۔ ارشاد بانی ہے: ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کیا کرو اور صبح شام اس کی پاکی بیان کیا کرو“ (الاحزاب: ۴۳-۴۲) اس کے علاوہ بے شمار آیات میں ذکر الہی کی اہمیت، فضیلت اور ثمرات کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً (بقرہ: ۱۱۴-۱۵۲، آل عمران: ۴۱-۱۹۱، الاحزاب: ۴۲-۳۵، الرعد: ۲۸، النور: ۳۶-۳۷، المنافقون: ۹-۷)

کیا صوفی کارب صوفی کو یاد کرتا ہے؟ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ”تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا“ (البقرہ: ۱۵۳) حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہے کہ میرا پروردگار مجھے کس وقت یاد کرتا ہے۔ لوگ ان سے ڈر گئے اور پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلا؟ فرمایا جب میں اس کو یاد کرتا ہوں، وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ (۸) اس لئے صوفی اپنے رب کو کثرت سے یاد کرتا رہتا ہے کہ ذکر کرنا اس کے رب کو پسند ہے: ”اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرو“ (احزاب: ۴۱) ”اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور صبح شام تسبیح کیا کرو“ (آل عمران: ۴۱) اور جب صوفی کارب اس کو یاد کرتا ہے تو اسے طمانیت قلبی حاصل ہوتی ہے۔ اپنے رب سے روحانی تعلق میں وہ ترقی کے مراحل طے کرتا چلا جاتا ہے، مشکل و جاں سوز لمحات میں اس کا دل اطمینان و سکون سے پُر رہتا ہے: ”اللہ ہی کے ذکر میں دلوں کا چین ہے“ (رعد: ۲۸) صوفی کبھی اپنے رب کو تنہائی میں یاد کرتا ہے: ”اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور پوری طرح سب سے علیحدہ ہو کر اُسی کے ہو جائیے۔“ (مزل: ۸) اور کبھی حلقہ ذکر سجا کر یاد کرتا ہے: ”یاد کرائے اس لئے کہ یاد کرنا مومنین کو نفع پہنچاتا ہے“ (الذاریات: ۵۵) کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ: ”اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔“ (العنکبوت: ۲۵) یاد الہی اس کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز شے ہے: ”پس جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی“ (النساء: ۱۰۳) خشیت الہی اس کے دل پر چھائی ہوئی ہے۔ رب تعالیٰ کے ذکر

اور خوف عذاب سے اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے: ”خوش خبری دیں ایسے خشوع کرنے والوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔“ (الحج: ۳۴-۳۵) اس کی ریش و لباس آنسوؤں سے تر ہو جاتے ہیں اور غفلت کے خوف سے لرزاں ترساں رہنے لگتے ہیں: ”اپنے رب کو اپنے جی میں گڑ گڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے یاد کرو اور اسے دھیمی آواز سے صبح و شام یاد کرو اور غفلوں میں سے نہ ہو۔“ (الاعراف: ۲۰۵) جب کہ اس کے رب نے اس کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا سچا وعدہ کیا ہوا ہے: ”اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔“ (الاحزاب: ۳۵)

وَعَا: سورہ بنی اسرائیل میں رب تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”آپ فرمادیتے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو سب اُسی کے اچھے نام ہیں۔“ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ کے ناولے نام ہیں چاہے جس نام سے اُسے پکارو۔ الگ الگ اوقات کی نمازوں کے بعد سلاسل میں اللہ کے ناموں کا ورد کیا جاتا ہے کہ اس کی رحمت کو متوجہ کیا جاسکے اور دعاؤں کو ان کی مراد حاصل ہو جائے۔ سورہ بقرہ آیت ۱۸۶ میں ہے: ”میں قریب ہوں اور ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔“ تضرع و زاری صوفی کی عادت بن جاتی ہے کیوں کہ یہ اس کے رب کا حکم ہے: ”اپنے رب سے دعا کرو گڑ گڑاتے اور آہستہ بے شک حد سے بڑھنے والے اُسے پسند نہیں“ (الاعراف: ۵۵) شاید اسی لئے سلاسل کی اپنی اپنی مخصوص دعائیں ہیں۔

### خلوت (Privacy):

تصوف میں خلوت (چلہ/مراقبہ) کی بڑی اہمیت ہے۔ ظاہر ہیں لوگ اسے صوفیا کی بدعت سمجھتے ہیں لیکن صوفیائے کرام اس کا التزام اپنے رب کی اطاعت اور اس کی حکم کی بجا آوری میں کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ”اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور پوری طرح سب سے علیحدہ ہو کر اسی کے ہو جائیئے۔“ (مزل: ۸) اس آیت

میں خطاب اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس میں موجود خلوت کا حکم سبھی کے لئے عام ہے، کیوں کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی حکم دیا جائے لیکن آپ کے ساتھ اس کے مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو تو پوری امت سے اس حکم کی بجا آوری مطلوب ہوتی ہے۔ حکم ربانی کی پیروی کے ساتھ ساتھ خلوت نشینی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع میں ہوتی ہے۔ سرکارِ دو عالم نے ارشاد فرمایا: میں نے ایک ماہ غار حرا میں خلوت نشینی کی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: پھر آپ کو خلوت نشینی محبوب کر دی گئی اور آپ کئی کئی رات غار حرا میں خلوت نشین رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔“ (۹)

### کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوراد کا حکم دیا ہے؟

اگر ہم سنت نبوی کی طرف دیکھیں تو اس میں تصوف کا ذکر (یاد کرنا) بھی ملتا ہے، تذکیر (یاد کرنا) بھی ملتی ہے مذکرہ (شیخ پر احوال قلب کو پیش کرنا) بھی ملتا ہے اور حلقہ ہائے ذکر کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

ذکر: مذکر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور اپنے رب کا ذکر نہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ یعنی ذکر کرنے والا ہی حقیقت میں زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔ شاید اسی لئے تصوف میں ذکر الہی کو روح کی غذا کہتے ہیں جس کے بغیر روح زندہ نہیں رہ سکتی۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: افضل ترین ذکر لا الہ الا اللہ ہے (ترمذی)

تذکیر: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مقام پر تذکیر کی اہمیت پر زور دیا ہے اور اس کا شوق دلایا ہے۔ حدیث قدسی ہے: میں اپنے بندے سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے۔ اگر میرا بندہ ایک گروہ میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر گروہ میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اور مجمع میں ذکر الہی کرنا یا

لوگوں کو ذکر سنانا اور انہیں ذکر کرانا یہ سب تذکیر ہے۔

مذکرہ: اہل ذکر سے سوال واستفسار مذاکرہ کہلاتا ہے۔ آیت: ”اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو (الفرقان: ۵۹) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ”مشورہ کرنے والا مامون رہتا ہے“ (ترمذی) مذاکرے کو بھی شامل ہیں۔ مذاکرہ سالک کا اپنے شیخ سے مشورہ ہی ہوتا ہے۔

### حلقہ ذکر Assembly:

حلقہ ذکر کا اعتقاد صوفیا کے معمولات کا اہم حصہ ہے اور اس کا مرجع (Source) بھی نبوی تعلیمات ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو چرلیا کرو یعنی اس سے استفادہ کر لیا کرو، عرض کیا یا رسول اللہ! جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ فرمایا: حلقہ ہائے ذکر (ترمذی)

دُعا: بلاشبہ منبع تصوف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مخلق باللہ ہیں اور اللہ کی عطا سے صفت رافت ورحمت متناہیہ کے مالک ہیں۔ مقام احسان تک رسائی آپ کی راہ نمائی کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ کے ہاں دُعا سے بڑھ کر کوئی چیز گرامی نہیں (ترمذی) مزید کرم بالائے کرم یہ کہ اپنی اُمت کو بے شمار دعائیں تعلیم کی ہیں جن میں سے بعض دعائیں اہل تصوف کے یہاں رائج ہیں۔ ان کے علاوہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے استغاثہ، استعانت، توسل، واسطہ، دافرید اور توبہ جو حضور کی دعائیہ تعلیمات سے ہیں، سلاسل کے اشجار کا لازمی جُز ہیں اور یہ صفائی و طہارت قلب کے لئے ہیں۔ ایصالِ ثواب دراصل مرحومین کے لئے دعائے مغفرت ہے اور یہ بھی سنت نبوی میں داخل ہے۔ مجالس ایصالِ ثواب (فاتحہ) واعراس، دعا کے قبیل سے ہی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں چل پھر کر ذکر کے حلقے تلاش کرتے ہیں پھر جب وہاں آجاتے ہیں تو ان کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں اور کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ دعا کے لئے ربُّ العزت کی بارگاہ میں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں پھر دعا مانگتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم تیرے بندوں میں سے ایسے بندوں کے پاس آئے ہیں جو تیری نعمتوں کی عظمت بیان کرتے ہیں اور تیری کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود سلام بھیجتے ہیں اور تجھ سے دُنیا اور آخرت کے لئے سوال کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے: میری رحمت سے ان کو ڈھانپ دو۔ وہ ایسی مجلس ہے کہ ان میں بیٹھنے والا کبھی شقی (بد بخت) نہیں ہوتا۔ (۱۰) سلاسل کے شجرے اور دعائیں دراصل اس حدیث میں موجود دُنیا اور آخرت کے لئے سوال ہی کا حصہ ہیں، صوفیا کی گڑھی ہوئی بدعت نہیں۔

خلوت: مرشد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے چالیس صبحیں اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر دیں، حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر بہنے لگیں گے۔ اسی لئے چالیس دن کی خلوت (چلے) میں بڑی تاثیر ہے۔ اسی لئے حضرت آدم کی مٹی کو چالیس روز خمیر کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام عمر میں پانچ چلے مروی ہیں۔ ایک چلہ سیدنا آدم علیہ السلام کا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا جمادی الاخریٰ کی بیس تاریخ سے لے کر ماہِ رجب کے ختم تک۔ ایک چلہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بیس شعبان سے شبِ عید الفطر تک۔ ایک چلہ سیدنا یونس علیہ السلام کا ذی الحجہ کی پندرہویں سے محرم الحرام کی پچیس تک۔ ایک چلہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا شبِ نمبرہ (کیم) ذی قعدہ سے لے کر شبِ عید الاضحیٰ تک، اور ایک چلہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیسویں رمضان سے آخر ماہِ شوال تک۔ چلہ کئی کی جو شرطیں زیادہ اہم ہیں، ان میں سے ایک بھی ترک کرنے سے مقصود کلی حاصل نہیں ہوتا۔ (۱۱)

خاندان برکات کے مورث اعلیٰ سنداً المحققین میر سید عبدالواحد بلگرامی چشتی لکھتے ہیں: 'منقول ہے کہ خواجہ نظام الحق والدین محمد بن احمد بدایونی قدس سرہ نے شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ روحہ سے فرمایا کہ تم چلہ چشتیانہ کھینچو۔ آپ نے بعض احباب سے دریافت کیا کہ چلہ چشتیانہ کیا ہے؟ جواب دیا ایک دیوار کے پیچھے بیٹھ رہو (یعنی دنیا سے کلیۃً منقطع ہو کر)..... آگے لکھتے ہیں 'مرید جب سیدھا پاؤں حجرہ خلوت میں رکھے تو اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھے اور پوری سورہ والناس تین بار پڑھے۔ اس کے بعد بایاں پیر حجرہ میں رکھے اور یہ دعا پڑھے۔ عربی دُعا کا ترجمہ: الہی تو دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے تو میرے لئے ایسا رہ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا اور اپنی محبت مجھے عطا فرما، الہی میرے پردہ دل میں اپنی محبت ڈال اور مجھے جلال و جمال سے اپنے مخلصین میں شامل فرما۔ الہی مجھے اپنے جذبات ذات سے میرا نفس محو کر دے۔ اے بے کسوں کے انیس الہی مجھے تنہا نہ چھوڑ تو بہتر وارثوں میں ہے۔ اس کے بعد مُصلے پر کھڑا ہوا اور منہ قبلہ کی طرف کرے اور ایک مرتبہ اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (میں نے اپنا چہرہ متوجہ کیا اس ذات کی جانب جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، دراصل حالیکہ سب سے یک سو ہوں اور مشرکین سے نہیں ہوں) پڑھے۔ اس کے بعد دو رکعت نمازِ جلالت الہی کے لئے پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنزِلَ آخِرُ سُوْرَتٍ تَحْتَکَ پڑھے۔ اس کے بعد سجدہ میں سر رکھے اور یوں کہے (الہی میری خلوت میں میرا انیس رہ اور میری تنہائی میں میرا معین۔ الہی میری اس خلوت کو اپنے مشاہدہ کا موجب بنا دے اور مجھے اُس کام کی توفیق دے جو تجھے محبوب و پسندیدہ ہے۔ الہی میں تیرے غضب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں۔ الہی مجھے بندگی نفس سے دُور رکھ۔ الہی میری آنکھوں سے پردہ ہٹالے اور میرے دل کا زنگ دُور کر دے تاکہ میں لا الہ الا اللہ کا جمال دیکھ

سکوں۔ اس کے بعد ذکر نفی و اثبات میں خاص الخاص توجہ و ارادت سے مشغول ہو جائے اور کبھی ذکر ذات میں ملاحظہ اور مفہوم کے ساتھ مصروف رہے کہ اس کا ایک لحظہ بھی ذکر نفی و اثبات سے خالی نہ رہے۔

چلہ کشی کے لئے آٹھ شرطیں ہیں: اول خلوت گاہ میں تنہا ہونا، قبلہ رو پالتی مار کر بیٹھنا، ہاتھوں کو زانوؤں پر رکھنا، مردہ کو غسل کی نیت کرنا، خلوت گاہ کو اپنی لحد تصور کرنا اور اس جگہ سے وضو کرنے اور نماز پڑھنے کے علاوہ باہر نہ نکلنا، خلوت گاہ تاریک ہونا چاہیے۔ یہ بھی ہو کہ اس کے دروازہ پر پردہ ڈال دے تاکہ اس میں ذرا بھی روشنی نہ آسکے۔ اس کے بعد ذکر میں مشغول ہو اور تمام اندیشے دل سے نکال دے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ہمیشہ با وضو رہے، اس لئے کہ بے وضو ہونا شیطان کے غلبے کی راہ ہے۔ تیسری شرط ہمیشہ ذکر کرنا، چوتھی شرط اندیشوں کی نفی اور ان کا دفع۔ چاہیے کہ جو خطرہ دل میں آئے خواہ نیک یا بد، اسے کلمہ لا الہ الا اللہ سے نفی کر دے۔ اس لئے کہ جس چیز کا نقش صفحہ دل پر پڑتا ہے خواہ نیک یا بد، وہ صفائی قلب کو نقوش قلب کے قبول سے سدّ راہ بن جاتا ہے اور جب تک صفحہ دل ان شہوانی نقوش سے پاک نہیں ہوتا، وہ مشاہدہ غیبی کے نقوش اور علم لدنی (وہ علم جو کسی کو خدا کی طرف سے براہ راست بغیر اُستاد حاصل ہو) کے قابل نہیں ہوتا اور مکارم کشفات روحانیہ (Internal Revelations کے انوار و تجلیات ربانیہ Lustures and Manifestation of Allah) کو قبول نہیں کرتا۔

پانچویں شرط ہمیشہ روزہ رکھنا ہے کہ روزہ تعلقات بشریہ اور خواہشات نفسانیہ کو دُور کرنے میں بڑا قوی اثر رکھتا ہے۔ چھٹی شرط ہمیشہ خاموش رہنا۔ تو چاہیے کہ کسی سے بات نہ کرے مگر اپنے شیخ سے کشف واقع میں ضرورت کے مطابق۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ اپنے دل کی توجہ شیخ کے دل سے ہمیشہ قائم رکھے کہ شیخ کے دل سے کچھ التفات مرید کے دل میں پہنچتا ہے اور آٹھویں شرط اللہ تعالیٰ سے شکایت اور

اپنے شیخ پر اعتراض کا ترک کر دینا ہے۔ (۱۲)

کیا دور حاضر میں اوراد کی ہمیں ضرورت ہے؟

اس پر فتن دور میں قلب جتنا مضطرب آج ہے، پہلے نہ تھا۔ شیطان کی خون میں شمولیت (Participation) تیز ترین گردش کے ساتھ رواں دواں ہے۔ زہد و تقویٰ، صدق اخلاص، صحبت و بیعت، ذکر و مجاہدہ، خوف و محاسبہ اور رضا و توکل جو مرشد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اہم جزو تھے، آج مومن کی زندگی سے رخصت ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ نماز جیسی افضل العبادات، عدم خشوع و خضوع کے سبب فراہمی سکون قلب اور درجہ قبولیت سے دور ہو گئی ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انتباہ: ”اگر تم اتنی نمازیں پڑھ لو کہ کمان کی طرح خمیدہ ہو جاؤ اور اتنے روزے رکھ لو کہ تانت کی طرح بن جاؤ تب بھی بغیر تقویٰ کے تم کو یہ عبادت کوئی نفع نہ دے گی“ آج زیادہ لائق فکر بن چکا ہے۔ بایں ہمہ آج روحانی سکون کی تلاش میں ’یوگا‘ جیسے شرکیہ افعال سے بھی گریز نہیں کیا جا رہا ہے۔ مگر دور جتنا بھی پُرفتن ہو، اسلام کی نرم اور شفیق گود پریشان و مضطرب مومن کو اپنے آغوش میں لینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔ سرکار ذی وقار کا فرمان کہ: ”اے گروہ صحابہ! اگر آج تم شریعت کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے“ مگر قرب قیامت میں میری امت کے لوگ اگر شریعت کے دسویں حصے پر بھی عمل کر لیں گے تو نجات پا جائیں گے“ آج کے مومن کے لئے کیا کسی بڑی بشارت سے کم ہے؟ لہذا آج کے بے چین و مضطرب ذہن کو روح اور جذبات کے سکون کی خاطر نہ تو شور برپا کرنے والے خطرناک ہتھیار ہاتھ میں لینے کی ضرورت ہے اور نہ یوگا جیسے خاموش زہر قاتل کو پھانک کر شرکیہ موت کی وادی میں گم ہو جانے کی ضرورت ہے؛ بلکہ آج تصوف اور صوفیائے کرام کے دامن کرم کی پناہ لینے کی ضرورت ہے، جہاں پر ذہنی مشکل کا شافی حل موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل کے ہندو ہندوستان کی سرزمین پر ہر مسلم حکمران کی کمزور اقلیتی پشت کو

مضبوط پناہ دینے والی شخصیت میں کوئی صوفی ہی تھا۔ تاریخ کے اوراق کا مطالعہ ہمیں اس خوش خبری کا مزہ سنا تا رہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

- ۱- اوراد وظائف کے مصادر و ماخذ قرآن و حدیث ہیں نہ کہ وید و پُران، جیسا کہ بعض مستشرقین (Orientalist) نے انہیں ہندو اور بودھ دھرم کی چلہ کشی اور ریاضت کی طرف غلط منسوب کیا ہے۔
- ۲- طریقت چوٹی ہے نہ کہ بنیاد، جس طرح بنیاد کے بغیر چوٹی کا تصور محال ہے، اسی طرح رب تبارک و تعالیٰ کا مشاہدہ بغیر اتباع شریعت ممکن نہیں۔ منفرد تابعی حضرت نعمان بن ثابت زوطی مشہور بہ لقب امام اعظم ابوحنیفہ (وفات ۱۸۰ھ) بانی فقہ حنفی خواب میں سو بار رب تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے تھے۔ (۱۵)
- ۳- فرائض و واجبات کو ترک کر کے اوراد و وظائف میں مشغولیت بے کار ہے۔ (۱۶)

چند ممتاز چشتی اوراد:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ سے منقول چند اوراد و وظائف پیش کئے جاتے ہیں، جو ملت اسلامیہ کے درد کا درماں اور قرب الہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

زیارت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ وسلم:

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا چاہتا ہے تو وہ پاک صاف ہو کر جمعہ کی شب کو دو رکعت نماز نفل اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور پندرہ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام پھیرنے کے بعد نہایت عاجزی سے بارگاہ الہی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے

دعا مانگے اور پھر بستر پر چپ چاپ سو جائے۔ اللہ کے فضل سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ اگر پہلی شب دُرِ مقصود حاصل نہ ہو تو دوسری شب پھر یہی عمل کرے۔ دوسری شب بھی ناکام رہے تو تیسری شب پھر یہی عمل کرے۔ ان شاء اللہ کسی نہ کسی شب گوہر مقصود ہاتھ آجائے گا۔

**مصیبت سے نجات کے لئے:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کا قول ہے کہ جو شخص مصیبت کے وقت آیت کریمہ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ کی بکثرت تلاوت کرے، اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت دور کرے گا۔

**آیت الکرسی کی برکات:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ سے منقول ہے کہ جو شخص آیت الکرسی پڑھ کر گھر کے اندر داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گھر سے مفلسی دور کر دیتا ہے اور آیت الکرسی بکثرت پڑھنے والے کا مال چوری سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بخشش و رحمت کے دروازے اس پر کھول دیتا ہے۔

**گم شدہ کی تلاش:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی عزیز گم ہو گیا ہو تو وہ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرے اللہ تعالیٰ گم شدہ کو واپس لے آئے گا۔

یا جامع الناس لیوم لا یریب فیہ اجمع علی ضامن

**آنکھوں کی روشنی کا عمل:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ نظر کی تیزی اور آنکھوں کی ہر بیماری سے محفوظ رہنے کے لئے یہ عمل بہت مفید ہے۔ ہر نماز کے بعد لا الہ الا هو القیوم دو مرتبہ پڑھ کر ہاتھ کے انگوٹھوں پر دم کیا جائے اور پھر عنق الوجوہ للیحی

القیوم پڑھ کر دونوں انگوٹھوں پر دم کر کے آنکھوں کے پپوٹوں پر ملے۔

**حصولِ عزت و مقبولیت کا عمل:**

اگر کوئی شخص حصولِ عزت و مقبولیت کا خواہش مند ہو تو وہ صبح کو جب سورج ایک نیزہ بلند ہو جائے، اس کی طرف منہ کر کے صدق دل سے سورہ رحمن پڑھے۔ ہر دفعہ فبای الآء ربکما تکذبن پڑھتے وقت انگلی سے سورج کی طرف اشارہ کرے۔ چالیس بار یہ سورہ مبارک پڑھ کر زکوٰۃ ادا کرے۔ جب کسی کے سامنے جانا ہو سورہ رحمن مکمل یا فبای الآء ربکما تکذبن تین بار پڑھ کر جائے۔ ان شاء اللہ سر خرو ہوگا اور دلی مراد بر آئے گی۔

**دشمنوں پر فتح پائی اور سلامتی ایمان:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ دشمنوں پر فتح پائی، ہر کام میں ثابت قدمی اور سلامتی ایمان کے لئے یہ آیت بکثرت پڑھی جائے۔

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَسْتَبِقْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

**درِ دشمن سے نجات:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ سے منقول ہے کہ کوئی شخص شدید درِ دشمن میں مبتلا ہو جائے تو پاک پانی پر سات بار سورہ الم نشرح پڑھ کر دم کیا جائے اور پھر اس مریض کو پلا دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے درِ دشمن سے نجات دے گا۔

**امراضِ لا دوا سے نجات کے لئے:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو لا علاج مرض ہو تو چاہیے کہ جمعہ کے دن نماز عصر سے مغرب تک ”یا اللہ یا رحمن یا رحیم“ کو پڑھتا رہے، ان شاء اللہ اکیس دن میں صحت ہوگی۔ مگر بلا ناغہ پڑھے اگر مرض الموت ہے تو وہ پڑھ نہ سکے گا۔

## برائے شفاءِ امراض:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ تمام بیماریوں کی دوا ہے، جب کوئی بیمار کسی دوا سے اچھا نہ ہو تو فجر کی نماز میں فرض اور سنت کے درمیان اکتالیس بار سورۃ فاتحہ صدق دل سے پڑھ کر مریض پر دم کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مریض شفا پائے گا۔ پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی م کو الحمد کی ”ل“ سے ملا کر پڑھے۔

## برائے معاش:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ نے فرمایا۔ اگر کسی کو ملازمت نہ ملتی ہو اور ذریعہ معاش کی کوئی صورت نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ غرہ اتوار سے سورۃ یسین شریف کو اس ترتیب سے پڑھے کہ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب سے اول دور شریف اکتالیس بار پھر سورۃ یسین شریف مبین در مبین پڑھے لفظ مبین کا سات بار تکرار کرتا رہے آخر تک، بعدہ تمام سورہ کو ایک بار پڑھے پھر درود شریف اکتالیس بار پڑھ کر دعا مانگے، چالیس یوم تک اسی طرح پڑھے اور پہلے ہی چلہ میں کامیاب ہوگا ورنہ دوسرا چلہ کرے اگر پھر بھی کامیاب نہ ہو تو تیسرا چلہ بھی کرے کامیاب ہوگا اور کوئی صورت معاش کی ہو جائے گی۔

## نزاع کی حالت میں:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ جس کو شدت سکرات موت کی ہو، اس کے پاس بحالت نزاع سورۃ یسین شریف با وضو بحضور قلب پڑھے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سکرات موت کی سختی آسان ہو جائے گی۔

## دُشمن کو مغلوب کرنے کے واسطے:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کے دشمن زیادہ ہوں تو چاہئے کہ با وضو بار درود شریف پڑھے اور ہاتھ اٹھا کر جناب باری میں دشمنوں سے نجات کے لئے نہایت عجز و انکساری سے دعا کرے۔ ایک ہفتہ کامل

پڑھنے سے دشمن مغلوب ہو جائے گا۔

## برائے مایوسیِ اولاد:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بعد نماز تین مرتبہ کہے:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

## برائے دفعِ آسیب:

تین مرتبہ پانی پر پڑھ کر منہ پر چھینٹا مارے یا کان میں دم کرے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ

## زہریلے جانور کے کاٹنے سے شفا:

جس جگہ زہریلے جانور نے کاٹا ہو اس مقام پر انگلی گھماتا ہو ایک سانس میں سات مرتبہ پڑھ کر دم کرے۔ وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِينَ

مرض سے نجات کے لئے:

کوئی مرض ہو پشتری پر لکھ کر مریض کو پلاوے یا تعویذ لکھ کر گلے میں ڈال دے

كَهَيْعَصَ حَمَعَسَقَ

## برائے مقبولیتِ نماز:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بعد نماز کلمہ توحید تین مرتبہ پڑھنے سے نماز مقبول ہو جائے گی۔

## دیوانے کتنے کے کاٹنے کا علاج:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو دیوانہ کتا کاٹے تو چاہئے کہ اس آیت کو روٹی کے چالیس ٹکڑوں پر لکھ کر ہر روز ایک ٹکڑا چالیس دن تک کھائے:

إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَأَكِيدُ كَيْدًا، فَمَهْلِ الْكَافِرِينَ اَمْهَلُهُمْ رُوَيْدًا



## برائے علاج لقوہ:

حضرت خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو لقوہ کی بیماری ہو جائے تو کسی بزرگ کامل سے سورہ ”زلزال“ کو معہ بسم اللہ شریف لکھوا کر پاک برتن پر دھو کر پیا کرے، بلا ناغہ اکیس دن پینے سے ان شاء اللہ آرام ہوگا۔

## برائے ادائے قرض:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ نے فرمایا، ادائے قرض کے لئے آیت ذیل کو پانچ بار ہر نماز میں روزانہ پڑھا کرے، اکتالیس دن تک، ان شاء اللہ تعالیٰ قرض سے بہت جلد نجات پائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِکَ الْمَلِکِ تُؤْتِی الْمَلِکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذَلِّقُ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تُوَلِّجُ اللَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوَلِّجُ النَّهَارَ فِی اللَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَمِیّتِ وَتُخْرِجُ الْمَمِیّتِ مِنَ الْحَیِّ وَتَرزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

عامل یا وظیفہ خواں ان صفات کا حامل ہو۔

۱- اپنی روزی حلال ذرائع سے کمائے۔

۲- احکام شریعت کی پوری پوری پابندی کرے۔

۳- جھوٹ نہ بولے۔

اگر کسی کو ان صفات سے تہی ہونے کے باوجود کسی عمل یا وظیفہ سے فائدہ پہنچ

جائے تو یہ خداوند کریم کا خاص فضل و کرم ہوگا۔ [۱۳-۱۴]

یہ وہ باتیں ہیں جن میں نہ کوئی افراط ہے اور نہ کوئی تفریط۔ تصوف اسلام کی روح ہے اور بیعت و ارادت منج تصوف و شفاعت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تاریخی اور روحانی اتصال کا نام ہے کہ جس کو آیات قرآنیہ کی تائید و سند حاصل ہے۔ کیا آپ اس نعمت عظمیٰ سے فیض یاب ہونا چاہتے ہیں؟ تو تقام لیجئے کسی سچے پیر طریقت کا دامن کرم۔

## مصادر و مراجع

- ۱- اہل سنت کی آواز مطبوعہ ۲۰۰۶ء مصطفیٰ جان رحمت منبع تصوف ڈاکٹر سید علیم اشرف جاسی دارالاشاعت برکاتی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ۔ ضلع ایٹھ یوپی انڈیا۔ ص ۲۱۴
- ۲- سبع سنابل شریف۔ میر عبدالواحد بلگرامی۔ رضوی کتاب گھر فیملی نگر بھونڈی، ضلع تھانہ مہاراشٹر، انڈیا۔ ص ۱۰۵-۱۰۶
- ۳- ایضاً ص ۱۲۷-۱۲۸
- ۴- صح التوارخ، تاج العلماء سید محمد میاں قادری، برکاتی پبلشرز کراچی، مطبوعہ ۱۹۸۸ء
- ۵- سبع سنابل شریف ص ۱۱۴ تا ۱۱۹
- ۶- تربیتی نصاب، پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، مکتبہ رضویہ، ادبی دنیا، ۵۱۰ ٹیماکل دہلی، ۶، جلد چہارم ص ۹
- ۷- اہل سنت کی آواز مطبوعہ ۲۰۰۶ء ص ۲۲۲
- ۸- تربیتی نصاب ص ۹
- ۹- اہل سنت کی آواز ۲۰۰۶ء ص ۲۲۲
- ۱۰- تربیتی نصاب ص ۱۸
- ۱۱- سبع سنابل شریف ص ۱۲۸-۱۲۹
- ۱۲- ایضاً ص ۱۳۱-۱۳۲
- ۱۳- معین الہند خواجہ جمیری، افضل عباسی، سب رنگ پبلی کیشنز، نئی دہلی
- ۱۴- ہندالوہی غریب نواز، منشی عبدالحمید، اجمیر شریف
- ۱۵- ہمارا اسلام۔ مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی، ادبی دنیا، ۵۱۰ ٹیماکل دہلی، ص ۱۷۲
- ۱۶- صح التوارخ ص ۴۱۰

## سبع سنابل شریف کے چشتی گوشے

ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی

شعبہ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

زندہ رہنے کے لیے ہمیں حیات کے متعدد تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں۔ بعض کا شمار لوازم حیات میں ہے یعنی جن کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے، مثلاً سانس لینا، کھانا پینا وغیرہ؛ بعض کا تعلق ضروریات حیات سے ہے، جیسے اعلیٰ تعلیم، بہتر صحت، عمدہ مکان، رنگ، روشنی، احباب اور اعزہ زندگی کے لیے ان سب کی ضرورت ہے۔

بندگی کے بھی کچھ لوازم، آداب اور شرائط ہیں۔ ان کی بجا آوری کے لیے مذہب نے کچھ اصول، طور طریقے، فرائض و مستحبات متعین کیے ہیں۔ انھیں جاننا اور ان پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے کیوں کہ ان کے بغیر انسانیت کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ لیکن خراج بندگی کے ساتھ ساتھ ایک چیز اور بھی ہے جسے ہم شعورِ بندگی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مثلاً سجدہ ریزی اعترافِ عبودیت ہے اور جبیں جھکے تو دل بھی جھک جائے، یہ سلیقہ شعورِ بندگی ہے۔ یعنی پہلا مرحلہ خراج بندگی، دوسرا شعورِ بندگی ہے۔ تربیتِ انسانی کے ان دو مراحل کو شریعت اور طریقت کے حوالے سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جب تک آدمی کو یہ شرف حاصل تھا کہ دماغ کو دل کے ساتھ سجدہ ریز ہونے میں تامل نہ تھا، الگ سے طریقت کے اصول و ضوابط سے عوام کو روشناس کرانے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن خیر القرون سے جیسے جیسے ہم دور

ہوتے گئے، تزکیہ نفس کے لیے شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کی اصطلاح گفتگو کا موضوع بننے لگی۔

ایک زمانے تک سلوک کے منازل نگاہوں سے طے ہوتے رہے اور باطن کے اسرار و رموز علم سینہ کی صورت میں صاحبانِ خیر کو منتقل ہوتے رہے۔ لیکن وقت کا قافلہ کچھ اور آگے بڑھا تو طریقت کے غوامض زبانِ دہن سے نوکِ قلم تک آ پہنچے اور پھر یوں ہوا کہ طالبانِ حق کی رہنمائی اور معترضین کے ازالہٴ شکوک کے لیے تصوف کے موضوع پر عربی اور فارسی میں متعدد کتابیں مختلف زمانوں میں منصہٴ شہود پر آتی چلی گئیں۔ ان میں سے بعض تصانیف تاریخِ تصوف کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بہ طورِ خاص دلچسپی کا محور بنیں اور ان کی بنیاد پر مستشرقین نے بھی بہت سا لٹریچر فراہم کر دیا۔ ظاہر ہے، ان کے مطالعے کی نوعیت قطعاً جدا گانہ تھی۔ فی الوقت ہمارا مقصود اہل دل کی وہ علمی کاوشیں ہیں جنہیں صاحبانِ خیر کی مجلسوں میں قبولِ عام کا درجہ حاصل ہوا۔ مثلاً کتاب اللمع فی التصوف (شیخ ابونصر سراج - م ۳۷۸ھ)، قوت القلوب فی معاملتہ الحبوب (شیخ ابوطالب مکی - م ۳۸۶ھ)، التعرف لمذہب اہل تصوف (شیخ ابوبکر - م ۳۹۰ھ)، طبقات الصوفیہ (ابوعبدالرحمن السلمی - م ۴۱۳ھ)، حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی - م ۴۳۰ھ)، رسالہ قشیریہ (ابوقاسم قشیری - م ۴۶۸ھ)، کشف الحجب (علی بن عثمان ہجویری - م ۴۶۵ھ)، منازل السائرین (خواجه عبداللہ انصاری - م ۴۸۰ھ) - احیاء العلوم (امام غزالی - م ۵۰۵ھ)، فتوح الغیب (محمی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی - م ۵۶۱ھ)، غنیۃ الطالبین (محمی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فرید الدین عطار - م ۶۲۰ یا ۶۲۷ھ)، مرصاد العباد (شیخ نجم الدین رازی - م ۶۲۰ھ)، عوارف المعارف (شیخ شہاب الدین سہروردی - م ۶۳۲ھ)، فتوحاتِ مکیہ (محمی الدین ابن عربی - م ۶۳۷ھ)، فصوص الحکم (محمی الدین ابن عربی)، لمعات (شیخ فخر الدین عراقی - م ۶۸۰ھ)، فوائد الفواد (حسن علاء تجزی - م

۳۸ھ)، مکتوباتِ صدی (شیخ شرف الدین یحییٰ منیری-م) وغیرہ وغیرہ۔  
فہرست سازی مدعا نہیں ہے۔ بس اتنا اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ضرورت  
زمانہ کے لحاظ سے مختلف ادوار میں تصوف موضوع گفتگو رہا ہے اور اصلاحِ نفس اور  
اظہارِ حال کا یہ سلسلہ آج بھی دراز ہے۔

دسویں صدی ہجری کے ایک بزرگ سید عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ (سنہ  
ولادت ۹۱۲ھ یا ۹۱۵ھ) نے بھی اپنے عہد کی ضرورتوں اور مسائل کے پیش نظر تزکیہ  
نفس اور اصلاحِ عقائد کے لیے کئی کتابیں تالیف فرمائیں، سبع سنابل ان میں سے  
ایک ہے۔

سبع سنابل کی اہمیت اس کے مضامین کی وجہ سے بھی ہے اور صاحب  
تصنیف کی شخصیت کے سبب سے بھی ہے۔ یعنی یہ محض نظری مباحث پر مشتمل کتاب  
نہیں ہے بلکہ اسے لکھنے والا خود بھی خاندانی وجاہت کا حامل اور تقویٰ و تصوف کا عملی  
نمونہ ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے میر بلگرامی کے بارے میں ہمیں اپنی  
معلومات کو تھوڑی سی وسعت دینی ہوگی۔

صاحبِ سبع سنابل میر عبدالواحد بلگرامی کے اجداد عراق، واسط، غزنی اور  
جاگیر سے ہوتے ہوئے بلگرام پہنچے تھے۔ بلگرام یوپی کے ضلع ہردوئی کی ایک بستی  
ہے۔ حضرت میر عبدالواحد اسی نسبت سے بلگرامی کہلاتے ہیں۔

میر بلگرامی کا خاندان عراق سے بلگرام کب اور کس طرح پہنچا اور تازہ  
صورت حال کیا ہے، اس کی تفصیل مولانا سید محمد میاں قادری مارہروی کی اصح التواتر  
(ص ۸-۹، برکاتی پبلی کیشنز، کراچی) کے حوالے سے محبت گرامی مولانا مبارک حسین  
مصباحی نے اس طرح بیان کیا ہے:

”آپ کے جدِ اعلیٰ سید علی عراقی رضی اللہ عنہ ترک وطن فرما کر قریہ واسط  
میں تشریف لا کر قیام پذیر ہوئے۔ یہ قریہ عراق بحرم اور عراق عرب کے درمیان واقع

ہے۔ حضرت سید علی عراقی کے احناد سے حضرت ابوالفرح واسطی اپنے چار صاحب  
زادوں کے ساتھ سلطان غزنوی کے زمانے میں واسط سے غزنی تشریف لائے۔ ان  
میں سے ایک صاحب زادے سید ابوفراس ہیں جو جدِ سادات بلگرام کہلاتے ہیں۔  
سید ابوالفرح تو کچھ عرصے بعد ایک صاحب زادے کے ہمراہ واسط واپس تشریف  
لے گئے اور بقیہ تین صاحب زادوں نے ہندوستان کا قصد فرمایا۔ سید ابوفراس نے  
جاگیر میں اقامت اختیار فرمائی۔ ان ہی کے احناد میں سے حضرت سید محمد صغریٰ رحمۃ  
اللہ علیہ ہیں، جنہوں نے سلطان شمس الدین التمش کے ایما پر راجا بلگرام سے (جو سخت  
کافر اور بڑا سرکش تھا) جہاد کیا اور اس کے قتل کے بعد ۶۱۴ھ میں فتح پائی۔

سلطان شمس الدین نے اس فتح کی خوشی میں بلگرام کا وسیع علاقہ حضرت کی  
جاگیر میں دے دیا۔ بلگرام کا اصل نام پہلے ”سری“ تھا۔ حضرت نے تبدیل فرما کر اس  
کا نام بلگرام رکھا۔ اس وقت سے حضرت کا خاندان حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی  
رحمۃ اللہ علیہ تک بلگرام میں رہا۔ اس کے بعد حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کے بڑے  
صاحب زادے حضرت سید شاہ عبدالجلیل میں مارہرہ شریف تشریف لائے، اسے آباد  
فرمایا۔ اس وقت سے آج تک حضرت کی اولاد مارہرہ شریف میں ہے۔“ (۱)

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے موجودہ سجادہ نشین امین ملت پروفیسر سید محمد  
امین میاں قادری برکاتی نے ایک مقالے میں خاندان برکات کا شجرہ نسب بیان  
کیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریر کی روشنی میں، میر بلگرامی کے سلسلہ نسب کو  
بھی تبرکاً اس مضمون کا حصہ بنالیا جائے:

سید عبدالواحد بلگرامی بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین بن سید ماہر بن  
سید بڈھ بن سید کمال بن سید قاسم بن سید حسین بن سید نصیر بن سید حسین بن سید عمر بن  
سید محمد صغریٰ بن سید علی بن سید حسین بن سید ابوالفرح ثانی بن سید ابوفراس بن سید  
ابوالفرح واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن حضرت زید سوم بن سید عمر بن

سید زید دوم بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ المعروف بہ موتم الاشبال بن سید زید شہید بن امام زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی زوج سیدہ فاطمہ زہرا بنت سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲)

یہ نسل در نسل منتقل ہونے والا دینی جذبہ ہی تھا کہ ہوش سنبھالتے ہی میر بلگرامی نے اپنے والد محترم حضرت میر ابراہیم کے مرشد برحق شیخ صفی سائی پوری کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ ۹۳۳ھ میں جب شیخ صفی کا وصال ہوا تو اس وقت میر بلگرامی کی عمر اٹھارہ سال تھی (۳)۔ ابھی سلوک کی بہت سی منزلیں طے کرنا تھیں۔ آپ نے اپنے مرشد کے خلیفہ شیخ حسین ساکن سکندرہ سے رجوع کیا۔ ان سے تربیت حاصل کی اور خلافت پائی۔

شیخ حسین نے میر بلگرامی کو سلسلہ چشتیہ کے علاوہ سلسلہ قادریہ اور سہروردیہ کی بھی اجازت عطا فرمائی۔ اجازت و خلافت حاصل ہونے کے بعد بھی آپ لوگوں کو مرید کرنے سے بچتے رہے۔ ایک دن خود شیخ حسین نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی اور تاکید کی کہ لوگوں کو بیعت کیا کرو۔ حکم کی تعمیل میں آپ نے سلسلہ بیعت دراز کیا۔ مرید نہ کرنے کا سبب کیا تھا اور شیخ نے کیوں بیعت لینے کی تاکید کی، اس کی تفصیل خود میر بلگرامی نے سبع سنابل میں درج کی ہے۔ یہ واقعہ اس قابل ہے کہ لفظ بہ لفظ پڑھا جائے:

”مخدوم شیخ حسین قدس اللہ روحہ نے جب فقیر کو خرقہ خلافت پہنایا تو میں عرصہ دراز تک اس حیرت و فکر میں رہا کہ اکابرین کا لباس اس ناکارہ و ناسپاس کو کس مصلحت کے ماتحت عطا فرمایا ہے۔ مجھ میں یہ سکت تھی ہی نہیں کہ اسے پہنوں اور درویشوں کے حکم کی خلاف ورزی میں کوشاں رہوں کہ میں تو ان کے حکم کا فرماں بردار تھا۔ الغرض میں مدتوں اسی فکر میں غلطاں رہا۔ ایک روز مخدوم نے مجھ سے دریافت کیا کہ کسی نے تمہاری بیعت کی؟ میں نے عرض کیا۔ نہیں۔ فرمایا کہ کسی نے خود تمہاری

طرف توجہ نہ دی یا تم نے قبول نہ کی۔ میں نے عرض کیا کہ بعض لوگوں نے رجوع کیا تھا مگر میں نے اپنی کم لیاقتی کے باعث انہیں قبول نہ کیا۔ مخدوم نے مجھے ڈانٹ پلائی کہ میں نے مشائخ کے معمول کے مطابق تمہیں ایک کام سپرد کیا تھا۔ تم اپنی لیاقت اور عدم لیاقت کو دیکھتے رہے۔ تمہیں اس دخل اندازی اور یا وہ گوئی کی کیا ضرورت ہے اور مرشدوں کے حکم و تصرف میں تمہیں کیا اختیار؟ آئندہ ہرگز ہرگز، اگر کوئی ارادت مندر رجوع کرے تو (اسے رد نہ کرنا بلکہ) برخلاف گذشتہ اسے بیعت کرنا۔ اس کے بعد نرمی سے فرمایا کہ اے نیک بخت! طلب صادق رکھنے والوں کو، پیروں کا اپنی بیعت میں لینا اس لیے نہیں کہ ان کی نجات اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں بلکہ اکثر دین دار اس نیت سے بیعت لیتے ہیں کہ اس گروہ میں بہت سے وہ بھی تو ہیں جو اہل نجات سے ہیں۔ ان کے طفیل میں ہم بھی نجات کے اہل ہو جائیں گے۔ لہذا اس کا رخیہ میں دیر نہ کرنی چاہیے۔“ (۴)

مندرجہ بالا اقتباس کو ایک بار پھر سے پڑھیے اور غور کیجیے کہ خاصانِ خدا کیسے ہوتے تھے، کس طرح سوچتے تھے۔ وہ بیعت کو کتنا محترم، کس قدر پاکیزہ اور ارفع و اعلیٰ عمل تصور کرتے تھے۔ پیری مریدی کو کاروبار سمجھنے والے آئیں اور اس آئینے میں عجز و انکسار کا عکس جمیل ملاحظہ فرمائیں۔

پیری مریدی کو اپنی انا کی تسکین اور معاش کا ذریعہ بنانے والوں سے بھی درخواست ہے کہ اگر کبھی خلوت میسر ہو تو بزرگوں کے طرز عمل کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ لینے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ مکرو فریب کی کہر آلود فضا اور سود و زیاں کی کسوٹی پر ہر عمل کو پرکھنے والی اس دنیا میں خوفِ خدا سے لرزنے والے دل، طریقت کو ہدایت کے لیے اختیار کرنے والے قلوب اور تزکیہ نفس کے لیے عہد و پیمان باندھنے والے ساکناں باصفا اور طالبانِ ہدیٰ آج بھی موجود ہیں جن کے دم سے خانقاہیں آباد ہیں اور مجلسیں

زندہ، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔ جب تک آندھیوں کی زد پر چراغ جلانے کا حوصلہ برقرار ہے، اقلیم عشق میں اجالوں کی حکومت رہے گی۔

المختصر سوسال سے زیادہ مدت تک اس عالم رنگ و بو کو منور کرنے کے بعد میر عبد الواحد بلگرامی نے ۳- رمضان المبارک ۱۰۱۷ھ شب جمعہ کو اپنے آبائی وطن بلگرام میں وصال فرمایا اور وہیں آسودہ خاک ہوئے۔

حضرت میر بلگرامی (المختصر بہ شاہدی) کے قلمی آثار میں من جملہ دیگر کتابوں کے ایک فارسی دیوان بھی تھا جو اب معدوم ہے۔ البتہ آپ کی کئی فارسی منظومات اور کچھ ہندی اشعار دستیاب ہیں۔

دیوان فارسی کے علاوہ ساقی نامہ، شرح گلشن راز اور شرح مصطلحات دیوان حافظ کا ذکر بھی تذکرہ نویسوں نے کیا ہے مگر فی الحال ان میں سے کسی تحریر کا کوئی خطی نسخہ موجود نہیں ہے۔ میر بلگرامی کی دستیاب منظومات و منشورات میں شرح الکافیہ فی التصوف (تالیف ۹۷۰ھ)، حقائق ہندی (تالیف ۹۷۴ھ)، شرح نزہتہ الارواح (تالیف ۹۸۵ھ)، شرح غوثیہ (تالیف ۹۸۷ھ)، مکاتیب ثلاثہ، حل شبہات، مناظرہ انبہ و خرزہ، شرح معجمہ قصہ چار برادر، تفسیر مفیض المحبت، مجموعہ اورداد اور سبع سنابل شامل ہیں (۵)۔ کم و بیش ان تمام تحریروں کا تعلق تصوف سے ہے۔

شرح الکافیہ فی التصوف میں میر بلگرامی نے عربی نحو کی مشہور زمانہ کتاب کافیہ (مولفہ علامہ جمال الدین ابو عمر و عثمان بن عمر المعروف بہ ابن الحاجب مالکی) کے متن: ”سے تصوف کے مسائل کا استخراج کیا ہے۔“ (۶)

اس تالیف لطیف کو مولانا عبدالرشید نعمانی نے اپنے مقدمے کے ساتھ جامعہ اسلامیہ بہاول پور، شمارہ اول ۱۹۶۳ء میں شائع کر دیا ہے۔

حقائق ہندی کا موضوع بھی اصلاً تصوف ہے۔ مؤلف نے اپنی اس فارسی تصنیف میں ہندی نظموں اور گیتوں میں مستعمل بعض الفاظ ٹیکا، مانگ، تلک، سکھی

وغیرہ کی تشریح تصوف کی اصطلاحات کے طور پر کی ہے۔ مثلاً انھوں نے بتایا ہے کہ ”مانگ“ سے اہل باطن کیا مراد لیتے ہیں۔ یا ”سکھی“ کا مفہوم ”یارانِ دینی“ کے نزدیک کیا ہے۔ اس کا خطی نسخہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ (یوپی) میں موجود ہے۔

شرح نزہتہ الارواح سید حسین بن محمد المعروف بہ امیر حسینی غزنوی کی فارسی نظم نزہتہ الارواح کی شرح ہے۔ اس کا موضوع بھی تصوف ہے۔ نظم کی شرح فارسی نثر میں کی گئی ہے۔ خطی نسخہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کے علاوہ، اسلام آباد کے کتاب خانہ گنج بخش (مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان) میں موجود نسخے اور اپنے خاندانی ذخیرہ علمی میں شامل مخطوطے کا بھی ذکر کیا ہے۔ موخر الذکر نسخے کے متعلق ان کا بیان ہے کہ ان کے والد نے اسے شاہ مہدی میاں مارہروی کو نذر کر دیا تھا۔

شرح غوثیہ ایک عربی متن ”غوثیہ“ کی منظوم شرح ہے۔ سنہ تکمیل ۹ ذی قعدہ ۹۸۷ھ ہے۔ زبان فارسی ہے۔

مکاتیب ثلاثہ، جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، میر بلگرامی کے تین فارسی خطوں کا مجموعہ ہے۔ پہلا خط مفتی الہ داد دانش مند (لکھنؤ) کے نام ہے۔ اس میں مفتی صاحب کو سماع کا قائل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور، جلد اول، شمارہ اول، ۱۹۶۳ء میں شرح کافیہ کے ساتھ یہ خط شائع ہو چکا ہے۔

مکاتیب ثلاثہ کے دوسرے مراسلے کے مخاطب قنوج کے شیخ عبدالعزیز ہیں اور موضوع تصوف ہے۔ اصح التواریح (مولفہ محمد میاں قادری) میں یہ مکتوب شامل ہے۔

تیسرا مکتوب حضرت بلگرامی کے ایک عقیدت مند نواب میر صدر جہاں پہانوی کے نام ہے۔ (۷)

یہ تینوں خطوط قلمی صورت میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں محفوظ ہیں۔ رسالہ حل شبہات میں شیخ اور مرید کے درمیان کے تعلقات، شریعت اور

طریقت کے بعض اسرار و رموز کے حوالے سے ترین سوالات قائم کر کے ان کے جوابات دیے گئے ہیں۔ آخر میں حافظ شیرازی اور دیگر صوفیاء کے یہاں مستعمل الفاظ و اصطلاحات کی متصوفانہ تشریح کی گئی ہے۔

مثنوی انبہ و خرپزہ میں آم اور خر بوزے کے درمیان مکالمہ ہے۔ اس میں بھی سلوک کے نکات بیان کیے گئے ہیں۔ نظم کے آخر میں آم اور خر بوزے کی درخواست پر میر بلگرامی ایک حدیث کی روشنی میں خر بوزے کے حق میں فیصلہ سناتے ہیں۔

شرح معممہ قصہ چار برادر بھی تصوف سے متعلق ہے۔ اس معممہ کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

”کسی بزرگ نے سلوک کے بیان میں چار بھائیوں کا ایک معممہ تحریر فرمایا تھا۔ میر بلگرامی نے اس معممہ کی شرح فارسی زبان میں اس طرح لکھی ہے کہ سلوک کے منازل و مدارج کا مکمل نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سالک کس طرح اس راہ میں داخل ہوتا ہے، کیسے کیسے حالات سے اُسے گزرنا پڑتا ہے اور آخر میں وہ کس طرح فائز المرام ہوتا ہے۔ اس کتاب کا خطی نسخہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں موجود ہے۔“ (۸)

تفسیر مفیض الحجت کے بارے میں ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے یہ اطلاع فراہم کی ہے:

”حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی کی کتاب ”آئین احمدی“ میں تفسیر مفیض الحجت کا ایک اقتباس درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان کے سامنے ضرور تھی اور اس کا پورا نام مفیض الحجت و مورث المعرفت ہے اور یہ کتاب تفسیر حسینی سے مقتبس ہے۔“ (۹)

حضرت میر بلگرامی کے اوراد و وظائف، اعمال اور تعویذات کا ایک قلمی نسخہ بھی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض وظائف و اعمال

اصح التوارخ، جلد اول (مؤلفہ مولانا محمد میاں قادری) میں مندرج ہیں۔

میر بلگرامی کی سب سے اہم تصنیف سبع سنابل ہے۔ اس کی زبان فارسی اور سنہ تکمیل ۹۶۹ھ ہے۔ ۱۲۹۹ھ میں مطبع نظامی کانپور سے اس کی اشاعت عمل میں آئی تھی۔ جس خطی نسخے کی بنیاد پر یہ کتاب شائع ہوئی تھی، فی الوقت وہ مخطوطہ نایاب ہے۔ دیگر مخطوطے جن کا اب تک علم ہوسکا ہے، اس طرح ہیں۔ خطی نسخہ مرقومہ ۲۰۔ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ روز یکشنبہ؟ یہ مخطوطہ مولانا محمد میاں قادری مارہروی کو بمبئی میں ملا تھا۔ دوسرا مخطوطہ مکتوبہ سترہ سنہ جلوس محمد شاہی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے سبحان اللہ کلکشن کی ملکیت ہے۔ تیسرا خطی نسخہ صوفی عبدالحمید اشرفی ساکن قصبہ اوجھیا نومی، ضلع بدایوں (م ۱۹۲۵ء) کے ذخیرہ علمی میں ڈاکٹر محمد ایوب قادری کی نظر سے گزرا تھا۔ ممکن ہے، کچھ اور مخطوطے ذاتی کتاب خانوں میں موجود ہوں۔

سردست سبع سنابل کا جو اردو ترجمہ دستیاب ہے، اس کے مترجم معتبر عالم دین حضرت مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی ہیں اور مقدمہ نگار ہیں مشہور محقق ڈاکٹر محمد ایوب قادری۔ ۱۹۸۱ء میں یہ ترجمہ حامد اینڈ کمپنی لاہور سے منظر عام پر آیا۔ ہندوستان میں یہی نسخہ رضوی کتاب گھر، بھینڈی، ضلع تھانہ، مہاراشٹر سے شائع ہوا، (سنہ ندارد)۔ فی الحال یہی ترجمہ پیش نظر ہے۔ کتاب سات سنابل (خوشے، بہ الفاظ دیگر ابواب) پر مشتمل ہے جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

پہلا سنبلہ: عقیدوں اور مذہبوں میں۔

دوسرا سنبلہ: پیری مریدی اور اس کی حقیقت اور ماہیت کے بیان میں۔

تیسرا سنبلہ: ترک دنیا، قناعت، توکل اور تبتل کے بیان میں۔

چوتھا سنبلہ: درویشوں کی عبادتوں اور اچھی عادتوں کا بیان، ان ہی

میں وضو پر پیشگی ہے۔

پانچواں سنبلہ: خوف اور امید میں۔

چھٹا سنبلہ: حقائق وحدت اور آثارِ محبت و معرفت کے ظہور میں۔  
ساتواں سنبلہ: فوائد متفرقہ میں۔

کتاب اصلاً عقائد کی درنگی اور شریعت و طریقت کے مابین تعلقات کی وضاحت کے لیے لکھی گئی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ طریقت شریعت سے الگ نہیں ہے بلکہ تزکیہ نفس کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنف نے اپنے سچ نظر کی صراحت قرآن و حدیث کی روشنی میں کی ہے اور لوگوں کی اصلاح کے لیے متعدد بزرگوں کے اقوال و اعمال پیش کیے ہیں۔

کتاب کا ایک قابل ذکر پہلو مصنف کا چشتی رنگ ہے جو جا بجا نمایاں ہے۔ مختلف ابواب میں بالعموم اور ساتویں سنبلہ میں بالخصوص سلسلہ چشتیہ مینائیہ کے اکابر شیوخ کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔

آگے بڑھنے سے قبل یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جتنے سلسلے ہیں سب کا مقصود ایک ہی ہے۔ اس لیے ہمارے لیے تمام سلاسل طریقت اور پیرانِ عظام محترم ہیں۔ کتاب محبت کا یہ پہلا سبق ہے، جسے ہمہ وقت ہر مبتدی کے پیش نظر رہنا چاہیے۔

تمام سلاسل طریقت میں تزکیہ نفس اور تکمیل سلوک کے لیے ذکر، اوراد و وظائف، خلوت نشینی، مراقبہ وغیرہ پر کم و بیش زور دیا گیا ہے۔ سلسلہ چشتیہ میں صفائی قلب، حصول درجات اور ”نسبت عشق“ کے فروغ کے لیے سب سے زیادہ اصرار ذکر الہی پر ہے۔

ہم اُس کا ذکر کرتے ہیں جس سے ہمیں محبت ہوتی ہے۔ اسی بات کو بہ الفاظ دیگر کہنے والے نے یوں بھی کہا ہے کہ جس کا ذکر ہم کثرت سے کرتے ہیں، اس سے ہمیں محبت ہو جاتی ہے۔ یعنی ذکر، ذکر کو مذکور کے بہت قریب کر دیتا ہے۔ اس نکتے کو محبوب الہی حضرت نظام الدین علیہ الرحمہ نے ”محبت ذات“ اور ”محبت صفات“ کی

اصطلاحوں کے ذریعے اس طرح واضح کیا ہے:

”محبت ذات از مواہب است و محبت صفات از مکاسب و طریق اکتساب محبت دوام ذکر است مع تخلیۃ القلب عما سواہ۔“ (۱۰)

چشتی صوفیا کا نقطہ نظر یہ ہے کہ عشق الہی کا ظہور یاد الہی کے بغیر ممکن نہیں۔ ذکر سے غفلت خدا سے دوری پیدا کرتی ہے۔ جب بندہ اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل پر قابض ہو جاتا ہے اور اسے ہوس دنیا میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس لیے آدمی کو ہر آن ربّ کائنات کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے۔ ذکر کی یہ کثرت ماسوا تصورات کو خاکستر کر دیتی ہے اور دل کی ہر دھڑکن یاد الہی میں مصروف ہو جاتی ہے۔ جب سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی خاموشی بھی ذکر الہی کا آئینہ بن جاتی ہے۔

کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کو افضل الذکر بتایا گیا ہے اور اس کی مداومت پر زور دیا گیا ہے۔ صاحب سبع سنابل لکھتے ہیں:

”خواجگان چشت قدست اسرار ہم کا اس پر اجماع ہے کہ طالب صادق کے لیے ایک ذکر اور ایک فکر کافی ہے اور وہ ذکر کلمہ لا الہ الا اللہ ہے کہ تمام ذکر اس کلمہ میں داخل ہیں اور مراقبہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانے اور اعضا کی حرکتوں اور دل کی باتوں پر مطلع رہے۔ ائمہ طریقت اور سادات حقیقت کے نزدیک یہ چیز ثابت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ کے راستوں میں سے سب سے قریب کا راستہ دکھا دیجیے۔ ارشاد فرمایا: علی ہمیشہ ذکر خدا کرتے رہو۔ عرض کیا کس طرح؟ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کرو اور مجھ سے سنو۔ اس کے بعد حضور نے تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر فرمایا اور علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سنا۔ اس کے بعد مولیٰ علی نے تین بار ذکر کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو سنا۔

پھر علی مرتضیٰ نے تعلیم فرمایا یہ ذکر، حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو اور اُن سے حضرت خواجہ عبدالواحد زید کو پہنچا اور اُن سے خواجہ فضیل کو، اُن سے خواجہ ابراہیم ادھم بلخی کو، اُن سے خواجہ حذیفہ معشی کو، اُن سے خواجہ ہبیرہ بصری کو، اُن سے خواجہ علود نیوری کو، اُن سے خواجہ ابوالحق شامی کو، اُن سے خواجہ قدوة الدین ابوالاحمد فرشانہ کو، اُن سے خواجہ ناصر الدین محمد ابوالحق چشتی کو، اُن سے خواجہ ناصر الدین ابویوسف چشتی کو، اُن سے حضرت خواجہ قطب الدین مودود یوسف چشتی کو، اُن سے خواجہ حاجی شریف زندنی کو، اُن سے خواجہ عثمان ہارونی کو، اُن سے حضرت خواجہ معین الحق والدین حسن بجزی کو، اُن سے خواجہ قطب الحق والدین بختیاراوشی کو، اُن سے خواجہ فرید الحق والدین مسعود سلیمان اجودھنی کو، اور ان سے حضرت خواجہ نظام الحق والدین محمد بن احمد بدایونی کو، ان سے خواجہ نصیر الحق والدین محمود بن یوسف رشید اودھی کو، اور اُن سے مخدوم جہانیاں کو پہنچا جب کہ حضرت مخدوم جہانیاں کو دوسری اور جگہوں سے بھی پہنچا تھا، پھر اُن سے میر سید راجو قال کو اور اُن سے مخدوم شیخ سارنگ کو پہنچا۔ جب کہ مخدوم شیخ سارنگ کو تلقین ذکر مخدوم شیخ یوسف ابرجھی سے بھی پہنچا تھا اور مخدوم شیخ یوسف نے بندگی مخدوم جہانیاں سید جلال سے حاصل کیا تھا۔ نیز مخدوم شیخ سارنگ نے تلقین ذکر مخدوم شیخ قیام الدین سے بھی پایا تھا۔ اور مخدوم شیخ قیام الدین مخدوم شیخ مینا کے چچا اور مخدوم شیخ نصیر الدین محمود اودھی کے مرید تھے، اور مخدوم جہانیاں سے انھیں خلافت حاصل تھی۔ مخدوم شیخ سارنگ سے یہ ذکر مخدوم شیخ مینا کو پہنچا، اور اُن سے مخدوم شیخ سعد بدہن کو، اُن سے مخدوم شیخ عبدالصمد کو جو شیخ صغی مشہور ہیں، اور اُن سے مخدوم شیخ حسین محمد بنی اسرائیل کو اور اُن سے اس فقیر مولف کو پہنچا۔“ (ص ص ۱۲۷-۱۲۸)

ذکر کی دو صورتیں ہیں۔ ذکر خفی اور ذکر جہری، یعنی بندہ بغیر آواز کے کلمہ طیبہ کو وظیفہ بنائے یا بہ آواز بلند اس کا ورد کرے۔ دونوں صورتوں کی سندیں موجود

ہیں۔ بہ قول حضرت میر بلگرامی: ”ذکر خفی کی سند یہ ہے کہ سانس نکلتے وقت لا الہ کا تصور با معنی کرے اور سانس لیتے وقت الا اللہ مع معنی کے تصور کرے اور معنی یہ ہیں کہ لا معبود و لا مقصود و لا موجود الا اللہ۔ ان تینوں کے تصور کے دوران ایک ہی معنی کا ارادہ کرے۔ یہ ذکر ہر وقت ہو سکتا ہے یعنی اس پر کھڑے، بیٹھے، لیٹے، تنہائی میں، مجمع میں، چلتے ہوئے، ٹھہرے ہوئے، کھانے پینے کی حالت میں، غرض ہر طور پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ارشاد فرمایا کہ خیر الذکر الخفی۔ سب سے اچھا ذکر، ذکر خفی ہے۔ لہذا اس پر اتنی ہیبتگی برتے کہ کوئی سانس آنے جانے میں اس سے خالی نہ رہے۔ بلکہ اس حد تک پہنچ جائے کہ سوتے میں بھی کوئی سانس نکلتے اور اندر جانے میں ذکر اور معنی ذکر کے تصور سے بے کار نہ رہے اور یہ بات تجربہ شدہ ہے کہ جب جاگتے میں کوئی سانس بے کار نہیں گذرتا تو سوتے میں بھی ضائع نہیں ہوتا۔ ہر نفس زانفاس عمرت گو ہریت گوہر انفاس را ضائع مکن تیری عمر کی سانسوں میں سے ہر سانس ایک گوہر ہے تو ان نفس گوہروں کو برباد مت کر۔“

اور جب زندگی میں اس تصور اور خیال میں رہے گا تو موت کے بعد بھی اسی تصور اور خیال پر قائم رہے گا اور کل بروز قیامت بھی اسی حال پر اس کا حشر ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم جس طور پر زندگی گزارتے ہو، اسی طور پر مرو گے اور جس حال میں مرو گے، اسی حال پر اٹھائے جاؤ گے۔ اور یہ ذکر وہ سوئی ہے کہ دل کا پیوند اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ، صدق کے ڈورے سے سی دیتی اور فا ذکر و نی اذ کر کم کے عمل خانہ میں رفوگری سکھاتی ہے۔“ (ص ص ۲۵۷-۲۵۸)

بعض صوفیانے ذکر خفی کو اختیار کیا ہے، مقصد یہ کہ طالب و مطلوب کے درمیان آواز بھی حائل نہ ہونے پائے اور بعض مشائخ ذکر بالجہر کو پسند کرتے ہیں۔



منشایہ کہ دل کے ساتھ ساتھ سماعت بھی شریک ذکر ہو جائے۔ میر بلگرامی بھی ذکر جہری کو ترجیح دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

”ہاں اگر کوئی چاہے کہ دل کی گہرائیوں سے دینی علوم کو، جو ابدی زندگی کا سرمایہ ہیں، نکال لے، تو یہ ذکرِ خفی سے حاصل نہیں ہو سکتا کہ کنواں سوئی سے نہیں کھودا جاسکتا۔ اس کنویں کی کدال ذکرِ جہر ہے۔ تو جو کوئی ذکرِ جہر پر شرائط و آداب اور حضورِ قلب کے ساتھ ہیبتگی کرے گا، تھوڑی ہی مدت میں دل کی گہرائی سے دینی علوم باہر نکال سکتا ہے اور جب وہ ذکرِ جہر شروع کرتا ہے تو اس میں ایک عجیب ذوق و شوق اور لذت پیدا ہو جاتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے مناجات کی کہ الہی وہ عبادتِ تعلیم فرما جو بہت شاق اور دشوار تر ہو۔ فرمان ہوا کہ ذکرِ جہر کرو۔ موسیٰ علیہ السلام جس قدر ذکرِ جہر کرتے، ذوق و شوق اور سکونِ قلب میں زیادتی ہوتی۔ پھر عرض کیا کہ الہی میں نے تو ایسی عبادت کا سوال کیا تھا کہ اس میں مشقت و صعوبت ہو۔ اس ذکرِ جہر میں تو مجھے راحت و سکون ملتا ہے۔ فرمان ہوا کہ اے موسیٰ! تم میرے نام کی دشواری اور سختی کیا جانو۔ فرعون سے پوچھو کہ اُس نے اپنی تمام عزت و وجاہت اور بادشاہت کو تباہ کر کے، اپنے آپ کو اپنے عزیزوں اور قریبوں کے ساتھ دریائے نیل کو سونپ دیا مگر ایک مرتبہ بھی میرا نام لینا اُسے میسر نہ ہوا۔ تم کہ میرے نام کے ذکر سے راحت اور آرام پاتے ہو، یہ میری توفیق اور مہربانی ہے کہ میں نے تم پر مبذول فرمائی۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ذکرِ جہر میں ایسا شوق پیدا کرے کہ اپنی جان، عزت اور مال و منال کو اس ذکر پر قربان کر سکے۔“ (ص ۲۵۸-۲۵۹)

آیات، احادیث اور روایات کی روشنی میں ذکرِ جہری کی فضیلت بیان کرتے ہوئے صاحبِ سبع سنابل رقم طراز ہیں:

آیات اس باب میں کثیر ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ آیت ہے: ادعوا ربکم

تضرعاً و خفیةً انہ لا یحبُّ المعتدین۔ خزانہ میں ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر و پوشیدہ اپنے رب کو پکارو۔ اس لیے کہ تضرعِ ضراعة سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں شدتِ حاجت کا اظہار، اور خفیةً جہر اور سر میں مشترک اور متضاد معنی کا حامل ہے۔ ایسا ہی لطائفِ القشیری میں ہے اور املاء التفسیر میں ہے کہ یہ بھی کہا گیا کہ معنی یہ ہیں کہ اُسے پکارو اور اس کی طرف اپنی حاجتیں بیان کرو، گریہ و زاری سے اور تنہائی میں۔ ضراعة ذلت و خواری کا ہے اور خفیہ وہ ہے جس میں ریا کا دخل نہ ہو۔

ثبوتِ جہر میں یہ آیت ہے: اذکرو اللہ ذکراً کثیراً اور یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز فرض نہ کی مگر یہ کہ اُس کے لیے ایک حد مقرر فرمادی۔ سوائے ذکر کے کہ اس کے لیے کوئی حد مقرر نہ کی جہاں اس کی انتہا ہو، بلکہ بندوں کو حکم دیا کہ وہ ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہیں۔ اور فرمایا: اذکرو اللہ ذکراً کثیراً یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو۔ رات میں، دن میں، سفر میں، حضر میں، مالداری میں، فقیری میں، کھلے چھپے، غرض یہ کہ ہر حال میں۔

انہیں آیات میں اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے: ان تبدوا الصدقات فنعما ہی۔ اگر صدقے کھل کر دو تو بڑی اچھی چیز ہے۔ عقیدہ شیخ ابونجیب سہروردی میں بیان کیا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ بندہ سنت اور فرض کے مابین ذکرِ جہری کو اختیار کرے۔

انہیں میں سے ایک یہ آیت ہے: ان ابراہیم لا وَاہِ حَلِیْم۔ تفسیر درمعانی میں ہے کہ واہ وہ ہے جس کی آواز ذکر و دعا اور تلاوتِ قرآن میں ظاہر ہو۔ تفسیر النبی میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول سبَّح اسم ربک الاعلیٰ میں چار تاویلیں ہیں اور تمام کا حاصل یہ ہے کہ اپنی آواز کو بلند کرو اور اس باب میں جو احکام وارد ہیں، انہیں ذہن نشین رکھو۔

اور احادیث جو اس باب میں وارد ہیں، انہیں میں وہ حدیث بھی ہے جو روضۃ العلماء میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں بلند آواز سے اللہ اکبر کہا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی بڑی رضا لکھ دے گا۔ الحدیث۔ انہیں میں وہ حدیث ہے جو خزانۃ الجلالی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر کا سننے والا بھی ذکر میں شریک ہے۔ انہیں میں وہ حدیث ہے جو مصابیح میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا سلام پھیرتے تو بلند آواز سے فرماتے لا الہ الا اللہ و حدہ لا شریک لہ الی آخرہ اور وہ حدیث بھی ہے جسے بخاری، مسلم اور ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے) میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور میں اُس کے ساتھ ہوں جب وہ میرا ذکر کرے، تو اگر وہ میرا ذکر اپنے دل میں کرتا ہے تو میں بھی اس کو تنہا یاد فرماتا ہوں اور جب وہ ذکر جمع کے ساتھ کرتا ہے تو میں اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں اس کا ذکر فرماتا ہوں:

معرفة المریدین اور دلیل السالکین میں لکھا ہے کہ اکثر صبح کے وقت ذکر بلند آواز سے کرے تاکہ اہل ذوق بھی اُس سے لطف اندوز ہوں۔ غرض یہ کہ ذکر جہری بڑی برکتوں کا موجب ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ آیات و احادیث و روایات ذکر جہر کے بارے میں بہت زیادہ ہیں اور اُن میں سے اکثر حصہ مجمع سلوک میں ہے کہ مخدوم شیخ سعد بدین قدس سرہ کی تصنیف ہے۔ یہاں ان میں بعض حصہ محض تبرک کے لیے لکھ دیا گیا ہے۔ جسے شوق ہو وہ اس متبرک کتاب کا مطالعہ کرے کہ ذکر جہری اور ذکر خفی کے متعلق وانی و شافی بیان پر مشتمل ہے۔“ (ص ۲۵۵-۲۵۷)

مشائخ نے ذکر خفی اور ذکر جہری کے آداب و اثرات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ صاحب سبیح سنابل ذکر بالجہر کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

سند ذکر جہر جو ہمیں بزرگوں سے پہنچی ہے، یہ ہے کہ ذکر کرنے والا با وضو ہو اور قبلہ کی جانب منہ کر کے، پالتی مار کر اس طرح بیٹھے کہ سیدھے پاؤں کی انگلیاں سیدھے زانو کے درمیان ہوں۔ اس وقت کلمہ لا الہ الا اللہ کو ناف سے بلند آواز سے کھینچے اور سر سیدھی جانب لے جائے۔ اس کے بعد الا اللہ کی ضرب بائیں جانب مارے۔ اسی حال پر اس وقت تک رہے کہ سانس ساتھ دے اور قوت باقی رہے۔ جب طاقت جواب دے دے تو خاموش ہو جائے اور محمد رسول اللہ کہے۔ اسے ذکر نفی و اثبات کہتے ہیں اور وہ معنی جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں، دل میں حاضر رکھے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ذکر کی حالت میں پیرومرشد کی روحانیت کو اپنی مدد پر حاضر جانے اور پیر کا مشاہدہ اپنے تصور سے جدا نہ کرے۔ جب خاموش ہو تو جب تک ہو سکے، دم روکے رہے اور دم روکنے کی حالت میں دل میں اللہ اللہ کا ذکر کرے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تجھے چاہتے ہیں ہم تجھے چاہتے ہیں۔ جب سانس چھوڑے تو آہستہ آہستہ۔ اس کے بعد اثبات کا ذکر کرے یعنی الا اللہ الا اللہ۔ اس کے بعد ذات کا ذکر کرے (یعنی اللہ اللہ)۔ اس سے فارغ ہو کر سانس روکے اور جب تک ہو سکے، دم نہ توڑے اور جب طاقت ضبط نہ رہے تو تھوڑا تھوڑا چھوڑے اور ذکر اور جس نفس سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھے۔ اللہم انا ذکرناک، علیٰ قد رقلۃ عَقَلنا و عَلِمنا و فَهَمنا فا ذکُرنا عندک علیٰ قد رسة رحمتک و فضلک یا خیر الذاکرین و یا ارحم الراحمین اور اس میں اتنی مشق پیدا کرے کہ دن رات میں چار ہزار مرتبہ ذکر کر سکے۔ اس سے کم نہیں۔

دوسری صورت ذکر اویسی بدلائی طیفوری اور خرازی۔ مرید زانوے ادب پر (دوزانو) قبلہ رو بیٹھے، اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ کے برابر اٹھالے اور کلمہ نفی شروع کرے۔ اُس کے بعد بندھے ہوئے ہاتھ نفی کی مدد کے ساتھ فضا میں اٹھائے اور کھول دے۔ اس کے بعد فضا میں پھر بند کر لے اور منہ ہی منہ میں الا اللہ کی ضرب کرے۔

اس کا خیال رکھے کہ جب ہاتھ اخراج نفی کے وقت فضا کی طرف لے جائے تو زانو پر کھڑا ہو جائے اور ضرب کے وقت بیٹھ جائے۔ اس ذکر میں دو مرتبہ ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کی محبت میں نے دل سے نکال کر فضا میں پھینک دی۔ دوم یہ کہ کلمہ اثبات کی ضرب کے وقت، میں نے خدا کی محبت اور معرفت لامکاں سے کھینچ کر ڈالی اور جلوۂ ذات حق کو دل میں بسایا۔

تیسری صورت ذکر بدلائی۔ کلمہ نفی کو اسی طریقہ پر منہ سے کھینچے اور صرف سیدھا ہاتھ منہ کے قریب رکھے اور یہ بندھا ہوا ہاتھ فضا میں بلند کرے اور کھول دے۔ پھر فضا میں اسے بلند کرے اور کلمہ اثبات کی منہ ہی منہ میں ضرب لگائے۔ پھر ہاتھ کھول دے۔ اس کے بعد الٹا ہاتھ باندھے اور ایسا ہی کرے۔ یہ دونوں ذکر بڑی تاثیر رکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ لا الہ الا اللہ کے ذکر کے وقت محمد رسول اللہ نہیں کہا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خاص تعلق ہے کہ حدیث قدسی میں ہے: اذا ذكرت ذکرت معی۔ جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو تم میرے ساتھ مذکور ہوتے ہو۔“ (ص ۶۰-۲۶۲)۔

اسی سلسلے کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

”مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہ جب ذکر شروع فرماتے تو پہلے تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر یہ آیت کریمہ پڑھتے: فإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ الْعَرْشُ الْعَظِيمُ. اور اس کے بعد کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ بلند آواز سے پڑھتے اور تیسری مرتبہ محمد رسول اللہ فرماتے۔ اس کے بعد بلند آواز سے ذکر شروع کرتے جب تک ذوق طاری رہتا اور سانس ساتھ دیتا، آپ ذکر جہری میں مشغول رہتے۔ جب اپنی حالت پر واپس آتے تو پھر محمد رسول اللہ کہتے اور اس سے فارغ ہو کر پھر درود شریف پڑھتے اور یہ دعا کرتے۔ اللهم انما ذکرناک علی قد رقلۃ عقلنا و علمنا و فهمنا فاذا کرنا عندک علی قدر سعة رحمتک و فضلک

یا خیر الذاکرین یا ارحم الراحمین۔ (الہی ہم نے کم عقلی، بے علمی اور اپنی نافرمانی کے تحت تیرا ذکر کیا۔ تو ہمیں اپنی رحمتوں کی وسعت اور فضل کے مطابق ہمارا ذکر فرمایا اور یاد رکھ۔ اے سب سے بہتر یاد فرمانے اور رحم فرمانے والے)۔ مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ذکر کی حالت میں حلقہ باندھنا، مشائخ کی سنت اور جائز و پسندیدہ ہے۔ اگر کوئی جماعت کو یک جا کر لے اور مجمع کے ساتھ ذکر کرے تو اور اچھا ہے۔“ (ص ۲۵۴)

مشائخ عظام نے احتسابِ نفس اور تزکیہ قلب کے لیے خلوت نشینی کی بھی تاکید کی ہے۔ تنہا نشینی کے لیے بالعموم چالیس روز کی مدت مقرر کی گئی ہے۔ بہ قول صاحب سبع سنابل:

”اب رہی خلوت تو وہ چالیس روز سے کم نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ چالیس دن (چلے) میں بڑی تاثیر ہے۔ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو چالیس روز خمیر کیا گیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ من اخلص لللہ اربعین صباحاً ظہرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ۔ جس نے چالیس صبحیں اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دیں، حکمت کے چشمے اُس کے دل سے اُس کی زبان پر بہنے لگیں گے۔“

منقول ہے کہ خواجہ نظام الحق والدین محمد بن احمد بدایونی قدس سرہ نے شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ روحہ سے فرمایا کہ چلہ چشتیانہ کھینچو۔ آپ نے بعض احباب سے دریافت کیا کہ چلہ چشتیانہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ ایک دیوار کے پیچھے بیٹھ رہو (یعنی دنیا سے کلیہً منقطع ہو کر)۔“ (ص ۱۲۸)

یادِ الہی کے لیے حجرہ تنہائی میں جا بیٹھنے کے آداب پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت میر بلگرامی لکھتے ہیں:

”مرید جب سیدھا پاؤں حجرہ خلوت میں رکھے تو اعدو بذات اللہ اور بسم اللہ

پڑھے اور پوری سورۃ الناس تین بار پڑھے۔ اس کے بعد بائیں پیر حجرہ میں رکھے اور یہ دعا پڑھے:

اللَّهُمَّ أَنْتَ وَلِيِّيَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ كُنْ لِي كَمَا كُنْتَ لِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَأَرْزُقْنِي مَحَبَّتَكَ. اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ فِي شَغْفِي وَأَجْزِ بَنِي بَحْلَالِكَ وَجَمَالِكَ. وَأَجْعَلْنِي مِنَ الْمُخْلِصِينَ. اللَّهُمَّ أُمِّحْ نَفْسِي بِجَذَبَاتِ ذَاتِكَ يَا نَيْسَ مَنْ لَا نَيْسَ لَهُ رَبٌّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ. (الہی تو دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ تو میرے لیے ایسا رہ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اور اپنی محبت مجھے عطا فرما۔ الہی میرے پردہ دل میں اپنی محبت ڈال اور مجھے اپنے جلال و جمال سے اپنے مخلصین میں شامل فرما۔ الہی مجھے اپنے جذبات ذات سے میرا نفس محو کر دے۔ اے بے کسوں کے انیس، الہی مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو بہتر وارثوں میں ہے)۔ اس کے بعد مصلے پر کھڑا ہو اور منہ قبلہ کی طرف کرے اور ایک مرتبہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (میں نے اپنا چہرہ متوجہ کیا اُس ذات کی جانب، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور دریاں حالیکہ میں سب سے ایک سو ہوں اور مشرکین سے نہیں ہوں) پڑھے۔ اس کے بعد دو رکعت نماز جلالۃ الہی کے لیے پڑھے، پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں آمین الرسول بما انزل آخرا سورۃ تک پڑھے۔ اس کے بعد سجدہ میں سر رکھے اور یوں کہے۔

اللهم کن لی انیسا فی خلوتی و معینا فی وحدتی اللهم اجعل لی خلوتی هذه موجبة لمشاہدتک و وفقنی فیہ لما تحب و ترضی. اللهم انی اعوذ بک من سخطک و اسئلك رضاک اللهم جنبنی ان اعبد الهوی. اللهم اکشف الغطاء عن عینی وارفع العین عن قلبی حتی اشاهد جمال لا اله الا الله.

(الہی میری خلوت میں میرا انیس رہ اور میری تنہائی میں میرا معین۔ الہی میری اس خلوت کو اپنے مشاہدہ کا موجب بنا دے اور مجھے اُس کام کی توفیق دے جو تجھے محبوب و پسندیدہ ہے۔ الہی میں تیرے غضب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں۔ الہی مجھے بندگی نفس سے دور رکھ۔ الہی میری آنکھوں سے پردہ ہٹا دے اور میرے دل کا زنگ دور کر دے تاکہ میں لا الہ الا اللہ کا جمال دیکھ سکوں)

اس کے بعد ذکر نفی و اثبات میں خاص الخاص توجہ و ارادت سے مشغول ہو جائے اور کبھی ذکر ذات میں ملاحظہ اور مفہوم کے ساتھ مصروف رہے کہ اس کا ایک لحظہ بھی ذکر نفی و اثبات سے خالی نہ رہے۔“ (ص ۱۲۹-۱۳۰)

گوشہ نشینی سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کے لیے مشائخ طریقت نے بعض اہم امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سبع سنابل میں چلہ کشی کی آٹھ شرطیں بتائی گئی ہیں:

”چلہ کشی کے لیے آٹھ شرطیں ہیں۔ اول خلوت گاہ میں تنہا ہونا۔ قبلہ رو پالتی مار کر بیٹھنا۔ ہاتھوں کو زانوؤں پر رکھنا۔ مردہ کو غسل کی نیت کرنا۔ خلوت گاہ کو اپنی لحد تصور کرنا اور اس جگہ سے وضو کرنا اور نماز پڑھنے کے علاوہ باہر نہ نکلنا۔ خلوت گاہ تاریک ہونا چاہیے۔ یہ بھی ہو کہ اس کے دروازے پر پردہ ڈال دے تاکہ اس میں ذرا بھی روشنی نہ آسکے اور نہ کسی کی آواز پہنچ سکے کہ وہ آواز جو اس کو دوسری طرف مشغول کر دے دیکھنے سننے یا کہنے میں۔ اس لیے کہ جب یہ محسوسات میں مشغول ہوگا، عالم غیب سے محروم رہے گا۔ اس کے بعد ذکر میں مشغول ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہمیشہ با وضو ہے اس لیے کہ بے وضو ہونا شیطان کے غلبہ کی راہ ہے تاکہ وہ اس پر غالب نہ ہو۔

تیسری شرط ہمیشہ ہمیشہ ذکر کرنا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یذکرون اللہ قیاما و قعود الا یة (وہ ذکر کرتے ہیں اللہ کا کھڑے ہو کر بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں پر) اور یہ دوام ذکر کی جانب اشارہ ہے۔

چوتھی شرط اندیشوں کی نفی اور اُن کا دفع۔ چاہیے کہ جو خطرہ دل میں آئے خواہ نیک یا بد، اُسے کلمہ لا الہ الا اللہ سے نفی کر دے۔ اس لیے کہ جس چیز کا نقش صفحہ دل پر پڑتا ہے خواہ نیک یا بد، وہ صفائی قلب کو نقوشِ قلب کے قبول سے سدِ راہ بن جاتا ہے اور جب تک صفحہ دل ان شہوانی نقوشوں سے پاک نہیں ہوتا، وہ مشاہدہ غیبی کے نقوش اور علم لدنی کے قابل نہیں ہوتا اور مکاشفاتِ روحانیہ کے انوار اور تجلیاتِ ربانیہ کو قبول نہیں کرتا۔

پانچویں شرط ہمیشہ روزہ رکھنا ہے تو خلوت گزریں ہمیشہ روزہ دار رہے کہ روزہ تعلقاتِ بشریہ اور خواہشاتِ نفسانیہ کے دور کرنے میں بڑا قوی اثر رکھتا ہے۔ چھٹی شرط ہمیشہ خاموش رہنا۔ تو چاہیے کہ کسی سے بات نہ کرے مگر اپنے شیخ سے کشف واقع میں ضرورت کے مطابق۔

ساتویں شرط اپنے دل کی توجہ شیخ کے دل سے ہمیشہ قائم رکھو تاکہ شیخ کے دل سے کچھ التفات مرید کے دل کو پہنچتا ہے۔

آٹھویں شرط اللہ تعالیٰ سے شکایت اور اپنے شیخ پر اعتراض کا ترک کر دینا ہے۔ شیخ کا جو قول اور فعل، حال یا مآل دیکھے، اس پر کوئی اعتراض نہ کرے..... بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مرید اپنے شیخ کی ولایت سے مردود ہو جاتا ہے تو کوئی شیخ اس کو مقام پر نہیں پہنچا سکتا۔“

اسے ہم بدتوفیقی ہی کہیں گے اگر اس مقام پر پہنچ کر ”مقامات سلوک“ اور ”احوال“ کے حوالے سے حضرت میر بلگرامی قدس سرہ کے ارشادات سے مستفید نہ ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں: (ص ۱۳۵-۱۳۶)

”مقامات سلوک کا بیان یہ ہے کہ بندہ اپنی عبادتوں میں خداوند تعالیٰ کے روبرو قیام کرے۔ سب سے پہلا مقام انتباہ ہے اور وہ اب غفلت سے بیدار ہونے کا نام ہے۔ اس کے بعد توبہ ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کی جانب رجوع کرنے، اپنے

گناہوں اور معصیت کو ترک کرنے اور ہمیشہ نادم ہونے کا نام ہے اور بکثرت استغفار کے بعد انابت ہے اور وہ غفلت سے باز رہ کر ذکر میں مشغول ہونا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ توبہ حق سے ڈرنا اور انابت، اس کی طرف رغبت کرنا ہے۔ اس کے بعد ورع ہے اور وہ اس چیز کا ترک کر دینا ہے جس کے حلال ہونے میں کچھ شبہ ہو۔ اس کے بعد نفس کا محاسبہ ہے اور وہ نفس کی خیر خواہی ہے نفع و نقصان میں، زیادتی اور کمی میں۔ اس کے بعد ارادت ہے اور وہ راحت ترک کر کے اطاعت اور عبادت میں مسلسل کوشش کا نام ہے۔ اس کے بعد زہد ہے یعنی دنیا کی حلال چیزوں کا ترک کر دینا، اس سے باز رہنا اور اس کی خواہشیں چھوڑ دینا۔ اس کے بعد فقر ہے اور وہ تمام چیزوں سے ہاتھ کھینچ لینا اور دل کو ہر اُس چیز سے باز رکھنا ہے جو درست نہ ہو۔ اس کے بعد صدق ہے اور وہ ظاہر و باطن میں یکسانیت ہے۔ اس کے بعد تصبر ہے یعنی نفس کو سختیاں برداشت کرنے اور کڑوے گھونٹ پینے کا عادی بنانا ہے۔ اس کے بعد رضا یعنی بلا سے لذت حاصل کرنا ہے۔ اس کے بعد اخلاص ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملات میں سے مخلوق کو نکال دینا۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ پر توکل ہے اور وہ رزاق مطلق حق سبحانہ پر بھروسہ کرنا اور دوسروں سے کوئی طمع نہ کرنے کا نام ہے۔

اب رہے احوال۔ تو وہ نام ہے دل کے معاملات کا، جو صفائے اذکار سے اُس پر نازل ہوتے ہیں۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ حال دل پر نازل ہونے والا وہ حادثہ ہے جو ہمیشہ نہیں رہتا۔ انہیں (معاملات) میں سے ایک مراقبہ ہے یعنی صفائے یقین سے مغیبات پر نظر کرنا۔ اس کے بعد قرب ہے اور وہ اپنے ارادوں کو اس کے ماسوا کی طرف سے سمیٹ کر حق تعالیٰ کی جانب جمع کرنا ہے۔ اس کے بعد محبت ہے اور وہ اپنے محبوب کے ساتھ اس کی پسندیدہ اور غیر پسندیدہ چیزوں میں موافقت کرنا ہے۔ اس کے بعد رجاء ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق۔ اس کے بعد خوف ہے یعنی دلوں کی نگرانی رب تعالیٰ کی سخت گرفت اور عذاب کے مد نظر۔ اس کے بعد

حیا ہے یعنی دل کو کشادگی سے سمیٹ لینا۔ اس کے بعد شوق ہے یعنی محبوب کا ذکر سن کر وجد میں آ جانا۔ اس کے بعد اُنس ہے یعنی اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کی جانب سکون اور فروتنی ہے۔ اس کے بعد طمانیت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کی راہوں میں پرسکون رہنے کا نام ہے۔ اس کے بعد یقین ہے یعنی ایسی تصدیق کہ اس کے ساتھ شک کا شائبہ نہ رہے۔ اس کے بعد مشاہدہ ہے اور وہ رویت یقینی اور رویت عینی میں فرق کرنا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك۔ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ ہو تو (کم از کم یہ سمجھو) کہ وہ تمہیں ملاحظہ فرما رہا ہے۔“

یہ درجہ احوال کا آخری درجہ ہے۔ لہذا مرید صادق کو چاہیے کہ ان ذکر شدہ امور میں سعی و مشق جاری رکھے تا کہ اُس کو تمام اخلاق، حالات اور مقامات رفتہ رفتہ حاصل ہوتے رہیں اور وہ حقیقتاً مرید بن جائے۔ اس کے بعد وہ خوشبوئیں، وہ تجلیاں اور وہ عطائیں ہیں جو لکھنے میں نہیں آ سکتی ہیں۔ وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اگر تم شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔“ (ص ۱۳۴-۱۳۶)

چشتی سلسلے میں سماع کو ”تکان و ملال“ دور کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت میر بلگرامی نے چشتی بزرگوں کے شغل سماع پر بھی روشنی ڈالی ہے اور علما کے اختلافات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں صاحب سبع سنابل کا موقف یہ ہے:

”مسئلہ سماع میں اگرچہ علما کا سخت اختلاف ہے مگر گروہ صوفیا کا اس امر پر ہے کہ اہل سماع کے لیے، سماع بالذات اور ان کی صورت بنانے والوں کے لیے ان کے طفیل میں مباح ہے۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ بندہ جو چیز خدا کی حضوری کے لیے کرے، وہ اس کے لیے مباح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فبشر عبادي الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه (اے محبوب میرے ان بندوں کو بشارت دیجئے جو بات سنتے پھر اچھی سے اچھی بات کی

پیروی کرتے ہیں)۔

جاننا چاہیے کہ اہل سماع کے حالات سماع میں مختلف درجات ہیں۔ بعض وہ لوگ جن میں بحالت سماع، اندوہ یا خوف یا شوق پیدا ہوتا ہے۔ وہ روتے، چلاتے، نعرے لگاتے اور محویت کے عالم میں اپنے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں۔ جب بعض حضرات میں رجا، فرحت اور دلی مسرت پیدا ہوتی ہے اور وہ عالم وجد میں رقص کرتے اور تالیاں بجانے لگتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جس طرح سماع میں منفعتیں اور فائدے بکثرت ہیں، اسی طرح لغزشیں اور گمراہیاں بھی بے شمار ہیں۔ چنانچہ جب نصیر آبادی سے یہ کہا گیا کہ آپ سماع کے بہت حریص ہیں، تو فرمایا کہ ہاں وہ اس سے اچھا ہے کہ ہم گوشہ نشین ہو کر لوگوں کی غیبتیں کریں۔“ یہ سن کر ابو عمر بن نجید نے فرمایا: ”فسوس اے ابوالقاسم (تم یہ نہیں جانتے) کہ سماع کی ایک لغزش برسہا برس لوگوں کی غیبت سے بدتر ہے۔“ اور اگر سماع کا منکر سماع کے فائدوں کا، اس کی آفتوں سے مقابلہ کرے تو ہم جواب دیں گے کہ ان آفتوں کا دفع کرنا واجب ہے مگر اُن کے صرف واقع ہونے کے امکان سے، سماع کا ترک لازم نہیں آتا۔ اس لیے کہ نماز جو بہترین عمل اور اہم العبادات ہے، وہ بعض کے حق میں موجب فلاح ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: قد افلح المومنون الذين هم في صلواتهم خاشعون۔ جب کہ بعض کے حق میں تباہی کی موجب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: فويل للمصلين الذين هم عن صلواتهم ساهون۔ لیکن نماز میں سہوا اور غفلت کے احتمال کے باوجود، جو باعث تباہی ہے، نماز کا ترک جائز نہ ہوگا۔ یہی حال سماع کا ہے۔

اور اگر منکر یہ کہے کہ توالوں کا بلانا اور لوگوں کو سماع کی خاطر جمع کرنا بدعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھا، تو ہم جواب دیں گے کہ اگرچہ یہ نوپید و بدعت ہے مگر کسی سنت سے

مزامنہ نہیں، لہذا سیدہ نہ ہوئی، خصوصاً جب کہ وہ فوائد پر مشتمل ہے۔ اور مشائخ متاخرین نے اسے مستحسن جانا ہے۔“ (ص ۳۵۹-۳۶۰)

”اہل سماع“ کے لیے بہ وقت ضرورت سماع کو مباح قرار دیتے ہوئے حضرت میر بلگرامی نے اس کے فائدے پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

”سماع کے من جملہ فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ تکان و ملال جو طالبان حق کی راہ میں آزر دگی دل کی موجب ہوتی ہے اور وہ ایک قسم کی بندش و نا اُمیدی جو ان لوگوں کے لیے، ان کے اعمال کے فتور اور احوال کے قصور کی باعث بنتی ہے۔ مشائخ متاخرین نے اس عارضہ کے دفع کے لیے اس روحانی ترکیب کو مقرر کیا ہے جس میں اچھی آوازوں مناسب لہجوں اور شوق انگیز شعروں کا جو خلاف شرع نہ ہوں، ذکر ہے۔ اور طالبوں کو حاجت کے وقت اس میں مصروف ہونے کی اجازت دی ہے تاکہ وہ تکان و ملال دور ہو اور پھر نئے شوق سے اپنے معاملات کی طرف متوجہ ہوں۔“ (ص ۳۶۱)

ظاہر ہے، صاحب سماع سنابل کا سماع سے لگاؤ، ان کے چشتی رنگ کی وجہ سے ہے۔

حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی تصوف کا ایک اہم موضوع ہے۔ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے صوفیاء نے اور ادو وظائف کے ساتھ ساتھ حسن خلق اور حسن عمل کو لازمی قرار دیا ہے۔ ”صاحبان وصول“ ہر دور میں اخلاق فاضلہ کی تہذیب پر زور دیتے رہے ہیں۔ یہی مذہب سکھاتا ہے۔ یہی اصحاب طریقت کا مقصود ہے۔ سماع سنابل کا یہ اقتباس بار بار پڑھے جانے کے قابل ہے:

”مرید حقیقی صادق الارادت کو چاہیے کہ مکارم اخلاق حاصل کرے اور مقامات و حالات پر مشق جاری رکھے۔ مکارم اخلاق یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”کیا میں تمہیں اپنے سب سے زیادہ اور ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو قیامت کے روز مجھ سے قریب تر ہوں گے۔ عرض کیا گیا۔ ہاں یا رسول اللہ! ارشاد فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ جو نرم عادات والے ہیں۔ جو الفت رکھتے اور الفت سکھاتے ہیں۔ اور مہربانی کرنا، محبت برتنا، بہادری دکھانا، چشم پوشی کرنا، عیب کو چھپانا، دوسرے کی خطا سے درگزر کرنا، صبر کرنا، راضی رہنا، بشارت و بردباری، تواضع، خیر خواہی، شفقت، برداشت، موافقت، احسان، مدارات، ایثار، خدمت، الفت، بشارت، کرم، جواں مردی، بذل جاہ، مروت، دوستی، آہستگی، عفو، گناہ سے درگزر کرنا، سخاوت، جوہ، وفا، حیا، تلطف، کشتادہ روئی، تمکین، وقار، دعا، ثنا، حسن ظن، فروتنی، بھائیوں کی توقیر، بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں اور بوڑھوں پر رحم، جو دوسروں کو دے اسے حقیر جاننا اور جو دوسروں سے ملے اسے بڑا سمجھنا، اس کی عادتوں میں داخل ہو۔“ (ص ۱۳۴)

قارئین کرام! مضمون خاصا طویل ہو چکا ہے اور گفتگو ہنوز تشنہ ہے۔ کیا کیجیے! ذکر و فکر، لفظ و معنی کے اسرار بے شمار، ترسیل و ابلاغ کی دنیا محدود، قلم عاجز، نگاہ حیراں! بس آخری چند سطریں اور ملاحظہ فرمائیں اور محتاج دعا قمر الہدیٰ کو اجازت دیں:

”مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہ نے فرمایا کہ رابع رضی اللہ عنہا مناجات میں یہ کہتیں کہ: خدایا! اگر رابع نے دوزخ کی آگ سے ڈر کر تیری عبادت کی ہے تو اسے دوزخ میں جلا دے اور اگر بہشت کی امید میں تیری پرستش کی ہے تو جنت رابعہ پر حرام کر دے اور اگر تیری عبادت صرف تیرے لیے کی ہے تو اپنے دیدار سے محروم نہ رکھ۔“ (سماع سنابل-ص ۲۲۲)

یاد نہیں، کتنی بار یہ روایت نگاہ سے گزری، اس سے قبل بھی، اب بھی! جانے کتنی مرتبہ دل نے کہا، پہلے بھی، آج بھی.....  
خداوند!

تیری دنیا تیرے نیک بندوں سے آباد

تیری عنایتیں بے شمار  
تیرا برکرم لازوال  
طالبانِ حق کی آہِ صبح گاہی کا صدقہ!  
عشقِ حقیقی کی لذتوں سے سرشار نفوسِ قدسیہ کا واسطہ  
الہی!  
ہم گنہہ گاروں کی لاج رکھ لے!  
تیرے حوالے ہمارے صدف کی آبرو!

### حواشی

- ۱- ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، خصوصی شمارہ، سیدین نمبر، ص ۲۷۷-۲۷۸، اکتوبر ۲۰۰۲ء
- ۲- ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی، ماہنامہ اشرفیہ، سیدین نمبر ص ۱۹۷-۱۹۸
- ۳- ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مقدمہ، سبع سنابل شریف، اُردو ترجمہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی، ص ۱۰، رضوی کتاب گھر، بیونڈی، ب، ت۔
- ۴- سبع سنابل (اُردو ترجمہ)، ص ۴۰۱-۴۰۲
- ۵- ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مقدمہ، سبع سنابل، ص ۱۸-۱۹
- ۶- مولانا عبدالرشید نعمانی، مقدمہ، شرح الکافیہ فی التصوف، مضمونہ، مجلہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور، ص ۱۰۱، شمارہ اول، ۱۹۶۴ء۔ بہ حوالہ: مقدمہ، سبع سنابل، ص ۲۱۔
- ۷- بہ قول ڈاکٹر محمد ایوب قادری: ”نواب میر صدر جہاں پہانی (ضلع ہردوئی،

یوپی، بھارت) کے رہنے والے، عالم و فاضل تھے۔ دورِ اکبری میں شیخ عبدالنبی کی وساطت سے مفتی مقرر ہوئے۔ اکتیسویں سنہ جلوسِ اکبری میں حکیم ہمام کی معیت میں توران کی سفارت پر گئے۔ دربارِ اکبری کے رنگ میں رنگ گئے۔ سات صدی سے دو ہزاری منصب تک پہنچے۔ شہزادہ سلیم کے اتالیق بھی رہے۔ دورِ جہاں گیری میں چار ہزاری منصب تک ترقی کی۔ صدر الصدوری کے منصب پر فائز ہوئے۔ موزوں طبع تھے۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ۱۰۲۷ھ/۱۶۱۲ء میں فوت ہوئے۔“ (مقدمہ، سبع سنابل، حاشیہ، ص ۳۰۔)

- ۸- مقدمہ، سبع سنابل، ص ۳۵۔
- ۹- ایضاً، ص ۳۵-۳۵۔
- ۱۰- مکتوب بہ نام مولانا فخر الدین مروزی، مضمونہ سیر الاولیا مولفہ میر خورد کرمانی، ص ۲۶۴-۲۶۵-۲۶۵-لاہور، ۱۹۷۸ء۔
- بہ حوالہ پروفیسر لطیف اللہ، تصوف اور سربیت۔ ص ۲۱۵-۲۱۶۔ لاہور، ۱۹۹۰ء۔



## خانوادہ برکاتیہ اور فیضانِ چشت

مولانا اسیدالحق عاصم القادری، بدایوں شریف

پورب کا قصبہ بلگرام بڑا مردم خیز واقع ہوا ہے۔ جلیل القدر علما، عظیم المرتبت اہل تصوف و سلوک، بلند پایہ مصنفین و مؤلفین اور ادا و شعر کا مولد و مسکن رہا ہے۔ یہاں کے ارباب فضل و کمال کی شہرت ہندستان کی سرحدوں سے نکل کر پورے عالم اسلام میں پھیلی اور ایک عالم نے اس کے دریائے علوم ظاہر و باطن سے فیض حاصل کیا۔ بلگرام میں سادات زیدیہ کا خانوادہ اپنی شرافت و نجابت، فضل و کمال، علم حقائق و معارف، خدمت دین و مذہب اور مخلوق خدا کی ظاہری و باطنی اصلاح کے میدانوں میں اپنی ایک نمایاں شان اور خصوصی امتیاز رکھتا ہے۔ اسی خانوادہ کی عظیم و جلیل شخصیات حضرت میر عبدالواحد بلگرامی اور میر غلام علی آزاد بلگرامی علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔

حضرت میر عبدالواحد بلگرامی عہد اکبری کے امام تصوف اور نامور شیخ طریقت ہیں، علم تصوف و سلوک میں آپ کی مشہور زمانہ کتاب سیح سنابل کے بارے میں اہل کشف و حال نے فرمایا کہ یہ کتاب بارگاہ رسالت میں درجہ قبولیت رکھتی ہے۔ آپ کے فرزند حضرت میر عبدالجلیل بلگرامی نے بلگرام کی سکونت ترک فرما کر مارہرہ (ضلع ایٹہ، یوپی) کو اپنی اصلاحی اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔

آپ کے پوتے صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی نے باقاعدہ

مارہرہ میں سکونت اختیار کی اور رشد و ہدایت کے لئے خانقاہ کی بنیاد ڈالی، یہی خانقاہ آج پورے عالم میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یوپی کا یہ گمنام قصبہ صاحب البرکات کی نسبت اور ان کے فیض سے آج طریقت و معرفت اور رشد و ہدایت کی علامت بن گیا ہے۔ مارہرہ کے تعلق سے بدایوں کے ایک شاعر نے بڑی سچی بات کہی ہے۔

بہ جستوائے مرشد چوں دویدیم  
بجز مارہرہ مارہرہ ندیدیم

صاحب البرکات کے سلسلہٴ اخلاف و خلفا میں ہر زمانے میں عظیم المرتبت ہستیاں جلوہ گر ہوتی رہیں، جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں میدان ظاہر و باطن میں ملت کی قیادت و رہنمائی کی۔ اس سلسلہٴ الذہب میں قطب الوقت شمس الدین ابوالفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہ کی ذات گرامی وہ نمایاں امتیاز و خصوصیت رکھتی ہے جن کو بجا طور پر ”شمس مارہرہ“ اور ”فخر خاندان برکات“ کہا جاتا ہے۔

خانوادہ برکات کا ایک خصوصی امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں ہر دور میں شریعت و طریقت کی جامع شخصیات ظاہر ہوئیں، آخری دور میں تاجدار مارہرہ سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ کی ذات گرامی فخر اسلاف بن کر سامنے آئی، جس کے ذریعے سے فیضان برکاتیت دور دور تک پہنچا۔

اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اصلاح احوال کے سلسلے میں خانقاہ ہوں اور صوفیہ کرام کی جلیل القدر خدمات ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے تاریخ کے واقف کار کو انکار کی گنجائش نہیں ہے، بالخصوص برصغیر ہند و پاک میں جو آج کلمہ توحید کی صدائیں گونج رہی ہیں، ان میں خانقاہ ہوں کی تبلیغی مساعی اور صوفیہ کی بے لوث دعوتی کوششوں کا ایک بڑا حصہ ہے۔ ہند و پاک میں تبلیغ اسلام کی کوششوں کا منصفانہ جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کے اعتراف میں کسی منصف مزاج کو باک نہیں ہونا چاہیے کہ اس میں

سلسلہ چشت اہل بہشت کے صوفیہ اور چشتی خانقاہوں کی عظیم الشان اور مخلصانہ خدمات کو بڑا دخل ہے، یوں تو تمام سلاسل کے بزرگوں نے اپنے اپنے انداز میں تبلیغ اسلام، دعوت و ارشاد اور اصلاح احوال کے لیے مخلصانہ جدوجہد کی ہے۔ مگر یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر ہندوپاک میں چشتی خانقاہوں کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ سلسلہ چشتیہ کی ہندوستان آمد اور اس کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں علامہ شمس بریلوی لکھتے ہیں:

”چشتی سلسلے کی برصغیر پاک و ہند میں ابتدا خواجہ خواجگاں معین الدین سنہری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاک انفاس سے ہوئی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، قدوۃ الاولیاء حضرت بابا مسعود فرید الدین گنج شکر اور آپ کے عظیم جانشین خواجہ نظام الدین اولیا قدس اللہ اسرارہم نے چشتی سلسلے کی ترویج میں جو کوششیں فرمائیں وہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت سید محمود المعروف بہ چراغ دہلوی نے بذات خود جس پامردی سے حکومت وقت کی ایذا سانیوں کا مقابلہ کیا وہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ آپ کے خلیفہ نامور حضرت سید محمود گیسو دراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ نے دکن کی سرزمین میں پہنچ کر اپنی روحانی عظمتوں کا لوہا منوالیا اور آپ کے انفاس قدسیہ سے چشتی سلسلے کو دکن میں بڑا فروغ حاصل ہوا اور آج تک اس سلسلے کی برکات وہاں جاری و ساری ہیں۔ آگرہ اور آدھ میں رُدولی شریف کے بزرگوں اور صابری سلسلے نے جو چشتیہ سلسلے کی شمع سے روشن کیے ہوئے چراغ ہیں، ہر طرف ظلمت کو مٹا کر نور پھیلایا۔ فتح پور سیکری کے عظیم چشتی بزرگ حضرت سلیم چشتی مغلیہ سلاطین اعظم کے سروں کا تاج تھے۔“ (مقدمہ فوائد الفوائد، ص: ۷، ۸)

سلسلہ خواہ قادری ہو یا چشتی، سہروردی ہو یا نقشبندی ان تمام سلاسل کی انتہا بارگاہ رسالت مآب ﷺ تک ہوتی ہے۔ وہی تمام سلاسل کے امام ہیں اور سب اہل

سلاسل انھیں کے نائبین و وارثین ہیں۔

محترم حامد بخش بدایونی مرحوم نے بڑے پتے کی بات کہی ہے۔

یہ سب گل ہیں گلزار طیبہ کے حامد

کوئی قادری ہے، کوئی سنہری ہے

صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہ اپنے والد محترم سیدنا شاہ اولیس بلگرامی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور والد گرامی نے آپ کو سلاسل خمسہ یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور مداریہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ اگرچہ حضرت سیدنا اولیس بلگرامی نے حضرت صاحب البرکات کو ان تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمائی، مگر صاحب البرکات نے اپنے والد گرامی سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں ہی بیعت کی تھی (مدائح حضور نور ص ۲۷، غلام شہر قادری) یہ اس لیے کہ خاندان بلگرام میں گوکہ تمام سلاسل موجود تھے لیکن بلگرامی مشائخ پر نسبت چشتیت غالب تھی اور ان حضرات نے سلسلہ چشتیہ ہی کا اجرا کیا اور عموماً اسی میں بیعت لیا کرتے تھے۔ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی مشہور چشتی بزرگ عارف باللہ حضرت مخدوم صفی سائی پوری سے شرف بیعت رکھتے تھے، جو ظاہر ہے کہ سلسلہ چشتیہ ہی میں تھے۔ حضرت میر صاحب کو خلافت اپنے پیر بھائی سید شاہ حسین سکندر پوری سے تھی۔ لہذا بلگرام سے اسی سلسلہ مخدوم صفی کا اجرا کیا گیا اور حضور صاحب البرکات کو اپنے والد گرامی کے واسطے سے ابتدائے سلوک میں اسی سلسلہ چشتیہ کا فیض پہنچا۔ گویا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ”خانقاہ برکات“ کی اولین بنیادیں اسی نسبت چشت اہل بہشت پر قائم ہیں اور اس نسبت چشتیت کا فیض آج بھی سلسلہ برکاتیہ میں جاری و ساری ہے۔ والد محترم سے اجازت و خلافت حاصل کرنے کے بعد صاحب البرکات مجاہدات اور ریاضت کی طرف مائل ہوئے، یہ وہ دور تھا جب نور العارفین سیدنا شاہ فضل اللہ کاپوی قدس سرہ مندرشد و ہدایت پر جلوہ گر تھے، صاحب البرکات نے آپ

کا شہرہ سنا اور شوق زیارت میں کالپی شریف کی طرف رخت سفر باندھا، جب آپ کالپی شریف حاضر ہوئے اور سیدنا شاہ فضل اللہ کی نگاہ آپ پر پڑی تو انھوں نے صاحب البرکات کو سینے سے لگایا اور فرمایا:

”دریابد ریاب پیوست“ - (ایک دریا دوسرے دریا میں سما گیا)

یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا۔

سیدنا شاہ فضل اللہ کالپی کی فیض صحبت کے نتیجے میں آپ نے مقامات سلوک طے کیے، آپ خود فرماتے ہیں:

”روز ازل نصیب عشقی ز راہ عشق

باشاہ کالپی ہمہ پیاں نوشته اند“

سیدنا شاہ فضل اللہ کالپی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور صاحب البرکات کو تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمائی، مشائخ کالپی پر نسبت قادریت غالب تھی، اس لیے صاحب البرکات نے کالپی سے واپس آ کر سلسلہ قادریہ کا اجرا فرمایا اور آج بھی خانوادہ برکات اور اس کی فیض یافتہ خانقاہوں سے اسی سلسلہ قادریہ کالپیہ میں بیعت لی جاتی ہے۔

صاحب البرکات کو اپنے والد سیدنا شاہ اولیس بلگرامی سے جس آبائی سلسلے کی اجازت و خلافت حاصل تھی اس کو سلسلہ قدیمہ کہا جاتا ہے اور کالپی شریف سے جن سلاسل کی اجازت عطا فرمائی گئی ان کو سلاسل جدیدہ کہا جاتا ہے۔

خانوادہ برکات کا سلسلہ قدیمہ ہو یا سلسلہ جدیدہ دونوں میں خواجہ خواجگاں سلطان الہند غریب نواز کے واسطے سے فیضان چشت موجود ہے۔

خانوادہ برکات میں فیضان چشت جس آبائی سلسلہ سے آیا ہے، وہ اس طرح ہے:

(۱) سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی، (۲) سیدنا شاہ اولیس بلگرامی، (۳) سیدنا شاہ میر عبد الجلیل بلگرامی، (۴) سیدنا شاہ میر عبد الواحد بلگرامی، (۵) سیدنا شاہ حسین

سکندر آبادی، (۶) حضرت مخدوم صفی، (۷) حضرت شیخ سعد الدین خیر آبادی، (۸) حضرت شاہ مینا لکھنوی، (۹) حضرت شیخ سارنگ جھگواں شریف، (۱۰) حضرت سید صدر الدین عرف راجو قتال، (۱۱) حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں، (۱۲) حضرت خواجہ نصیر الدین عرف چراغ دہلی، (۱۳) سلطان المشائخ محبوب الہی نظام الدین اولیا بدایونی، (۱۴) سیدنا شاہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، (۱۵) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، (۱۶) خواجہ خواجگاں سلطان الہند غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ سلسلہ چشتیہ قدیمہ کہلاتا ہے۔ صاحب البرکات کا سلسلہ چشتیہ جدیدہ کالپیہ اس طرح ہے:

(۱) صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی، (۲) سیدنا شاہ فضل اللہ کالپی، (۳) سیدنا شاہ سید احمد کالپی، (۴) سیدنا شاہ سید محمد کالپی، (۵) سیدنا شاہ جمال اولیا، (۶) حضرت سید جلال بخاری، (۷) حضرت شیخ بہاء الدین، (۸) حضرت شیخ سالار، (۹) حضرت شیخ بہاء الدین جو پوری، (۱۰) حضرت شیخ فتح اللہ بدایونی، (۱۱) حضرت شیخ صدر الدین، (۱۲) حضرت خواجہ نصیر الدین عرف چراغ دہلی، (۱۳) سلطان المشائخ محبوب الہی نظام الدین اولیا بدایونی، (۱۴) سیدنا شاہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، (۱۵) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، (۱۶) خواجہ خواجگاں سلطان الہند غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ۔

خانوادہ برکاتیہ کے صوفیا و مشائخ ہمیشہ اپنی اس قدیم نسبت چشتیت پر فخر کرتے رہے ہیں اور خانوادے سے جاری ہونے والی اجازتوں اور خلافتوں کے ذریعے فیضان چشت کو عام کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ خیر و برکت جاری ہے۔ رب قدیر و مقتدر اس سلسلہ خیر و برکت کو تاقیامت جاری و ساری رکھے اور سلسلہ برکاتیہ کے توسط سے قادری اور چشتی فیضان عام ہوتا رہے۔

## وحدة الوجود - مشائخ چشت کا منظور نگاہ نظریہ

علامہ محمد احمد مصباحی

الجامعۃ الاشرافیہ مبارک پور

وحدة الوجود ایک خالص عرفانی مسئلہ ہے جسے سید الکاشفین شیخ اکبر محمد بن علی بن محمد حاتمی طائی معروف بہ محی الدین ابن عربی قدس سرہ (۵۶۰ھ-۶۳۸ھ) نے اپنی تصانیف میں شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وجود صرف ایک ہے جو عین ذات باری تعالیٰ ہے۔ باقی سب اس کے مظاہر اور پرتو ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقتہً اسی کی ذات سے خاص ہے۔ وحدت وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد، موجود واحد، باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود ہستی میں بہرہ نہیں رکھتے۔ ”کل شئی ہالک الا وجہہ“

اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من و تو، زید و عمرو، ہر شئی خدا ہے۔ یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے۔ اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب ہے جو اہل اسلام و ایمان حقیقی ہیں۔!

مشائخ قادر یہ و چشتیہ وغیر ہم ہمیشہ وحدة الوجود کے قائل رہے اور اہل ظاہر نے اس پر جو اعتراضات کیے ان کے جوابات بھی دیے اور ثابت کیا کہ یہ معنی قرآن

وسنت کے خلاف نہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ مسئلہ وحدت الوجود عقول متوسط کے فہم و ادراک سے ماورا ہے اور صرف کشف و شہود کے ذریعہ اس سے آگاہ ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن علامہ فضل حق خیر آبادی نے خاص معقولی طرز پر بحث کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ صوفیہ کے اسرار و اصول سے قطع نظر نگاہ عقل میں بھی حق یہی ہے کہ مصداق وجود صرف ایک حقیقت واجبہ ہے۔ باقی سب اس کے مظاہر اور تعینات ہیں۔ اس بارے میں انہوں نے ایک مفصل رسالہ ”الروض المحجود“ تحریر فرمایا جس کا تذکرہ میں نے اپنی کئی مضامین میں کیا ہے۔ یہاں چاہتا ہوں کہ مختصراً اس کے چند اقتباسات بھی پیش کروں تاکہ اس کی تحقیقات سے کسی قدر آشنائی ہو سکے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی چشتی (۱۲۱۲ھ-۱۲۷۸ھ) فرماتے ہیں:

”نظر جتنی زیادہ دقیق اور صاف ہوگی اس سے حاصل ہونے والا علم بھی اتنا ہی زیادہ حق اور کامل ہوگا۔ اور صوفیہ کرام کا حصہ دقت نظر، پاکیزگی اسرار اور درستی افکار میں دوسروں سے زیادہ ہے تو رب سے متعلق ان کا اعتقاد بھی کسی انحراف سے بعید تر اور قبول و ایمان کے لئے مناسب و لائق تر ہوگا۔ ان سے متعلق یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا عقیدہ اسلام کے برخلاف، یا تقاضائے عقل کے برعکس ہے۔ یہ بات کسی طرح لائق التفات نہیں کہ صوفیہ کا مذہب عقل کے احکام و طریق سے ماورا ہے۔ اس لیے اس کی تائید یا تردید میں مصروف ہونا مناسب نہیں۔ صوفیہ کا طریقہ خلاف عقل نہیں ہو سکتا۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی (۴۵۰ھ-۵۰۵ھ) احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: یقین رکھو کہ طریق ولایت میں کوئی ایسا امر ظاہر نہیں ہو سکتا جسے عقل محال قرار دے۔ ہاں طریق ولایت میں ایسی بات ظاہر ہو سکتی ہے جس سے عقل قاصر و عاجز ہو یعنی وہ ایسی بات ہے کہ صرف عقل سے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ ایک وہ امر ہوتا ہے جسے عقل محال قرار دیتی ہے اور ایک امر وہ ہوتا ہے جو عقل کی دست رس میں نہیں۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ جو اس فرق کو سمجھنے سے قاصر ہو وہ ہمارے خطاب

کے لائق نہیں،۔ انتہی - ۲

اس تمہید کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ واضح ہو گیا کہ مذہب صوفیہ طریقہ عقل کے خلاف نہیں بلکہ عقل کی میزان صحیح پر ٹٹلا ہوا ہے۔ اس لیے پہلے ہم اسے دلیل عقلی سے بیان کریں گے تاکہ کسی تشدد پسند فلسفی کے لیے شک کی گنجائش نہ رہے پھر اسے نقلی دلائل سے مضبوط کریں گے تاکہ کسی تکلف پسند متکلم کے لیے طعن و تشنیع کا موقع نہ رہے۔

آگے رقم طراز ہیں:

وجود حقیقی ایک حقیقت واحدہ ہے جس میں اقسام و انواع حاصل کرانے والی فصلوں اور اشخاص بنانے والے عوارض کے ذریعہ اختلاف نہیں ہوتا بلکہ یہ بالذات مطلق رہتے ہوئے خود ہی متعین ہوتی ہے۔ اس کا تعین اس کی حقیقت سے زائد نہیں ہوتا مگر اعتباری طور پر۔ یہ بالذات واجب بھی ہے، کسی اور کی معلول نہیں، اس لیے کہ اس کے سوا کوئی موجود نہیں۔

اور جب یہ بالذات مطلق رہتے ہوئے خود ہی متعین ہوتی ہے تو یہی ماہہ الاشتراک ہے ان اشیا میں جو ایک دوسرے کی غیر اور باہم جدا گانہ ہیں۔ اسی طرح وہ ان اشیا کے درمیان بالذات ماہہ الامتیاز بھی ہے، بغیر اس کے کہ کوئی امر اس کی طرف مضاف ہو یا کوئی معنی اس پر زائد ہو۔

اس کے تعینات ممکن ہیں اور خود وہ حقیقت، واجب ہے، جیسے تعینات باہم متغایر ہیں اور وہ واحد ہے۔ وہ حقیقت حقہ کسی ایک تعین میں محدود یا کسی ایک شخص میں محصور نہیں۔ یہ اپنے تعینات میں بہت سے اطوار رکھتی ہے۔ وحدت کے باوجود کثرت میں نمایاں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اے کہ ذات خویش را مطلق مقید ساختی

رنگ ہائے مختلف را صورت خود ساختی ۳

اس اجمال کے بعد تفصیل دلیل کے لیے پہلے وہ چار مقدمات پیش کرتے ہیں:

**پہلا مقدمہ:**

وجود بمعنی مصدری جسے ”ہستی“ اور ”ہونا“ کہا جاتا ہے ایک فطری بدیہی امر ہے۔ یہ اشیا کے درمیان مشترک اور اذہان کے اندر اشیا سے مُنتزِع ہے۔ خارج میں موجود نہیں۔ یہ بدیہی بات ہے جس سے کسی مکابر کو بھی اختلاف نہیں۔

**دوسرا مقدمہ:**

وجود مصدری جو اشیا سے منتزِع ہے، اس کے لیے واقع میں کوئی ایسا منشأ انتزاع ہونا ضروری ہے جو محض اعتبار کرنے والے کے اعتبار یا فرض کرنے والے کے فرض کے تابع نہ ہو۔ ورنہ انتزاع وجود محض ایک اختراعی امر اور وہی عمل ہو جائے گا۔ وہ منشأ انتزاع واقع میں موجود اور نفس الامر میں متحقق ہونا ضروری ہے تاکہ محض امر اختراعی نہ ٹھہرے۔ اس لیے کہ امور انتزاعیہ کی واقعیت یہی ہے کہ ان کا منشأ انتزاع واقع میں موجود ہو۔

**تیسرا مقدمہ:**

وجود مصدری کا منشأ انتزاع خود حقیقت موجودہ ہے، اس کے بغیر کہ کوئی امر اس پر زائد، یا کوئی معنی اس کے ساتھ منضم ہو۔

اس لیے کہ انتزاع کا منشأ اگر نفس حقیقت نہ ہو بلکہ حقیقت مع امر زائد ہو تو وہ امر یا تو انضمامی ہوگا یا انتزاعی؟ دونوں صورتیں باطل ہیں (تفصیل کتاب میں مذکور ہے) تو مصداق وجود کسی فرض یا زیادتی عارض کے بغیر خود حقیقت موجودہ کا ہونا ثابت ہے۔

**چوتھا مقدمہ:**

وجود کو اصل حقیقت سے، جو مصداق وجود ہے وہی نسبت ہے جو انسانیت کو

ماہیت انسانیہ اور حیوانیت کو ماہیت حیوانیہ سے ہے۔ اس لیے کہ وجود نفس حقیقت سے زائد کوئی معنی نہیں جیسے انسانیت کا مفہوم حقیقت انسانیت سے زائد کوئی معنی نہیں۔ اس کا بیان تیسرے مقدمے میں ہو چکا ہے۔

ان مقدمات کی تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ وجود مصدری چھوٹی بڑی تمام چیزوں سے منتزع ہے تو اس کے لیے کوئی ایسا منشاء انتزاع ہونا ضروری ہے جو واقعی ہو، محض فرضی و اعتباری نہ ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ منشاء نفس ذات اور اصل حقیقت ہو اور اس کی جانب وجود کی نسبت اسی طرح ہو جیسے انسان کی طرف انسانیت اور حیوان کی طرف حیوانیت کی نسبت ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معنی وجود کا مصداق کسی امر کی زیادتی اور کسی معنی کی اضافت کے بغیر خود ہی ہو۔ اور محال ہے کہ وہ منشاء اشیا سے مبائن یا مفارق کوئی امر ہو۔ اس لیے کہ وجود خود ان اشیا کے حقائق سے منتزع ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ وہ منشاء حقیقت واحدہ ہو۔ اس لیے کہ اگر کئی حقائق ہوں تو وجود کی نسبت اپنے منشاء کی جانب نسبت انسانیت بہ انسان کی طرح نہ ہوگی جیسا کہ چوتھے مقدمے میں ثابت ہوا۔

اور محال ہے کہ وہ حقیقت واحدہ اشیا سے منضم یا منتزع کوئی امر ہو جیسا کہ تیسرے مقدمے میں ثابت ہوا۔

اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اشیا سے مبائن کوئی امر ہو، ورنہ ان سے وجود کا انتزاع نہ ہو سکے گا۔ وہ حقیقت کسی خاص تعین سے مقید بھی نہیں۔ اسی طرح وہ کلی مبہم نہیں ورنہ بذاتہ مصداق وجود نہ ہو سکے گی۔ بلکہ اپنے حصول میں خارجی مصلحت کی محتاج ہوگی۔ تو یہ مطلق ہے یعنی ہر قید سے معز اور تعین کی صالح ہے۔

وہ کسی کی معلول بھی نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ اس کے ماسوائے کوئی موجود ہے، نہ کسی کی کوئی اصلیت۔ اور جو چیزیں متغایر اور اس سے مبائن نظر آ رہی ہیں، یہ سب اسی کے شیون اور تعینات ہیں جو اسی سے پیدا اور اسی سے جلوہ نما ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ مصداق وجود جسے وجود حقیقی کہا جاتا ہے وہ، ایک حقیقت واحدہ واجبہ ہے جو سب میں پھیلی ہوئی اور ہر تعین و قید سے مطلق ہے۔ اب یہ بھی جان لو کہ وہ حقیقت جب اشیا کی کوئی انضمامی صفت نہیں، نہ کوئی وصف انتزاعی، نہ کوئی امر مبائن تو یہ ہرشی کا عین ہے۔ نہ اس معنی میں کہ ہرشی وہی حقیقت مطلقہ ہے بلکہ اس طرح کہ وہ حقیقت کسی امر کی زیادتی اور کسی معنی کے انضمام کے بغیر خود گونا گوں تعینات کے ساتھ جلوہ گر ہوتی اور طرح طرح کے اظہار میں نمایاں ہوتی ہے۔ تو ایک تعین کے اعتبار سے وہ ایک شی ہے اور دوسرے تعین کے اعتبار سے دوسری شی ہے۔“

اس کی مزید تفصیل کے بعد بحر اور تعینات امواج کی مثال سے اس کی توضیح فرمائی ہے، اس کے بعد اس مسلک پر دس اعتراضات مع جوابات رقم فرمائے ہیں۔ پھر چند آیات پیش کر کے دلیل شرعی نقلی سے اس کی موافقت ثابت کی ہے۔

ملک العلماء بحر العلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی علیہ الرحمہ (۱۱۴۳ھ-۱۲۲۵ھ) نے بھی اس موضوع پر عربی میں ایک رسالہ ”وحدة الوجود وشهود الحق فی کل موجود“ لکھا تھا۔ پھر نواب انور الدین خان بہادر کی فرمائش پر اسے فارسی میں لکھا۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا اور مکتوبات مجدد الف ثانی سے اخذ کرتے ہوئے متعدد حواشی بھی لکھے۔ یہ ترجمہ پہلی بار غالباً ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ مسلک وحدۃ الوجود کی توضیح و تفہیم کے لیے اس سے بھی کچھ اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ بحر العلوم فرماتے ہیں:

”وجود سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وجود اس کی حقیقت کا عین ہے۔ اور یہ وجود، مصدری وجود نہیں کیوں کہ مصدری وجود ایک انتزاعی امر ہے جس کا معنی ”ہونا“ ہے۔

ایسے انتزاعی مفہوم سے اللہ تعالیٰ بالا و برتر ہے بلکہ وجود سے مراد وہ حقیقت

ہے جو مصدری وجود کا مصداق ہے جو نفس وجود ہے، وہ اپنے مرتبہ ذات میں کثرت سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم شیونات و تعینات ہے۔ تمام شیونات و تعینات اس کے مظاہر ہیں اور وہ ان میں جاری و ساری ہے، اس کی سرایت وہ نہیں جس کے حلولی کی قائل ہیں یا جس کا بیان اتحادی کرتے ہیں بلکہ یہ سریان مثل اس سریان کے ہے جو گنتی کے اعداد میں ایک کا ہے۔ گنتی کے تمام اعداد بجز اکائیوں کے اور کچھ نہیں۔ عالم میں ایک ہی عین یعنی ایک ہی ذات کا ظہور ہے۔ کثرت میں وہی ظاہر ہے۔ اپنی ذات سے کثرت کا وجود نہیں۔ اللہ کی ذات سے اس کا ظہور ہوا۔ اللہ ہی کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے۔ اللہ ہی اول ہے۔ اللہ ہی آخر ہے۔ اللہ ہی ظاہر ہے۔ اللہ ہی باطن ہے۔ اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔ ۵۔

سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ (م ۱۳۲۴ھ) فرماتے ہیں: ”وحدت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وجودی دوسری شہودی۔ وجودی کے معنی یہ ہیں کہ سالک کے علم اور نظر دونوں سے اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس کا شعور ختم ہو جائے اور اس کی نظر و علم میں اللہ کے سوا سب کچھ فنا ہونے کے بعد ذات باری تعالیٰ باقی رہے۔ یہی سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ اس مقام پر آنے کے بعد سالک ولی ہو جاتا ہے۔ سیرالی اللہ کے ختم ہونے کے یہی معنی ہیں اور اسی کو مقام لاہوت کہتے ہیں۔ سیر و سلوک قادر یہ میں یہ چوتھا مقام ہے۔ اس کے بعد سیر فی اللہ ہے کہ اس سے مراد ذات بحت باری تعالیٰ میں، جس کی کوئی حد نہیں، ترقی حاصل کرنا شروع ہوتا ہے اور حدیث شریف ماعرفناک حق معرفتک (ہم نے جیسا کہ تیرا حق تھا تجھے نہ پہچانا) اسی سیر کی خبر دیتی ہے قادر یہ، چشتیہ، سہروردیہ وغیرہم تمام اولیاء اللہ کا یہی مسلک ہے۔ ایک قلیل تعداد وحدت شہودی کی طرف گئی ہے اور اس کو سالک کا ابتدائی مقام جانتے ہیں۔ وحدت شہودی کے بھی یہی معنی ہیں لیکن اس میں موجودات کا انکار صرف سالک کی نظر سے

ہوتا ہے، اس کے علم سے نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات اس کے علم میں تو باقی رہتے ہیں صرف نظر سے ختم ہو جاتے ہیں۔ نظر میں صرف ذات باری باقی رہتی ہے۔ باقی سب نظر سے ہلاک اور فانی ہو جاتے ہیں مگر سالک کے علم میں باقی رہتے ہیں۔ جیسے سورج نکلنے پر ستارے۔ کہ سب ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں، نظر کے سامنے صرف سورج ہوتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ ستاروں کا وجود ویسے ہی باقی ہے بس نظر سے چھپ گیا ہے۔“ ۶۔

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں: حقیقی وجود صرف اللہ کے لئے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے سچی بات جو عرب نے کہی وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے: ”الا کل شیء ما خلا اللہ باطل“ ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں اور اخص الخواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں۔ اور جو مقام نہایت تک پہنچ گئے ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں۔ اور سب حق ہے۔ مدار ایمان اول پر ہے۔ مدار اصلاح دوم پر، کمال سلوک سوم پر اور وصول الی اللہ کا مدار چہارم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان چاروں معانی سے حظ کامل عطا فرمائے، اپنے احسان و کرم سے۔ ۷۔

یہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صوفیہ واجب اور ممکن میں اتحاد کے قائل ہیں، واجب کو عین ممکن اور ممکن کو عین واجب جانتے ہیں اور ”ہمہ اوست“ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن صوفیہ کا دامن اس الزام سے بری ہے۔ وہ ممکن کو ظل، عکس، پرتو، مظہر کہتے ہیں اور ظل بہر حال اصل سے جدا اور اصل کا غیر ہوتا ہے۔ ظلیت کی صراحت کے باوجود ان کے کلام سے عینیت ثابت کرنا غلط ہے، اگر کسی سے کوئی ایسی عبارت منقول ہے تو اس کی تاویل ضروری ہے کیوں کہ حلول و اتحاد کی نفی میں صوفیہ

کرام کی صریح عبارات موجود ہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ بات ملحدین نے شیخ اکبر کے خلاف پھیلائی ہے۔ امام شعرانی نے شیخ اکبر کی کتابوں سے ان کا مذہب اور حلول و اتحاد کی نفی نقل کر کے واضح کیا ہے کہ شیخ اس خیال باطل سے بلاشبہ بری ہیں۔ چند عبارتیں یہاں بھی پیش کی جاتی ہیں۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں: جو حلول کا قائل ہے وہ بیمار ہے کیوں کہ حلول کا قول ایک لاعلاج مرض ہے اور اتحاد کے قائل اہل الحاد ہیں جیسے حلول کے قائل اہل جہل و فضول ہیں۔ (فتوحات۔ باب الاسرار)

حادث حوادث سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر قدیم کا حلول حادث میں ہو تو مجسمہ کی بات درست ہو جائے۔ قدیم نہ حلول کرنے والا ہے، نہ اس میں کوئی شی حلول کرنے والی ہے۔ عاشق جب کہتا ہے ”انا من اھوی ومن اھوی انا“ تو یزبان عشق و محبت کا کلام ہے۔ زبان علم و تحقیق کا کلام نہیں۔ اسی لیے ایسا قائل جب سکر سے صحو میں آتا ہے تو اپنے قول سے رجوع کرتا ہے۔ (فتوحات۔ باب الاسرار)

اگر یہ صحیح ہے کہ انسان، انسانیت سے اور ملک، ملکیت سے ترقی کر کے خالق جل و علا سے متحد ہو جائے اور خلق، حق ہو جائے تو کسی علم پر اعتماد نہ رہے اور محال واجب ہو جائے جب کہ قلب حقائق کی کوئی راہ نہیں۔ (فتوحات باب ۳۱۴)

خلقت کبھی مرتبہ حق عز و جل میں نہیں ہو سکتی، جیسے معلول کبھی مرتبہ علت میں نہیں ہو سکتا۔ (فتوحات باب ۴۸)

کمال عرفان یہ ہے کہ عبد اور رب دونوں کا مشاہدہ ہو، جو عارف کسی بھی وقت مشاہدہ عبد کی نفی کرے، وہ عارف نہیں۔ اس وقت وہ صاحب حال ہے اور صاحب حال سکر والا ہے جسے تحقیق نہیں ہوتی۔ (لوائح الانوار)

فتوحات باب ۳۶۷ میں لکھتے ہیں: ”بعض مکاشفات میں میری روح کی ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی!

آپ نے یہ کیسے کہا ”فلا تشمت بسی الاعداء“ (مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا) وہ اعدا کون ہیں جن کا آپ مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جب کہ ہم لوگوں میں سے سا لک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا۔ تم نے جو کہا تمہارے مشاہدے کے لحاظ سے صحیح ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم خدا کے سوا کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے تو کیا اس وقت نفس الامر سے عالم زائل ہو گیا، جیسا کہ تمہارے مشاہدے میں زائل ہے یا نفس الامر میں عالم باقی اور غیر زائل ہے۔ صرف تم اس کے مشاہدے سے مجبور ہو، اس لئے کہ ایک ایسی عظیم تجلی تمہارے قلوب پر واقع ہوئی جس نے عالم کو تمہارے شہود سے روپوش کر دیا؟ میں نے عرض کیا: نفس الامر میں عالم، باقی وغیرہ زائل ہے۔ صرف ہم اس کے مشاہدے سے مجبور ہو گئے۔ فرمایا: اس شہود میں خدا سے متعلق تمہارے عرفان میں کمی ہے جس قدر کہ مشاہدہ عالم میں کمی ہے۔ اس لیے کہ سارا عالم اللہ کی نشانی ہے۔ اس جواب سے حضرت ہارون علیہ السلام نے مجھے ایسی معرفت کا افادہ فرمایا جو مجھے پہلے حاصل نہ تھی۔ اتنی۔ سیدی علی بن و فارحہ اللہ فرماتے کہ اگر کلام قوم میں کہیں اتحاد کا ذکر آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی مراد، حق کی مراد میں فنا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں میں اتحاد ہے، جب ہر ایک دوسرے کے منشا کے مطابق کام کرتا ہے۔“ ۵۔

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ حلول و اتحاد کے قول سے صوفیہ کرام کس قدر دور ہیں اور ان کی جانب اس خیال باطل کا انتساب کتنا غلط اور گمراہ کن ہے۔

میں یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا کلام پیش کرتا ہوں جس سے توحید، وحدت اور اتحاد کی وضاحت بھی ہوتی ہے اور وحدت پر دلیل سمعی بھی فراہم ہوتی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں۔ یہاں تین چیزیں ہیں: توحید، وحدت اور اتحاد۔ توحید مدار ایمان ہے اور اس میں شک کفر اور وحدت وجود حق ہے، قرآن عظیم و احادیث و ارشادات



اکابر دین سے ثابت۔ اور اس کے قائلوں کو فرکہنا خود شنیع خبیث کلمہ کفر ہے۔  
 رہا اتحاد، وہ بے شک زندقہ والحاد، اور اس کا قائل ضرور کافر۔ اتحاد یہ کہ یہ  
 بھی خدا، وہ بھی خدا، سب خدا، ع۔ گفرق مراتب نہ کنی زندیقی۔ حاشا للہ! الہ، الہ  
 ہے اور عبد عبد۔ ہرگز نہ عبد الہ ہو سکتا ہے نہ الہ عبد۔ اور وحدت وجود یہ کہ وہ صرف  
 موجود واحد، باقی سب ظلال و عکوس ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: ”کل شئی ہالک  
 الا وجہہ“

صحیح بخاری، صحیح مسلم، و سنن ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے  
 ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اصدق کلمۃ قالها الشاعر کلمۃ  
 لبید ع الا کل شئی ما خلا اللہ باطل، سب میں زیادہ سچی بات جو کسی شاعر  
 نے کہی، لبید کی بات ہے کہ سن لو! اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے  
 حقیقت ہے۔ کتب کثیرہ مفصلہ اصابہ، نیز مسند میں ہے: سواد بن قارب رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی:

فاشهدان اللہ لاشئی غیرہ وانک مامون علی کل غائب  
 میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں اور حضور جمع غیوب  
 پر امین ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا ۹  
 اب مسئلہ کی قدرے تفصیل اور ایک مثال سے تفہیم بھی ملاحظہ ہو۔ اعلیٰ  
 حضرت فرماتے ہیں:

یہاں فرتے تین ہیں: ایک خشک اہل ظاہر، کہ حق و حقیقت سے بے نصیب  
 محض ہیں۔ یہ وجود کو اللہ و مخلوق میں مشترک سمجھتے ہیں۔ دوم اہل حق و حقیقت کہ بمعنی  
 مذکور قائل وحدت وجود ہیں۔ سوم اہل زندقہ و ضلالت، الہ و مخلوق میں فرق کے منکر،  
 اور ہر شخص و شئی کی الوہیت کے مقرر ہیں۔ ان کے خیال و اقوال اس تقریبی مثال سے  
 روشن ہوں گے۔

ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے۔ جس میں تمام مختلف اقسام  
 و اوصاف کے آئینے نصب ہیں۔ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک  
 ہی شئی کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت خلاف نظر آتی  
 ہے۔ بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں الٹی، ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی،  
 بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوش نما، کسی میں بھونڈی، یہ اختلاف ان کی  
 قابلیت کا ہوتا ہے، ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے خود واحد ہے، ان میں جو  
 حالتیں پیدا ہوئیں متجلی ان سے منزہ ہے۔ ان کے لیے، بھونڈے، دھندلے ہونے  
 سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ وللدالمثل الاعلیٰ۔ اب اس آئینہ خانہ کو دیکھنے والے  
 تین قسم ہوئے:

### اول نا سمجھ بچے:

انہوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی موجود  
 ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آ رہے ہیں جیسے وہ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اس کے  
 تابع ہیں۔ جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے  
 لگتے ہیں۔ وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں۔ تو عین یہ بھی اور وہ بھی۔ مگر وہ عالم  
 ہے یہ محکوم۔ اور اپنی نادانی سے نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے۔ یہ سب اسی کے  
 عکس ہیں، اگر اس سے حجاب ہو جائے تو یہ سب صفحہ ہستی سے معدوم محض ہو جائیں  
 گے، ہو کیا جائیں گے اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں۔ حقیقتاً بادشاہ ہی  
 موجود ہے، باقی سب پر تو کی نمود ہے۔

### دوم اہل نظر و عقل کامل:

وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بے شک وجود ایک بادشاہ کے  
 لیے ہے، موجود ایک وہی ہے۔ یہ سب ظل و عکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود  
 نہیں رکھتے۔ اس تجلی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے۔ حاشا عدم

محض کے سوا کچھ نہیں اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم و فانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمود و وجود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی، یہ ناقص ہیں وہ تام، یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور وہ سلطنت کا مالک، یہ کوئی کمال نہیں رکھتے، حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع، تو یہ اس کا عین کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے اور یہ صرف اس تجلی کی نمود۔ یہی حق و حقیقت ہے اور یہی وحدت الوجود۔

### سوم عقل کے اندھے:

سمجھ کے اوندھے، ان نا سمجھ بچوں سے بھی گئے گزرے۔ انہوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی، جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی، تاج جیسا اس کے سر پر ہے بعینہ ان کے سروں پر بھی۔ انہوں نے عقل و دانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب و نقائص جو نقصان تو اہل کے باعث ان میں تھے خود بادشاہ کو ان کا موردِ کردیا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص عاجز محتاج لٹے بھونڈے بد نما دھندلے کا جو عین ہے قطعاً انہیں ذمائم سے متصف ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے اور وجود حقیقی، احتیاج سے پاک۔ وہاں جسے آئینہ کہیے وہ خود بھی ایک ظل ہے، پھر آئینے میں انسان کی صرف سطح مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان کی صفات مثل کلام و سمع و بصر و علم و ارادہ و حیات و قدرت سے اصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی عزّ جلالہ کی تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سوا، ان صفات کا بھی پرتو ڈالا۔ یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی نا فہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کی باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت حق ہوئی وہ سمجھ لیے کہ

یک چراغے سست دریں خانہ کہ از پرتو آں  
ہر کجای مگر ی انجمنے ساختہ اند

انہوں نے ان صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں: حقیقی ذاتی کہ تجلی کے لیے خاص ہے اور ظلی عطائی کہ ظلال کے لیے ہے اور حاشا یہ تقسیم، اشتراک معنی نہیں بلکہ محض موافقت فی اللفظ۔ یہ ہے حق حقیقت و عین معرفت۔ وللہ الحمد۔

ایک حدیث طبرانی نے حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی، حضور و الاصلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ نے فرمایا:

”ان اللہ یجمع الاولین والآخرین فی صعید واحد ثم ینادی مناد من تحت العرش یا اهل التوحید ان اللہ عزوجل قد عفا عنکم فیقوم الناس فیتعلق بعضهم ببعض فی ظلمات، فینادی مناد یا اهل التوحید لیعف بعضکم عن بعض وعلی الثواب“

یعنی بے شک اللہ عزوجل روز قیامت سب اگلوں پچھلوں کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا پھر زیر عرش سے منادی ندا کرے گا اے توحید والو! مولانا تعالیٰ نے تمہیں اپنے حقوق معاف فرمائے۔ لوگ کھڑے ہو کر آپس کے مظلوموں میں ایک دوسرے سے لپٹیں گے۔ منادی پکارے گا: اے توحید والو! ایک دوسرے کو معاف کر دو اور ثواب دینا میرے ذمہ ہے۔

یہ اہل توحید کون ہیں جن سے حقوق اللہ بھی معاف ہوں گے اور باہمی حقوق العباد کی بھی معافی کرا کے ثواب کا پروانہ مل جائے گا؟ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”فقیر کے گمان میں حدیث مذکور میں اہل توحید سے یہی محبوبان خدا مراد ہیں کہ توحید خالص تام کامل، ہر گونہ شرک خفی و اخفی سے پاک و منزہ انہیں کا حصہ ہے۔ بخلاف اہل دنیا جنہیں عبدالدینار، عبدالدرہم، عبدطعم، عبدہوی، عبدربغ فرمایا گیا۔ وقال تعالیٰ: ”افرایت من اتخذ الہة ہواہ“ اور بے شک بے حصول معرفت الہی اطاعت ہوائے نفس سے باہر آنا سخت دشوار۔ یہ بندگانِ خدا نہ صرف عبادت بلکہ

طلب واردات بلکہ خود اصل ہستی و وجود میں اپنے رب جل مجدہ کی توحید کرتے ہیں۔  
لا الہ الا اللہ کے معنی عوام کے نزدیک لامعبود الا اللہ۔ خواص کے نزدیک لامقصور  
الا اللہ۔ اہل ہدایت کے نزدیک لامشہود الا اللہ۔ ان انحصار الخواص ارباب نہایت کے  
زادیک لاموجود الا اللہ۔ تو اہل توحید کا سچا نام انہیں کو زیبا۔ ولہذا ان کے علم کو علم توحید  
کہتے ہیں۔ (جعلنا اللہ تعالیٰ من خدامہم و تراب اقدامہم فی الدنیا  
والآخرة، وغفرنا بجاہم عنده انه اهل التقویٰ و اهل المغفرة۔ آمین۔ ۲۱)

### حوالے

- ۱- امام احمد رضا قادری: کشف حقائق و اسرار و دقائق (۱۳۰۸ھ) اشاعت رضا  
اکیڈمی ممبئی ص ۱۵
- ۲- علامہ فضل حق خیر آبادی: الروض المجود۔ اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ  
۱۳۹۷ھ ص ۵-۶ ملتنقطا مترجم
- ۳- ایضاً ص ۷
- ۴- ایضاً ص ۱۰-۱۱
- ۵- بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی: وحدۃ الوجود ص ۱۸ تا ۲۱۔ اشاعت شاہ ابو  
الخیر اکاڈمی دہلی
- ۶- شاہ ابو الحسین احمد نوری: سراج العوارف فی الوصایا و المعارف۔ ترجمہ  
ڈاکٹر سید محمد امین برکاتی، ص ۶۴-۶۵ اشاعت بمبئی ۱۹۸۶ء
- ۷- امام احمد رضا اور تصوف: محمد احمد مصباحی، ص ۱۰۲، اشاعت اول الجمع  
الاسلامی مبارک پور، ۱۳۰۸ھ

- ۸- ایواقیت و الجواہر فی بیان عقائد الاکابر: امام عبدالوہاب شعرانی (۸۹۸ھ-  
۹۷۳ھ) ج ۱، ص ۶۳-۶۵ بہ تلخیص و ترجمہ
- ۹- فتاویٰ رضویہ ج ۶، ص ۱۳۲-۱۳۳۔ سنی دارالاشاعت مبارک پور
- ۱۰- فتاویٰ رضویہ ج ۶، ص ۱۳۳-۱۳۴۔ سنی دارالاشاعت مبارک پور
- ۱۱- فتاویٰ رضویہ ج ۹، ص ۵۰۔ اشاعت رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۱۵ھ
- ۱۲- فتاویٰ رضویہ ج ۹، ص ۵۲-۵۳۔ اشاعت رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۱۵ھ

## بارگاہِ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ میں امام احمد رضا کی حاضری

علامہ یسین اختر مصباحی

دارالقلم، ذاکرنگر، نئی دہلی

مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر  
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

(رضا بریلوی)

خواجہ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا  
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا

(حسن بریلوی)

عاشقِ رسول، فقیہِ اسلام، حسانِ الہند، امام اہل سنت حضرت مولانا الشاہ  
عبدالمصطفیٰ احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ (متولد ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء۔  
متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) تبحرِ عالم و فاضل اور جامعِ شریعت و طریقت شیخِ کامل تھے۔  
آپ کی ذاتِ علم نافع و عملِ صالح کا قابلِ صدرشکِ نمونہ تھی۔ اپنے عہد میں آپ  
مرکزِ فتاویٰ و مرجعِ اُنام تھے۔ آپ کے قلمِ حقیقت رقم سے نکلی ہوئی تقریباً ایک ہزار  
چھوٹی بڑی کتب و رسائل اس دعویٰ پر شاہدِ عدل ہیں۔

تصوف و طریقت کے اسرار و رموز سے آپ بخوبی واقف اور ان کے عارف  
تھے۔ آپ کے رسائل مبارکہ ”کشفِ حقائق و اسرار و دقائق“ (۱۳۰۸ھ)۔ ”الیا قوتہ“

الواسطہ فی قلب عقد الرابطہ (۱۳۰۹ھ) نقاء السلفانہ فی احکام البیعتہ و الخلفانہ (۱۳۱۹ھ)  
مقال عرفا باعزازِ شرع و علما (۱۳۲۷ھ) اور فتاویٰ رضویہ وغیرہ کے اندر دینی و مذہبی اور  
علمی و عملی ہر لحاظ سے جو ایمان افروز، روح پرور، دل نشیں اور چشم کشا نمونے ملتے ہیں  
وہ آپ کے روحانی مراتبِ کمال پر دال ہیں، جن سے آپ کے مدارجِ عالیہ کا ہر  
منصف مزاج شخص کو علم ہی نہیں بلکہ ان کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔

امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے  
فرماتے ہیں:

”میں روتا ہوا دو پہر کو سو گیا۔ دیکھا کہ حضرت جد امجد (مولانا رضا علی  
بریلوی) رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ایک صندوقچی عطا فرمائی۔ اور فرمایا! عنقریب  
آنے والا ہے وہ شخص جو تمہارے دردِ دل کی دوا کرے گا۔ دوسرے یا تیسرے روز  
حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بدایوں سے تشریف لائے اور اپنے ساتھ  
مارہرہ شریف لے گئے۔ وہاں جا کر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ (ص ۶۳۔ المملفوظ حصہ  
سوم۔ رضا اکیڈمی ممبئی)

خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف (ضلع ایبہ، یوپی) سے آپ کی  
روحانی وابستگی تھی۔ محبتِ الرسول تاج الخول حضرت مولانا عبدالقادر عثمانی قادری  
برکاتی بدایونی قدس سرہ (متوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کے ایما و مشورہ پر ان کی رفاقت میں  
آپ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں مارہرہ شریف حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر بائیس  
سال تھی۔ خاتمِ الاکابر حضرت مولانا سید شاہ آل رسول احمدی قادری برکاتی مارہروی  
قدس سرہ (متوفی ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور اسی  
وقت اجازت و خلافت سے بھی نوازے گئے۔ ایک سوال کے جواب میں حضرت خاتم  
الاکابر مارہروی نے ارشاد فرمایا:

”اور لوگ میلا کچیلانگ آلود دل لے کر آتے ہیں جس کے تزکیہ کے لیے

ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مصطفیٰ و مزلکی قلب لے کر آئے۔ انھیں ریاضت و مجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہو گیا۔“

مزید فرمایا! ”مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر حکمِ الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آلِ رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہو گئی۔ اس وقت ”احمد رضا“ کو پیش کر دوں گا۔ (شمارہ پنجم تا دہم۔ ترجمان اہل سنت پہلی بھیت۔ و دیگر کتب و روایات) قارئین کرام پر یہ حقیقت بھی واضح رہنی چاہیے کہ امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ ہر شیخ و مرشد طریقت کے لیے حسبِ قاعدہ شریعت و طریقت یہ چار شرطیں لازم قرار دیتے ہیں:

اول: سنی صحیح العقیدہ مطابق عقائد علمائے حریم شریفین ہو۔

دوم: اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔

سوم: فاسق معلن نہ ہو۔

چہارم: اس کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔

(ص ۵۸۸۔ فتاویٰ رضویہ مترجم۔ جلد ۲۱۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور بیعت و ارادت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

”لوگ بیعت بطور رسم ہوتے ہیں۔ بیعت کا معنی نہیں جانتے۔ بیعت اسے کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ منیری کے ایک مرید دریا میں ڈوب رہے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا! اپنا ہاتھ مجھے دے کہ تجھے نکال لوں۔ ان مرید نے عرض کیا کہ یہ ہاتھ حضرت یحییٰ منیری کے ہاتھ میں دے چکا ہوں۔ اب دوسرے کو نہ دوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام غائب ہو گئے۔ اور حضرت یحییٰ منیری ظاہر ہوئے اور ان کو نکال لیا۔ (ص ۴۲۔ الملقوظ۔ حصہ دوم۔ رضا اکیڈمی بمبئی)

”بیعت کے معنی بک جانا۔ سب سے سنا بل شریف میں ہے۔ ایک صاحب کو سزائے موت کا حکم بادشاہ نے دیا۔ جلاد نے تلوار کھینچی۔ یہ اپنے شیخ کے مزار کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ جلاد نے کہا۔ اس وقت قبلہ کو منہ کرتے ہیں۔ فرمایا! تو اپنا کام کر۔ میں نے قبلہ کو منہ کر لیا ہے۔

اور ہے بھی یہی بات، کہ کعبہ قبلہ ہے جسم کا اور شیخ قبلہ ہے روح کا۔ اس کا نام ارادت ہے۔ اگر اس طرح صدق عقیدت کے ساتھ ایک دروازہ پکڑ لے تو اس کو فیض ضرور آئے گا۔ اور بالفرض وہ بھی نہ سہی تو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ تو معدن فیض و منبع انوار ہیں ان سے فیض آئے گا۔ سلسلہ صحیح اور متصل ہونا چاہیے۔ (ص ۶۵۔ الملقوظ۔ حصہ دوم۔ رضا اکیڈمی بمبئی)

اسی حسن عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے قصیدہ غوثیہ (اکسیر اعظم ۱۳۰۲ھ) میں امام احمد رضا بریلوی عرض کرتے ہیں:

سر توئی، سرور توئی، سررا سر و ساماں توئی جاں توئی، جاناں توئی، جاں راقرا جاں توئی

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیق جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا حسن عقیدت کا یہ والہانہ انداز بھی کتنا روح پرور ہے۔

ترا ذرہ مہ کامل ہے یا غوث ترا قطرہ یم سائل ہے یا غوث

کوئی سالک ہے یا اصل ہے یا غوث وہ کچھ بھی ہو ترا سائل ہے یا غوث

کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا رضا تجھ سے ترا سائل ہے یا غوث

ایک رسالہ ”انہار الانوار من یم صلوة الاسرار (۱۳۰۵ھ) میں یہ شیفنگی و وارفتگی، اس رسالہ ہی خود آپ کے حسنِ خاتمہ کا کتنا رشک آفریں نمونہ ہے:

”یہ ہے جو اس گدائے سرکار فیض بار قادر یہ پر برکات و نعمات حضور پر نور

غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے فائز ہوا۔ ع گرت قبول افتدز ہے عز و شرف

گدائے بے نوا، فقیر ناسزا، اپنے تاج دارِ عظیم الجود عمیم العطا کے لطف بے

منت و کرم بے علت سے اس صلے کا طالب کہ غفو و عافیت و حسن عاقبت کے ساتھ اس دارِ ناپائدار سے رخصت ہوتے ہوئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز پسر، بتول زہرا کے لختِ جگر، علی مرتضیٰ کے نورِ نظر، حسن و حسین کے قرۃ بصر، محی سنتِ ابی بکر و عمر صلی اللہ تعالیٰ علی الحبیب و علیہم وسلم، یعنی حضورِ غوثِ صمدانی، قطبِ ربانی، و اھبُ الآمال و مُعطی الامانی حضورِ پُر نورِ غوثِ اعظم، قطبِ عالم، محی الدین ابو محمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاء و جعل حرزنا فی الدارین رضاء کی محبت و عشق و عقیدت و اتباع و اطاعت پر جائے اور جس دن یوم ندعو کل اناس باسماہم کا ظہور ہو، یہ سرِ ایا گناہ زریلوئے بے کس پناہ سرکارِ قادریت ظل اللہ جگہ پائے۔ فان ذلك على الله يسير۔ ان الله على كل شئ قدير۔ (ص ۵۴۷ و ۵۴۸۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد سوم۔ رضا کیڈمی بمبئی)

ایک خطبہ رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

قال الفقير عبد المصطفى احمد رضا المحمدى السننى الحنفى القادري البركاتى البريلوى، لَمَّ اللهُ شَعْنَهُ وَتَحْتَ اللِّوَاءِ الْغَوْثِي بَعْنَهُ۔ (ص ۳۔ الياقوتة الوساطة فى قلب عقد الرابطة (۱۳۰۹ھ)۔ مطبوعه المجمع الاسلامى مبارك پور ضلع اعظم گڈھ۔ یوپی)

گویا آپ کے ہر بنِ موسے یہ صدا آتی تھی کہ:

قادری کر، قادری رکھ، قادریوں میں اٹھا  
قدرِ عبدالقادر قدرت نما کے واسطے

سورت، گجرات سے ایک سوال آیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ افضل ہیں یا سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی رقم طراز ہیں:

”امام عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعة الكبرى میں فرماتے ہیں:

الامام ابوحنیفہ سئل عن الاسود و العطاء و علقمة ایہم افضل۔

فقال۔ واللہ مانحن باهل ان نذکرہم فکیف نفاضل بینہم۔

یعنی ایک روز امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا۔ امام علقمہ و امام اسود شاگردان حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و امام عطاء بن ابی رباح استاذ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں کون افضل تھا؟ فرمایا! ہم ان کے ذکر کرنے کے قابل نہیں۔ نہ کہ ان میں ایک کو دوسرے سے افضل بتائیں۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد تو اضعافاً تھا اور یہاں قطعاً حقیقتِ امر ہے۔ حاشا للہ۔ ہمارے منہ اس قابل نہیں کہ حضور سیدنا امام اعظم یا حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام پاک اپنی زبان سے لیں۔

یہ بھی رحمتِ الہیہ ہے کہ اس نے ہمیں اپنے محبوبوں کے ذکر کی اجازت دی ہے۔ ہم کس منہ سے ان میں تفاضل بیان کریں؟ وہ ہماری شریعت کے امام اور یہ ہماری طریقت کے امام مفرد۔

عہدہا بالب شیریں دہناں بست خدا  
ما ہمہ بندہ و ایں قوم خدا وند اند

اور یہاں اسی میزان میں انھیں امام شعرانی کا یہ قول: اعتقادنا ان اکابر الصحابة و التابعین و الائمة المجتہدین کان مقامہم اکبر من مقام باقى الاولیاء بیقین۔ وارد ہے۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلاشبہ واصلان عین الشریعة الکبریٰ کے سرداروں میں سے ہیں۔ اور اس کے واصلوں کو یہی امام شعرانی اسی میزان میں فرماتے ہیں:

مَن اشرفَ علیٰ عینِ الشریعة الاولیٰ یشارك المجتہدین فی الاغتراف من عینِ الشریعة۔ فانہ ما ثم احد حق له قدم الولاية المحمدية الا و یصیر یاخذ احکام شرعہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من حیث

أخذها المجتهدون و ينفك عنه التقليد لجميع العلماء إلا لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم۔ ثم نقل عن احد من الاولياء انه كان شافعيًا او حنفيًا مثلاً فذلك قبل ان يصل مقام الكمال۔

(جو عین شریعت کے چشمہ صافی پر پہنچ جاتا ہے وہ اس نہر حقیقت سے چلو لینے میں مجتہدین کا شریک و سہم ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص ولایتِ محمدیہ کے درجہ عظمیٰ پر فائز ہو جاتا ہے وہ وہیں سے احکام حاصل کر سکتا ہے جہاں سے ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا تمام علمائے امت کی تقلید سے آزادی ہے۔ اور بعض اولیاء کے بارے میں جو یہ آیا ہے کہ حنفی یا شافعی تھے وغیرہ تو یہ ان حضرات کے مقام کمال تک پہنچنے سے پہلے کی بات ہے۔)

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”حجی الدین“ ہیں۔ احوال دین کے لیے قائم کیے گئے۔ اور مذہب حنبلی اسلام کا رابع ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: جعلتک ربع الاسلام۔ ہم نے تمہیں اسلام کا چہارم کیا۔ یہ مذہب قریب اندر اس تھا ہذا اس کے احوال کے لئے اس پر اقرار فرماتے۔

ہاں! حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حضرات عالیہ امام مالک و امام شافعی و امام احمد و من بعدہم من الائمة الکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضل تابعیت ہے۔ امام تابعی ہیں۔ رأی انسا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور باقی حضرات میں اور کوئی تابعی نہیں۔

و ما وقع من علي القارى فى المرقاة من تابعيه الامام مالك رضى الله تعالى عنه فسهو ظاهراً لا يلتفت اليه۔

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے مرقاة میں جو یہ سہو ہوا کہ حضرت امام مالک تابعی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قابل التفات نہیں۔

گدائے قادری عرض کرتا ہے:

صحابیت ہوئی، پھر تابعیت بس آگے قادری منزل ہے یا غوث ہزاروں تابعی سے تو فزوں، ہاں وہ طبقہ مجملاً فاضل ہے یا غوث واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ص ۳۲ و ۳۳۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد یازدہم۔ مطبوعہ رضا کیڈمی بمبئی)۔

امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی جملہ صحیح و مستند سلاسل طریقت مثل چشتیہ و نقشبندیہ و سہروردیہ و رفاعیہ و شاذلیہ وغیرہ اور ان کے صحیح الاعتقاد سنی مشائخ کرام کو برحق سمجھنے کے ساتھ ان کے عقیدت مند بھی تھے اور جہاں کہیں ان کا ذکر اور ان کا نام آپ کی تحریروں میں ملتا ہے، حسن ادب و احترام کے ساتھ ہی ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ سلسلہ عالیہ قادریہ کو افضل السلاسل قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”ہمارے نزدیک خاندان عالی شان قادری سب خاندانوں سے اعلیٰ و افضل ہے۔ (ص ۲۱۴۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم، رضا کیڈمی بمبئی و ص ۶۷۔ فتاویٰ رضویہ مترجم۔ جلد ۲۶۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”سلاسل و اسانید اولیاء کرام کا کیا کہنا۔ خصوصاً سلسلہ عالیہ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم قطب عالم صلی اللہ تعالیٰ علیٰ جسدہ الکریم و آباءہ الکرام و علیہ وسلم۔ (ص ۴۶۶۔ فتاویٰ رضویہ مترجم۔ جلد ۲۱۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)۔

اولیاء کرام کی ایک دوسرے پر تفضیل کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں۔ چنانچہ ایک سوال کہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو دوسرے اکابر اولیاء کرام سے افضل سمجھنے کا عقیدہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں:

”عقیدہ وہ چیز ہے جس کا اعتقاد مدارِ سنیت اور اس کا انکار بلکہ اس میں تردد

گمراہی و ضلالت۔ اس قسم کے امور ان مسائل سے نہیں ہوتے۔ الخ (ص ۲۲۲۔  
فتاویٰ رضویہ۔ جلد دوازدہم، رضا اکیڈمی بمبئی)

آپ کے اوپر قادری رنگ اتنا غالب تھا کہ اپنے قادری مشائخ طریقت ہی کو ذریعہ فیضان سمجھ کر ان سے ہی ہمہ وقت استمداد کیا کرتے تھے اور ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی منظوم منقبتیں صرف مشائخ قادریہ کے اوصاف و کمالات و محامد و محاسن پر مشتمل ہیں اور دیگر مشائخ سے عقیدت کے باوجود آپ نے ان میں سے کسی کی منظوم منقبت نہیں لکھی۔

آپ کی تحریر کردہ کوئی منقبت نہ محض شاعرانہ ہے نہ ہی پیشہ ورانہ، بلکہ سبھی منقبتیں آپ کی قلبی کیفیات و واردات کا آئینہ ہیں، جن میں اپنے قادری مشائخ کرام بالخصوص قطب ربانی غوث صمدانی محبوب سبحانی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انوار و تجلیات کی ضوفشانی ہے۔ جہاں کوئی آورد نہیں آمد ہی آمد ہے اور اس نہاں خانہ قلب میں کسی طرح کا تکلف و نصنع نہیں بلکہ ہر طرف حسن فطرت کی کرشمہ سازی ہے۔ ہر سمت نواے حقیقت کا سوز و ساز ہے۔ اور ہر چہار جانب صفا و وفا کا پرتو جمال اور رعنائی خیال ہے۔

ہاں! اگر آپ نے غیر قادری مشائخ کرام میں سے کچھ کی منقبت لکھی ہوتی اور بعض اہم شخصیات کی منقبتیں نہ ہوتیں تو شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ایسا کیوں ہوا؟ اگرچہ یہ بھی کوئی قابل انگشت نمائی بات نہ ہوتی کیوں کہ جس طرح کوئی عالم و محقق و مصنف کچھ موضوعات پر داد تحقیق دیتا ہے اور بہت سے موضوعات پر خام فرسائی کرنے کا وقت نہیں نکال پاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اسے باقی موضوعات کی اہمیت و عظمت سے کوئی اجتناب و احتراز یا کسی طرح کا انکار ہے۔ ایسے وسوسوں و اوہام اسی شخص کے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں جو بدگمانی کے مرض میں مبتلا اور اس گناہ کے ارتکاب کا عادی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی نا سچھی سے ایسی بات

سوچ رہا ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ محض شرانگیزی کی نیت سے اس طرح کے شوشے چھوڑ رہا ہو۔

کچھ اسی طرح کی حرکت و بابیہ دیا بنہ بار بار کرتے ہیں اور علمائے اہل سنت کو چھیڑنے اور انہیں چڑھانے کے لیے تحریراً و تقریراً یہ شوشہ بازی کرتے رہتے ہیں کہ آپ کے مولانا احمد رضا بریلوی بہت بڑے عاشق رسول بنتے ہیں اور آپ لوگ بھی ان کے عاشق رسول ہونے کا صبح و شام دعویٰ کرتے رہتے ہیں مگر انہیں اس کی توفیق نہ ہو سکی کہ وہ ”سیرت رسول“ پر کوئی کتاب لکھ سکیں۔ ایسے لوگوں کو علمائے اہل سنت بار بار جواب دیتے ہیں کہ امام احمد رضا بریلوی کوئی خاص موضوع منتخب کر کے دیگر مصنفین کی طرح اپنی کتب و رسائل نہیں لکھا کرتے تھے۔ وہ بنیادی طور پر ایک فقیہ و مفتی تھے اور ان کی ساری زندگی فقہ و افتا کی خدمت میں گزری۔ ان کے پاس عرب و عجم سے ہمیشہ سیکڑوں دینی سوالات آتے رہتے تھے جن کے جوابات لکھنے لکھانے ہی میں آپ کا سارا وقت گزر جاتا تھا۔ اور یہ خدمت اس خدمت سے بڑی ہے جو ان کے معاصر مصنفین نے انجام دی ہے۔ آپ تقدیس الوہیت و تعظیم نبوت کو اہل ایمان کے دلوں میں راسخ کرنے کی مہم میں تاحیات سرگرم عمل رہے۔ سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و ناموس کا تحفظ اور منکرین عظمت رسول کا تعاقب کرنے میں اپنی ساری علمی و فکری توانائی آپ نے صرف کر دی۔ یہ کارنامہ سیرت رسول پر کوئی کتاب لکھنے سے زیادہ عظیم ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ایسے اطمینان بخش جواب کے باوجود وہابیہ دیا بنہ پلٹ کر یہی بات بار بار دہراتے رہتے ہیں کہ آخر مولانا احمد رضا بریلوی نے سیرت رسول پر کوئی کتاب کیوں نہیں لکھی؟ ان کی اس حرکت کو سوائے شریپندی و فتنہ انگیزی کے اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

راہ تصوف اور باب مناقب میں امام احمد رضا بریلوی کا طرز فکر و عمل سمجھنے کے لیے یہ مستند واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ ایک سوال کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:



”حضور پر نور سید اولیاء الکرام امام العرفاء العظام حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدی علی بن ہیتی قدس سرہ المملکتی کے یہاں رونق افروز ہوئے۔ حضرت علی بن ہیتی نے اپنے مرید خاص ولی باختصاص سیدی ابوالحسن علی جوہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حکم دیا کہ خدمت حضرت غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملازمت اختیار کریں۔ اور یہ پہلے فرما چکے تھے کہ میں (علی بن ہیتی) حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں سے ہوں۔

سیدی ابوالحسن قدس سرہ پیر سے یہ کچھ سن کر اس پر رونے لگے اور آستانہ پیر کو چھوڑنا کسی طرح نہ چاہا۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے روتا دیکھ کر فرمایا: ما یحب إلا الثدی الذی رضع منہ۔ جس پستان سے دودھ پیا ہے، اس کے غیر کو نہیں چاہتا۔

انھیں حکم دیا کہ اپنے پیر کی ملازمت میں رہیں۔ اخرج سیدی الامام نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف اللخمی قدس سرہ فی ”بہجة الاسرار و معدن الانوار“ بسند صحیح عن سیدی ابی حفص عمر البزار قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔ (ص ۲۷۷۔ فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۱۔ رضافاؤنڈیشن لاہور) اور ایک عرض کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی ارشاد فرماتے ہیں۔ عرض و ارشاد دونوں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

عرض: حضرت سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچنے یا زروق کہہ کر ندا کرے۔ میں فوراً اس کی مدد کروں گا۔ ارشاد: مگر میں نے کبھی اس قسم کی مدد نہ طلب کی۔ جب کبھی میں نے استعانت کی یا غوث ہی کہا۔ یک درگیر محکم گیر۔

میری عمر کا تیسواں سال تھا کہ حضرت محبوب الہی (خواجہ نظام الدین اولیا چشتی دہلوی) کی درگاہ میں حاضر ہوا۔ احاطہ میں مزامیر وغیرہ کا شور مچا تھا۔ طبیعت

منتشر ہوتی تھی۔ میں نے عرض کیا حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، اس شور و شغب سے مجھے نجات ملے۔ جیسے ہی پہلا قدم روضہ مبارک میں رکھا ہے کہ معلوم ہوا سب ایک دم چپ ہو گئے۔ میں نے سمجھا کہ واقعی سب لوگ خاموش ہو گئے۔ قدم درگاہ شریف سے باہر نکالا پھر وہی شور و غل تھا۔ پھر اندر قدم رکھا پھر وہی خاموشی۔

معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت کا تصرف ہے۔ یہ بین کرامت دیکھ کر مدد مانگنی چاہی۔ بجائے حضرت محبوب الہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام مبارک کے یا غوثاہ زبان سے نکلا۔ وہیں میں نے اکسیر اعظم قصیدہ بھی تصنیف کیا۔ (پھر ارشاد فرمایا) ارادت شرط اہم ہے۔ بیعت میں بس مرشد کی ذرا سی توجہ درکار ہے اور دوسری طرف اگر ارادت نہیں تو کچھ نہیں ہو سکتا۔

ایک صاحب حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں میں سے تھے۔ انھوں نے واقعہ میں یعنی سوتے جاگتے میں دیکھا کہ ایک ٹیلہ پر یا قوت کی کرسی بچھی ہے۔ اس پر حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں اور نیچے ایک مخلوق جمع ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی چٹھی دیتا ہے۔ حضرت اس کو بارگاہ رب العزت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ چپکے کھڑے رہے۔ جب حضرت نے بہت دیر تک انھیں دیکھا اور انھوں نے کچھ نہ کہا تو خود فرمایا ”ہات اعرض قصتک“ لاؤ کہ میں تمہاری عرضی پیش کروں۔ انھوں نے عرض کیا: او شیخی عزلوہ۔ کیا میرے شیخ کو معزول کر دیا گیا؟ فرمایا: واللہ ما عزلوہ و لن یعزلوہ۔ خدا کی قسم ان کو معزول نہیں کیا اور نہ کبھی ان کو معزول کریں گے۔ انھوں نے عرض کی: تو بس میرا شیخ کافی ہے۔

آنکھ کھلی، حاضر ہوئے دربار میں سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ واقعہ عرض کریں۔ قبل اس کے کہ کچھ عرض کریں حضور نے ارشاد فرمایا: ہات اعرض قصتک۔ لاؤ کہ تمہاری عرضی پیش کر دوں۔

(فرمایا) ارادت یہ ہے۔ ہمہ شیران جہاں بستہ! اس سلسلہ اند۔  
 (پھر فرمایا) جب تک مرید یہ اعتقاد نہ رکھے کہ میرا شیخ تمام اولیاء زمانہ  
 سے میرے لیے بہتر ہے، نفع نہ پائے گا۔  
 علی بن ہیتی نے جو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص خلیفہ ہیں،  
 ایک بار حضور کی دعوت کی۔ ان کے خاص مرید تھے حضرت علی جوینی رضی اللہ عنہ۔ یہ  
 کھانا لائے۔

خیال کرتے ہیں کہ روٹیاں کس کے سامنے پہلے رکھوں؟ اپنے شیخ کے  
 سامنے رکھتا ہوں تو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی شان کے خلاف ہے اور اگر حضور  
 غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھتا ہوں تو ارادت تقاضا نہیں کرتی۔ انھوں  
 نے اس طرح روٹیاں گھمائیں کہ دونوں کے حضور ایک ساتھ جا کر گریں۔ حضور غوث  
 اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! یہ مرید تمہارا بہت باادب ہے۔ علی بن ہیتی نے عرض  
 کیا! بہت تر قیاں کر چکا ہے۔ اب اس کو حضور اپنی خدمت میں لیں۔ علی جوینی یہ سنتے  
 ہی ایک کونہ میں گئے اور رونا شروع کیا۔

حضور نے فرمایا! اس کو اپنے ہی پاس رہنے دو۔ جس پستان کا پلا ہوا ہے اسی  
 سے دودھ پیے گا۔ دوسرے کو نہیں چاہتا۔

(پھر فرمایا) اپنے تمام حواج میں اپنے شیخ ہی کی طرف رجوع کرے۔  
 (ص ۵۵، ۵۶۔ المملفوظ۔ حصہ سوم۔ رضا کیڈمی بمبئی)

گویا کہ امام احمد رضا بریلوی اپنے ان اشعار کی عملی تصویر اور غیرت و حمیت  
 قادریت و جذبہ احسان شناسی کے پیکر تھے۔

تجھ سے در، در سے ہے سگ، سگ سے ہے مجھ کو نسبت

میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے  
 حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا  
 میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد  
 ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہا ہوں پہرا تیرا  
 تیری عزت کے نثار، اے میرے غیرت والے!  
 آہ صد آہ! کہ یوں خوار ہو بُردہ تیرا

☆

سرتوئی، سرتوئی، سررا سرورسا ماں توئی  
 جاں توئی، جاں توئی، جاں را قرار جاں توئی  
 بہر پاپیت خواجہ ہنداں شہ کیواں جناب  
 بل علی عینی و رأسی گید، آں خاقاں توئی  
 بندہ ات غیرت بُرد، گر بردر غیرت رود  
 وَر رود چوں بنگرد ہم شاہ آں ایواں توئی

امام احمد رضا بریلوی صرف حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی  
 اللہ عنہ کی دست گیری پر قربان نہیں تھے بلکہ عطاے رسول، سلطان الہند حضور سیدنا  
 معین الملئۃ والدین خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ کی شانِ غریب نوازی و فیض  
 رسانی کا بھی آپ اپنی مجلسوں اور تحریروں میں چرچا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک استفتا  
 کے جواب میں آپ پورے یقین و اذعان کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ:  
 ”حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور دست گیر ہیں اور حضرت  
 سلطان الہند معین الحق والدین ضرور غریب نواز۔ (ص ۴۳۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد

یازدہم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

غلام معین الدین اور اجمیر شریف نہ لکھنے والے کے خلاف آپ کا یہ تیور بھی کتنا پُر جلال و وہابیت گُش اور روح پرور و عقیدت افروز ہے، اسے ذیل کے سوال و جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ: از سرکار اجمیر مقدس، لنگرگلی، مسئلہ حکیم غلام علی صاحب۔ ۶/شوال

۱۳۳۹ھ۔

اگر کوئی مولوی اپنے مدرسہ کے دروازہ پر، اور خلافت کے بورڈ پر، اور خلافت کی ٹوپی پر، اور خلافت کی رسید پر فقط اجمیر لکھے۔ کیا اجمیر کے ساتھ لفظ شریف نہ لکھنا اور اصلی نام غلام معین الدین پر غلام نہ لکھنا خلاف عقیدہ اہل سنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ”اجمیر شریف کے نام پاک کے ساتھ لفظ شریف نہ لکھنا اور ان تمام مواقع میں اس کا التزام نہ کرنا اگر اس بنا پر ہے کہ حضور سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلوہ افروزی حیات ظاہری و مزار پُر انوار کو (جس کے سبب مسلمان اجمیر شریف کہتے ہیں) وجہ شرافت نہیں جانتا تو گمراہ بلکہ عدو اللہ ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: من عادى لى ولياً فقد اذنته بالحرب۔

اور اگر یہ ناپاک التزام بنائے کسےل و کوتاہ قلمی ہے تو سخت بے برکتی و فضل عظیم و خیر جسیم سے محرومی ہے۔ کما افاده الامام المحقق محی الدین ابو زکریا قدس سرہ فی الترضی۔

اور اگر اس کا معنی وہابیت ہے تو وہابیت کفر ہے۔ اس کے بعد ایسی باتوں کی کیا شکایت؟ ماعلیٰ مثله يعد الخطاء۔

اپنے نام سے غلام کا حذف اگر اس بنا پر ہے کہ حضور خواجہ خواجگان رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام بننے سے انکار و استکبار رکھتا ہے تو بدستور گمراہ اور محکم حدیث مذکور عدو اللہ ہے۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ قال تعالیٰ: الیس فی جہنم مثنوی المتکبرین۔

اور اگر بنائے وہابیت ہے کہ غلام اولیاے کرام بننے والوں کو مشرک اور غلام محی الدین اور غلام معین الدین کو مشرک جانتا ہے تو وہابیہ خودزندیق، بے دین، کفار و مرتدین ہیں۔ و لِّلکفرین عذاب مہین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ص ۱۸۷ او ۱۸۸۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد ششم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

حضرت سیدنا معین الملتہ والدین خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ کے فیوض و برکات اور منکرین فیضان خواجہ غریب نواز کا ذکر کرتے ہوئے ایک مجلس میں امام احمد رضا بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

”حضرت خواجہ کے مزار سے بہت کچھ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ مولانا برکات احمد صاحب مرحوم جو میرے پیر بھائی اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک ہندو جس کے سر سے پیر تک پھوڑے تھے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس قدر تھے۔ ٹھیک دوپہر کو آتا اور درگاہ شریف کے سامنے گرم کنکروں اور پتھروں پر لوٹا اور کہتا کہ خواجہ اگن لگی ہے۔ تیسرے روز میں نے دیکھا کہ بالکل اچھا ہو گیا۔

بھاگل پور سے ایک صاحب ہر سال اجمیر شریف حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک وہابی رئیس سے ملاقات تھی۔ اس نے کہا۔ میاں! ہر سال کہاں جایا کرتے ہو؟ بے کار اتنا روپیہ صرف کرتے ہو۔ انھوں نے کہا چلو اور انصاف کی آنکھ سے دیکھو۔ پھر تم کو اختیار ہے۔

خیر! ایک سال وہ ساتھ میں آیا۔ دیکھا کہ ایک فقیر سونٹا لیے روضہ شریف کا

طواف کر رہا ہے۔ اور یہ صدالگا رہا ہے۔ خواجہ! پانچ روپے لوں گا۔ اور ایک گھنٹہ کے اندر لوں گا۔ اور ایک ہی شخص سے لوں گا۔

جب اس وہابی کو خیال ہوا کہ اب بہت وقت گزر گیا۔ ایک گھنٹہ ہو گیا ہوگا۔ اور اب تک اسے کسی نے کچھ نہ دیا۔ جیب سے پانچ روپے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھے اور کہا۔ لومیاں! تم خواجہ سے مانگ رہے تھے۔ بھلا خواجہ کیا دیں گے؟ لوہم دیتے ہیں۔

فقیر نے وہ روپے تو جیب میں رکھے اور ایک چکر لگا کے زور سے کہا: خواجہ! تورے بلہاری جاؤں۔ دلوائے بھی تو کس خبیث منکر سے۔ (ص ۴۴۔ المفلوظ۔ حصہ سوم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

بارگاہِ سلطان الہند معین المملۃ والدین حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ میں امام احمد رضا بریلوی کی حاضری بھی ہوا کرتی تھی۔

برہان ملت حضرت مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری (متوفی ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء) کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالسلام جبل پوری (متوفی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) نے امام احمد رضا بریلوی کے دوسرے سفر حج و زیارت (۱۳۳۳ھ/۱۹۰۵ء) سے واپسی کے وقت بمبئی میں سفر جبل پوری کی دعوت دی تو امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا کہ ابھی مجھے اجمیر شریف کی حاضری دینی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت مفتی برہان الحق جبل پوری لکھتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت نے بمبئی سے بریلی شریف کا قصد کیا۔ والد ماجد نے جبل پور تشریف لے جانے کے لیے عرض کیا۔ فرمایا! ابھی تو اجمیر شریف حاضری دیتا ہوں بریلی جاؤں گا۔ ان شاء اللہ پھر کبھی جبل پور آؤں گا۔ (ص ۸۲۔ اکرام امام احمد رضا۔ مرکزی مجلس رضا لاہور۔ ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء)

سفر اجمیر شریف کا ایک مستند واقعہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

علامہ نور احمد قادری (اسلام آباد، پاکستان) اپنے دادا حاجی عبدالنبی قادری رضوی (متوفی ۱۹۴۹ء در کراچی) کی زبانی سنا ہوا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ یہ راوی حاجی عبدالنبی امام احمد رضا بریلوی کے مرید تھے۔ اور یہ واقعہ امام احمد رضا بریلوی کے آخری ایام حیات کا ہے۔ علامہ نور احمد قادری لکھتے ہیں:

”ہوایوں تھا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری کی خانقاہ میں عرس غریب نواز کے موقعہ پر وعظ ہوا کرتا تھا اور اس وعظ کا اہتمام خود خانقاہ شریف کے ”دیوان“ صاحب کیا کرتے تھے۔ جس میں علما و فضلاء دور دور سے آکر وعظ سننے کے لیے شرکت کرتے۔ بعض دفعہ دکن کے حکمران نظام دکن میر محبوب علی خان اور میر عثمان علی خاں بھی اس وعظ میں شریک ہوتے رہے۔ اعلیٰ حضرت کا وعظ سننے کے لیے بے شمار خلقت وہاں ہوا کرتی۔

اس مرتبہ جب اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے اجمیر شریف عرس خواجہ غریب نواز میں حاضری کے لیے جانے لگے تو ان کے ہمراہ دس گیارہ ان کے مریدین بھی تھے۔ انھیں میں ایک راقم الحروف کے استاد محترم مولانا شاہ عبدالرحمن قادری جے پوری تھے، جو اعلیٰ حضرت کے شاگرد بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ اور دوسرے خود راقم الحروف کے دادا محترم حضرت حاجی عبدالنبی قادری تھے۔ بقیہ اور حضرات تھے۔ دہلی سے اجمیر شریف تک جانے کے لیے ”بی بی اینڈ سی آئی آر“ ریل چلا کرتی تھی۔ دوران سفر جب یہ ریل گاڑی ”پھلیرہ جنتشن“ پر پہنچی تو قریب قریب مغرب کا وقت ہو جاتا تھا۔ ”پھلیرہ“ اس دور کے ہند کا بہت بڑا ریلوے جنتشن ہوا کرتا تھا۔ جہاں سانجھ، جودھ پور اور بیکانیر سے آنے والی گاڑیوں کا بھی کراس ہوا کرتا تھا۔ ان تمام دوسری لائنوں سے آنے والے مسافر اجمیر شریف جانے کے لیے اسی میل گاڑی کو پکڑتے تھے اس لیے یہ میل گاڑی پھلیرہ اسٹیشن پر تقریباً چالیس منٹ

ٹھہرا کرتی تھی۔ خود راقم الحروف نے بھی پارٹیشن سے قبل کے دور میں اجمیر شریف حاضری دینے کے لیے اسی گاڑی سے کئی بار سفر کیا، اور پھلیرہ جٹکشن کا حال دیکھا۔ بہر کیف! جب اعلیٰ حضرت سفر کر رہے تھے تو پھلیرہ جٹکشن پر پہنچتے ہی مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے ساتھ والے مریدین سے فرمایا کہ نماز مغرب کے لیے جماعت پلیٹ فارم پر ہی کر لی جائے۔ چنانچہ چادریں بچھادی گئیں اور لوگوں میں سے جن کا وضو نہ تھا انھوں نے تازہ وضو کر لیا۔ اعلیٰ حضرت ہر وقت با وضو رہتے، چنانچہ انھوں نے فرمایا کہ میرا وضو ہے، اور امامت کے لیے آگے بڑھے۔ اور پھر فرمایا کہ آپ سب لوگ پورے اطمینان کے ساتھ نماز ادا کریں۔ ان شاء اللہ گاڑی ہرگز اس وقت تک نہ جائے گی جب تک کہ ہم لوگ نماز پورے طور سے ادا نہیں کر لیتے ہیں۔ آپ لوگ قطعاً اس بات کی فکر نہ کریں اور پوری یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کریں۔ یہ فرما کر اعلیٰ حضرت نے امامت کرتے ہوئے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ مغرب کے فرض کی جب ایک رکعت ختم کر چکے تو اک دم گاڑی نے وِسل (Whistle) دے دی۔ پلیٹ فارم پر دیگر بکھرے ہوئے مسافر تیزی کے ساتھ اپنی اپنی سیٹوں پر گاڑی میں سوار ہو گئے مگر آپ کے پیچھے نمازیوں کی یہ جماعت پورے استغراق کے ساتھ نماز میں اسی طرح برابر مشغول رہی۔ دوسری رکعت مغرب کے فرض کی ہو رہی تھی کہ گاڑی نے اب تیسری اور آخری وِسل بھی دے دی مگر ہوا کیا کہ ریل کا انجن آگے کو نہ سرکتا تھا۔ میل (Mail) گاڑی تھی کوئی معمولی پسیجر گاڑی نہ تھی۔ اس لیے ڈرائیور اور گارڈ سب پریشان ہو گئے کہ آخر یہ ہوا کیا کہ گاڑی آگے نہیں جاتی؟ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ انجن کو ٹیسٹ کرنے کے لئے ڈرائیور نے گاڑی کو پیچھے کی طرف ڈھکیلا تو گاڑی پیچھے کی سمت چلنے لگی، انجن بالکل ٹھیک تھا، مگر جب ڈرائیور اسی انجن کو آگے کی طرف ڈھکیلا تو انجن رک جاتا تھا۔

آخر اتنے میں اسٹیشن ماسٹر جو انگریز تھا اپنے کمرہ سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا اور اس نے ڈرائیور سے کہا کہ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر دیکھو۔ آیا چلتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر جب چلایا تو بخوبی پوری رفتار سے چلا۔ کوئی خرابی بھی اس میں نظر نہ آئی۔ مگر جب ریل کے ڈبوں کے ساتھ جوڑ کر اسی انجن کو چلایا گیا تو وہ پھر اسی طرح جام ہو گیا، اور ایک انج بھی آگے کو نہ چلا۔ ریل کا ڈرائیور اور سب لوگ بڑے حیران و پریشان کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے کہ انجن ریل کے ساتھ جڑ کر آگے کو نہیں جاتا؟ اسٹیشن ماسٹر نے گارڈ سے پوچھا جو نمازیوں کے قریب ہی کھڑا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ انجن الگ کر دو تو چلنے لگتا ہے اور ڈبوں کے ساتھ جوڑ دو تو بالکل پڑی پر جام ہو کر رہ جاتا ہے؟ وہ گارڈ مسلمان تھا۔ اس کے ذہن میں بات آگئی، اس نے اسٹیشن ماسٹر کو بتایا کہ سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بزرگ جو نماز پڑھا رہے ہیں کوئی بہت بڑے ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں، یقیناً اس کے علاوہ اور کوئی ٹیکنیکل وجہ نہیں۔ اب جب تک کہ یہ بزرگ اور ان کی جماعت نماز ادا نہیں کر لیتی یہ گاڑی مشکل ہے کہ چلے۔ یہ خداے تعالیٰ کی طرف سے ان ولی اللہ کی کرامت معلوم ہوتی ہے۔ بس اب ان کے نماز ادا کرنے تک تو انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ اسٹیشن ماسٹر کو یہ بات سمجھ میں آگئی اور وہ کہنے لگا کہ بلاشبہ یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ نمازیوں کی جماعت کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ نماز میں اعلیٰ حضرت کا اور ان کے مریدین کا اس قدر استغراق عبادت اور خشوع و خضوع کا یہ روح پرور منظر دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ انگریزی اس کی مادری زبان تھی مگر وہ اردو اور فارسی کا بھی ماہر تھا اور بے تکلف اردو میں کلام کرتا تھا۔ گارڈ کے ساتھ اس کی یہ ساری گفتگو اردو ہی میں تھی۔

غرض اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے سلام پھیرا اور باواز بلند درود شریف پڑھ کر دعا مانگنے میں مصروف ہو گئے۔ جب یہ دعا سے فارغ ہوئے تو آگے بڑھ کر نہایت ادب کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر (انگریز) نے اردو ہی میں عرض کیا کہ حضرت! ذرا

جلدی فرمائیں، یہ گاڑی آپ ہی کی مصروفیتِ عبادت کے سبب چل نہیں رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ بس ابھی نماز پڑھ کر ہم لوگ تھوڑی دیر میں فارغ ہوں گے اور ان شاء اللہ پھر گاڑی چلے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ نماز کا وقت ہے، کوئی بھی سچا مسلمان نماز قضا نہیں کر سکتا۔ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے۔ فرض کو کیسے چھوڑا جائے۔ گاڑی ان شاء اللہ نہیں جائے گی، جب تک ہم لوگ اطمینان کے ساتھ نماز ادا نہیں کر لیتے۔ اسٹیشن ماسٹر پر اسلام کی روحانی ہیبت طاری ہوگئی۔ اعلیٰ حضرت اور ان کے مریدین نے سکون کے ساتھ جب نماز پورے طور پر ادا کر لی اور دعا پڑھ کر فارغ ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے پاس ہی کھڑے ہوئے انگریز اسٹیشن ماسٹر سے فرمایا کہ ان شاء اللہ اب گاڑی چلے گی۔ ہم سب لوگ نماز سے فارغ ہو گئے ہیں۔ یہ کہا اور مع اپنے سب ہمراہیوں کے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی۔ اسٹیشن ماسٹر نے اپنے انداز میں سلام کیا اور آداب بجالایا۔ مگر اس واقعہ گرامت کا اس کے ذہن اور دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔

بہر کیف! گاڑی کے ساتھ اعلیٰ حضرت اور ان کے یہ چند مریدین تو اجمیر شریف روانہ ہو گئے مگر اسٹیشن ماسٹر سوچ میں پڑ گیا۔ رات بھر وہ اسی غور و فکر میں رہا، اس کو نیند نہ آئی۔ صبح اٹھا تو چارج اپنے ڈپٹی کے حوالہ کر کے اپنے افراد خاندان کے ساتھ حاضری کے لیے اجمیر شریف کو چل پڑا، تاکہ وہاں درگاہ خواجہ غریب نواز میں حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت کے دست مبارک پر اسلام قبول کرے۔ جب اجمیر شریف پہنچا تو دیکھا کہ درگاہ شریف کی شاہجہانی مسجد میں اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز وعظ ہو رہا ہے۔ وہ وعظ میں شریک ہوا۔ بیان سنا، اور جب وعظ ختم ہوا تو قریب پہنچ کر اس نے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ چوم لیے، اور عرض کیا کہ جب سے آپ پھلیرہ اسٹیشن سے ادھر روانہ ہوئے ہیں، میں اس قدر بے چین ہوں کہ مجھے سکون نہیں آتا۔ آخر اپنے افراد خاندان کے ہمراہ یہاں حاضر ہو گیا ہوں اور اب آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول

کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی یہ روحانی کرامت دیکھ کر مجھے اسلام کی آسانی صداقت کا یقین کامل ہو گیا ہے۔ اور مجھے پتہ چل گیا ہے کہ بس اسلام ہی خداے تعالیٰ کا سچا دین ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی نے ہزار ہا زائرین دربار خواجہ غریب نواز کے سامنے اس انگریز کو اور اس کے نو افراد خاندان کو وہیں کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا۔ اور خود اس کا اسلامی نام بھی غوث پاک کے نام پر عبدالقادر رکھا۔ اس کا انگریزی نام رابرٹ (Robert) تھا اور وہ رابرٹ صاحب کے نام سے مشہور تھا۔ آپ نے اس کو مسلمان کرنے کے بعد سلسلہ قادریہ میں اپنا مرید بھی کیا اور پھر ہدایت فرمائی کہ ہمیشہ اتباع سنت کا خیال رکھنا۔ نماز کسی وقت نہ چھوڑنا، نماز روزہ کی پابندی بہت ضروری ہے۔ اور جب موقع ملے تو حج یہ بھی ضرور جانا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور ہمیشہ خدمتِ دین کا خیال رکھنا اس لیے کہ اسلام کا پھیلانا بھی قرآن پاک نے ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ اپنے وطن بھی جب جاؤ تو وہاں بھی دین کو پھیلانے کی خدمت انجام دینا۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ اب خود بھی قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرو اور اپنے تمام افراد خاندان کو بھی قرآن پاک کی تعلیم دلاؤ۔ غرض آپ نے اسلام اس کے دل میں اتار دیا۔ اور اپنی عارفانہ جنبش نگاہ سے اس کے شیشہ دل کو عشقِ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عطر سے بھر کر اس کی روح کو مہکا دیا وہ اسلام کا شیدا و وارفتہ ہو گیا۔

اس انگریز کے اس قبول اسلام کا یہ واقعہ اس وقت کا ایک اہم واقعہ تھا، اس لیے کہ یہ انگریز کوئی معمولی درجہ کا انگریز نہ تھا بلکہ ایک ایسے گھرانے کا فرد تھا جس کے بہت سے افراد ہندوستان میں اور اسی طرح انگلستان میں مناصبِ جلیلہ پر فائز تھے۔ اہل علم اور باوقار لوگ تھے اور عیسائی مشن کی بڑی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ اس انگریز کے مع افراد خاندان مسلمان ہو جانے کے اس واقعہ سے عیسائی مشنریوں کے جرگہ میں ہل چل پڑ گئی۔ مذہب کے میدان میں ان کی بوئی ہوئی ساری سفید کپاس جل

گئی۔ یعنی گورے گھبرا گئے۔ ان کے پادری بوکھلا گئے۔ یہ کیا کم انقلابی واقعہ تھا۔ پھر اس نو مسلم انگریز نے جیسا کہ بزرگوں نے بتایا، زندگی بھر اسلام کی بڑی خدمت کی۔ وہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد ہندوستان سے وطن واپس لوٹ گیا، اور وہاں جا کر اسلام کی خدمت کے لیے وقف ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی روحانی کرامت اور عارفانہ جنبش نگاہ نے اس کی ساری کایا پلٹ دی۔ اسے آشنائے عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کر کے کام کا آدمی بنا دیا۔ منزل پر پہنچا دیا اور اس کو ملت اسلامیہ کا ایک مستحکم ستون بنا دیا۔ (ص ۱۵۷ تا ۱۶۱۔ سال نامہ معارف رضا کراچی۔ مطبوعہ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۳ء۔ از ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی)

اسی روحانی نسبت و تعلق کا ثمرہ تھا کہ جب امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی کا وصال ہوا تو ملک کے مختلف شہروں کی طرح سرکار اعظم اجمیر معلیٰ میں بھی اہتمام کے ساتھ آپ کی فاتحہ سوم کی تقریبات منعقد ہوئیں۔ چنانچہ حضرت سید غلام علی مرحوم و مغفور خادم درگاہ اجمیر شریف اسی سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”۲۵ صفر مطابق ۲۸ اکتوبر یوم جمعہ (۱۲۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کو بوقت شب سید حسین علی صاحب ولد سید صدیق علی صاحب وکیل جناب نواب صاحب بہادر والی ریاست جاوہرہ و خادم درگاہ معلیٰ سرکار اعظم اجمیر شریف کے نام ایک تار مرسلہ حضرت قبلہ مولانا مولوی شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب بریلی سے آیا۔ جس میں تحریر تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا وصال ہو گیا۔ اس حادثہ ہو شربا کو معلوم کر کے تمام مریدین و معتقدین کو جو اور جتنا رنج و الم ہوا اس کا حال تو عالم الغیب ہی خوب جانتا ہے۔“

اس حادثہ کی سب احباب کو اطلاع دی گئی اور سید حسین علی صاحب نے فاتحہ سوم کا انتظام کیا۔ اور اول بروز اتوار ۲۷ صفر کو آستانہ عالیہ حضور خواجہ خواجگاں سرکار اعظم خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے دروازہ جنوب واقع دالان نواب ارکاٹ

بعد نماز صبح قرآن خوانی ہوئی۔ جس میں چند صاحب زادگان و چند مدرسین اور طلباے مدرسہ معینیہ عثمانیہ و مدرسین معینیہ اسلامیہ ہائی اسکول شریک رہے۔ اس کے بعد ڈھائی بجے موافق قاعدہ صاحبزادگان درگاہ معلیٰ ختم فاتحہ سوم کے واسطے شرقی دروازہ صحن درگاہ معلیٰ میں آ کر ختم کیا گیا۔

اس وقت علاوہ صاحبان مذکور کے حضرت جناب میر سید نثار احمد صاحب قبلہ متولی درگاہ اور چند اشخاص مدرسہ حنفیہ صوفیہ ویتائی اجمیر شریف بہ تعداد کثیر شریک تھے۔ بعد ختم تبرک تقسیم ہوا۔ اور اس طرح اعلیٰ حضرت مجدد مآۃ حاضرہ مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فاتحہ سوم سرکار اعظم اجمیر شریف میں کی گئی۔

(دبدبہ سکندری رام پور۔ مؤرخہ ۷ نومبر ۱۹۲۱ء)

## خانوادہ برکاتیہ مارہرہ شریف (ایک تعارف)

ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی بدایونی  
شعبہ جغرافیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

قدیم صوبہ متحدہ کے دارالسلطنت اکبر آباد سے ملحق ضلع ایٹھ کے مغربی حصے میں واقع صوفیائے کرام کی مشہور و معروف بستی مارہرہ شریف یعنی حضرت سید شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے پریم میں ڈوبی ہوئی پریم نگری میں وہ عظیم الشان درگاہ بے کس پناہ برکاتیہ ہے جہاں بڑے بڑوں نے اپنے سر عقیدت خم کئے، جس کو اپنے دور کے اساطین طریقت نے اپنا مرکز عقیدت بنایا۔ جہاں سے نہ جانے کتنے تشنگان معرفت جام طریقت پی کر راہ ہدایت پا گئے۔ یہ خانقاہ شریف آج بھی برصغیر ہند میں لاکھوں عوام اور سیکڑوں علما و مشائخ کا مرکز عقیدت ہے۔

یہ درگاہ شریف، درگاہ شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے نام نامی سے موسوم ہے اور سواد اعظم اہل سنت و جماعت کا کوئی ذی علم شخص ایسا نہیں جو اس درگاہ اور درگاہ سے وابستہ خانقاہ کے مشائخ کی دینی، علمی اور ملی خدمات کا معترف نہ ہو۔ ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ برصغیر ہند و پاک میں قادر یہ سلسلہ کی یہ سب سے بڑی خانقاہ ہے وہ اس لئے کہ سلسلہ قادر یہ کا اجرا یہاں کے مرشدان کرام کے علاوہ یہاں کے خلفائے عظام کے ہاتھوں سب سے زیادہ عمل میں آیا۔

اس خانوادہ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ امام سلسلہ قادر یہ غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے بشارت فرمائی کہ اس خانوادہ برکات میں سات قطب پیدا ہوں گے اور اپنی تسبیح کے سات دانے حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ بچھوا کر اس پر مہر تصدیق لگائی۔

عہد شاہجہانی کے مشہور و معروف صوفی شاعر صاحب البرکات سلطان العاشقین حضرت سید شاہ برکت اللہ عشقی و پیہی مارہروی کی اس درگاہ میں اپنے اپنے دور کے وہ جید مشائخ آرام فرما رہے ہیں جن کی ایک نگاہ التفات نے عام انسانوں کو خاص لوگوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔

خانوادہ برکاتیہ کے اکابر کی ہندوستان آمد و تاریخی پس منظر کو مورخ خاندان برکات حضرت تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”ہمارا نسب بواسطہ حضرت زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ بادشاہان ظالم کے ظلم سے ہمارے دادا سید علی عراقی رحمۃ اللہ علیہ ترک وطن فرما کر قریہ واسط میں جو ما بین عراق عرب و عراق عجم کے ہے، تشریف لا کر قیام پذیر ہوئے۔ جد سادات مارہرہ و بلگرام حضرت سید محمد صغریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسب ایمائے سلطان شمس الدین التمش راجا بلگرام (سری نگر) سے جہاد فرمایا۔ اور ۶۱۴ھ میں فتح پائی اس کی خوشی میں سلطان نے بلگرام آپ کو جاگیر میں دے دیا۔ حضرت نے اس کا نام سری نگر سے بدل کر بلگرام رکھا اور وہاں شعائر و مراسم اسلام کو رواج دیا۔ تا زمانہ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ سبھی افراد خانوادہ بلگرام میں سکونت پذیر رہے۔ حضرت میر عبدالواحد قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ عبدالجلیل قدس سرہ (۹۷۲ھ - ۱۰۵۷ھ) عہد جہانگیر میں ۱۰۱۷ھ میں



مارہرہ تشریف لائے اور اس وقت سے اب تک حضرت کی اولاد مارہرہ شریف میں مقیم ہے۔

خانقاہ برکاتیہ کے مشائخ کرام تمام سلاسل طریقت کی اجازت و خلافت عطا فرماتے ہیں۔ راقم الحروف صرف سلسلہ قادریہ قدیمہ اور سلسلہ چشتیہ قدیمہ (آبائی) کے شجرہائے طریقت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ خانوادہ برکات کا سلسلہ چشتیہ کا شجرہ ذیل میں پیش ہے۔

### شجرہ سلسلہ قادریہ قدیمہ (آبائی)

شاہ برکت اللہ، میر سید اولیس، شاہ عبدالجلیل، میر عبدالواحد، شاہ حسین، شاہ صفی، مخدوم سعد بدھن، شیخ محمد مینا لکھنوی، سید راجو مخدوم جہانیاں، شیخ نور الدین علی، شیخ مجذوب صالح، شیخ کمال الدین کونی، شیخ سعد الدین ابو الفتوح بغدادی، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ احمد اسود دینوری، شیخ ممشاد دینوری، شیخ ابو العباس نہاوندی، شیخ عبداللہ خفیف، شیخ جنید بغدادی، شیخ سری سقطی، شیخ معروف کرنی، شیخ داؤد طائی، شیخ حبیب عجمی، خواجہ حسن بصری، سیدنا مرتضیٰ علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

### شجرہ سلسلہ چشتیہ قدیمہ

سید شاہ برکت اللہ، میر سید اولیس، شاہ عبدالجلیل، میر عبدالواحد، شاہ حسین، شاہ صفی، مخدوم سعد الدین بدھن، مخدوم شاہ محمد مینا، شیخ سارنگ سید راجو مخدوم

جہانیاں، خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، حضرت نظام الدین اولیاء، بابا فرید الدین گنج شکر، خواجہ بختیار الدین اوشی کاکی، خواجہ خواجگاں، حضرت معین الدین چشتی، خواجہ عثمان ہارونی، حاجی شریف زندگی، حضرت مودود چشتی، خواجہ ناصر الدین ابو یوسف، خواجہ محمد بن احمد، خواجہ ابو احمد ابدال، خواجہ ابواسحاق شامی، خواجہ ممشاد علود دینوری، خواجہ ہبیرہ بصری، حضرت حذیفہ معشی، حضرت ابراہیم ادہم، خواجہ فضیل عیاض، خواجہ عبد الواحد زید، خواجہ حسن بصری، امیر المؤمنین حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام سلسلہ برکاتیہ شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے اوپر سرکار غوثیت مآب کے عشق کا غلبہ تھا اور اسی کے زیر اثر حضور صاحب البرکات قدس سرہ، سرکار کالپی حضرت سید شاہ میر فضل اللہ کالپی قدس سرہ العزیز کے پاس حاضر ہوئے۔ سرکار کالپی نے حضور صاحب البرکات کو گلے لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا ”دریابہ دریا پیوست“ اور تمام سلاسل عالیہ قادریہ کی خلافت اور اجازت سے سرفراز فرمایا اور یہیں سے اس خانوادہ عالی شان میں سلسلہ قادریہ جدیدہ کا اجرا عمل میں آیا۔ حضور صاحب البرکات کے دو صاحبزادے ہوئے۔ سرکار کلاں حضرت سید شاہ آل محمد صاحب (۱۱۱۱ھ-۱۱۶۴ھ) و سرکار خورد حضرت سید شاہ نجات اللہ قدس سرہما۔ سرکار کلاں حضرت سید شاہ آل محمد صاحب ہی کی نسبت سے یہ خانقاہ شریف بڑی سرکار کہی جاتی ہے۔

حضور غوث پاک کی بشارت سے جن اقطاب کی نشاندہی کی گئی ان کے اسمائے گرامی ذیل میں پیش ہیں:

- (۱) حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی (۲) حضرت سید شاہ آل محمد مارہروی (۳) حضرت سید شاہ حمزہ عینی مارہروی (۴) حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی (۵) حضرت سید شاہ سترے میاں مارہروی (۶) حضرت سید شاہ آل رسول احمدی (۷) حضرت سید شاہ مہدی حسن صاحب (۸) حضرت سید شاہ

ابوالحسین احمد نوری قدس سرہم۔ ان اقطاب کے علاوہ جن مشائخ مارہرہ نے اس سرزمین سے شریعت و طریقت، تصوف و معرفت اور خدمت خلق کے جام عالم اسلام میں تقسیم کیے ان کے نام ذیل میں پیش ہیں:

(۱) برکات ثانی حضرت سید شاہ حقانی (۲) حضرت سید شاہ اولاد رسول (۳) حضرت سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم (۴) حضرت سید شاہ محمد صادق (۵) حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں (۶) حضرت سید شاہ مہدی حسن صاحب (۷) حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی (۸) حضرت سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں مارہروی (۹) حضرت احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں مارہروی (۱۰) وارث پنجتن حضرت سید شاہ بچی حسن میاں (۱۱) سید ملت حضرت سید آل رسول حسنین میاں نظمی قدس سرہم۔

خانقاہ برکاتیہ کی شناخت کرانے کے لیے ہمارے اسلاف کرام قدس سرہم نے الحمد للہ، بہت علمی اور روحانی اثاثہ چھوڑا ہے اور اس خاندانی ورثے سے استفادہ کر کے ان کے اخلاف اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی میں کوشاں ہیں۔ مارہرہ شریف کی یہ خانقاہ ہر دور میں اپنی روحانی اقدار کی بنیاد پر پہچانی گئی، مارہرہ اپنی علمی توانائی کی بنیاد پر پہچانا گیا۔ حضرت سید میر عبد الواحد بلگرامی سے قبل کے بزرگوں کا ذکر کرنا اگر شروع کریں تو تعارف کتابچہ کی شکل اختیار کر لے گا۔ لہذا بات صاحب سبع سنابل مجدد عصر حضرت سیدنا میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ السامی سے شروع کرتے ہیں جنہوں نے مسلک اور مشرب دونوں کے تحفظ کے لیے سبع سنابل میں وہ نسخہ تجویز کیا جس سے ایمان کو تازگی اور عقیدہ کو بالیدگی حاصل ہوئی۔ پھر اس قبیلے کے عظیم فرزند حضرت میر سید عبد الجلیل بلگرامی بلگرام سے ہجرت کر کے مارہرہ کی سرزمین پر تشریف لائے، جنہوں نے صدق و صفا کی بساط بچھائی اور گم گشتگان راہ کو ایمانی راحیں اور قلب کو روحانی مسرتیں عطا فرمائیں۔ زمانہ شاہد ہے کہ سرکار عبد الجلیل کے فیضان

سے راہزنوں کا مارہرہ راہبروں کا مارہرہ ہو گیا، صوفیوں اور عالموں کا مارہرہ ہو گیا۔ انہیں میر سید عبد الجلیل کے گھر سے علم و آگہی اور رویشی کی ایک کرن پھوٹی جسے زمانے نے صاحب البرکات کہہ کر پکارا جو مملکت روحانیت کا تاجدار اور عشق و محبت کا علم بردار تھا۔ اسی نے پیغمبر برکات نگری کو روحانیت کا منبع بنا دیا۔ روحانیت ایسی کہ ہر خواص و عام ان کے آستانے پر جین عقیدت خم کرتا ہوا نظر آیا۔ صاحب البرکات کی وہ شان ولایت تھی کہ ہر خاص و عام اس کی کشش میں کھچ آئیں اور بڑے بڑے سلاطین وطن باریابی کی اجازت چاہیں اور باریابی نہ ملے۔ صاحب البرکات جب پیغمبر پرکاش کا الگھ جگالیں تو عشق و محبت کے رموز و اسرار منکشف ہو جائیں۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں کو مملکت سلوک، فقر و درویشی زیور سے آراستہ و پیراستہ فرما کر منصب ولایت پر فائز کر دیں۔ قلم اٹھالیں تو محققین عصر کہنے لگیں کہ اگر شاہ برکت اللہ کی شعری کاوشوں کو تاریخ اردو ادب میں شامل و شمار نہ کیا جائے تو زبان و ادب کے مقدمے نامکمل رہ جائیں، استاذ محققین شاہ آل محمد جب مصلے پر بیٹھ جائیں تو عبادت و ریاضت کے معیار آپ کی عبادت و ریاضت سے طے کیے جانے لگیں، برکات ثانی شاہ حقانی جب ترجمہ اور تفسیر کے میدان میں آئیں تو مفسرین زمانہ انگشت بندناں ہو جائیں۔ اسدا العارفین شاہ حمزہ کی سیف یمانی جو بے نیام ہو تو عدو مقابل ہونے سے تھر تھرائے۔ ان کی کاشف الاستار شریف جب منکشف ہونے پہ آئے تو علوم و فنون کے دریا رواں دواں ہونے لگیں۔ شمس مارہرہ حضور سید شاہ آل احمد اچھے میاں صاحب جب منصب نیابت غوثیت پر جلوہ گاہوں تو قادریت ان پر ناز کرے۔ خود غوث اعظم اپنے شہزادے کو اپنے لاڈلے مرید اور عاشق کی آغوش تربیت میں روانہ فرمادیں، زمانہ گواہ ہے جب اچھے میاں مارہرہ میں موجود تھے تب اچھے سے اچھا اس بارگاہ میں آکر اچھا بننے کا طالب نظر آتا تھا۔ وہیں حضور اچھے میاں جب علم و فن کو مرتب کرنے کا ارادہ کریں تو ۳۲ جلدوں پر مبنی ”آئین احمدی“

جیسا مختلف علوم و فنون کا انسائیکلو پیڈیا زمانے کو عطا فرمادیں۔ شمس مارہرہ کی ولایت مارہرہ کی گلیوں تک محدود نہ تھی بلکہ چہاردا نگ عالم میں شمس دین و ملت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ سراج الحدیث شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے شہر یار علم و حکمت شمس مارہرہ کی جانب نہ صرف عقیدت اور محبت کے جذبے سے دیکھتے تھے، بلکہ شمس مارہرہ اور ان کے خانوادے کے علم و فضل کا اعتراف بھی فرماتے تھے۔ کبھی حضرت شاہ نیاز بریلوی قدس سرہ قادریت کے اس دریا سے سیراب ہونے کے لیے نیاز مندی کے ساتھ ملتفت ہوتے رہتے تھے۔ شمس مارہرہ کا گھر ان کے علم و عمل کی روشنی سے ایسا جگمگا رہا تھا کہ علمائے بدایوں نے ایک ہی دفعہ میں اس آفتاب شریعت و طریقت کی روشنی دیکھ کر اپنی صبح و شام مارہرہ کے نام کر دی۔ اللہ اللہ!! وہ آل احمد کی نظر عنایت کہ بدایوں کو اپنی جاگیر کہہ دیں تو اس شہر علم و ادب و روحانیت کی قسمت چمک اٹھے۔ اپنے خلیفہ خاص افضل العابد حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید عثمانی بدایونی قدس سرہ پر ایسی نگاہ التفات فرمائی کہ ان کے ”مولوی“ کی چوٹ علم و فضل کا گہوارہ بن گئی۔ اچھے میاں نے شاہ عین الحق کو اپنا ”مولوی“ کیا کہا کہ پورا محلہ ہی ”مولوی محلہ“ ہو گیا۔ کسی کے ہاتھ میں سیف الجبار دی تو کسی کے سر پر علم و فہم وآگہی کا تاج رکھ دیا، کسی کو صاحب اقتدار کیا، کسی مفتی کو نابغہ روزگار کیا۔ یہ ہے مارہرہ کا فیضان جسے دیکھ کر ہر بدایونی یہی پکارتا نظر آیا۔

بڑی سرکار ہے سرکاروں میں سرکار مارہرہ

انہیں آل احمد کے لخت جگر، نور نظر، خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی جب مسند آل احمدیہ پر جلوہ گن ہوئے تو زمانہ شاہد ہے کہ دنیائے سنیت کو ایک ایسا نایاب تحفہ دیا جو آل رسولی فیض پا کر نہ صرف خود اعلیٰ ہوا بلکہ پوری جماعت کو اعلیٰ نظریات و افکار سے آشنا کر دیا۔ جب دودمان نبوت کے اس فرزند جلیل نے اس ۲۲ سالہ نوجوان کے ہاتھ میں غوث اعظم کی امانت سپرد کی تو وہی نوجوان مجدد مآثر حاضرہ

اور اعلیٰ حضرت جیسے القاب کا حامل اور آفاقی شہرتوں کا مالک ہوتا نظر آیا اور جب انہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے سوال کرو کہ اے فقیہ العصر، محدث دوراں آپ علم وآگہی اور فکر و فن کی دولت کہاں سے لائے؟ تو ان کی عقیدت اور وابستگی یوں پکارا تھتی ہے:

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا  
بول بالے مری سرکاروں کے



تری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا  
تو ہے عین نور تیرا سب گھرا نا نور کا

یہی وہ آل رسول احمدی ہیں کہ جن کے علم و فضل کا شہرہ گنگا کی وادیوں سے نکل کر جمنا کی آغوش تک پہنچا تو سرکار مخدوم سمنان رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر شہزادے سید شاہ علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ محبت آل رسول کی ڈور میں کھنچے چلے آتے ہیں اور ”خاتم الخلفاء“ کے لقب سے نوازے گئے۔

تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ خانقاہ برکاتیہ کے دامن میں وہ لعل و گوہر ہیں کہ زمانے میں جن کی مثال عنقا ہے۔ برکاتی کارخانہ سلوک و معرفت کل بھی متحرک و فعال تھا اور آج بھی طالبان شریعت و طریقت کے لیے ہمہ وقت کھلا ہوا ہے۔ اسی کارخانہ روحانیت و نورانیت سے اس حسینی اور بتولی بقعہ نور کا ظہور ہوا۔ جس کا نام بھی نوری اور کردار و اطوار بھی نورانیت کا منبع یعنی نور العارفین خاتم اکابر ہند سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری۔ یہ وہ احمد نوری ہیں جو عارفوں کے قلب کا سرور اور عابدوں کی آنکھوں کے نور ہے۔

الحمد للہ! اس ذات نوری کے سامنے اپنے وقت کے جید علما محدثین و محققین

محض نسبت کی بنیاد پر سر عقیدت خم نہیں کرتے ہیں بلکہ علیت کی بنیاد پر، شریعت و طریقت کی پاس داری کی بنیاد پر وہ ذات مرجع خلاق بنتی ہوئی نظر آتی ہے۔ سرکار نور کبھی تعویذ نگاری کو مستقل فن کی شکل دے رہے ہیں تو کبھی تشنگان معرفت کو صہبائے قادریت و چشتیت پلارے ہیں، طالبان سلوک کو بقا باللہ اور فنا فی اللہ کے رموز و اسرار سے آشنا کروا رہے ہیں تو کبھی راہ سلوک میں ذکر اثبات و نفی سے تاریک دلوں کے طاقوں کو روشن کر رہے ہیں۔ وہی تاجدار طریقت جب قلم اٹھاتا ہے تو سلوک و تصوف کا دستور مرتب کر دیتا ہے۔ تشنگان معرفت کے دلوں کی تاریکیوں کو دور کرنے کے لیے ”سراج العوارف فی الوصایا و المعارف“ عطا فرماتا ہے۔ یہ وہ درس گاہ نوری تھی جہاں اپنے وقت کے مجدد و محدث زانوئے ادب تہہ کیے ہوئے علم جفر سیکھ رہے ہیں اور جب ان کو اس ذات نوری کا عرفان ہوتا ہے تب حقیقی اعتراف کے ساتھ پکاراٹھتے ہیں:

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین  
سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابوالحسین

یہ وہی ذات نوری ہے جو امام احمد رضا فاضل بریلوی کے چھ ماہ کے صاحب زادے منہ میں انگشت ڈال دیں تو وہ صاحبزادے ولایت و بزرگی کے غماز ہو جائیں۔ ایسا مفتی اعظم و عالم اسلام بن جاتا ہے کہ لاکھوں لاکھ بندگان خدا اس توحید و معرفت کے جام پیتے نظر آتے ہیں، اس دور کا کوئی ایسا بڑا عالم و فاضل نہیں جو سرکار نور کی اس نوری کرامت سے فیض یاب نہیں۔ جب اس نوری مرید اور خلیفہ سے پوچھو کہ یہ دولت کہاں سے لائے تو جواب یوں ملتا ہے۔

فقط نسبت کا نوری ہوں حقیقی نوری بن جاؤں

جو دیکھے مجھ کو تو یہ کہہ اٹھے نوری میاں تم ہو

تاریخ شاہد ہے خانقاہ برکاتیہ نے تصوف و سلوک کے پیغام کو عام کرنے

کے ساتھ ساتھ معاشرتی ترقی، سماجی بہبود اور ملت و جماعت کی شیرازہ بندی کے لیے بھی بڑے احسن انداز میں سعی جمیل کی ہے۔ یہ بات بھی مسلم ہے کہ مارہرہ کے مشائخ نے دین کے معاملے میں کسی سے سمجھوتہ نہ کیا اور نہ کبھی شریعت و طریقت کے پیمانے سے تجاوز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ان کی اولادوں کو لوگ اعتماد کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

مجدد برکاتیت حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن المعروف بہ شاہ جی میاں قدس سرہ اور ان کے خلف و جانشین حضرت تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہ نے علمی، ادبی، روحانی، سماجی، ملی و سیاسی سطح پر خانقاہ کے موقف کو ظاہر فرماتے ہوئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان حضرات کرام نے علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت، مذہب و مسلک میں تصلب اور استقامت فی الدین کو مقدم رکھتے ہوئے خانقاہ برکاتیہ کے مشائخ کے پیغام کو آگے بڑھایا۔ خانقاہی نظام کو استقلال کے ساتھ نہ صرف رائج کیا بلکہ اس میں خوش گوار اضافے فرمائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ جی میاں قدس سرہ کے دور کو خانقاہ برکاتیہ کا نشاۃ ثانیہ تصور کرتے ہیں اور حضرت کی ذات کو مجدد برکاتیت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت شاہ جی میاں اور حضرت تاج العلماء قدس سرہما نے مراسم دیرینہ کو زندہ و جاوید رکھنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے۔ حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے اپنے والد ماجد کی سرپرستی میں خانقاہ برکاتیہ میں بڑے زرین اصول و ضوابط قائم کیے۔ شریعت مطہرہ کی پابندی کو لازمی امر جانتے ہوئے اس کا نفاذ فرمایا، بہت استقلال کے ساتھ علم کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے لوگوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی، کتب خانے کا قائم کیے، مفید دینی کتب جمع کیں، رسائل اور جرائد شائع کیے۔ ان کے دونوں تربیت یافتہ ہمیشہ زادے سید العلماء و احسن العلماء خانقاہ شریف میں دینی تعلیم کے فروغ کے لیے سنجیدہ کوششیں فرماتے رہے، اس دور کے مقتدر علمائے

دین حضرت تاج العلماء کے زیر تربیت رہے اور خانقاہ شریف سے مذہب و مسلک کی خدمات انجام دیتے رہے۔ تاج العلماء ایسے ہی تاج العلماء نہیں کہلائے بلکہ علم و عمل، سلوک و تقویٰ کے ساتھ تاریخ خاندان برکات، اصح التوارخ، خیر الکلام فی مسائل الصیام، انسداد قربانی، التحقیقات الشرعیہ، فضائل رمضان، البرہان القوی علی عدم جواز التراویح خلف الصبح، مجموعہ فتاویٰ وغیرہ جیسی متعدد کتب تصنیف فرما کر اہل خاندان اور وابستگان کو دین پر چلنے اور دین سمجھنے کا سلیقہ عطا کیا۔ آج وہی کاوشیں اس دور میں خانقاہ برکاتیہ کو دوسری خانقاہوں کے مابین ممتاز کرتی ہیں۔

کبھی کبھی یہ سوال بھی سامنے آجاتا ہے کہ خانوادہ برکات کی وہ کیا خدمات ہیں جو جماعت اہل سنت کے لیے ماضی و حال میں باعث افتخار ہوں؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ آج تو الحمد للہ خانقاہیں اور مدارس بہت ہی اطمینان بخش حالات میں ہیں۔ مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں کے لیے ہر سمت سے دست تعاون دراز ہے۔ قوم میں وہ زبوں حالی نہیں ہے جو ماضی میں رہ چکی ہے۔ لیکن آزادی سے قبل جب معاملات اتنے منظم نہ تھے، ملک کا سیاسی نظام کروٹیں بدل رہا تھا۔ اس دور کی سیاست مسلمانوں کو صحیح راستے سے الگ کرنے کے لیے اپنے کہلانے والوں ہی کے ذریعہ گمراہی کے دلدل میں پھینکوا رہی تھی۔ ان حالات میں بھی سادات مارہرہ اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ جماعت کو ایک معتدل موقف دے رہے تھے۔ کیا ہماری جماعت حضور سید العلماء مارہروی کی اس قربانی کو فراموش کر سکتی ہے کہ وہ اپنی خانقاہ اور حلقہ مریدین چھوڑ کر جماعت کی شیرازہ بندی کی خاطر ممبئی کی ایک مسجد کی امامت کو فوقیت دے رہے ہیں۔ حضرت سید العلماء کی محنت رنگ لائی، پورے اہل سنت و جماعت کو آپ ایک پلیٹ فارم پر لے آئے، آل انڈیائی جمعیت العلماء کا قیام عمل میں آیا۔ نتیجتاً جماعت اہل سنت کا قد اونچا ہوا، ہمیں ایک نئی شناخت حاصل ہوئی۔ حکومت کے ایوان ملت اسلامیہ کے سلسلے میں

فیصلہ لینے سے پہلے سید مارہرہ کے موقف کی طرف ضرور دیکھتے تھے، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ ان کا تنہا موقف نہیں ہے بلکہ تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں۔ لہذا وہی ہوتا اور وہی مانا جاتا تھا جو سید العلماء چاہتے تھے۔ دو چار معاملات نہیں بلکہ آزادی کے بعد جتنے بھی مسائل ہماری قوم کے سامنے آئے اُن کے حل کے لیے حضرت اسماعیل حسن شاہ جی میاں قدس سرہ سے لے کر آج تک خادمان صاحب البرکات استقامت دین اور مذہب و مسلک میں تصلب کے ساتھ مخلص خدمات انجام دیتے نظر آئے۔ تحریک آزادی، تقسیم ہند کے معاملات، مسلم لیگ کی قیادت کا معاملہ، ترک موالات، خلافت موومینٹ، فرق باطلہ کا ردِ بلیغ، تحفظ ناموس رسالت کی مہم، قاضی بل، مسلم پرسنل لا، شاہ بانو کیس یا بابری مسجد کا تحفظ، ہر ایک مسئلے پر خانقاہ برکاتیہ کا اپنا ایک الگ موقف رہا، اپنی طرف سے ان تمام معاملات پر خانوادہ برکات نے مفید اقدامات کیے، رب تعالیٰ نے دست گیری کی اور کامیابی سے سرفراز فرمایا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

ممبئی کی سرزمین پر آج جو دین و سنیت کا پرچم لہرا رہا ہے وہ حضور سید العلماء کی مسلسل کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ آج ہندوستان کے طول و عرض میں جو مدارس اسلامیہ کثیر تعداد میں نظر آتے ہیں ان میں سید العلماء اور احسن العلماء قدس سرہما کی مشترکہ کاوشوں کا اہم کردار ہے۔ ایک بھائی نے خانقاہ سے باہر رہ کر ملت اور جماعت سازی کا کام کیا۔ تو دوسرے بھائی یعنی حضور احسن العلماء قدس سرہ نے بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ خانقاہی نظام کے تحفظ میں امتیازی کردار نبھایا۔ انہوں نے قدیم اور جدید اقدار میں ٹکراؤ نہیں ہونے دیا، بلکہ اپنے متوسلین کو نہایت متوازن اور مفید خانقاہی و مذہبی اقدار و روایات سے روشناس کرایا، جو موجودہ زمانے کے حساب سے بالکل درست اور فائدے مند ہیں۔ حضور احسن العلماء قدس سرہ نے زندگی میں دو چیزوں کو بہت مرغوب رکھا علم اور عالم۔ علم کی ترویج کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے اور علما کی خود بھی

توقیر کرتے رہے اور اپنے عمل سے دوسروں کو ان نائین رسول کی توقیر و تعظیم کا درس دیتے رہے۔ حضور احسن العلماء کے دور میں اگر کہیں بھی اور کسی بھی سنی پلیٹ فارم سے کسی علمی کام کی شروعات ہوتی تو حضرت والا اس علمی کام میں بڑے احسن طریقے سے تعاون فرماتے۔ آج ان کے لائق و فائق فرزند ان گرامی جن اعلیٰ منصب پر فائز ہیں اور اپنی ملی خدمات کے حوالے سے ممتاز ہیں وہ انہیں کی دکھائی ہوئی راہ ہے۔ انہیں علم کی دولت دلوائی، اس نصیحت کے ساتھ کہ پیری و مریدی کو کاروبار نہ بنانا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ یہ فرزند ان گرامی اپنے والد ماجد کی نصیحت پر قائم ہیں اور رہیں گے۔ نہ جانے کتنے مدارس، دارالعلوم اور عصری علوم کے ادارے وہ ہیں جو ان کی نگاہ خاص سے مستفیض تھے اور آج ان کی دعاؤں سے معروف ہیں۔ موجودہ صاحب سجادہ حضور امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں صاحب کی سرپرستی میں آج علم و فن کا جو گلستاں علی گڑھ میں ”جامعہ البرکات“ کے نام سے مہک رہا ہے وہ بھی حضور احسن العلماء قدس سرہ کا ایک خواب تھا، جو ان کے لائق صاحبزادگان نے بفضلہ تعالیٰ پورا کیا۔ وہ علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ قوم کو عصری علوم کے حوالے سے بھی بہت مضبوط اور مستقبل میں باوقار اور باعظمت مقام پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی طاہری حیات میں اور اب بھی ان کی ذات مرجع علما و مشائخ اور مقبول عوام و خواص ہے۔ جب بھی سواد عظیم اہل سنت میں کوئی تنازعہ یا اور کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو علمائے کرام کی مرکز توجہ حضور احسن العلماء کی ذات ہوا کرتی تھی اور جب کبھی ایسا ہوا تب انہوں نے اپنے فہم و تدبر سے جماعت کی بڑے احسن طریقے سے رہنمائی فرمائی۔

انہوں نے اپنے اہل خاندان اور متوسلین کو دین کے اُن تمام اقدار سے روشناس کرایا جو ایک اچھے کردار کی نشوونما کرتی ہیں اور پھر عصری علوم کی طرف بھیجاتا کہ دنیا میں کامیابی حاصل ہو اور دوسروں کو ہماری ذات سے فائدہ

پہنچے۔ یہ وہ خصائص ہیں جنہوں نے ان کی ذات کو نہ صرف ممتاز و نمایاں کیا بلکہ اسی بنیاد پر ان سے ملنے اور برتنے والے لوگ ان کو اور ان کی خانقاہ کو اپنے عہد کے مشائخ اور خانقاہوں کی آبرو تصور کرنے لگے۔

ہمارے بزرگ علم دوست اور علم والوں کی توقیر کرنے والے تھے۔ یہاں کے تمام مشائخ صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ جنہوں نے اپنے رشحات قلم سے صحافت اسلامی کو مالا مال کیا۔ اگر ان حضرات کی قلمی نگارشات کو شمار کیا جائے تو ۲۵۰ سے زائد کتابیں مشائخ مارہرہ نے تصنیف فرمائی ہوں گی۔ حضرت رفیق ملت سجادہ نشین آستانہ عالیہ برکاتیہ نے اپنے برادران معظم کی زیر سرپرستی ایک نعرہ بلند کیا۔ ”آدھی روٹی کھائیے۔ بچوں کو پڑھائیے“۔ اس نعرے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ اور ان کے برادران معظم بہت سنجیدہ کوششیں کر رہے ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں صاحب سجادہ حضرت امین ملت کی زیر صدارت البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کا علی گڑھ میں قیام کر کے ۱۲۵/ بیگھ زمین پر عصری علوم کا ادارہ جامعہ البرکات کھولا گیا۔ آج الحمد للہ طلبہ و طالبات کے لئے مع ہاسٹل کی سہولت کے ایک عمدہ CBSE اسکول، ایم. بی. اے۔ انسٹی ٹیوٹ، بی. ایڈ انسٹی ٹیوٹ، بی. بی. اے اور بی. سی. اے کالج، البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، غریب بچوں کے لئے ایک البرکات آفٹرنون اسکول کھولا گیا ہے۔ (جس میں کتابیں و ڈریس سب بنا کسی رقم کے حصول کے مہیا کرائی جاتی ہیں)۔ قوم کے کم تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے ابھی البرکات کمیونٹی کالج بنایا ہے جس میں Professional Courses شروع ہو چکے ہیں۔ مارہرہ شریف کیب حضرت رفیق ملت کی زیر صدارت مارہرہ ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے زیر اہتمام مارہرہ شریف میں ایک عمدہ CBSE Affiliated مارہرہ پبلک اسکول کھولا۔ جو قصبے کے اطراف و جوانب کے لوگوں کو علم سے فیض یاب کر رہا ہے۔ ممبئی اور سورت میں البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر سرپرستی دو عمدہ اسکول چل رہے

ہیں۔ دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے لئے مدرسہ قاسم البرکات (قدیم) و جامعہ احسن البرکات قائم کیا تاکہ باوقار علمائے کرام یہاں سے فارغ ہو کر دین کی خدمت انجام دیں۔ حضرت صاحب سجادہ امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں صاحب قبلہ (پروفیسر و سابق صدر شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) اور ان کے برادران گرامی حضرت سید محمد اشرف صاحب جو Indian Revenue Service میں Chief Income Tax Commissioner ہیں اور دوسرے برادر جناب سید محمد افضل صاحب جو مدھیہ پردیش میں Additional Director General of Police ہیں اور حضرت رفیق ملت سید شاہ نجیب حیدر نوری، سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ ملک گیر پیمانے پر تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، الحمد للہ۔ خانقاہ برکاتیہ کی جانب سے متعدد رفاہی کام اور اجتماعی شادیوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ عوام کے لیے Medical Camps وغیرہ لگائے جاتے ہیں۔ مالی طور سے کمزور طلبہ کی مالی امداد کی جاتی ہیں۔ رب العزت خانقاہ برکاتیہ کے فیض کو چہار دانگ عالم میں عام فرمائے اور امت مسلمہ کو اس روحانی مرکز سے اصلاح اور تربیت کے جام صبح قیامت تک ملتے رہیں۔ (آمین)



## منظوم خراج عقیدت

## سیدالعلماء سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی

تیرے پائے کا کوئی ہم نے نہ پایا خواجہ  
 تو زمیں والوں پہ اللہ کا سایا خواجہ  
 ہے قلم رو میں ترے ہند کی پوری اقلیم  
 ہند کے سارے ولی تیری رعایا خواجہ  
 مگر شیطان سے مریدوں کو بچا لیتے ہو  
 اس لیے پیر تمہیں اپنا بنایا خواجہ  
 جوشِ مستی میں کئی آئے ہیں ایسے لمحے  
 میں بہک جاتا مگر تم نے بچایا خواجہ  
 بے خودی میں، میں خودی کو ہی خدا کہہ دیتا  
 شکر ہے تم نے مگر یاد دلایا خواجہ  
 میری کشتی ابھی ساحل سے لگی جاتی ہے  
 اک ذرا تم نے اگر ہاتھ لگایا خواجہ  
 بربطِ عشق پہ مضربِ عمل سے تم نے  
 نغمہ توحید کا کیا خوب سنایا خواجہ  
 سید خستہ کو امیدِ حضوری کب تھی  
 صدقے جاؤں ترے کیا خوب بلایا خواجہ

## داغِ دہلوی

یا خواجہ معین الدین چشتی سلطان الہند غریب نواز  
 یا واقف راز خفی و جلی سلطان الہند غریب نواز  
 لائی ہے مجھے امیدِ کرم، اس خاک کی اور اس درکی قسم  
 آیا ہوں پہ حاجتِ طلبی سلطان الہند غریب نواز  
 منہ عیش و طرب نے پھیر لیا، دن رات کے غم نے گھیر لیا  
 سب دور ہوں میرے رنجِ دلی سلطان الہند غریب نواز  
 فریاد تمہیں سے ہے میری، تکلیف سہی کیسی کیسی  
 ہو دادِ طلب کی دادِ رسی سلطان الہند غریب نواز  
 یہ داغ کہاں تک رنجِ سہے، تم سے نہ کہے تو کس سے کہے  
 تم آلِ نبی اولادِ علی سلطان الہند غریب نواز



## بہادر شاہ ظفر

تم ہواے خواجہ معین سرورانِ حق پرست      تم ہو مرزا گاہِ کن اور واقف سرِ آست  
 تم مددگارِ ظفر ہو کیوں ظفر کو ہونگست      پر فلک کی دیکھ گردش کا نپتے پا و دست  
 یا معین الدین چشتی      دستگیری لازم ست  
 راہِ دنیا ہے بلند و پست اور پُر پیچ و خم      جا بجا اس میں گل اندیشہ ہے اور لالہ غم  
 ہر قدم پر خوف سے کرتا ہے سولغزشِ قدم      استقامت کا بہت ہے آپ کا دستِ کرم  
 یا معین الدین چشتی      دستگیری لازم ست  
 گر رہے ہیں کوہ سے سر پر مرے بارگناہ      اور میں عاجز، نحیف و ناتواں مانند گاہ  
 وقتِ تاریکی ہے اور ہر گام پر تاریک چاہ      ظلمت آباد جہاں میں پھرتا ہوں گم کردہ راہ  
 یا معین الدین چشتی      دستگیری لازم ست  
 خاک پر سے جو کہ بل سکتا نہ ہو جوں نقشِ پا      تم اٹھاؤ تو وہیں ہو وہ سنبھل کر اٹھ کھڑا  
 عیسیٰ جاں بخش ہو تم اور خضر رہنما!      درد مندوں کی دوا ہونا تو انوں کے عصا  
 یا معین الدین چشتی      دستگیری لازم ست  
 طواف کرتا ہے تمہارے آستان کا آسماں      کعبہ اہلِ صفا ہو قبلہ گاہِ مقبلاں  
 خواجہ ہر دو جہاں ہو شاہِ شامان جہاں      آپ کا دستِ حمایت چھوڑ کر جاؤں کہاں  
 یا معین الدین چشتی      دستگیری لازم ست  
 وہ تمہارا نورِ باطن ہے کہ خورشیدِ منیر      رو برو ہے اس کے ذرہ بلکہ ذرے سے حقیر  
 تم پر روشن ہے کہ میں اے خواجہ روشن ضمیر      دو جہاں میں جانتا ہوں تم کو اپنا دستگیر  
 یا معین الدین چشتی      دستگیری لازم ست  
 بحرِ غم میں یہ ظفر جوں موج ہو کر بے قرار      مارتا ہے دست و پاتا ہاتھ آ جاوے کنار  
 پر کنارہ دور ہے اور ہے تلاطم بے شمار      چاہتا ہے دستگیری ہے یہ وقتِ اضطراب  
 یا معین الدین چشتی      دستگیری لازم ست

## استاذِ زمن حضرت علامہ حسن رضا خان بریلوی

خواجہ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا      کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا  
 ہے تری ذاتِ عجب بحرِ حقیقت پیارے      کسی تیرا کہ نے پایا نہ کنار تیرا  
 کس قدر جوشِ تیر کے عیاں ہیں آثار      نظر آیا مگر آئینہ کو تلوا تیرا  
 گلشنِ ہند ہے شاداب کیلجے ٹھنڈے      واہ اے ابر کرم زور بر سنا تیرا  
 کیا مہک ہے کہ معطر ہے دماغِ عالم      تنحنہ گلشنِ فردوس ہے روضہ تیرا  
 تجھ میں ہیں تربیتِ خضر کے پیدا آثار      بحر و بر میں ہمیں ملتا ہے سہارا تیرا  
 پھر مجھے اپنا درِ پاک دکھا دے پیارے      آنکھیں پر نور ہوں پھر دیکھ کے جلوہ تیرا  
 ظلِ حقِ غوث پہ ہے غوث کا سایہ تجھ پر      سایہ گستر سرِ خدام پہ سایہ تیرا  
 تجھ کو بغداد سے حاصل ہوئی وہ شانِ رفیع      دنگ رہ جاتے ہیں سب دیکھ کے رتبہ تیرا  
 کیوں نہ بغداد میں جاری ہو تراپشتمہ فیض      بحرِ بغداد ہی کی نہر ہے دریا تیرا  
 جب سے تو نے قدمِ غوث لیا ہے سر پر      اولیا سر پہ قدم لیتے ہیں شاہا تیرا

محی دیں غوث ہیں اور خواجہ معین الدین ہیں  
 اے حسن کیوں نہ ہو محفوظ عقیدہ تیرا

## سید شاہ آل رسول حسنین میاں برکاتی

خواجہ جی دل میں مرے کیا گل کھلایا آپ نے  
سنتِ غوث الوریٰ کو آپ نے زندہ رکھا  
راہِ حق پر ہم غلاموں کو چلایا آپ نے  
خانقاہوں کا چلن کس نے بڑھایا آپ نے  
ان کے باتوں فتح کا پرچم تھمایا آپ نے  
اس لیے بھارت میں ہی ڈیرا لگایا آپ نے  
ڈوبتی کشتی کو ساحل سے لگایا آپ نے  
کلمہ طیب کا تب جادو جگایا آپ نے  
ان کو اپنے خالق سے مسلم بنایا آپ نے  
اس کو اجیر مقدس کہلویا آپ نے  
ایسا چوکھا رنگ وحدت کا جمایا آپ نے

خواجہ جی دل میں مرے کیا گل کھلایا آپ نے  
سنتِ غوث الوریٰ کو آپ نے زندہ رکھا  
راہِ حق پر ہم غلاموں کو چلایا آپ نے  
خانقاہوں کا چلن کس نے بڑھایا آپ نے  
ان کے باتوں فتح کا پرچم تھمایا آپ نے  
اس لیے بھارت میں ہی ڈیرا لگایا آپ نے  
ڈوبتی کشتی کو ساحل سے لگایا آپ نے  
کلمہ طیب کا تب جادو جگایا آپ نے  
ان کو اپنے خالق سے مسلم بنایا آپ نے  
اس کو اجیر مقدس کہلویا آپ نے  
ایسا چوکھا رنگ وحدت کا جمایا آپ نے

فیضِ خواجہ سے چلا ہے آجِ نظمی کا قلم  
مجھ کو کچھ لکھنے کے بھی قابل بنایا آپ نے

## سید محمد اشرف قادری برکاتی

بحرِ ظلمات میں تم ایک جزیرا خواجہ  
بیچِ منجدرہار میں تم میرا کنارہ خواجہ  
میں نے میراث میں پائی ہے غلامی آقا  
تیس پشتوں سے میں نوکر ہوں تمہارا خواجہ  
والیٰ ہند یہاں ہند میں مشکل ہے بہت  
فضلِ ربی سے ہو تم میرا سہارا خواجہ  
نہ کوئی پہلے سے منصوبہ، نہ دعوت کوئی  
تم نے اجیر مجھے خوب بلایا خواجہ  
ہند میں آپ ہیں سوغاتِ رسولِ عربی  
ہر طرف ابرِ کرم آپ کا چھایا خواجہ  
آرزو ہے کہ میں پھر چاند رجب کا دیکھوں  
پھر بلانے کا کروں تم سے تقاضا خواجہ

اشرفِ قادری بے زور ہے، بے زعم نہیں  
غوث کا ہوں تو تمہارا ہوں، تمہارا خواجہ

## سید عابد علی عابد بریلوی

دل میں ولائے خواجہ لب پر صدائے خواجہ  
 خواجہ کو ڈھونڈھتا ہے عابد گدائے خواجہ  
 دل ہے نثار خواجہ، جاں ہے فدائے خواجہ  
 خواجہ ہیں میرے خواجہ، میں ہوں گدائے خواجہ  
 مژدہ ہومیکشوں کو اجمیر کی طرف سے  
 وہ جھوم کر اٹھا ہے ابر سخائے خواجہ  
 افکار دو جہاں سے آزاد ہو گیا ہے  
 جس رند نے پیا ہے جام ولائے خواجہ  
 محشر کی آفتوں سے محفوظ ہو گیا وہ  
 قسمت سے آ گیا جو زیر لوائے خواجہ  
 تاج شہان عالم لے کر میں کیا کروں گا  
 خواجہ کو چاہتا ہوں میں ہوں گدائے خواجہ  
 محشر میں یا الہی اٹھوں میں اس طرح سے  
 سر پر لوائے خواجہ، بر میں ادائے خواجہ  
 دل کے ضم کدے کو رشک حرم بنایا  
 تنویر مصطفیٰ ہے نور و ضیائے خواجہ  
 ذات خدا سے واصل، نور خدا میں شامل  
 حق کی ثنا ہے عابد مدح و ثنائے خواجہ

## بریکل اتساہی بلرام پور

حسینی نور، مہ زرفشاں غریب نواز  
 زمین ہند کے ہیں آسماں غریب نواز  
 بساط چشت کی عظمت، نشاط ہاروتی  
 ہیں تاج والی ہندوستان غریب نواز  
 وہ جس کو چاہ لیس وہ وقت کا ولی ہو جائے  
 نگاہ سرور کون و مکاں غریب نواز  
 ہو کوئی ہندو کہ مسلم کہ سکھ، عیسائی  
 ہر اک نفس پہ بڑے مہرباں غریب نواز  
 ہے ایلکتا کا یہ اجمیر ایک گہوارہ  
 سبھی کی بھرتے ہیں جھولی یہاں غریب نواز  
 میں اُن کی شان میں کیا لکھوں بے بساط ہوں میں  
 کہاں گنوار کی بھاشا کہاں غریب نواز  
 کرم سے اب تو محبت کی روشنی دے دیں  
 ہے نفرتوں کا دلوں میں دھواں غریب نواز  
 پت میں کس سے کہوں پت تمہیں بتاؤ تو  
 نہیں ہے کوئی مرا راز داں غریب نواز  
 تمہارے در پہ پڑا ہے تمہارا بریکل بھی  
 کرم ہواس پہ یہ ہے بے زباں غریب نواز

## اجمل سلطان پوری

میرے سرکارِ خواجہ اجمیر ہر مصیبت ہر ایک مشکل میں  
 میرے مختارِ خواجہ اجمیر ہیں مدد گارِ خواجہ اجمیر  
 غم کا طوفاں ہے اور میری ناؤ میرے دامن میں بھی کوئی موتی  
 اے گھر بارِ خواجہ اجمیر میرے مالک مرے معین الدین  
 میرے آقا، مرے غریب نواز میرے سرکارِ خواجہ اجمیر  
 اپنے سائل کو پاس بلوائیں کاش ہر بارِ خواجہ اجمیر  
 اپنے خادم کو بھی دکھادیتے اپنا دیدارِ خواجہ اجمیر  
 میرے مشکل کشا معین الدین میرے غمخوارِ خواجہ اجمیر  
 قلب میں ہے عقیدت چشتی لب پہ ہر بارِ خواجہ اجمیر  
 جان و سامان میرا، سب تن من تم پہ بلہارِ خواجہ اجمیر  
 اب دکھا دو فقیر کو اپنے اپنا دربارِ خواجہ اجمیر  
 اپنے اجمل پہ بھی نگاہ کرم اے کرم گارِ خواجہ اجمیر

